خاتون

جلد ۵ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عثمان پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع [illegible] علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱ یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت [illegible]
اور ششماہی ۲ ر ہے۔

۲ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں اچھے خیالات پیدا کرنا۔

۳ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے
کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے
جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے
کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے
انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں
لکھے جائیں۔

۶ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے
کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے
تیار کیا جائیگا۔

۷ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڑھ ہونی چاہیئے۔

اڈریس

۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو الٰہ آباد میں وزیانگرم ہال میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس منعقد ہوئی اسکی صدر انجمن ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ تھیں۔ اس جلسہ میں ہر ہائینس موصوفہ نے جو قابلانہ اڈریس دیا اسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اڈیٹر

معزز خواتین! آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کی صدر انجمنی کا اعزاز جو آپ نے مجھکو محض اپنی مہربانی سے بخشا ہے اگرچہ ایک ایسی بات ہے جس پر اس لحاظ سے بہ آسانی نکتہ چینی کی جا سکتی ہو کہ میں ایسی بڑی عظیم الشان مجلس کی صدر انجمنی کا استحقاق ثابت نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ جس صوبہ میں یہ اجلاس ہے مقامی حالات کی بنا پر اسکی صدر انجمنی کے لیے یہیں کی کسی معزز خاتون کا انتخاب زیادہ موزوں ہوتا۔ تاہم مجھکو ان باتوں سے چنداں تعلق نہیں۔ آپ نے مجھکو ایک اعزاز دیا ہے اپنی اولاد کے دینے پر جو اعتراضات ہوں انکے جواب کی ذمہ داری

آپ نے اپنے ذمہ لے لی ہے - میرا سیقہ فرض تھا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتی
اور یہ فرض میں نے ادا کیا - کاش اس فرض کی ادائگی کے واسطے مجکو زیادہ وقت دیا گیا
ہوتا - تقریباً آٹھ یا دس روز ہوئے کہ آپ کی انجمن کی جنرل سکرٹری صاحبہ نے مہربانی فرماکر
مجھے اس جلسہ کی صدارت قبول کرنے کی درخواست فرمائی تھی - میں نے جلسہ کی عظمت و مقاصد
کو خیال کر کے وقت کا عذر بھی کیا تھا مگر وہ قابل سماعت نہ خیال کیا گیا - اس تھوڑے سے
عرصہ میں جو چند باتیں میرے خیال میں آئی ہیں وہ میں آپ کے سامنے بخوشی پیش کرتی ہوں

معزز خواتین چاہو کہ یہ نہایت خوشی کی بات ہی کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا خیال باوجود
بہت سی ناگوار مخالفتوں کے اب ملک میں عام ہو چلا ہی - ہر جگہ عورتوں کی تعلیم کے لیے عام
اور خانگی انتظامات کئے جا رہے ہیں اور بعض جگہ یہ کام بلند پیمانہ پر شروع ہو گیا ہے
تاہم جہانتک مجکو معلوم ہے ابتک کوئی ایسی انجمن جسکا مقصد عورتوں کی تعلیم و ترقی ہو
نہ تھی جس میں ملک کے سب ضروری عنصر یعنی ہندو - مسلمان - عیسائی - پارسی ملکر کام کرتے
اور مجموعی قوت سے اس کام کو انجام دیتے اور یہ ظاہر ہے کہ الگ الگ کوششیں اسقدر مفید
نہیں ہو سکتیں جسقدر تمام ملک اور تمام قوموں کی مجموعی کوشش ہو سکتی ہے - اسلئے یہ
انجمن مبارکباد کی مستحق ہی کہ ایک عام انسٹیٹیوشن کی بنیاد ڈالی جس سے بہت بڑے بڑے
نتیجوں کی امید کیجا سکتی ہی -

اس انجمن کی کامیابی کی پوری امید علاوہ تمام قوموں کی مجموعی کوشش کے اور بھی
چند وجوہ پر مبنی ہی - سب سے بڑی وجہ ہماری وہ درخواست ہی جسکو ہم حضور ملکہ معظمہ کی خدمت میں
پیش کرینگے کہ وہ ازراہ کرم گستری ہماری انجمن کا پیٹرنس ہونا قبول فرمالیں حضور والا اور
مختلف گورنر صاحبان کی لیڈی صاحبان و ہندوستانی مختلف بیگمات - مہارانیاں رانیاں
جب اس انجمن کے مختلف عہدوں پر ممتاز ہونگی تو میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ انجمن کو کامیابی
ہوگی - لیکن ساتھ ہی غالباً میرا یہ جتانا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اس ایسوسی ایشن کے نام میں کچھ

ترمیم کیجائے۔ مجھے اندیشہ ہو کہ موجودہ نام "مستری مہامنڈل" سے بعض فرقہ بھی
خیال نہ کریں کہ یہ ایسوسی ایشن کسی خاص فرقہ کے لئے مخصوص ہو۔ چونکہ اس انجمن نے کل
فرقہ اناث کی بہبودی و ترقی کا بیڑا اوٹھایا ہے اسلئے کوئی نام ایسا ہونا چاہیئے جس سے یہ
موجودہ مغالطہ کا اندیشہ رفع ہو جائے۔

معزز خواتین! خانگی تعلیم حقیقت میں تمام قسم کی تعلیموں کا دیباچہ اور انکا سنگ بنیاد
ہو۔ یہ نہایت سچ کہا گیا ہو کہ بچہ کی تعلیم کا زمانہ اوسوقت سے شروع ہوتا ہو جس دن وہ پیدا
ہوتا ہو۔ بچپن میں نقالی اور تقلید کی قوت نہایت تیز ہوتی ہے۔ بچہ جو کچھ دیکھتا۔ سنتا اور
محسوس کرتا ہو فوراً اسکی تقلید کرتا ہو اور یہی وجہ ہو کہ ہر بچہ صرف دو برس میں ایک مستقل زبان کا
ماہر ہو جاتا ہو۔ اس بنا پر خانگی تعلیم سے یہ مراد ہو کہ بچہ کے کان میں جو آواز پہونچے۔ جو کچھ
وہ دیکھے جو کچھ وہ محسوس کرے سب ایسی باتیں ہوں جن میں کسی قسم کی لغویت اور برائی نہ
پائی جائے۔ خانگی تعلیم کا بڑا ضروری حصہ حفظان صحت ہو۔ جو مائیں حفظ صحت کے اصول سے
واقف نہیں ہوتیں انکے بچے اکثر بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اسلئے ضرور ہو کہ ہر عورت حفظان صحت
کی ضروری کتابیں جو اردو و ہندی انگریزی میں طیار ہو گئی ہیں پیش نظر رکھے اور بچوں کی
غذا۔ لباس وغیرہ میں ان کے موافق عمل کرے میں اس خیال کو پسند کرتی ہوں کہ ہم بھی تعلیم
پھیلانے کا وہی طریقہ اختیار کریں جیسا کہ عیسائی مشن والوں کا ہو۔ یعنی استانیوں کا مختلف
گھروں پر جاکر تعلیم دینا۔ اگرچہ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں بہت مشکلات درپیش ہیں تاہم وہ
ایسی نہیں ہیں جنکی وجہ سے ہم ہمت ہار دیں۔ اس طریقہ کی نسبت کوئی پیشین گوئی نہیں کرسکتا
تجربہ اور وقت خود بخود اسکے مختلف پہلو پر روشنی ڈالیگا۔

معزز خواتین! ایک اور اہم مسئلہ بھی درپیش ہو اور وہ عورتوں کی نصاب تعلیم کا
بہم پہونچانا ہو۔ یہ ایک نہایت مشکل اور وقت طلب مسئلہ ہو۔ عورتوں کی تعلیم اگرچہ جا بجا پھیل
رہی ہو لیکن ابھی تک کوئی عمدہ نصاب تعلیم ان کے لئے طیار نہیں ہوا ہو۔ جو کتابیں عام طور پر

پڑھائی جاتی ہیں وہ نہایت ابتدائی درجہ کی کتابیں ہیں۔ بہت سے بہت دو پانچ چھ برس
کے بچہ کے لئے موزوں ہو سکتی ہیں۔ خصوصاً دس برس سے بیس برس تک کی عمر کے لئے
جس قسم کا نازک۔ لطیف۔ مفید لٹریچر درکار ہے اوسکا ہندوستان میں مطلق وجود نہیں۔
میں اسبات سے ناواقف نہیں ہوں کہ اُردو لٹریچر اب چنداں کم مایہ نہیں ہے۔ فلسفہ کے متعلق
قابل قدر کتابیں اُردو میں طیار ہو گئی ہیں لیکن موجودہ حالت میں وہ بالکل بیکار ہیں۔ عورتوں
کے لئے ایک خاص نصاب تعلیم طیار کرانے کی ضرورت ہے جسکا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے نصاب
کے لئے معقول انعامات کے اشتہار دیئے جائیں اور ملک کے اہل قلم سے درخواست کیجائے کہ
انگریزی۔ اُردو یا ہندی زبان میں اس قسم کا ایک سلسلہ طیار کر دیں۔ پھر وہ ترجمہ کے ذریعہ
سے ہر زبان میں نقل ہو جائیگا۔ میں نے سُنا ہے کہ جرمن زبان میں بہ نسبت اور یورپ کے ممالک
کے عورتوں کا نہایت عمدہ نصاب تعلیم و تربیت کا مرتب ہو گیا ہے۔ اس لئے اُن سے بہت
مدد مل سکتی ہے۔ اس نصاب تعلیم میں یہ لحاظ رکھنا ہو گا کہ کن کن علوم اور فنون کی کتابیں طیار
کیجائیں اور کس طرح اِن کے تدریجی درجہ قرار دیئے جائیں۔

ایک رزولیوشن جو ابھی آپکی نظر سے گذرا وہ غریب عورتوں کی دستکاری کو فروغ
دینے کے متعلق ہے میں اس رزولیوشن کو کسی قدر وسیع معنوں میں استعمال کرنا چاہتی ہوں۔
یعنی اسکا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں بہت سی نازک دستکاریاں جو مذاق کے
بدل جانے سے فنا ہوتی جاتی ہیں انکو زندہ کیا جائے۔ یا زیادہ فروغ دیا جائے۔ حقیقت
میں نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کی نہایت نازک دستکاریاں جن پر ہندوستان
کو فخر ہو سکتا تھا اس بیکسی کے ساتھ فنا ہو جائیں اور ہم انکی کچھ پروا نہ کریں بہت سی ایسی صنعتیں
ہیں جو ہندوستان سے یورپ میں گئیں یورپ نے انکی نقلیں کیں اور اب ہماری یہ جہالت ہے
کہ ہم ان نقلی چیزوں کی اصلی کی بہ نسبت زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اسلئے یہ خیال نہایت عمدہ ہے کہ
اکثر صدر مقامات پر زنانہ دستکاریوں کے ڈپو قایم کئے جائیں۔ اور وہاں کے لوگوں کو ترغیب

ہو کیا جائے کہ وہ عورتوں کو ان دستکاریوں کی طرف مائل کریں۔ اور ایسا بندوبست کیا جائے کہ ان دستکاریوں کی معقول مالی قدردانی کیجائے۔ عمدہ کاموں پر انعامات مقرر کئے جائیں مال کے فروخت کرنے کے لیئے اشتہارات شایع کئے جائیں۔

معزز خواتین! وقت کی تنگی کی وجہ سے افسوس ہو کہ میں حسب دلخواہ تیاری نہ کرسکی جسکی مجھے امید ہو کہ میری معزز خواتین مجھے معاف فرمائیں گی۔

اس عظیم الشان جلسہ کی صدارت کی عزت جو آپ نے مجھے بخشی میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اس انجمن کے مقاصد کے حاصل ہونے میں خداوند کریم پوری کامیابی عطا کرے۔ آمین

جہاز

دخانی جہاز آجکل کی ترقی کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہو۔ اگر اسکو ایک حرکت کرنیوالا عظیم الشان شاہی محل یا شہر رواں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان لوگوں کی بدقسمتی میں کیا شک ہوسکتا ہو جو اپنے زمانہ کی ایک ایسی حیرت انگیز صنعت انسانی اور ایک ایسی قابل قدر نعمت عظمیٰ کو اپنی آنکھوں دیکھنے سے محروم ہوں۔ مگر افسوس ہمارے ملک میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جنکو دخانی جہاز کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہو۔ بلکہ کثیر تعداد تو ایسی ہو جو اپنے ذہن میں بھی جہاز کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ ایسی حالت میں اگر ہمارے ملک کی خواتین کو جو اس بارہ میں مردوں سے بھی زیادہ قابل رحم ہیں اور جن کے بہت بڑے حصہ کو جہاز تو کیا ریل کی بھی خبر نہیں "دخانی جہاز" کی صحیح کیفیت اور حالت سنائی جائے تو خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

جہاز کو کسی ترقی یافتہ مہذب ملک کا ایک چھوٹا سا قصبہ کہنا جس میں تمام ضروریات زندگی بافراط موجود ہوں ہرگز مبالغہ نہیں ہو۔ اس کی گنجایش اور اس کے سازوسامان کی کیفیت ذہن نشین کرنے کی غرض سے مشہور پی اینڈ او کمپنی کے ایک جہاز کا حال سن لینا کافی ہو۔

اس جہاز کا وزن دس ہزار ٹن ہی اور جس انجن کی بدولت یہ جہاز چلتا ہی اسکی قوت چودہ ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہی - اگر ایک گھوڑے کی قوت چار آدمیوں کی قوت کے برابر فرض کیجاسئے تو اس انجن کی طاقت چھپن ہزار آدمیوں کی طاقت کے برابر ہوئی - یعنی اس جہاز کو چلانے کے لیے چھپن ہزار آدمیوں کی ضرورت ہی - مگر دخانی انجن کی مدد سے صرف دو سو بارہ آدمی اسکو چلالیتے ہیں - ان دو سو بارہ آدمیوں میں ایک تو جہاز کا کپتان ہوتا ہی اور آٹھ اس کے مددگار عہدہ دار - تھتر تختہ جہاز کی نگرانی کرنے والے ملاح ہوتے ہیں - پندرہ انجینیر اور ایک سو پندرہ انجن میں کوئلہ ڈالنے اور اسکو اپنے کام میں مصروف رکھنے والے ہوتے ہیں - اس چھوٹی سی ریاست کے صرف اسی قدر ملازمین نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ ڈاکٹر - ڈاکٹر کے مددگار - مسافروں کی خدمت کیلئے ایک سو پینتیس خدمتگار - چھ باورچی - ایک داروغہ مطبخ - قصاب - حجام وغیرہ علحدہ اپنا اپنا فرض ادا کرتے رہتے ہیں - ان کی مجموعی تعداد تین سو ستاون ہی - ان سب ملازمان جہاز کی تنخواہ کا سالانہ خرچ بارہ ہزار پونڈ ہوتا ہی - یعنی ماہوار پندرہ ہزار روپیہ - خود جہاز کی لاگت دو لاکھ اسی ہزار پونڈ ہی جو بیالیس لاکھ روپیوں کے برابر ہی -

صرف چھ ہفتوں کے ایک سفر میں جو لندن سے سڈنی واقع آسٹریلیا تک ہوا اہل جہاز کی خوراک کا خرچ آٹھ ہزار پونڈ یعنی ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ہوتا ہی - اثنائے سفر میں تقریباً ایک ہزار آٹھ سو مسافر جہاز پر چڑھتے ہیں - اس شہر رواں کی روزمرہ خوراک کے لئے جو سامان خرچ ہوتا ہی اس کی مختصر تفصیل یہ ہی :-

آٹا - تین سو پچاس بورے (فی بورہ وزنی دو سو پونڈ)

یعنی ستر ہزار پونڈ یا پینتیس ہزار سیر -

گائے کا گوشت - بتیس ہزار پونڈ -

بکرے کا گوشت - تینتیس ہزار پونڈ -

ہرن کا گوشت۔	ایک ہزار پانسو پونڈ۔
انڈے۔	اٹھتّر ہزار۔
مُرغ۔	تین ہزار چار سو۔
کبوتر۔	ایک ہزار چھ سو۔
تیتر بٹیر وغیرہ۔	دو ہزار چار سو۔
مکھن۔	نو ہزار پونڈ۔
ساگو۔	گیارہ ہزار پونڈ۔
مُربّہ۔	ایک ہزار آٹھ سو پونڈ۔
مٹھائی۔	آٹھ سو پچاس پونڈ۔
سوڈا لمنیڈ۔	بیس ہزار بوتل۔

راستہ میں جہاں جہاں جہاز ٹھیرتا ہی وہاں سے کُل چھ سو پونڈ یا نو ہزار روپیہ کی ترکاری اور گیارہ ہزار ایک سو روپیہ کا میوہ خریدا جاتا ہی۔

صفائی کا اس قدر خیال ملحوظ رکھا جاتا ہی کہ تمام سفر میں حسب ذیل حساب کے مطابق تولیہ وغیرہ خرچ ہوتے ہیں:-

چھوٹا تولیہ (کھانے کا)	ستائیس ہزار۔
تولیہ (مُنہ صاف کرنے کا)	چوبیس ہزار۔
بڑا تولیہ (نہانے کا)	سات ہزار۔
تکیہ کے غلاف۔	آٹھ ہزار پانچ سو۔
بلانکٹ۔	دو ہزار چار سو۔
میز پوش۔	دو ہزار سات سو۔

ان چیزوں کو جہاز میں نہیں دھویا جاتا بلکہ سڈنی میں یا لندن میں دُھلوایا جاتا ہے۔

ڈوبنے کے وقت تک ان کی مجموعی تعداد پینسٹھ ہزار تک پہونچ جاتی ہے۔

ہر روز انجن میں ایک سو پچیس ٹن کوئلہ صرف ہوتا ہے۔ فی ٹن ستر روپیہ کے حساب سے کوئلہ کا کل خرچ روزانہ ایک ہزار تین سو پچیس روپیہ ہوتا ہے۔ روشنی مہیا کرنے کی غرض سے جو کوئلہ جلایا جاتا ہے وہ اس کے سوا ہے۔ ہر رات برقی روشنی کے پانچ سو سے زیادہ فانوس جہاز کو بقعۂ نور بنائے رکھتے ہیں۔

جب جہاز اپنے سفر سے لندن واپس آتا ہے تو اسکو خوب اچھی طرح صاف کیا جاتا ہے اندر اور باہر صفائی کے ساتھ از سر نو رنگ کیا جاتا ہے۔ اس رنگوائی میں صرف دو ہزار پونڈ یا تیس ہزار روپئے خرچ ہوتے ہیں۔ کائی وغیرہ جو جہاز کے اطراف جمی ہوتی ہے اسوقت نکالی جاتی ہے اس کا وزن تقریباً تیس ٹن ہوتا ہے جس کے آٹھ سو چالیس من ہوتے ہیں۔

جہاز کی عموماً پانچ۔ چھ منزلیں ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی منزل میں انجن ہوتا ہے۔ اور یہیں انبار خانہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے اوپر کی منزل میں مسافروں کے لئے کمرے بنے ہوتے ہیں۔ تیسری منزل میں باورچیخانہ۔ ڈاک خانہ اور کھانے کا کمرہ ہوتا ہے۔ بعض جہازوں میں کھانے کا کمرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اس میں پانچ سو سے زیادہ آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ اسی درجہ میں ڈاکٹر۔ انجینیر اور بعض دوسرے عہدہ دار رہتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے مسافروں کے بعض کمرے بھی اس میں ہوتے ہیں۔ چوتھی منزل میں چرٹ نوشی کا کمرہ اور موسیقی کا کمرہ ہوتا ہے اور یہاں بھی چند کمرے اوّل درجہ کے مسافروں کیلئے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر کی منزل میں جہاز کے کپتان کا کمرہ ہوتا ہے اور چند درجۂ اوّل کے کمرے مسافروں کے واسطے ہوتے ہیں۔

جہاز میں مختلف قسم کے تفریحی کھیل کا سامان موجود رہتا ہے۔ لوگ بڑے شوق سے ان کھیلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ باقاعدگی کے ساتھ مشورہ ہوتا ہے اور تفریحی مشاغل کا ایک پروگرام مرتب کیا جاتا ہے۔ پچاس ساٹھ مسافر باہم ملکر ہزار، ڈیڑھ ہزار روپے جمع کر لیتے ہیں

اور اس رقم کے ذریعہ انعامات وغیرہ مقرر کرکے مجوزہ پروگرام (دستور العمل) بڑی سرگرمی سے عمل کرتے ہیں۔ ختم سفر پر کامیاب لوگوں میں انعام تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک معتد بہ حصہ اس رقم میں سے بچا کر یا عموماً مجمع رقم کا دسواں حصہ غریب جہاز والوں کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد میں صرف کیا جاتا ہی۔

عموماً تمام جہازوں میں ایک عمدہ کتب خانہ ضرور رہتا ہی جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہوتی ہیں۔ بعض جہازمیں تو مسافروں سے کتب خانہ کی کوئی علٰحدہ اجرت نہیں لی جاتی۔ بعض میں پورے سفر تک کے لئے کتب خانہ کی فیس دو شلنگ چھ پنس ہوتی ہی جو ایک روپیہ دس آنہ کے برابر ہوتے ہیں۔ وقت واحد میں ایک مسافر دس کتابیں تک کتب خانہ سے لینے کا مجاز ہوتا ہی قلم۔ کاغذ۔ سیاہی وغیرہ ہمیشہ مفت ملتی ہی۔ ڈاک کے ٹکٹ جہاز کے ڈاک خانہ میں ہر وقت فروخت ہوتے ہیں۔

بعض جہازوں میں خود اونکا روزانہ اخبار بھی شایع ہوتا ہی خصوصاً ان جہازوں میں جو انگلستان سے امریکہ جاتے ہیں اس کا انتظام ضرور ہوتا ہی۔ بے تار کی خبر رسانی کا طریقہ جو آجکل مہذب ممالک میں بہت رائج ہو رہا ہی اسی سے ان جہازوں میں مدد لی جاتی ہی۔ دنیا کے مختلف حصّوں سے اسی ذریعہ خبریں بہم پہونچائی جاتی ہیں اور ہر روز علی الصباح تازہ ترین خبروں کا ایک خاصہ اخبار مسافروں کے لئے تیار ہو جاتا ہی۔ ایک پرچہ کی قیمت پانچ سنٹ ہوتی ہی جو ہمارے ہاں کے ڈھائی آنوں کے برابر ہوئی۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

تو چلنے کے وقت تک ان کی مجموعی تعداد پینسٹھ ہزار تک پہونچ جاتی ہی۔

ہر روز انجن میں ایک سو پچیس ٹن کوئلہ صرف ہوتا ہی۔ فی ٹن سترہ روپیہ کے حساب سے کوئلہ کا کل خرچ روزانہ ایک ہزار تین سو پچیس روپیہ ہوتا ہی۔ روشنی مہیا کرنے کی غرض سے جو کوئلہ جلایا جاتا ہی وہ اس کے سوا ہی۔ ہر رات برقی روشنی کے پانچ سو سے زیادہ فانوس جہاز کو بقعہ نور بنائے رکھتے ہیں۔

جب جہاز اپنے سفر سے لندن واپس آتا ہی تو اسکو خوب اچھی طرح صاف کیا جاتا ہی اندر اور باہر صفائی کے ساتھ از سر نو رنگ کیا جاتا ہی۔ اس رنگوائی میں صرف دو ہزار پونڈ یا تیس ہزار روپئے خرچ ہوتے ہیں۔ کائی وغیرہ جو جہاز کے اطراف جمی ہوتی ہی اسوقت نکالی جاتی ہی اس کا وزن تقریباً تیس ٹن ہوتا ہی جس کے آٹھ سو چالیس من ہوتے ہیں۔

جہاز کی عموماً پانچ۔ چھ منزلیں ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی منزل میں انجن ہوتا ہی۔ اور یہیں انبار خانہ بھی ہوتا ہی۔ اس کے اوپر کی منزل میں مسافروں کے لئے کمرے بنے ہوتے ہیں۔ تیسری منزل میں باورچیخانہ۔ ڈاک خانہ اور کھانے کا کمرہ ہوتا ہی۔ بعض جہازوں میں کھانے کا کمرہ اتنا وسیع ہوتا ہی کہ اس میں پانچ سو سے زیادہ آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہی۔ اسی درجہ میں ڈاکٹر۔ انجینیر اور بعض دوسرے عہدہ دار رہتے ہیں۔ اول درجہ کے مسافروں کے بعض کمرے بھی اس میں ہوتے ہیں۔ چوتھی منزل میں چرٹ نوشی کا کمرہ اور موسیقی کا کمرہ ہوتا ہی اور یہاں بھی چند کمرے اول درجہ کے مسافروں کیلئے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر کی منزل میں جہاز کے کپتان کا کمرہ ہوتا ہی اور چند درجۂ اول کے کمرے مسافروں کے واسطے ہوتے ہیں۔

جہاز میں مختلف قسم کے تفریحی کھیل کا سامان موجود رہتا ہی۔ لوگ بڑے شوق سے ان کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں۔ باقاعدگی کے ساتھ مشورہ ہوتا ہی اور تفریحی مشاغل کا ایک پروگرام مرتب کیا جاتا ہی۔ پچاس ساٹھ مسافر باہم ملکر ہزار، ڈیڑھ ہزار روپے جمع کر لیتے ہیں

اور اس رقم کے ذریعہ انعامات وغیرہ مقرر کرکے مجوزہ پروگرام (دستور العمل) پر بڑی سرگرمی سے عمل کرتے ہیں۔ ختم سفر پر کامیاب لوگوں میں انعام تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک معتدبہ حصہ اس رقم میں سے بچاکر یا عمومًا مجمع رقم کا دسواں حصہ غریب جہازوالوں کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد میں صرف کیا جاتا ہی۔

عمومًا تمام جہازوں میں ایک عمدہ کتب خانہ ضرور ہوتا ہی جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہوتی ہیں۔ بعض جہازمیں تو مسافروں سے کتب خانہ کی کوئی علٰحدہ اُجرت نہیں لی جاتی۔ بعض میں پورے سفرتک کے لئے کتب خانہ کی فیس دو شلنگ چھ پینس ہوتی ہی جو ایک روپیہ دس آنہ کے برابر ہوتے ہیں۔ وقت واحد میں ایک مسافر دس کتابیں تک کتب خانہ سے لینے کا مجاز ہوتا ہی قلم۔ کاغذ۔ سیاہی وغیرہ ہمیشہ مفت ملتی ہی۔ ڈاک کے ٹکٹ جہاز کے ڈاک خانہ میں ہر وقت فروخت ہوتے ہیں۔

بعض جہازوں میں [illegible] روزانہ اخبار بھی شایع ہوتا ہی خصوصًا ان جہازوں میں جو انگلستان سے امریکہ جاتے ہیں اس کا انتظام ضرور ہوتا ہی۔ بے تار کی خبررسانی کا طریقہ جو آجکل مہذب ممالک میں بہت رائج ہو رہا ہی اسی سے ان جہازوں میں مدد لی جاتی ہی۔ دنیا کے مختلف حصوں سے اسی ذریعہ خبریں بہم پہونچائی جاتی ہیں اور ہر روز علی الصباح تازہ ترین خبروں کا ایک خاصہ اخبار مسافروں کے لئے تیار ہوجاتا ہی۔ ایک پرچہ کی قیمت پانچ سنٹ ہوتی ہی جو ہمارے ہاں کے ڈھائی آنوں کے برابر ہوئی۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

جاپان

چوتھا باب

جاپان کے لڑکے

جاپانی لڑکا اپنے خاندان اور گھربار کا بادشاہ ہوتا ہی۔ جاپان نے عورتوں کو جو درجہ دے رکھا ہی اوسکے لحاظ سے تو وہ بالکل ایک مشرقی شہر ہی۔ جاپانی لڑکا جوان آدمی بنکر اپنی بہن اور اپنی بیوی پر فرمانروایانہ حکومت واقتدار رکھتا ہی۔ یہ سچ ہی کہ جاپان میں اب اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے ان معاملات میں وسیع نظر سے کام لینا شروع کیا ہی۔ متمول خاندانوں کی عورتیں بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ مغربی لباس پہنتی ہیں اور مغربی آداب و مراسم کی تقلید کرتی ہیں۔ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھتی ہیں۔ کمرہ یا گاڑی میں اپنے شوہر سے آگے داخل ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہی جیسا انگریز اپنی عورتوں سے کرتے ہیں لیکن درمیانی اور نیچے درجہ کے لوگوں میں قدیم باتیں ابھی تک باقی ہیں اور اُن ہی پُرانی رسموں کا رواج ہی۔ اس طبقہ میں عورت محض ایک خادمہ ہوتی ہی۔ یہ کہا جاتا ہی کہ بڑے بڑے خاندانوں میں بھی رنج کے طور پر بعض پُرانی رسمیں برتی جاتی ہیں۔ وہ معزز خاتون جو مغربی لباس میں بالکل اپنی مغربی بہنوں کی طرح رہتی ہی جب گھر پر "کی مونو" اور "اوبی" پہنتی ہی تو پھر اپنی دادی کی طرح اپنے خاوند کی خدمت بجالانے لگتی ہی۔

جاپان میں اولاد نرینہ کی منزلت بعض وہاں کے مذہبی رسوم کی بنا پر قایم ہی ان مراسم میں سب سے زیادہ اسلاف پرستی کا درجہ ہی۔ ہر خاندان کے مورث اس گھرانے کے دیوتا مانے جاتے ہیں اور صرف مردوں ہی کو یہ عزت حاصل ہوتی ہی۔ عورتوں کو نہ تو خاندانی دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہی اور نہ ان پر کوئی نذر و نیاز چڑھائی جاتی

ملک املاک اور جائداد وغیرہ بھی اولاد نرینہ ہی کو ملتی ہے۔ عورتیں وارث نہیں ہوتیں اسلئے ہر جاپانی باپ کو لڑکے کی بڑی تمنا ہوتی ہے تاکہ اس کے بزرگوں کی پرستش کا سلسلہ جاری رکھ سکے اور اس کی جائداد کا مالک بن سکے۔

اسی وجہ سے جاپان میں لڑکے کی پیدائش پر خاندان بھر میں خوشی منائی جاتی ہے اس سے ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ لڑکیوں سے برا سلوک کیا جاتا ہے یا جیسا کہ بعض اوقات چین میں ہوتا ہے لڑکیوں کو مار ڈالا جاتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہوتا۔ لڑکیاں بھی اوسی طرح محبت و الفت کے ساتھ بڑے ہی پیار اور رچاؤ سے پرورش پاتی ہیں جیسے ان کے بھائی۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ وہ خاندان کی اتنی سربرآوردہ رکن نہیں خیال کی جاتیں۔

تین سال کی عمر میں جاپانی لڑکے دیوتاؤں کا شکر بجالانے کے لئے مندر لیجائے جاتے ہیں۔ پھر پانچ برس کی عمر میں ان کو دوبارہ اسی غرض سے مندر کو جانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اسوقت انہیں "ہاکامہ" پہنا دیا جاتا ہے جو مردوں کا لباس ہے۔ لہذا اسوقت سے ہر لڑکا اپنے کو پورا مرد خیال کرنے لگتا ہے۔ جاپان میں اس عمر سے لڑکوں کو اگر وہ خوش حال ہیں تو ابتدائی تعلیم کی تکمیل میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ ابتدائی مدارس میں ان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور بڑے مدارس میں تعلیم پانے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ مگر غریب غیر مستطیع جاپانیوں کے لڑکے اکثر اس وقت سے روزی کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور کاروبار کرنے لگتے ہیں۔

اجنبی سیاحوں کے لئے ان کمسن ہونہار بچوں کی عجیب و غریب صناعیاں بڑی حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ جاپان میں چھوٹے چھوٹے بچے کتابوں کی جلد باندھتے ہیں۔ کاغذ کی قندیلیں تیار کرتے ہیں۔ رنگ و روغن چڑھاتے ہیں چینی کی پیالیاں بناتے ہیں۔ گھاس کی اس قسم کی رسیاں بٹتے ہیں جو سال کے پہلے ہفتہ میں بھوت پریت کو دفع کرنے کی غرض سے گھروں کے سامنے لٹکائی جاتی ہیں۔ چٹائیاں بُنتے ہیں۔ غرض ایسے سیکڑوں پیشے کرتے ہیں۔ ان خوردسال بچوں کی ابتدائی مشق بھی نہایت دلچسپ ہوتی ہے جو دنداں سازی کا فن سیکھنا

چاہتے ہوں - جاپان میں دندان ساز دکھنے والے تکلیف دہ دانت کو اپنی دو انگلیوں سے
نکال لیتے ہیں شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے ذریعہ ایسی آسانی اور صفائی سے دانت
اکھاڑ دیا جاتا ہے جیسا کسی آلہ یا اوزار کے ساتھ - اس فن کے مبتدی اپنے پیشہ کو اس طرح
سیکھنا شروع کرتے ہیں کہ پہلے تختوں میں گڑی ہوئی میخیں اکھاڑنے کی مشق کرتے ہیں - اول اول
نرم کیلوں سے کام لیتے ہیں - پھر رفتہ رفتہ اس میں ضروری رد و بدل کرتے جاتے ہیں یہانتک
کہ صرف اپنی دو انگلیوں کی مدد سے لکڑی میں پوری دھنسی ہوئی میخ نکال لینے کی خاصی مشق
ہو جاتی ہے -

خوش قسمتی سے ان کو اکثر تعطیلات بھی ملتی رہتی ہیں - جاپان میں بہت سی ایسی عیدیں
ہوتی ہیں جن میں کاروبار سے چھٹی ملتی ہے اور بچے اپنے والدین کے ہمراہ کسی مشہور باغ یا مندر
میں ہنسی خوشی ایک آدھ دن گذارتے ہیں - خاص لڑکوں کی ایک بہت بڑی عید بھی ہے جسے
"**جھنڈیوں کی عید**" کہا جاتا ہے - سال کے پانچویں مہینے کے پانچویں روز یہ عید آتی ہے -
ہم دوسرے مقام پر اس عید کا ذکر کریں گے -

ہر جاپانی لڑکے کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ اس کے ذمہ اس کے والدین اور اس کے
شہنشاہ کے بہت بڑے مہتم بالشان فرائض ہیں - جاپانیوں کی نگاہ میں یہ فرائض سب سے
بڑھکر ہیں - کوئی جاپانی چاہے دوسرے تمام ضروری فریضے بھلا ڈالے لیکن ان فرائض سے
وہ کبھی غافل نہیں ہو سکتا - صغر سنی ہی سے اس قسم کی کہانیوں اور قصوں کو لڑکوں کے ذہن
نشین کر دیا جاتا ہے جنمیں لڑکوں سے عجیب عجیب غیر معمولی حرکتیں سرزد کرائی جاتی ہیں اور والدین
کی خدمتگذاری میں انکو انتہا سے زیادہ مصائب و دشواریوں کا شکار بنتا ظاہر کیا جاتا ہے - خلاف
قیاس واقعات ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کیسے کیسے سخت عذابوں میں ان کا مبتلا
ہونا بیان کیا جاتا ہے - ایک بڑی مشہور قدیم کتاب ہے جس کا نام ہے "**فرزندانہ صفات
کی چوبیس نظیریں**" - اس میں نیک سرشت لڑکوں کے کارنامے درج ہیں جو فرزندانہ

اطاعت و محبت کی بے نظیر مثالیں ہیں۔ یہ کتاب جاپان میں بیحد مقبول اور ہر دلعزیز ہی۔
پروفیسر چیمبرلین نے جو جاپانی معاملات میں نہایت مستند مانے جاتے ہیں ان مثالوں میں سے بعض کو نقل کیا ہی جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ قصے ہمارے لئے کس قدر مضحک انگیز ہیں۔ پروفیسر موصوف کا بیان ہی کہ :۔
ایک نقل میں یوں ہی کہ ایک لڑکے کی سوتیلی ماں بڑی بے رحم اور سنگدل تھی اس عورت کو مچھلی کا بڑا شوق تھا۔ نیک لڑکا کبھی اس ظالم عورت کی بدسلوکی کا شاکی نہیں پایا گیا۔ ایک دفعہ اس سوتیلی ماں کی خاطر ایک تالاب کے سطح آب پر جو برف کی صورت میں منجمد ہوگیا تھا بالکل برہنہ ہوکر لیٹ گیا۔ اسکے جسم کی گرمی سے برف پگھلی اور منجمد سطح میں ایک سوراخ پڑگیا سانس لینے کی غرض سے دو مچھلیوں نے اس میں سے اپنا سر باہر نکالا۔ لڑکے نے فوراً انہیں پکڑ لیا اور ماں کے سامنے لا رکھا۔
دوسری حکایت اس قسم کی ہی کہ ایک لڑکا جو بہت کمسن اور نازک بدن تھا بلا کسی چادر یا رضائی کے ننگے بدن راتوں کو سونے پر باصرار اڑا رہا تاکہ تمام مچھر اسی کو چمٹ جائیں اور اس کے والدین بہ آرام سو سکیں۔
ایک تیسرا واقعہ اس طرح ہی کہ ایک شخص بہت مفلس اور قلاش تھا۔ اس نے اپنی عمر رسیدہ ضعیف ماں کو پیٹ بھر کر روٹی کھلا سکنے کی کوشش میں اپنے عزیز بچہ کو زندہ دفن کرنے کی نیت کر لی۔ لیکن جب وہ اس غرض سے گڑھا کھودنے میں مشغول تھا خدائے تعالی نے سونے سے لبالب بھرا ہوا ایک برتن اسکو عطا فرمایا۔ خدا کی اس رحمت اور انعام کی بدولت پورا خاندان مالامال ہوگیا اور پھر نہایت راحت وچین سے زندگی بسر ہونے لگی۔
سب سے زیادہ عجیب اور مضحکہ خیز کہانی "رو را ئشی" کی ہی۔ اس شخص کی عمر ستر برس کی تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ شیرخوار بچوں کا لباس پہنا کرتا تھا اور بچوں کی طرح زمین پر رینگتا اور ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس سے "رو را ئشی" کی غرض یہ تھی کہ اس کے والدین جن کی عمر

نوے سال سے بھی اوپر بھی اپنے لڑکے کی ان طفلانہ حرکتوں کو دیکھکر اپنی پیرانہ سالی کا خیال نہ کریں اور اپنی زندگی سے مایوس نہ ہوں۔

ہر جاپانی کو اپنے ان فرائض کا بہت بڑا پاس ہوتا ہی جو شہنشاہ کے اسکے ذمہ ہیں ان فرایض کی بے انتہا وقعت ہوتی اور ان کی سختی کے ساتھ پابندی کیجاتی ہی۔ کیونکہ ملک اور وطن کے فرایض بھی انہیں میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ ہر جاپانی کا خیال یہ ہوتا ہی کہ اس کی جان اس کے ملک کی ملکیت اور اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہی۔ جاپان کے باشندے اپنی عزیز جانوں کو اپنے وطن کی حمایت میں قربان کرنے کے لئے صرف ہمہ تن آمادہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اسکو اپنے لئے باعث فخر اور موجب ناز خیال کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں روس کے ساتھ جنگ کرنے میں ان کے اس خیال کی پوری پوری تصدیق ہو چکی ہی۔ اسی زمانہ میں ایک رجمنٹ کو ضرورتاً ایسے وقت جبکہ ہلاکت یقینی تھی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم ہوا۔ کسی نے چون و چرا تک نہ کی۔ متابعت میں کسی کو پس و پیش نہ ہوا اور کوئی متنفس اپنے خواب میں بھی سرتابی کا خیال ایک لحظہ بھر کے لئے نہ کر سکا۔ حکم کے ساتھ سپاہیوں کی قطار آگے بڑھی اور پوری رجمنٹ اسی جگہ کھیت رہی۔ ان جوانمردوں نے بطیب خاطر موت کے منہ میں گھس پڑنا منظور کیا اور عجب مستعدی کے ساتھ جان دی۔ یہ محض نتیجہ تھا اس تعلیم کا جو جاپان میں ہر لڑکے کو دی جاتی ہی کہ اس کی زندگی میں سب سے زیادہ عظیم الشان اور جلیل القدر واقعہ اسکے شہنشاہ اور اسکے ملک کے لئے جان دینا ہی۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

پروفیسر پٹرسن کے تجربات

(پروفیسر پٹرسن لندن کے رہنے والے اور مصریات۔ یعنی مصر کی قدیم اشیاء کا علم جنمیں مومیاں کتبے وغیرہ شامل ہیں۔ مصریات کے عالم ہیں۔ آپ کے ایک جرمن دوست

پروفیسر ہانس من مصر قدیم کی تحقیق و تلاش میں مصر گئے ہیں۔ اور وہاں فراعنۂ مصر کے جو نامی گرامی حکما تھے اُن کے مقبروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں۔ ان مقبروں سے بعض عجیب و غریب نسخے کندہ کئے ہوئے ملتے ہیں۔ اور بعض حیرت انگیز دواؤں کے مرتبان دستیاب ہوتے ہیں۔ ان کو پروفیسر ہانس من وقتاً فوقتاً پٹرسن صاحب کیواسطے بھیج دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں مصر کی قدیم زبان اچھی طرح نہیں آتی۔ پروفیسر پٹرسن یہاں کتبات کو پڑھتے ہیں اور دواؤں کے تجربے کرتے ہیں۔ انہیں تجربوں میں سے ایک دوا کے اتفاقی تجربے کا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے یہ حال ہمکو بلاواسطہ پروفیسر پٹرسن کے ہمراز نوکر کی زبانی معلوم ہوا)

پروفیسر اپنی بیوی سے باتوں میں مشغول تھے۔

پروفیسر۔ "فضول کیوں تم بولی چلی جاتی ہو۔ نہ معلوم عورتوں کی زبان اسقدر کیوں چلتی ہے۔ بھلا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمہارا مٹاپا بڑھتا جاتا ہے"۔

مسز پٹرسن "پانچ چھ دفعہ تو درزن ٹوک چکی ہے۔ اور خود مجھکو بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔ مگر تمہیں کیا۔ اُن اللہ ماری دواؤں کے آگے تمہیں میرا ذرا خیال نہیں۔ اندھا جانتا ہے۔ تھوڑے ہی دن میں بھینس کی بھینس ہو جاؤنگی اور سب لوگ مجھپہ ہنسا کریں گے بیوی جی کے برابر تو ڈیل دو تین مہینے میں ہی ہوجائیگا۔ وہ تو لمبے قد کی آدمی ہیں مٹاپا اُن پر زیب بھی دیتا ہے۔ میرا تو نامراد قد بھی چھوٹا ہے۔ اسپہ جو چڑھیگا مٹاپا.........

خدا کی قسم میں کہیں منہ دکھانیکے قابل نہیں رہونگی۔ جہاں کسی محفل میں جاؤنگی ساتھ والیاں چھیڑینگی کہ وہ ہتنی آئی وہ آئی ہتنی.........." اور یہ کہتے کہتے مسز پٹرسن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

پروفیسر بھی بیوی کا یہ حال دیکھکر گھبرایا۔ خصوصاً اپنی ساس کے ڈیل ڈول کا تصور کرکے تھرا گیا۔ کیونکہ وہ لمبے قد کی لحیم شحیم ہونے کے علاوہ صورت میں بھی بہت ڈراؤنی تھیں

جملے بیوی سے مراد ماں ہے۔

اور پروفیسر کی اُن سے جان نکلتی تھی۔

پروفیسر۔ "توبہ۔ توبہ۔ خدا نکرے جو تم ان جیسی موٹی ہو جاؤ"۔

مسز پٹرسن "کیوں۔ ہماری بیوی تو اس ضعیفی میں بھی ایسی اچھی معلوم ہوتی ہیں کہ میں کیا کہوں۔ تم تو صرف مجھے دق کرنے کے لئے اُن کے مٹاپے کو نام دھرتے ہو۔ اور اسمیں تم کو مزا آتا ہے ورنہ ——— اسے دیکھو للّن تم تو باہر جاؤ جاؤ گڑیاں کھیلو"۔ للّن پروفیسر کی لڑکی کا نام تھا۔ اسکو جو مسز پٹرسن نے سامنے سے ٹالا تو میں (میں سے مراد وہی بھرا نہ محرر ہیں جنہوں نے یہ قصہ ہمارے آگے نقل کیا) میں سمجھا کہ اب بچارے پروفیسر پر ضرور آفت آئیگی پارے خیر ہوئی کہ اسی وقت ماما نے پروفیسر ہانس من کا ایک پارسل لاکے دیا۔ اور مسز پٹرسن اپنے غصے کو گھونٹ پیکے چپکی رہ گئیں۔ پروفیسر غٹ غٹ کرکے چاء کا پیالہ چڑھا گیا۔ پھر جلدی سے اُٹھکے سیدھا اپنے تجربہ گاہ کیطرف چلدیا۔

اتفاقاً مجھے اس روز شہر کے باہر جانا تھا۔ میں نے دو ہفتے کی رخصت پروفیسر سے لی تھی۔ لیکن گاڑی کے جانے میں گھنٹہ بھر تھا۔ اور مجھے بھی اس نئی پارسل کھُلنے کا اشتیاق پروفیسر سے کم نہ تھا۔ اسلئے میں بھی اُن کے ہمراہ تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

پارسل میں صرف ایک مرتبان ایک ٹوٹی ہوئی لوح چھوٹا ہلین کی وضع کا زیور جیسے ہندوستان میں دھگڑ کی عورتیں پہنتی ہیں۔ ایسا۔ اور پروفیسر ہانس من کا ایک مختصر خط تھا جسمیں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ اگرچہ یہ مقبرہ شاہان مصر کے سب نامی حکیم کا ہو لیکن قدامت کیوجہ سے ایسی ابتر حالت میں ہے کہ مرسلہ اشیاء کے سوا کوئی چیز اس میں سلامت نہیں رہی۔ مرتبان کو میں نے

کھول کر دیکھا۔ اس میں بھی ایسا سفوف ہی۔ مگر مرتبان پر جو کتبہ ہو اوسے اور
لوح اور بیلن کے کتبوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ اب تم یہ عبارتیں پڑھو اور معنی نکالو
والسلام۔ تمہارا اخلاص مند دوست
ہانس بن اذخیفہ۔ مصر

پروفیسر۔ (مجھسے مخاطب ہوکر) ابراہیم۔ یہ مختصر کتبے پڑھنا چند منٹ کا کام ہی۔ لو آؤ ذرا بیٹھکر جو میں بتاتا جاؤں وہ لکھتے تو جاؤ ــــــــ ریل کے جانیمیں تو ابھی دیر ہی۔"

میں قلم دوات لیکے میز پر بیٹھ گیا۔ اور پروفیسر نے مرتبان کی عبارت پڑھ پڑھکر اسکا ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ وہ صرف چند سطریں تھیں۔ جنہیں میں نیچے نقل کرتا ہوں :۔

سفوف کو گیارہ ...... پانی میں حل کرو۔ اور نہار مُنہ صبح اوٹھکر استعمال کرو۔ استعمال کے بعد بارہ گھنٹے تک دھوپ میں نکلنا نہیں چاہیئے۔ اگر شکل (یہ اچھی طرح سمجھ میں نہ آیا کہ شکل سے آدمی کی شکل مراد ہی یا کسی بیجان شے کی) کی جسامت بالکل یکایک گھٹ جائے۔ تو سفوف نمبر ۲ کا استعمال کرو۔ جو پہلے کا مصلح ہی"۔

پروفیسر۔ "یہ تو کوئی عمل فوٹوگرافی کا نسخہ معلوم ہوتا ہی۔ میرا پہلے سے خیال ہی کہ یہ قدیم مصری اس فن سے واقفیت رکھتے تھے۔ خدا کرے کوئی اچھا سا ثبوت میرے ہاتھ لگ جائے اور میں اس بات کو ثابت کرسکوں ــــــ اچھا صاحب اب دیکھیں یہ بیلن کا کتبہ کیا کہتا ہی" لیکن بیلن کی طویل اور ضخیم عبارت نے پروفیسر کا قیاس قطعی بدل دیا۔ اوسپر یہ کتبہ تھا ــــــ "تبولا طبیۃ فوراں کے سے سخت اور جان فرسا دکھ کو ننا ہی۔ یہ قدیم و اخلاص کا نمونہ ذکی الفیالی"

اور نہ وہ بٹہ ہی ہوجانے کا ہیچ ہی کیونکہ جدید ادویات ضعیفی کی تمام بدنما
علامتوں کو مٹا دینے کے لئے کافی سے زیادہ موجود ہیں —— بلکہ وہ
ڈکھ وہ بیماری مٹاپے کا خیال ہی! یہ فکر کہ ہماری موجودہ کامنی سی صورت
بدل جائیگی - ہلکا پھلکا جسم بھدا اور بدہیئت ہوجائیگا - شوہر محبت کم کردیگا
بچے مٹاپا دیکھکر گھبرانے لگیں گے - اور لوگ کہا کرینگے کہ دیکھو وہ موٹی پھپھس خانم
آئیں - ایسا فکر ہی جو عورتوں کی زندگی کا اور زندگی کی خوشیوں کا خون
کردیتا ہی - لیکن خواتین مصر! گھبراؤ نہیں اس آزاردہ روگ کا علاج دریافت
ہوگیا ہی - اور ہماری نوایجاد دوا "گھمید وز" اس کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی
ہی - ایک ہفتہ کے استعمال میں تمام بدنما مٹاپا جاتا رہتا ہے اور آدمی
گھٹ گھٹا کے نہایت خوبصورت نکل آتا ہی - مجلس حکما نے اس دوا کا امتحان
کیا اور متفقہ طور پر شافی اور بے ضرر بتایا - خدا نے چاہا تو اب ہماری قوم
اس تکلیف رساں مرض سے قطعی نجات پا جائیگی - اور مصر بھر میں کوئی بیڈول
بے ڈھنگی یا موٹی پھپھس عورت نہ نظر پڑیگی"۔

اس عجیب کتبے کو لکھوا کر پروفیسر نے کچھ نہیں کہا - اور خاموشی سے ٹوٹی ہوئی
لوح اٹھا کر اسکی عبارت لکھوانی شروع کی -

یہ عبارت نہایت مشکل نکلی - لفظ کے لفظ مٹے ہوئے تھے - اور لوح جو بیچ میں سے
ٹوٹ گئی تھی تو کئی سطریں آدھی رہ گئی تھیں - پروفیسر نے مجھ سے کہا کہ سطروں پر
نمبر ڈالتے جاؤ - ترجمہ کراتے میں بار بار پروفیسر کو لغت دیکھنے کی ضرورت
ہوتی تھی اور وہ بہت اٹک اٹک کے وقتوں کے بعد یہ سطریں لکھوا سکا -

(۱) تمام فربہ اور قوی الجثہ امیر زادیاں مایوس........

(۲) اسکے بعد دوسری ترکی کا امتحان........

(۳) کچھ عرصہ بڑی جانفشانی اور سخت محنت ......

(۴) ...... کس طرح گھٹایا جاسکے کہ موزونیت ......

(۵) اُن مرکبات سے .... الف کا مصلح ب کو بنایا ہوگا کہ کوئی شبہ اور امکان ہی ...

(۶) بوریہ خاصیت غیر ہو کر ایک ہفتے میں ....

(۷) گویا اپنی جسامت کو مزاج کے موافق گھٹانا بڑھانا ہمارے قبضے کی بات ہو۔

(۸) .... میں تبدیلی نہایت یقینی اور بعض اوقات تعجب خیز سرعت کے ساتھ ....

(۹) بارہ گھنٹے کے اندر ہی اندر ...... ہفتہ نہ گزرنے پایا ....

(۱۰) .... بے ضرر ہونے کے۔ دوا کا اثر نہایت مستقل بھی ہو۔

(۱۱) جب تک مریض زندہ رہتا ہو۔ تبدیلی قایم رہتی ہو۔ بشرطیکہ ہدایات مندرجہ پر پوری احتیاط کے ساتھ عمل کیا جائے۔

سلسلۂ تحریر یہیں تک پہنچا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور مسز پٹرسن نے داخل ہو کے کہا کہ ابراہیم ریل کا وقت آگیا۔ گاڑی تمہارے لئے منگائی گئی ہے۔ اور دروازے پر کھڑی ہے۔

پروفیسر۔ (بے صبری سے) "مسز پٹرسن۔ ہم اسوقت بہت ہی ضروری کام کر رہے ہیں بس چند منٹ کا لکھنا اور باقی رہ گیا ہو ———

مسز پٹرسن "نیکن پال (پروفیسر کا مسیحی نام) مسٹر ابراہیم کے ہاتھ سے گاڑی نکل جائیگی اور انکا بہت حرج ہو جائیگا ——— لاؤ ٹن کے بجائے آج میں تمہارا کام کروں"۔

مسز پٹرسن اگرچہ اسوقت بالکل خوش اور اپنے شوہر کی طرف سے صاف معلوم ہوتی تھیں۔ مگر اونکا یہ کہنا کہ لاؤ آج میں تمہارا کام کروں ایسا غیر متوقع تھا کہ مجھے اسکا پورا یقین نہ آیا اور پروفیسر کو بھی کچھ کم تعجب نہیں ہوا

کیونکہ مسز پٹرسن ہمیشہ اپنے شوہر کے علمی تجربات کو واہیات خرافات سمجھتی تھیں - اور بھول کر بھی انہیں دلچسپی نہ لیتی تھیں -

لیکن اسوقت معلوم نہیں اُن کے دل میں کیا آئی کہ فوراً پروفیسر کے سامنے میز پر بیٹھ ہی تو گئیں - اور قبل اسکے کہ میں کمرے سے جاؤں پروفیسر انکو ترجمہ لکھانے میں مشغول تھا ۔

نکلتے ہوئے کمرے کے کواڑ برابر کرتے وقت جب میں نے میاں بیوی کو اس طرح ہنسی خوشی کام کرتے دیکھا تو میں خوش ہوا کہ مسز پٹرسن کا صبح کا غصہ اتر گیا اور شکر ہے کہ اب وہ اپنے میاں کا ہاتھ بٹا لیا کریگی ——

مجھے اسوقت یہ گمان بھی نہ ہوا تھا کہ اسکا نتیجہ گھر بھر کو پریشانی اور تشویش میں ڈال دیگا -

---

لندن سے جانے کے بعد پانچویں صبح کو مسز مارول پروفیسر کی خوشدامن صاحبہ کا یہ خط مجھکو ملا :-

ارکانا منزل - کیننگ بازار لندن

۲۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

مائی ڈیر مسٹر ابراہیم - خدا کے لئے تم فوراً لندن لوٹ آؤ - میں اسوقت بڑی سخت تشویش میں مبتلا ہوں - پروفیسر پٹرسن اپنے گھر سے غائب ہے - غالباً اوس نے جو میری بچی مائی ڈوا کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا - اس کے افشا ہو جانے کے ڈر سے وہ روپوش ہو گیا ہو -

میں آج شام کو پروفیسر کے گھر پہنچی - اپنے آنے کی بذریعہ تار میں نے اطلاع دیدی تھی مگر خلاف توقع نہ مجھکو پروفیسر ملا - اور نہ مائی ڈوا - ایک رقعہ میز پر میرے نام کا پڑا تھا -

جس میں پروفیسر نے لکھا تھا کہ ہم دونوں قصبہ سٹڈن ہم آب وہوا بدلنے جاتے ہیں۔
میں چپ ہو گئی۔ لیکن ماما سے جو باتیں میں نے کیں اون سے میرے دل میں شبہ پیدا ہو گیا۔
اوس نے بیان کیا کہ مسز پٹرسن کئی دن سے غائب ہیں۔ پچھلے دن پروفیسر نے کہا تھا
کہ وہ بیمار ہیں۔ اور اس دن وہ آپ ہی سونے کے کمرے میں ناشتہ اور کھانا لیگئے
پھر دوسری صبح کو انہوں نے ڈاکٹر کو بلوایا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ ہی منع کر دیا
اور تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ انہوں نے نوکروں سے کہا کہ مسز پٹرسن اپنی کسی
ہجولی سے ملنے باہر گئی ہیں۔ سب نوکر اس بات پر حیران ہوئے کیونکہ مائی ڈا
جاتی تو آخر ملاقات کا لباس تو پہنتی۔ اور جاتی دکھائی تو دیتی۔ خیر۔ اس کے بعد
پروفیسر اپنی تجربہ گاہ میں گھس گئے۔ اور اندر سے کھٹکے چڑھالئے۔ ماما کہتی تھی میں نے
درزوں میں سے جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ ایک گڑیا سے بچوں کی طرح کھیل رہا تھا
اور دوسری صبح سے بے کچھ کہے سنے نہیں معلوم کہاں چلدیا۔

یہ باتیں سنکر میں بہت حیران ہوئی۔ میں نے سٹڈن ہم تار دیا وہاں سے
جواب یہ آیا کہ یہاں پروفیسر یا مائی ڈا کوئی نہیں آیا۔ پھر تو میں بہت گھبرائی سارا
گھر کونا کونا ڈھونڈ ڈالا۔ مائی ڈا کی جتنی میل ملاپ وار عورتیں ہیں سب جگہ دکھوالیا
کچھ پتہ نہ لگا۔ آخر میں نے پولیس میں اطلاع دینے کا ارادہ کر لیا۔ اسی وقت رات کے
دس بجے ہوں گے میں کھانے کے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی (بھوک تو ایسی پریشانی
میں کیا خاک لگتی مگر میں نے کہا بالکل بے کھائے پئے رہنا بھی اچھا نہیں) کہ تجربہ گاہ سے
مائی ڈا کی چیخیں مجھکو سنائی دیں۔ میں بدحواس بھاگی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ آوازیں وہ
پرانا کاٹھ کا جو صندوق ہے اسمیں سے آرہی تھیں۔ اسکا قفل فوراً تڑوادیا تو اندر میری
بچی ننگی چم بیہوش پڑی ملی۔

ڈاکٹر کلفٹن کو بلوالیا گیا تھا۔ وہ ابتک حیران ہیں کہ کیا مرض تجویز کریں۔ بظاہر

یہ ایک غم کی غشی کا دورہ تھا۔ مگر میں کہتی ہوں کہ پروفیسر نے اپنی نامراد دوا اوں تجربہ کیا۔ اور اس میں کوئی زہریلی دوا میری بچی کو کھلا دی کہ وہ مرتے مرتے بچی۔ میں اوس بدنصیب سے ہمیشہ کہتی تھی کہ ان بے رحم پروفیسروں سے شادی کرنے کا نتیجہ خراب ہی۔ سو وہی ہوا۔ اب میں پولیس کو اس معاملے کی رپٹ دینے والی ہوں۔ لیکن تم آجاؤ تو مشورہ سے کے کام کیا جائے۔ کیونکہ تم پروفیسر کی عادتوں سے اور مزاج سے خوب واقف ہو۔ مہربانی سے جس قدر جلد ممکن ہو آجاؤ۔ میں تمہاری بہت منتظر ہوں۔ والسلام راقمہ ڈی آنا مارول"۔

اس خط کو دیکھتے ہی میں لندن روانہ ہو گیا۔ ۲ بجے میں ارکانا منزل پہنچا۔ مسز مارول غیض و غضب کی تصویر۔ غصے میں بھری بیٹھی تھیں۔ مجھ سے ملتے ہی انہوں نے پروفیسر کی نہرار ہا شنائیں۔ لیکن جو کچھ خط میں لکھ چکی تھیں۔ اس کے دُہرانے کے سوا کوئی بھی نئی بات انہوں نے نہیں فرمائی۔ مسز ہڈسن خواب گاہ میں ناتواں نیم دم پڑی تھیں۔ لیکن ضعف کے سوا کوئی اور بیماری کی علامت موجود نہ تھی۔ گذشتہ واقعہ کے متعلق انہوں نے ایک حرف منہ سے نہیں نکالا اور جو پوچھا بھی تو جواب دینے سے انکار کر دیا۔ ہاں اپنے شوہر کے چلے جانے کا انہیں بہت خیال تھا۔ اور بار بار پوچھتی تھیں کہ پروفیسر آئے یا نہیں؟ میں تین بجے سہ پہر کو پروفیسر کی تلاش میں نکلا۔ جہاں جہاں اُن کی بیٹھک تھی گیا۔ لیکن وہ نہ ملے۔ رات کے دس بجے تھک کر میں گھر لوٹا اور جلدی جلدی دو چار لقمے کھا کر پھر تلاش کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس دفعہ پہلے میں پروفیسر کی تجربہ گاہ میں گیا۔ وہاں سب چیزیں جوں کی توں رکھی تھیں۔ وہ کاٹ کا صندوق کھلا پڑا تھا۔ اسمیں ایک دیا سلائی کے بکس اور شیشے کے ٹکڑے کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی شیشے پر دو تین چکنائی کے سے دھبّے البتہ نظر آتے تھے۔

وسطی میز پر دو تین ڈاکٹری کی کتابیں کھلی پڑی تھیں۔ مصر کا آیا ہوا ایلین۔ لوح۔

اور مرتبان پڑا الٹ پلٹ رہا تھا۔ لیکن مرتبان میں وہ سفوف جو پروفیسر ہانس من نے بھیجا تھا نہ تھا۔ کتب خانے میں کی ہر چیز بجنسہ موجود تھی۔ دراز البتہ کھُلی رہ گئی تھی اور اور اسمیں پروفیسر کی ڈایری کھلی پڑی تھی۔ بظاہر جلدی میں پروفیسر کھلا کھُلا چھوڑ گیا تھا کہ لفظوں کی سیاہی خشک ہو جائے۔ میں اس کو بند کرکے رکھدیتا۔ لیکن پہلی ہی نگاہ میں جو چند لفظ میری نظر پڑے وہ مجھے اس پریشان کن واقع سے متعلق معلوم ہوئے۔ لہذا میں نے بے تامل ڈایری کھولکر پڑھنا شروع کر دیا۔ میں یہ عجیب غریب تحریر جو تمام پہیلیوں کی بوجھ اور سارے معموں کا حل نکلی یہاں نقل کرتا ہوں۔ ذرا غور سے پڑھیئے گا۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء

آج کا بیشتر وقت پروفیسر ہانس من کے نو مرسل مرتبان اور لوح کی دیکھ بھال میں گذرا۔ اُن کے کتبے بڑے بیڈھب ہیں۔ سوء اتفاق سے ابراہیم کو آج باہر جانا تھا مگر عجیب بات یہ ہے کہ میری بیوی نے اسکی بجائے کام کیا۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ اوس نے میرے علمی مشاغل میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

۱۹ اکتوبر صبح ہی گھنٹہ بھر تک کام کرتا رہا۔ مائی ڈا نے کل جو لکھا تھا اسپر نظر ثانی کی۔ سب ٹھیک ہے۔ مگر معلوم نہیں وہ سفوف جو پروفیسر ہانس من نے بھیجا تھا کدھر غائب ہو گیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارے ہاں کی سرد ہوا نے اسکو کافور کی طرح اُڑا دیا ہو؟

بلّن کی آج چھٹی سالگرہ ہے۔ میری بیوی کی طبیعت اسوقت کچھ مکدر ہے اسلئے میں اکیلا ہی بلّن کو چشمہ یا گھر لیجاتا ہوں ـــــــ دیکھئے آج کچھ کرنے کی بھی فرصت ملتی ہے یا نہیں؟

۹ بجے شام۔ ابھی وقت پڑیا گھر سے لوٹا ہوں۔ دن تمام ضایع گیا۔ ۹ بجے مسٹر ک... کے ہاں عوت میں جانا ہے۔ مائی ڈا کی طبیعت خراب ہے وہ تو جا نہ سکیں گی۔ میں اکیلا جاؤنگا اور اب دعوت سے آنے کے بعد ڈایری لکھونگا۔

۱۲ بجے شب - لاحول ولا قوۃ کتنا خراب وقت گذرا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا - یہ لوگ تو
اور اسکے عزیز اقارب تو بالکل جنگلی نکلے - ایک بات ہی کام کی کھانے کے وقت نہوئی
اور شراب تو ایسی بری تھی کہ گھر پر آیا تو آنکھوں سے اچھی طرح سجھائی نہیں دیتا تھا - میری
بیوی میرے واپس ہونے تک جاگتی رہی - یہ بھی کسقدر تعجب کی بات ہے ؟ وہ ابھی
علیل معلوم ہوتی ہے - میری بینائی کچھ ایسی خراب ہو رہی تھی کہ مجھے اپنی بیوی کا قد چھوٹا
نظر آیا - توبہ کرتا ہوں اب گھٹیا اور نوکشیدہ شراب کبھی نہیں پیونگا !

۲۰ اکتوبر - ۸ بجے صبح

رات بھر بچین رہا - غذا کی ثقالت اور شراب کی خرابی مجھ جیسی عمر کیا اچھے ہٹے
کٹے نوجوان کو بدخواب رکھنے کے لئے کافی ہیں {یادداشت - مجھے اس قسم کی چیزوں سے
اب کامل احتیاط بلکہ احتراز کرنا چاہیئے -}
۱۰ بجے صبح - انا للہ وانا الیہ راجعون - غضب ہو گیا - میری بیوی ناشتہ کیوقت
خواب گاہ سے نہیں آئی تھی اسلئے میں خود اوسکے کمرے میں گیا - دیکھتا کیا ہوں کہ
اوسکا قد واقعی نصف کے قریب گھٹ گیا ہے اپنا شبہ دور کرنے کو میں نے فیتے سے قد
ناپا بھی - لمبائی کل ۲ فیٹ، انچ ہے ایں اس مبہوت کر دینے والے واقعہ پر حیران کھڑا ہی
تھا کہ مائڈا اٹھ بیٹھی - وہ کسی قدر کمزور معلوم ہوتی ہے - لیکن اپنے قد گھٹ جانے سے بیخبر
اسلئے کہ نوکر اس حال سے مطلع نہونے پائیں میں خود توس مکھن اور چاء لیکر آیا -
مائڈا نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور پھر لیٹ گئی - میں حیران ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہے - ایسا
عجیب وغریب واقعہ تو آجتک نہ کبھی دیکھا نہ سُنا -

ایک بجے دوپہر - کئی گھنٹے تک ڈاکٹری کتابیں دیکھتا رہا گوشت کے ریشوں کا گھلنا اور بدن کا
دبلا رہجانا تو ایک معمولی سا مرض ہے - لیکن یہ تا فانا قامت کا گھٹنا جس میں ہر عضو خاص
نسبت کے ساتھ گھٹ جائے کسی کتاب میں نہیں - کئی کتابیں چھان ماریں - کچھ پتہ نہیں چلا -

بدنصیب مانڈا اس تین گھنٹے میں اور گھٹ گئی۔ اسوقت اسکی لمبائی صرف ۲ فیٹ ہی۔

میں نے مانڈا کو جگا کے ساگو دانہ کھلایا۔ اسکی اشتہا صاف ہی لیکن بالکل سوئی جاتی ہی نبض کی رفتار ۷۵ بالکل ٹھیک ہی اور زبان اور حرارت بھی اپنی معمولی حالت میں ہیں {میں نے ہر تین گھنٹے بعد اس عجیب حالت کو دیکھنے اور تحریر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے کیونکہ یہ بالکل ممکن ہی کہ اس نئے مرض کے انکشاف کا سہرا میرے سر بندھے!}

۴ بجے سہ پہر۔ قد۔ ایک فٹ ۹ انچ۔ نبض اور حرارت کی حالت بدستور۔

۶½ بجے شام۔ ۷ بجے مانڈا اٹھی۔ اسکی شب خوابی کا لباس۔ اب اس قدر بے ہنگم معلوم ہونے لگا تھا کہ میں نے بچّن کے کپڑے لا کر دیئے اور وہ اس نے پہن لئے بظاہر ابتک اُسے اپنے حیرتناک گھٹاؤ کا احساس نہیں۔ کچھ کھانے کے بعد وہ پھر سو گئی لمبائی اسوقت صرف ڈیڑھ فٹ رہگئی ہی۔ نبض تیز اور حرارت بھی تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہی۔

۱۰ بجے شب۔ قد اس تین گھنٹے میں صرف ایک انچ گھٹا۔ غالباً اب مرض نہیں بڑھیگا

——— خدا ہمچنیں کند۔

نبض سُست ہوتی جاتی ہی۔ لیکن قلب کی حرکت بالکل درست ہی۔ اور یہی ایک امر مجھکو اسوقت تک ڈھارس بندھائے ہوئے ہی۔

۲۰ر اکتوبر۔ ۹ بجے صبح

ہرچند کہ میں نے رات بھر جاگنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر ایک آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اور سویا بھی تو ایسا غافل کہ آٹھ بجے سے پہلے آنکھ ہی نہ کھولی۔ بحیثیت شوہر اور شوقین انکشاف ہونے کے میرا فرض اولی تھا کہ ایک منٹ پلک نہ جھپکاتا۔

اپنی اس غفلت پر مجھکو غصہ اور ندامت ہو ہی رہی تھی کہ میں نے جلدی سے مریضہ کی حالت مشاہدہ کی ——— خداوندا تیری پناہ۔ قد صرف ۴ انچ نبض سست

اور قلب کی دھڑکن تیز !!! دلہن کے کپڑے جو اب میری بیوی کے جسم پر جا بجا چپلا اور گراں معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اونکو اتار کر سائے کی بجائے اپنار و بال لپیٹ دیا۔ ماٹلڈا کو اس سے راحت ملی اور وہ ہشیار ہوئی۔ وہ اسوقت بالکل رونکنی ہو رہی تھی اور خشخش کے برابر ننھی ننھی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ کمزور مگر دردناک آواز سے اوس نے مجھسے مخاطب ہو کے کہا کہ کیا تم ابتک میری طرف سے بے پروا ہو۔ کیا میں یوں ہی گھٹتے گھٹتے مرجاؤنگی؟ .... اور اسی طرح کی کئی باتیں جو مجھسے سُنی نہیں جاتی تھیں کہیں۔

آخر مجبور ہو کے میں نے ڈاکٹر کلفٹن کو بلوایا ہے۔ وہ میرا پرانا دوست ہے اور میں یہ حال صرف اسی کے سامنے دُہرا سکتا ہوں۔

۱۰ بجے۔ ماما نے آکے کہا کہ ڈاکٹر کلفٹن باہر گئے ہوئے ہیں۔ اُن کے نائب مسٹر جان آتے ہیں۔ مسٹر جان سے ظاہر ہو کہ میری مطلب براری نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہے دیتا ہوں کہ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں!

۱۲ بجے دوپہر۔ ایک اور مصیبت مجھپر پڑی۔ ۱۰ بجے باہر جاتے وقت گھبراہٹ میں خوابگاہ کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا۔ جواب دینے کے بعد جو واپس آیا تو بستر پر ماٹلڈا نہ تھی۔ اور کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ ماما کو بلا کر اوس سے پوچھا اور ایسے ایسے اوٹ پٹانگ سوال کئے کہ وہ چکرا گئی۔ ماٹلڈا کا اسطرح غائب ہونا ایکی سمجھ ہی میں نہ آیا۔ اور میں جو ایک پچھانے بوٹ کے اندر جھانکنے لگا تو اوس نے کہا کہ سرکار کوئی بیگم صاحب بوٹ کے اندر تو چھپ جانے سے رہیں! بچاری ماما بھی معذور ہے۔ میں اسکو سمجھا نہیں سکتا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

۳ بجے سہ پہر۔ گھر کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ نہیں معلوم زمین کھا گئی یا آسمان۔ خدایا تو میری پریشانی اور تشویش پر رحم کر!

۴ بجے سہ پہر۔ مائلڈا مل گئی۔ میں ڈین کے کمرے سے نکل رہا تھا جو وہ دوڑ کے میرے پاس آئی اور کہنے لگی "پاپا یہ نئی گڑیا بہت شریر ہو" میں نے اپنی بے ماں (؟) کی بچی کو پیار کیا اور پوچھا کہ نئی گڑیا کیسی؟ تو اوس نے کہا کہ وہ جوا ماں کے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ میں یہ سنتے ہی جلدی سے اسکے گڑیا گھر کے پاس آیا۔ اور جھانکا جو سہی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میری بیوی گڑیا گھر میں ایک گڑیا کی کرسی پر گڑیا ہی کے لباس میں بیٹھی ہوا وہ بہت ناراض اور غضبناک معلوم ہوتی تھی۔ ڈین کو تو میں نے وہاں سے ہٹایا۔ اور خود اسکا نام لیکر پکارا۔ میری آواز سنتے ہی اوس نے کانوں پر ہاتھ رکھکر اور دہشت زدہ ہوکر کہا "اوفو کس بلا کی کڑک ہو۔ ضرور اولے برسیں گے!"

۵ بجے شام۔ ماما اور نوکروں نے سوالات کرتے کرتے میرا ناک میں دم کردیا ہے اونکو چپ کرنے کے لئے میں نے کہدیا کہ مائلڈا اپنی کسی سہیلی سے ملنے گئی ہو۔

۶ بجے شام۔ گڑیا گھر کو مائل ڈاسمیت میں اپنی تجربہ گاہ میں اوٹھا لایا۔ اسکی حالت نہایت افسوس ناک ہو۔ ننھا سا چہرہ غم والم کی نہایت دردانگیز تصویر ہو۔ بظاہر وہ گڑیا گھر کو یہ سمجھ رہی ہو کہ ہم نے کوئی نیا مکان کرائے پر لیا ہو ——— اسکی حرکتیں دیکھہ دیکھہ کر میرا دل بیٹھا جاتا ہو!!

۸ بجے شام۔ یہ تدبیر میری سمجھ میں خوب آئی کہ میں نے کمرے کی روشنی بالکل کم کردی مائلڈا گڑیا گھر میں جو نقلی گھنٹا لگا ہوا ہو دوڑ کے اُسکے پاس گئی۔ خوش قسمتی سے ان مصنوعی گھنٹے گھڑیوں میں اکثر چھوٹی سوئی بارہ پہ رہتی ہو۔ مائلڈا پر اسکا غیر معمولی اثر ہوا اور وہ گڑیا گھر کی خوابگاہ میں گڑیا کے بستر پہ جا کر لیٹ گئی۔ اس نے جانا واقعی رات کے بارہ بج گئے ہیں۔

۱۳ اکتوبر۔ ۹ بجے صبح

رات کو گیارہ بارہ بجے تک جاگنے کے بعد میں پھر سو گیا۔ رات بھر پریشان

خواب نظر آئے اور صبح ½ ۹ بجے آنکھ کھلی۔ میں نے سب سے پہلے گڑیا کے بستر پر اپنی بیوی کو دیکھا مگر وہ وہاں نظر نہ آئی اور جب زیادہ غور کیا تو وہ خوفناک نظارہ نظر آیا جس کو کہتے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یعنی میری بیوی گھٹتے گھٹتے صرف کشمش کے برابر رہگئی ہے میری آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ اپنا دل دونوں ہاتھوں سے تھام کے میں اوٹھا اور خوردبین سے اپنی پیاری بیوی کو دیکھا۔ اسپر اسوقت جنوں کی حالت طاری ہورہی ہے اور وہ اپنے سر کو بے اختیار گڑیا کے بستر پہ دے دے مار رہی ہے ـــــ کیا کسی انسان نے ایسا دلسوز دینے والا واقعہ کبھی دیکھا ہے؟ نہیں وہ بدنصیب ترین گنہگار صرف میں ہوں جو اپنی بیوی کو ایسی پرحسرت ویاس کن حالت میں دیکھکر اپنی بداعمالی کی سزامیں عقوبت واذیت جھیل رہا ہوں! رحم اے خدا رحم ـــــ

۱۰ بجے صبح۔ خوردبین سے اپنی بیوی کے ہونٹ ہلتے دیکھکر میں سمجھا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے میں لپک کے اپنا آلۂ آواز بردار (مائیکروفون) اُٹھا لیا اور اوسکو فلک کے غور سے سنا تو ٹوٹے پھوٹے لفظ سمجھ میں آئے پھر یہ دلدوز صدا آئی "ہائے میں مری .... ارے کوئی مجھے بچاؤ۔ اللہ کوئی پاگل سے بچائے .... ہاں ہاں وہ کمبخت مصری سفوف میں نے ہی پھانک لیا ہے" ....

۱۱ بجے دوپہر۔ اس عجب اور عجائب ترین مرض کی وجہ معلوم ہونے کے بعد میں نے پروفیسر ہانس من کے مرسلہ کتبوں کو بار بار پڑھا لیکن کچھ علاج میں نہیں آیا۔ تجدید ور دوا کا شعلہ جن سطروں میں تھا وہ اوڑی ہوئی ہیں اور یہ لکھتے ہوئے ہی میرا دل لرزتا ہے کہ اس سفوف کا اثر بظاہر دائمی رہنے والا ہے؟

خداوندا کیا میری غریب بیوی مدت العمر کشمش کے برابر رہے گی !!!
اسکو ضعیف دیکھکر کھانے کا تو میں نے یہ انتظام کیا کہ دودہ کا ایک قطرہ پشپنے پہ

لفافے اس کے سامنے رکھدیا۔ وہ بظاہر میرا منشا سمجھ گئی اور گھٹنوں کے بل چلا اس نے
تھوڑا سا دودھ پیا ہی۔ مگر اسکا کیا علاج کہ اسکی اذیت اور دلدوز حالت مجھے
نہیں دیکھی جاتی نہ ہی اوس سے بات چیت کرسکتا ہوں کرکچھ ڈھارس بندھاتا۔
ایک بجے۔ اسیوقت میری خوشدامن کا تار آیا اور یہ سندیسا لایا کہ شام کو میں
تمہارے ہاں آؤنگی۔ اب اس خوفناک عورت سے چھپنے اور سارا راز چھپانے
کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا کروں؟
۴ بجے سہ پہر۔ اپنی ساس سے بچنے کے لئے میں نے ماکڈا کو جواب سوگئی تو ایک
سوراخدار دیا سلائی کے بکس میں رکھدیا۔ ایک گریلا کے رکھے ہوئے بچے ہوایک
بوندیگنی کی بھی حفاظت سے پاس رکھدی اور اس بکس کو احتیاط کے ساتھ اپنے بڑے
صندوق میں مقفل کر دیا تاکہ کوئی کھول نہ سکے۔ ہوا کے لئے اسمیں بھی سوراخ کردیئے
ہیں۔ کہ دم نہ گھٹ جائے۔ اپنی ساس کے نام یہ رقعہ چھوڑے دیتا ہوں کہ ہم
سڈنہم جاتے ہیں اور خود کوئلوں کی بخاری میں چھپتا ہوں ——— کیا کیا جائے
جب تک میری ساس یہاں ہو ممکن نہیں کہ میں اسکے سامنے جاؤں اور وہ اپنے
بیہودہ سوالات سے میرا مغز نہ چاٹ جائے"۔ ———

پروفیسر کی ڈائری کو میں نے پڑھا تو مجھپر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی
اوسی وقت قدموں کی آہٹ اور کسی شخص کے تجربہ گاہ کا دروازہ کھولنے کی آواز
آئی۔ میں جلدی سے وہاں گیا اور کواڑ کھول کر دیکھا تو پروفیسر کو عجیب ہیئت
میں پایا کپڑے اور منہ تمام کوئلوں میں سیاہ ہو رہے تھے۔ اور وہ نہایت غور
سے نظریں لگائے ایک دیا سلائی کے بکس کے اندر دیکھ رہا تھا۔ میرے داخل
ہوتے ہی اس نے گھبرا کے سر اٹھایا اور مجھے دیکھتے ہی اپنی پرملال آنکھوں کو
پھاڑ کے چلایا "ابراہیم! میں تو تباہ ہوگیا۔ ... میری بیوی ......" اور

فقرہ ختم کرنے سے پہلے باتوں سے اوس نے منہ ڈھانپ لیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

میں ہائیں۔ہائیں۔ پروفیسر پٹرسن خدا کے لئے رنج کیوں کرتے ہو۔بس اٹھ مرد تمہاری بیوی (یخ کے) بالکل اچھی خاصی ہیں" لیکن پروفیسر نے اس بات پر کچھ توجہ نہ کی۔اور میں انکی طرف بڑھکر کچھ اور کہنے کو تھا کہ خود مسز پٹرسن اوس کمرے میں آگئیں..........

پروفیسر کی ڈائری پڑھنے کے بعد مسز پٹرسن کی تصدیق کے باوجود ڈاکٹر گلفش نے تو اس سب بیان کو لغو اور مرض کو محض غشی کا دورہ بتایا اور پروفیسر کی ساس اپنی بات پر جمی رہیں کہ اونکی بیٹی کو دراصل پروفیسر نے مارنے کا ذکر کیا تھا۔لیکن مسز پٹرسن نے سوائے اس درخواست کے کہ آیندہ ان مصری دواؤں سے قطعی واسطہ نرکھو کچھ نہ کہا۔مگر پروفیسر نے اپنی بیوی کی یہ درخواست رد کردی۔

سید مطلبی از فرید آباد۔ دہلی

لنگر

حیدرآباد دکن کا ایک سالانہ سین

یہ سالانہ سین محرم کی پانچویں تاریخ کو ہر سال "لنگر" کے نام سے ہوتا ہے اس تاریخ کو لنگر کے دیکھنے کے واسطے شہر کے بڑے بچے جوان لڑکے لڑکیاں علما راستوں اور مکانات پر آجاتے ہیں کہ جس طرف سے لنگر گذرنے والا ہوتا ہے چونکہ غالباً لنگر سے بہت سے ناظرین بالکل ناواقف ہوں گے پہلے اس کی کچھ تشریح کرنا چاہتا ہوں جو کہ خالی از دلچسپی نہ ہو گی۔

اگر میری یادوسنے اسوقت غلطی نہ کی ہو تو یہ ہو گی۔

جب قطب شاہ کا بیٹا عبداللہ ایک روز گولنڈہ جانے کے واسطے اپنے خاصہ کے ہاتھی پر تیار تھا تو اسی روز اتفاقاً موسیٰ ندی میں طوفان آگیا۔ جب ہاتھی ندی کے قریب پہونچا تو مست ہو گیا اور شہزادہ عبداللہ کو جنگل کی طرف لے بھاگا۔ شہزادہ کی والدہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میرا بیٹا سلامت آجائیگا تو ہاتھی کی زنجیر "لنگر" کے برابر سونا حسینی علم پر چڑھاؤں گی۔

خدا کی شان کچھ عرصے کے بعد شہزادہ واپس آیا اب اس بات کا پتہ نہیں چلتا ہی کہ شہزادہ ٹھیک کتنی مدت کے بعد واپس آیا ہر ہر مؤرخ علحدہ علحدہ مدت لکھتا ہے جن میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔

جب شہزادہ کی والدہ کی منہ مانگی دعا پوری ہو گئی تو ایک سونے کی زنجیر بنوائی اور اوسکو بڑے تزک و احتشام سے حسینی علم پر نذر چڑھائی۔

پہلے اور اب کے چڑھاوے میں اتنا فرق ہو کہ پہلے تو سونے کی زنجیر چڑھائی جاتی تھی اور اب حسینی علم پر پھولوں کے ہار اور سونے چاندی کے علم و اشرفیاں چڑھائی جاتی ہیں یہ چڑھاوہ نہایت ہی تکلف کے ساتھ زربفت کے شامیانہ کے نیچے نکلتا ہو جن کی چار ڈوریاں ہوتی ہیں چار ڈوریوں کو چار شخص پکڑے ہوئے چلے جاتے ہیں سوا سو شربت کے عمدہ گھڑے اور پانچ دیگیں مونگ کی کھچڑی کی اس چڑھاوہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔

یہ ہے کل کائنات لفظ "لنگر" اور اس کی رسم کی

محرم کی مرقومہ ۱۷ تاریخ کی صبح کے ۸ بجے سے "لنگر" کا جلوس نکلنا شروع ہوتا ہی یہ جلوس مدار المہام وقت کے ایوان وزارت کے سامنے سے ہوتا ہوا چار امام پیشکار کی ڈیوڑھی سے گذرتا ہوا پنج محلہ مبارک کے نیچے سے گذرتا ہی جہاں خود

اعلیحضرت حضور پرنور بادشاہ وقت میر محبوب علیخاں معہ اپنے اسٹاف کے ملاحظہ فرماتے ہیں۔

سالانہ پروگرام افواج کے نکلنے کا مختلف طریقے سے شایع ہوتا ہے لیکن اس وقت دکن کا مشہور اخبار مُشیر دکن ترتیب افواج کا پروگرام بہت ہی اہتمام سے شایع کرتا ہے۔ تمام فوج کی صف بندی اکثر اس طرح سے ہوا کرتی ہے سب سے اول باندار گوے اور ہوائیاں چھوڑتے ہوئے نکلتے ہیں اسکے بعد نشان کے ہاتھی اور کچھ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسکے پیچھے کوتوال شہر معہ سواروں اور پیادوں کے تشریف لاتے ہیں ان کے پیچھے ایک جماعت عربوں اور رئیسوں کی ہوتی ہے بعد ازاں کوتوال صاحب بیرون بلندہ کا ہاتھی ہوتا ہے اسکے بعد جمعداران افواج اپنی اپنی جمعیتوں کے ساتھ نکلتے ہیں ان جمعداروں میں سے اکثر عرب اور پٹھان ہوتے ہیں۔ وہاں کے جمعداروں کا آپ اسبات سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ کیا وقعت اونکی ہوگی۔ کہ جن کا خطاب سلطان نواز جنگ بہادر ہو۔

بعد ازاں سکھوں اور سندھیوں کا نمبر بندھتا ہے جو کہ قریب ۱ منٹ تک ہوتا ہے تمام لشکر میں وہ سین بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے جب عربوں کی جمعیت گذرتی ہے یہ لوگ افواج بے قاعدہ میں گنی جاتی ہے۔ ذرا ان کا حال تو سُنئے۔

اندار باندھے ہوئے لمبے لمبے کُرتے پہنے ہوئے اور کمر سے ایک خوش رنگ بڑا سا رومال لپیٹے ہوئے اور راوس میں جنبیہ اور بارود کا سینگ کھولے ہوئے کندھے پر ایک بڑی بھاری پرانی وضع کی بندوق رکھے ہوئے اپنے قبیلہ کے اشعار پڑھتے ہوئے ہنسے خوشے میں ڈھول بجاتے لمبے لمبے مستانہ قدم ڈالتے ہوئے جوش میں بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو بمشکل دو آدمی ایسے نظر پڑینگے کہ ایک دوسرے کا لباس آپس میں ملتا ہے۔

اس بے قاعدہ فوج کا تھوڑا سا حصہ با قاعدہ بھی ہے جس کو وہاں میسرم کہتے ہیں یہ فوج اس شان وشکوہ کی ہے کہ سارے لشکر کی اگر اس کو روح یا جان کہی جائے تو درست ہی۔ اس فوج میں سب سے پہلے نواب جاں نثار یار جنگ بہادر ہوتے ہیں جو اس کے کپتان ہیں۔ یہ اپنے پورے عربی لباس میں عربی گھوڑے کی پشت پر سوار آہستہ آہستہ چلے آتے ہیں اور آپ کے پیچھے بینڈ بہت ہی سُریلی آواز میں بجتا ہوا چلا آتا ہی جس سے ایک عجیب حالت معلوم ہوتی ہی بعد میں تمام میسرم بڑے کروفر سے قدم قدم چلے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ کے ختم ہونے کے بعد سپہ سالار افواج آصفیہ کی سواری ہوتی ہی جن کے پیچھے پیچھے حسب ذیل باقاعدہ فوجیں ہوتی ہیں۔ توپ خانہ۔ پلٹن۔ رسالہ وغیرہ اپنے کپتانوں اور کمانڈروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے گذرتے جاتے ہیں۔ اب توپ خانہ کے سوار گذرنے شروع ہوتے ہیں جو بڑے بڑے قوی ہیکل گھوڑوں پر سوار ہیں اور فولادی گاڑیوں پر توپیں رکھی ہوئیں گھوڑے انکو گھسیٹتے ہوئے اور گھوڑوں پر جو کہ گاڑی میں لگے ہوئے ہیں آدمی سوار چلے جاتے ہیں اس فوج میں تمام سامان گھوڑوں کا ساز بھی تقریباً فولاد کا ہی جس کے اوپر چمڑا چڑھایا ہوا ہی۔

اس تمام دلچسپ سین کے بعد شاہی سواری کے گھوڑے عمدہ عمدہ مشہور مشہور نسلوں کے مثلاً عربی۔ تازی۔ وزیری۔ اسٹریلین۔ ہندی۔ سونے چاندی کے زیوروں میں لدے ہوئے اپنی اپنی مستانہ چال چلتے ہیں تو عجیب کیفیت آتی ہی۔

خاکسار

محمود الحق سہارنپوری

عورتوں کی تعلیم

اور

سوسائٹی میں اسکی حیثیت

ہم نے ستمبر ۱۹۱۰ء کے خاتون میں یہ اعلان شایع کیا تھا کہ حامیان تعلیم نسواں اور بہی خواہان قوم اس عنوان پر کہ

عورت و مرد کے لئے تعلیم کی ایک سی ضرورت ہی یا اس میں کچھ تفاوت ہی؟ اپنی اپنی رائیں مضمون کی صورت میں لکھکر ہمارے پاس بھیجیں۔ ان مضامین میں سے جو مضمون سب سے بہتر ہوگا اسکے لکھنے والے کو ایک طلائی تمغہ بطور انعام کے دیا جائیگا۔

ان مضامین کے متعلق چند ہدایتیں بھی تھیں

(۱) مضمون فل اسکیپ کے ۵ صفحوں سے زیادہ کا نہ ہونا چاہیئے۔

(۲) مضمون میں محض خیالات نہ ہونے چاہئیں بلکہ دلائل ہونے چاہئیں۔ اور اگر بزرگوں اور مصنفین کے اقوال سے ہر چیز کی یا کسی چیز کی تائید ہو تو وہ بھی درج ہونے چاہئیں۔

(۳) تاریخی واقعات سے جہانتک اس مسئلہ پر روشنی پڑسکے روشنی ڈالنی چاہیئے۔

(۵) اگر مرد و عورت کی تعلیم میں کچھ فرق تجویز کیا جائے تو اسکی وجہ بتانی چاہیئے۔

آجکل چونکہ زنانہ کورس اور نصاب تعلیم نسواں کا مسئلہ چھڑا ہوا ہی اسلئے ان رایوں کی ہمکو بہت جلد ضرورت ہی۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے لایق بہن عباسی بیگم صاحبہ کا مضمون اس نمبر میں درج کرتے ہیں۔ امید ہی کہ دیگر بہی خواہان تعلیم نسواں بھی جلد تر اس اہم مضمون کی طرف متوجہ ہونگے تاکہ یہ مشکل سوال حل ہو جائے۔ یہ مضمون مندرجہ ذیل میں بیگم صاحبہ موصوفہ نے پہلے مخالفان تعلیم نسواں کا جواب دینے کی کوشش کی ہی بعد اسکے اصل مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے یعنے مردوں اور عورتوں کی تعلیم میں تفاوت بیان کیا ہی۔ جس سے یہ مضمون بہت طویل

ہوگیا ہی۔ امید ہو کہ دیگر اہل قلم حرف اصل عنوان کو سامنے رکھکر اپنی پرداے زنی فرمائینگے۔ کیونکہ اب اس مسئلہ میں بحث کی بالکل گنجایش نہیں ہی کہ عورتوں کو تعلیم دینا چاہیئے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایک طے شدہ امر ہو کہ عورتوں کی تعلیم ہمارے فرائض اولیں میں سے ہی۔ ہم اس مضمون کو دو نمبروں میں شایع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

صاف ظاہر ہی کہ مرد و عورت دونوں ہی پر انسان کا اطلاق ہوتا ہی۔ کیونکہ دونوں ایک ہی چیز سے بنتے اور ایک ہی طریقے سے پیدا ہوتے ہیں ایک ہی سی شکل و صورت سارے غور و خوض تجسس تفکر تعقل کی قوتیں موجود ہیں تمام اعضائے جسمانی و سارے قوائے روحانی قدرت نے جیسے مرد کو عطا کئے ویسے ہی عورت کو دی ایک ساخت میں فرق ہونے سے یہ دعوی نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمجنس نہیں درحقیقت وہ سب ایک ہی درخت کی پود ہیں بے شک مرد کو بمقابلے عورت کے خدا نے قوائے جسمانی و عقلی قوی تر عطا فرمائے ہیں لیکن خفیف سے فرق کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عورتیں اُن قدرتی نعمتوں سے محروم ہیں جو اُن کو بھی فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔ انسان کے جسم میں جو دائیں و بائیں کا فرق ہی وہ مرد و عورت کی فطرتی قوت اور ضعف کی ٹھیک مثل ہی۔ کسی نے کیا خوب اور سچ کہا ہو کہ مرد و عورت ملکر ایک پورا انسان ہوتا ہی بس جب یہ امر مسلم ہو کہ مرد و عورت ایک ہی نوع کے مخلوق ہیں تو انسان کا دونوں ہی پر اطلاق ہی۔ بس ایسی حالت میں کسی عقلمند کا یہ سوال کرنا کہ آیا عورت کو بھی علم کی ضرورت ہی؟ بالکل ایسا ہی ہو گویا اس طرح کوئی عقلمند یہ سوال کرے کہ آیا مرد کو بھی علم کی ضرورت ہی۔ اس سوال کا جواب دینا جیسا مہمل ہے۔ وہ تو ظاہر ہے۔ کیونکہ ایسے سوال کی وقعت و اثر لوگوں پر مانند ایک چھپی اور بودی روئی کے ہوگی یا مانند ایک کاہ کے۔ خصوصًا ایسے منور زمانے میں جبکہ بفضل خدا چاروں طرف علم کی روشنی ہی روشنی

بڑی آب وتاب سے اپنا جلوہ دکھا رہی ہو۔ اگر کوئی صاحب اس زمانے میں بھی بیچاری مستورات کے لئے یہی سوال کریں۔ تو پہلے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہنوز مستورات کی قسمت ابھی ایک قطرہ دریا میں پڑی غوطے کھا رہی ہے جب وہ اوپر آنا چاہتی ہے تو ناخدا (مردوں سے مراد) بجائے سہارا دیکر بچانے کے دکیونکہ مثل مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہی) اوپر سے تھپیڑے دیکر اندر ڈبو رہے ہیں۔ ایسے صاحبوں سے کہا جائے کہ صاحبو جو تحصیل علم مستورات پر فرض ہے تو آپ لوگوں پر ایکا سکھانا۔ فرض العین سمجھا گیا ہی مستورات بیچاریوں کو آپ تو براہ عنایت ناقص العقل کا خطاب دے چکے ہیں۔ لیکن آپ کے نزدیک اور دنیا کے سارے عقلمندوں دوراندیشوں اور علم دوست بزرگوں کے نزدیک تعلیم نسواں فرض ہی۔ اور اوسکے طریقے بھی حسب رواج موجودہ معاشرت کے لحاظ سے بہت کچھ جداگانہ ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مستورات مردوں کا پایہ نہیں رکھتی ہیں جو برابر کی تعلیم ہو۔ اسے جناب یہ بات نہیں بلکہ موجودہ طرز معاشرت آپہی مجبور کر رہا ہی۔ اور زمانے کی ضروریات آپہی ایسا کرنے پر مجبور کرینگی۔ کیونکہ خدانے جیسے فرائض مرد و عورت کے جداگانہ رکھے ہیں۔ ویسے ہی اونکی تعلیم فرائض ادا کرنے کی بھی ہونگی ضرورت ہی۔ یہ مسئلہ کچھ مردوں کے حل کرنے کے لئے خدا اور رحیم و کریم نے یونہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس نے روز ازل سے مرد و عورت کو مقتضا علم حاصل کرنے پر مجبور کیا ہی۔ اونکی بناوٹ اور ساخت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہو کہ وہ دونوں جبھی سے علم حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں جب سے پیدا ہوتے ہیں بعض دوراندیش و باریک بیں صاحبوں نے تو یہانتک رائے قایم کی ہے کہ انسان کا بچہ مادر شکم سے ہی اپنے بساط کے مطابق علم حاصل کرتا ہی۔ اب جبکہ وہ پیدا ہوکر اس مکار دنیا میں قدم رکھتا ہی تو آدھے جسم کو یعنے مرد کو علم سے آراستہ کرنا اور نصف حصہ یعنے عورات کو بے علم رکھنا ایسا ہے جیسا انسان کے بچے کو

چاہیئے دیویں کہ جو خالق حقیقی اور رزاق کی عنایت کردہ رزق تھوہان اپنا خالی دو دو بنا کر پلاتی ہو اسکے آگے مانند گائے بھینس کے گھانس و دانہ رکھنا۔ کیا بچہ ایسی غذا سے نشو و نما پا سکتا ہی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر یہ کیونکر ہو گا کہ مستورات کو بے علم رکھکر اونسے تعلیم یافتہ لوگوں کے سے قابل اور عمدہ کاموں کی امید رکھیں۔ اب چاہئے غور و انصاف ہی کہ ایسا کرنے میں کس کی غلطی نظر آ رہی ہے۔ بچے کی جو دانہ گھانس کھا کر نشو و نما نہیں پاتا۔ یا کھلانے والے کی؟ پس ایسا ہی مستورات کی ناقص العقلی ہے یا صاحب ادراک مردوں کی؟ جو عورات کو علم سے آراستہ نہیں کرتے۔ اسے ساری دنیا بلا تامل کہہ سکتی ہے۔ کہ مردوں کی۔ مردوں کی۔ مردوں کی سراسر ناانصافی خود غرضی کوتاہ اندیشی و بے رحمی ہے فی الحقیقت اگر مرد و عورت میں علم حاصل کرنے کا مادہ فطرتی و خدا داد نہ ہوتا تو کوئی تعلیم و تربیت خواہ عورت خواہ مرد کیسی کیسی حالت میں موثر نہیں ہوتی۔ اور مثل درندوں پرندوں کے جیسے لاکر طوطے کو پڑھاؤ پھر بھی وہ حیوان ہی رہا۔ وہی ڈھاک کے تین پات والی مثل صادق آتی اگر ہمارے مندرجہ بالا مضمون میں جو آپ سب صاحبوں آگے پیش کیا گیا ہے۔ کسی قسم کی پیچیدگی یا دہو کہ نہو تو یہ باتیں اظہر من الشمس ہیں وہ یہ کہ (۱) انسان کو محض علم و عقل سے دوسری مخلوق پر شرف حاصل ہے (۲) انسان میں علم حاصل کرنے کی قابلیت قدرتی ہے (۳) سب میں ضروری یہ جاننا ہو کہ جب انسان کہا گیا تو اس میں دونوں ہیں۔ غالباً بلکہ یقیناً مخالفین تعلیم نسوان ہمارے اس بیان کی کسی طرح تردید نہیں کر سکتے۔ وہ بے شک فرمائینگے کہ مستورات میں قدرتی قابلیت علم حاصل کرنے کی ہو لیکن ہمارا مذہب بہت سی مصلحتوں سے تعلیم نسوان کی اجازت نہیں دیتا۔ اسئے نوع ایسا بھی کچھ غضب ہو؟ کیا دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا ہو جو انسان کی فطرتی قابلیتوں اور طبعی خاصیتوں کو نیست و نابود

یا مستعمل کرنے کی کوشش کرتا ہو جو ہمارے مذہب سے کسی علانیہ مخالفت کی آواز ہمارے
کانوں میں آرہی ہے۔ اور (ہمارا کانشنس) ہمیں بتاتا ہو کہ نہیں ہرگز نہیں بلکہ
ہمارے پاک و سچے مذہب پر یہ ایک الزام کا سیاہ دہبہ لگایا گیا ہو۔ اگر ایسا ہی ہے
تو سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مذہب کی بنیاد ہی نہیں ایسے مذہب کے احکام
مکڑی کے جالے اور تنکے کے پر سے زیادہ وقعت اور زور نہیں رکھ سکتے ہیں
ایسے مذہب کے قوانین قابل عملدرآمد نہیں۔ سچ اور ایمان سے پوچھا جائے تو مذہب
اسلام تعلیم نسواں کا حامی ہے۔

حضور سرور کائنات کا فرمان ہے۔ کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة طلب کرنا
علم کا فرض ہو مومن پر و مومنات پر۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مذہب اسلام تحصیل علم
مستورات کا مانع ہے اس حکم میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ اور ایک کل کے
دو جز ہونے کی شہادت بھی کتاب خدا سے ملتی ہے۔ اس طرح پر کہ فرمایا ہے
اس نے۔ لوگو! اپنے خدا سے ڈرو جس نے تمکو ایک شخص واحد سے یعنے آدم سے
اور اس سے اوسکی بی بی حوا کو پیدا کیا اور ان دو سے سارے عورت و مرد
دنیا میں پھیلائے گئے۔

ہمیں اب دیکھنا یہ ہو کہ دنیائے اسلام میں کبھی ان احکام پر عملدرآمد بھی ہوا ہی
یا نہیں۔ سب سے پہلے پیشوائے دین رسول خدا کے خاندان مبارک پر نظر ڈالکر دیکھنی
چاہیئے کہ آیا وہاں بھی کوئی خاتون تعلیم یافتہ گذری ہیں یا نہیں۔ حضرت آمنہؓ کا
حال اب لکھنے تو لگے ہیں۔ مگر افسوس ہو کہ اتنی لیاقت کہاں۔ وہ ایسی پاک طبیعت
قوی فراست فصیح و بلیغ خاتون تھیں کہ اس چودھویں صدی میں ہرگز ہماری کوتاہ
نظر انکے عالی درجے کو نہیں پہونچ سکتی۔ آپکے اشعار رسول خدا کے حسن و
جمال کی توصیف میں ہوا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مستورات میں یہ مادہ بھی

فلسفی ہی کی ہنچ سکتی اور اقی جسمیوں کا بخوبی لینا انہ کرنیکی باریک بینی کے ساتھہ
اسکا خاکہ کہینچ سکتی ہیں۔ رسول خدا کی لخت جگر بی بی فاطمہ کی لیاقت فصاحت وبلاغت
اور انکی اعلی درجہ کی قابلیت کے تمام عرب قائل ہیں آپکے بیشمار اشعار پند ونصیحت کا
بھاری خزانہ ہیں جو تواریخ سے بخوبی مل سکتا ہی۔ جو برجستہ شعر رسول خدا کے
مزار مبارک پر تصنیف فرمائے وہ حسب ذیل ہیں ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا
یشم مدی الزمان غوالیا۔ صبت علی مصائب لو انھا ۔ صبت علی الایام صرن
لیالیا۔ یعنی جس شخص نے ایک مرتبہ قبر احمد کی مٹی سونگھ لی۔ وہ عرصہ دراز تک
مشک جیسی خوشبو کو پسند نہیں کرتا۔ اوسپر لازم ہے کہ تمام عمر مشک نہ سونگھے۔
مجھپر وہ بلائیں نازل ہوئی ہیں کہ اگر وہ دن پر نازل ہوتیں تو دن رات بنجاتا
آنحضرت کی پیاری بی بی عائشہ صدیقہ بڑی محدثہ تہیں جن حدیثوں کا مطلب آپنے
عقدکشا زبان سے حل فرمایا اور لوگوں کو غلطی سے بچایا ہی۔ وہ اس امر کا پورا
ثبوت ہیں۔ خذ والعلم من ھذا الحمیرا۔ یعنی اوس سرخ رنگ والی خاتون سے
علم حاصل کرو۔ حضرت عائشہ کی قوت حافظ کا اس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہی
کہ صرف ۱۹ سال کی عمر میں ان کو سولہ ہزار شعر یاد تھے۔

غرضکہ ایسے بہت سے تاریخی دلائل موجود ہیں طوالت کے خیال سے میں نے
مختصراً لکھے ہیں۔ بہرحال اب یہ ہر طرح سے ثابت ہوچکا ہی کہ تعلیم نسواں فرض ہے
اگرچہ مجھے اسکے متعلق اس قدر تشریح کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب یہی سمجھا کہ
میں اپنا دلی مطلب لکھنے سے بیشتر۔ مخالفین تعلیم نسواں کی طرف سے اطمینان کرلوں
اور پھر اپنا مطلب سب صاحبوں کے آگے ظاہر کردوں۔ اب پہلے یہہ بتانا ضروری
ہے کہ آیا مرد وعورت کی تعلیم میں کچھ تفاوت بھی ہے یا نہیں اور ہی تو کس قسم کا اور کس
وجہ سے۔ میں سب سے پہلے یہ بتاؤنگی کہ ہماری اور مردوں کی تعلیم میں اس قدر فرق

ہونا چاہیئے۔ اور پھر عرض کرونگی کہ کس وجہ سے۔

اور وہ فرق یہ ہیں

حامیان تعلیم نسواں کو یہ جاننا ضروری بلکہ لازمی ہے کہ مرد و عورت کی تعلیم میں اتنا ہی فرق ہو جتنا کہ مرد و عورت میں ہی جیسے فرائض منصبی عورت کے مرد کے فرائض منصبی سے بالکل جداگانہ ہیں۔ اوسی کی بنا پر انکی تعلیم میں بھی بہت کچھ فرق بڑے بڑے عقلمند و مشہور فلاسفروں نے رکھا ہی۔ کیونکہ عورت۔ بمقابلہ مرد کے کمزور جنس ہے ویسے ہی اسکے طبیعت و عادات طاقت جسمانی و دماغی میں فرق رکھا ہی بقول جمیس ہیٹ جو اپنی تصنیف میں جو مرد و عورت کے متعلق ایک مفصل و مدلل کتاب لکھی ہے لکھتا ہے کہ مرد جب اپنے ہم جنس یعنے مرد کو ہی نہیں پہچان سکتا ہی۔ تو کب اس نازک و کمزور جنس کو یعنے عورت کو جو اس سے جداگانہ ہے پہچانے گا۔ جس کے سبب بہت سی خوشنما زندگیاں برباد ہوجاتی ہیں اور جو بڑے بڑے اہم معاملے تیار ہوگئے ہیں وہ ہرگز ہرگز رائے کا اختلاف نہیں بلکہ مزاج کا اختلاف ہی جو فطرت کہلاتا ہی۔ مرد و عورت کے درمیان جو فرق خالق نے رکھا ہے وہی دراصل اسکی بنیاد ہے۔ جو مزاجوں کا اختلاف کہلاتا ہے اور جاننا چاہیئے کہ یہی ہی طبعی فرق۔ اور وہ درجہ عورت کا جس میں فرق کیا گیا ہی بالکل قابل غور ہی چنانچہ عورت دعویٰ کرتی ہے اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا جس سے وہ خارج کردی گئی تھی۔ وہ کبھی چاہتی ہے کہ اپنے خانگی معاملات ناراستی یا بیدلی یا بے اعتدالی سے چلے۔ مگر چاہتی ہی کہ زندگی کے جھگڑوں میں پوری طرح سے اپنا پارٹ خود لیلے۔ عورت کی طاقت جاننا چاہیئے کہ عورت کی کمزوری ہی میں رکھی گئی ہی۔ اور مرد کی دماغی طاقت عورت کے جسم میں رکھی گئی ہی وہ چاہتی ہی کہ اپنی اولاد

جسمانی و دماغی محنت سے بہانتک شگفتہ کرے جہانتک کہ اسکے امکان میں ہو اب
رہا یہ امر کہ تعلیم کس قسم کی دیجائے جو مستورات کو فرض منصبی کے بجا لانے میں
مددینے۔ لہذا انکے لئے ضروری ہے کہ اسکے لئے عمدہ کورس تیار ہوں جسمیں
صاف اور پورے طور سے بتایا جائے کہ ہماری ہندوستانی لڑکیوں کو کس
قسم کی تعلیم ہو تعلیم کا اچھا یا برا ہونا نصاب پر ہی موقوف ہی (مرا سفر) کوا...
نے اپنے ایک لکچر میں بیان کیا ہے کہ جس قسم کی کتابیں مستورات کو پڑھائی جاتی
ہیں درحقیقت رکاوٹیں ہیں ان کی ترقی تو ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو طریقہ لڑکوں
کے مدرسے میں تعلیم دینے کا ہے ادنی کو لڑکیوں کے لئے اخذ کیا گیا ہی جو سراسر
ناموزوں ہے یوں تو ہر علم کو مستورات حاصل کر سکتی ہیں لیکن وہ اسکے لئے
ایسا ضروری نہیں جیسا کہ ان کو وہ علم سیکھنا چاہیئے جو انکے فرایض سے تعلق
رکھتا ہے۔ جنکو یہاں تفصیل وار و نمبروار درج کیا جائیگا (۱) انکے لئے ایسے
رسائل جو بالکل مذہبی ہوں انکی سخت ضرورت ہے بالکل مذہبی یعنی محض ...
جس میں مولوی صاحبوں کے من گھڑت مسئلے نہوں مذہب اسلام کی خوبیاں
والدین عزیزوں کے حقوق شوہر کے حقوق و آداب رسوم شرک کی مذمت
عورتوں کے متعلق قرآنی حدیثیں فقہی احکام اور مسائل۔ قرآن مجید باترجمہ
غرضکہ اسی قسم کے مضامین ہونے چاہئیں۔ (۲) تاریخ ... اس میں عرب کی
تواریخ رسول خدا کی سوانح عمری بزرگان دین کے حالات گذشتہ زمانے کی
لایق خواتین کی لایف مختصر تاریخ ہند مختصر تاریخ دنیا ضرور ہونی چاہیئے۔ کیونکہ
ایسی تواریخوں سے آگاہ ہونے سے خود بھی عورت عقلمند ہوشیار ہونے کے
علاوہ اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں بہت کچھ مدد دے سکتی اور
بتا سکتی ہے (۳) جغرافیہ۔ جغرافیہ عرب ... جغرافیہ ہندوستان جغرافیہ عالم

(۴) خانہ داری یا گرہستی فرایض گھر کے اسباب کی درستی ... کے طریقے ملازموں کے کام کی نگرانی انکے ساتھ برتاؤ۔ باورچیخانے کا انتظام پارچہ جات کی حفاظت اوقات کی پابندی مصارف خانہ داری کا رجسٹر (۵) اصول حفظان صحت۔ تشریح۔ مکانات کی صفائی صاف ہوا صاف پانی روشنی گرمی سردی برسات جاڑے کے موسمی غذائیں امراض کے حفظ ماتقدم کی تدابیر امراض نسائی اینکے معالجے بچوں کے عوارض اور انکے معالجے عموماً بچوں بڑوں کی تیمارداری کے قواعد خصوصاً عورات کو اپنی صحت قایم رکھنے کے لئے چند مفید تجویز جو عورات کے لئے مناسب ہوں (۶) ریاضی طبعیات اور ہیئت کے چند رسالے حسب ضرورت لازمی ہیں (۷) ادب ولٹریچر حسب ضرورت قواعد صرف ونحو اردو وہندی کی مشقیں اخلاقی نظمیں مناجاتیں اعلیٰ درجے کی انشا پردازوں کے نمونے عمدہ نتیجہ خیز ناول (۸) صنعت وحرفت ہر قسم کی سیین بلین کروشے اون کا کام ہر قسم کے لباس کی تراشش خراش ڈرائنگ جو ان کاموں کے لئے کارآمد ہو عورتوں کو سکھنی لازمی ہے۔ کیونکہ اس میں کوتاہی کرنا خود کو بے ہنر رکھکر بعضے وقت سخت تکلیف اٹھانا ہو یا خریدنا چاہیں تو بہت سا روپیہ گھر کا ضایع کرنا پڑے گا۔ اور اس انتظام سے پوری معقول رقم بچ رہتی ہے (۹) عمدہ باقاعدہ کھانے پکانے کی ترکیب کی چند کتابیں اور اسکی عملی تعلیم (۱۰) خوشنویسی یہ ہنر امیروں کی لڑکیوں کے لئے زینت غریبوں کو عمدہ ذریعہ معاش کا ہوگا۔ اور ایسی تعلیم تو ضرور ہو اور ایسی کتابیں تو ضرور ہی شایع ہوں جو مستورات کے ترقی وبہبودی کی رہنمائی کریں اور خاص طور سے بچوں کی تعلیم وتربیت کے عمدہ طریقے درج ہوں اور اسکے دوسرے حصے میں شوہر کے خوش رکھنے کی تدابیر شوہر کی مزاج شناسی اور شوہر کے ساتھ برتاؤ ... ہوں۔ اگرچہ جب گھروں کے ایسے حالات نہیں ہوتے اور نہ ...

[illegible] ہونے تعلیم کا فرض ہمیں ایسی ہو گی جو ہم لوگوں کو نیکیاں حق پر [illegible]

راقمہ [illegible] بیگم

از حیدر آباد دکن

اوڈیٹوریل

ناگپور کی کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں پریسیڈنٹ عالیجناب مسٹر عبد اللہ بن یوسف علی نے جو تقریر کی اس میں تعلیم نسوان کے متعلق فرمایا کہ

خیال رہنے اس معاملہ سے غفلت نہیں کی۔ اس جلسہ کی رپورٹ سے ظاہر ہو گا کہ علیگڈھ کے زنانہ مدرسہ میں طالبات علم کی تعداد اس حد تک پہنچ چکی ہے کیونکہ اس قدر دلدادہ ہوتے ہیں۔ گو اسے جاری ہوئے صرف دو تین سال ہوئے مگر اس نے اپنا مرکز قائم کر لیا ہے خود ہمارے ہمارے بھائیوں اور ہماری قوم کی بہبودی اسی پر منحصر ہے کہ ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں علم اور اجتماعی تجربہ میں اگر ہم سے زیادہ نہیں تو مساوی تو ضرور ہوں

رات کے وقت کانفرنس کا چھٹا اجلاس

بصدارت آنریبل مسٹر [illegible] بھائی کریم بھائی منعقد ہوا۔ خواجہ عبد الصمد صاحب ککڑو رئیس بارہ مولا (کشمیر) نے ایک حمدیہ و نعتیہ نظم پڑھی اور ضرورت تعلیم نسواں پر تقریر کی۔ صاحب صدر نے اپنے قابلانہ مضمون میں تاریخی واقعات سے ثابت کیا کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا ہمیشہ رواج رہا ہے اور اس سے مسلمانوں کو بیحد فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ تعلیم نسواں کے فوائد کی زندہ مثال کے طور پر انہوں نے ہر ہائینس حضور بیگم صاحبہ بھوپال کا اسم سامی پیش کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم لڑکیوں کو صرف ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں جس سے وہ اپنے اصلی و حقیقی فرائض سے آشنا ہوں نہ ایسی کہ وہ مثل آج کل کے متمدن ممالک کے مردوں کے فرائض کے اختیار کرنیکا دعویٰ کرنے لگیں۔ آخر میں اس کام کا توصیف پسندیدگی کے الفاظ میں تذکرہ کیا جو علیگڈھ میں تعلیم نسواں کے متعلق کیا جا رہا ہے۔ اسکے بعد شیخ محمد عبد اللہ صاحب بی اے سکرٹری شعبہ تعلیم نسواں نے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں شعبہ کے کام پر ریویو کرتے ہوئے بتایا کہ [illegible] مولوی محمد اسمعیل صاحب انجینئر و رئیس میرٹھ تیار کر رہے ہیں۔ زنانہ اسکول دہلی [illegible] کی عمارت کے نقشے پیش کر کے بتایا کہ پردہ کی ایسی سختی کے ساتھ پابندی

[illegible] بیان کی کہ مسٹر [illegible] جو [illegible] اسکول سے [illegible] [illegible]
جب لڑکیاں تعلیم میں ایک معتدبہ حد تک ترقی کر جاتی ہیں تو انکے والدین انکو شادی کرنے یا مدرسے میں بوجہ انتظام پاس کا
انتظام نہ ہونیکی وجہ سے اٹھا لیتے ہیں۔ صاحب موصوف نے یہ بھی اطلاع دی کہ مدرسہ میں تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ تک
کی ایک یورپین ہیڈ مسٹرس رکھنے کی تجویز ہے اور اس عہدہ کے لئے کسی موزوں لیڈی کی انتخاب کے متعلق ولایت سے خط
کتابت ہو رہی ہے۔ لیڈیز آرٹ اگزبیشن کا تذکرہ کرتے ہوئے آپنے بتایا کہ "گو ہماری نمائش نے اتنی جگہ نہیں گھیری
جتنی کہ الہ آباد کی نمائش کے لیڈیز آرٹ سکشن نے گھیری ہے مگر جن لوگوں نے دونوں نمائشوں کو دیکھا ہے وہ اقرار
کرتے ہیں کہ ہماری نمائش کے نمونے اس سکشن کے نمونوں سے بدرجہا بہتر ہیں"۔ اس موقع پر صاحب موصوف نے
مسٹر نور محمد بی۔ اے کی سعی۔ کا بھی تذکرہ کیا۔

اسکے بعد مندرجہ ذیل ۳ رزولیوشن پاس ہوئے:۔ (رزولیوشن نمبر ۴۸) جس قدر روپیہ مسلمان تعلیمی
اغراض کیلئے صرف کر رہے ہیں یا آیندہ کریں اوس کل رقم کا ایک معقول حصہ تعلیم نسواں پر خرچ کرنا لازمی ہے
(رزولیوشن نمبر ۴۹) تعلیم نسواں کی طرف قوم کو متوجہ کرنے کیلئے کانفرنس کی طرف سے لکچرار مختلف مقامات پر
بھیجے جایا کریں جو مسلمانوں کے جلسے منعقد کرکے تعلیم نسواں کے فوائد بیان کیا کریں (رزولیوشن نمبر ۵۰)
جیسے لڑکوں کو وظائف دیکر ٹریننگ اسکولوں میں تعلیم کیلئے بھیجا جاتا ہے اسی طور پر (جبتک لیڈی ٹریننگ
کیلئے کافی سامان نہ ہو جائے) لڑکیوں کو وظائف دیکر کسی ٹریننگ اسکول میں بھیجا جاوے اور بالفعل تین
وظائف دس دس روپیہ ماہوار کے مخصوص کئے جائیں۔

موخر الذکر رزولیوشن سے مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور مسٹر طفیل احمد مختار فتحپور نے
اختلاف کیا۔ مگر رزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہو گیا۔ اس جلسہ میں چند پردہ نشین خواتین بھی شریک
تھیں جو پس پردہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

زنانہ مصنوعات کی نمائش

کا افتتاح مسٹر ڈریک براکمین (اہلیہ صاحبہ جوڈیشل کمشنر بہادر) کے ہاتھ سے ہوا نمائش
اسلامیہ ہائی اسکول کے ہال میں تھی۔ ہندوستان کے ہر حصہ سے مسلمان ہندو پارسی عیسائی

(۱) ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب (۲) میر ولایت حسین صاحب (۳) قاضی جلال الدین صاحب (۴) مولوی ابوالحسن صاحب (۵) سید عبدالباقی صاحب (۶) محمد احتشام الدین صاحب (۷) مولوی شیخ عبداللہ صاحب آنریری سکریٹری

اور یہ بھی قرار پایا کہ بذریعہ اشتہارات کے عام پبلک سے بھی رائے طلب کیجائے کہ ابتدائی آٹھ جماعتوں کے لئے لڑکیوں کا نصاب کیا ہونا چاہیئے۔ اور نیز یہ قرار پایا کہ قبل اس کمیٹی کی اوس میٹنگ کے جسمیں اسباب کا تصفیہ ہو ممبران انفرادی طور پر اپنی اپنی رائے ایک خاص تاریخ تک (جو سکرٹری صاحب مقرر فرما دیں) تحریر کر کے سکرٹری صاحب کے پاس بہیجدیں، اور پہر وہ رائیں پاس ہو کر کمیٹی میں پیش ہو کر طے کی جاویں۔ اور نیز یہ بھی قرار پایا کہ باہر کے اہل الرائے اصحاب جو اپنی رائیں تحریری سکرٹری کے پاس بہیجیں کمیٹی وقت اخیر فیصلہ کے اونکا لحاظ رکھے۔

اسکے بعد آنریری سکرٹری نے بیان کیا کہ مناسب ہے کہ ۱۰ فروری تک ممبران کمیٹی سے اور نیز دیگر اہل الرائے سے تحریری رائیں طلب کی جاویں اور اون سے خواہش کی جاوے کہ وہ ۱۰ فروری تک اپنی رائے بہیجدیں۔ اس کے بعد پریسیڈنٹ کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

انتقال پر ملال - نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ ہز ہائینس حضور نواب صاحب رامپور کی بیگم صاحبہ نے ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرمایا حضور ممدوح نے بیگم صاحبہ مرحومہ کے علاج میں بیحد کوشش فرمائی۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرایا لیکن شفا حاصل نہ ہوئی۔ اور آخر ۱۹ر جنوری کو وہ وقت آن پہونچا جو ہر متنفس کے لئے ضروری اور لابدی ہی۔

اس ہوش ربا سانحہ سے تمام ریاست سوگوار ہے۔ نیز ایسے ہر دلعزیز رئیس کے رنج و غم میں تمام مسلمان شریک ہیں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی مرحومہ کو غریق رحمت فرمائے۔ اور ہز ہائینس کے رنجیدہ دل کو صبر عطا کرے۔

ہوا باز - ہندوستان میں ہوائی جہاز پر پرواز کرنیوالی سب سے پہلی لیڈی مسٹر مین کی بیوی ہیں۔ یہ مہاراجہ صاحب کوچ بہار کے اسٹاف میں ہیں۔ دوسری پرواز کرنیوالی لیڈی کپتان ڈیرپل کی بیوی ہیں۔ ان دونوں لیڈیوں نے پہلی مرتبہ ہوائی جہاز میں بیٹھکر پرواز کی۔ اور دونوں نے تعریف کی کہ ہوائی جہاز میں بیٹھنے سے بڑا لطف آتا ہی۔

دنیا بھر کی سیاح عورتیں - امریکا میں عورتوں کی ایک بہت بڑی جماعت تمام دنیا کی سیر کیلئے اُٹھی ہو۔ انھوں نے باہمی چندہ سے ایک بہت بڑی رقم جمع کی جو کہ اس تمام جماعت کیلئے عالم کی سیاحت کے واسطے کافی ہو۔ لنڈن بنک نے ان عورتوں کی ہنڈیاں یعنی منظور نہیں کیں جس سے انکو سخت دقت پیش آئی۔ لیکن آخر ان مردانہ ہمت رکھنے والی عورتوں نے کسی طرح روپیہ کا انتظام کیا اور چل نکلیں۔ انھوں نے اپنی جماعت کی تین ٹولیاں بنائی ہیں۔ ایک ٹولی ہندوستان کو آرہی ہو۔

تعلیم نسواں - امسال بمبئی کی یونیورسٹی کے امتحان میں ۱۲۵ عورتیں شریک ہوئی تھیں۔ ان سے ایک خاتون ایم اے کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔ بی اے۔ سی میں ۱۴۔ ایل ایل بی میں ایک۔ ایل ایم اینڈ ایس میں دو۔ انٹرنس میں ۷۰ لڑکیاں پاس ہوئیں۔

لڑکی کی اپیل - مشہور گجراتی اخبار سانجھ ورتمان لکھتا ہی کہ پونہ کے مہاجنوں سے ایک حسین لڑکی نے اپیل کی ہے کہ جس شخص سے میری نسبت کی گئی ہے وہ دائم المریض ہے۔ اسلئے مہربانی فرماکر اسکی شادی کا کسی دوسری جگہ بندوبست کیا جائے۔ کیونکہ مجھے خیال ہو کہ قوم ہی اعلیٰ سرپرست ہے۔ اگر خاطر خواہ جواب نہ ملا تو پھر مجھے ظاہر ہونا پڑے گا۔ اس لڑکی نے یہ اپیل بذریعہ رجسٹری کے بھیجی ہے۔

ترنانہ انجمن - شریمتی ابلا بسو کی کوشش سے خاتونان بنگال کی ترقی و بہبودی کے لئے ایک انجمن قائم کی گئی ہو جس میں علم ادب سائنس اور تواریخ وغیرہ پر لیکچر ہوا کرینگے۔ شریمتی کو مودنی مترجی اسے سکرٹری بنائی گئی ہیں۔ ممبروں کو کم سے کم چار آنہ ماہوار چندہ دینا ہوگا۔ جن خاتونوں کے پاس گھر کی گاڑیاں ہیں وہ اپنی گاڑیوں پر آئیں گی۔ اور جنکے پاس نہیں ہیں انکے لئے بھیجی جائیں گی۔ بابو دیریندرا ناتھ ٹھاکر و بعض دوسرے لائق آدمیوں نے ستارے اور اشیاء خوردنی وغیرہ پر لیکچر دئے ہیں۔

ترکی خواتین - حضرت صفیہ کے محل جائزہ الامراء کی ترکی خواتین نے ایک [illegible] کو امداد دینے کے لئے قائم کی ہے۔ اور چندہ کی فہرست کھول رکھی ہے - ان فہرستہ شدہ ا ور چندہ خیال خواتین کی سرگرم کوشش سے پہلے نقد انجمن بحریہ عثمانیہ کے پاس موصول ہو گئی - ابکی تعداد ۱۰۵۰ روپے

تقریر پر انعام - چندارامجی گرل ہائی اسکول میں ۱۴ سال سے بڑی عمر کی لڑکیوں کا ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ اس میں تقریری مقابلہ کر کے انعام دیا جائیگا ۱۳ لڑکیاں انعام کی امید وار تہیں - "ہندو خاندان کی مشکلات اور انکے انسداد کی تدابیر" امتحان تقریر کا عنوان تجویز کیا گیا - زبان گجراتی اور مرہٹی قرار دی گئی تہی - تیرہ امیدواروں سے صرف ایک گجراتی اور باقی بارہ مرہٹیں تہیں - جو عورتیں ممتحن مقرر کی گئی تہیں وہ دونوں زبان سے واقف تہیں انکے فیصلے سے ایک گجراتی خاتون سورج بائی موتی لال سوریا نے اچھے نمبر حاصل کئے - اور پانچ اور لڑکیوں کو انعام دینا قرار پایا جو یونیورسٹی کے جلسے کے موقع پر دیا جائیگا -

---

زنانہ اسکول علیگڈھ بوجہ پلیگ کے ایک مہینے سے بند ہے ابھی تک بیماری کی حالت بدستور ہے اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک کھلیگا - اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد اس آفت سے نجات دے -

---

رجسٹرڈ نمبر ا ۔ ۲۷۱

خاتون

نمبر ۱	بابت ماہ فروری ۱۹۱۱ء	جلد

ایڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عنایت اللہ پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں طبع ہوا
فروری ۱۹۱۱ء
شیخ عبداللہ بی اے پبلشر نے علیگڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت [illegible]

اور ششماہی [illegible] ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات

میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے

مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے

کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے

جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے

جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے

کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے

انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں

لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کیلئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے

کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کیلئے

تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

حضرت خولہؓ

حضرت خولہؓ کے باپ کا نام ازور تھا۔ وہ بھی بڑے صحابہ میں سے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خولہؓ اور انکے بھائی ضرارؓ یہ دونوں بھی اپنے باپ کی طرح جام شہادت پینے کے مشتاق تھے۔ اسی غرض کیلئے شام اور مصر کے فتوحات میں یہ دونوں بھائی بہن برابر شریک رہے۔ ان کی بوڑھی ماں مدینہ شریف میں اکیلی رہتی تھی۔

حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ان دونوں کی بڑی قدر کرتے تھے کیونکہ انہیں غیر معمولی جرأت اور بہادری تھی۔ اور تمام فوج کے سپاہیوں میں یہ ہر دلعزیز تھے۔

بھائی اور بہن دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں بہن کی رگوں میں جو خون گردش کرتا ہے اسکا ایک ایک قطرہ بھائی کی محبت میں سرشار ہوتا ہے وہ خون نہیں ہے بلکہ آسمانی پاک محبت کی شراب ہے جو بہن کو ہر وقت بھائی کی محبت کے

نشہ میں رکھتی ہے۔ بہن کو بھائی کی کس قدر محبت ہوتی ہے اسکا اندازہ صرف بہنیں ہی کر سکتی ہیں بھائی نہیں کر سکتے۔ بہنوں کا خون لطیف اور نازک ہوتا ہے۔ محبت اسکی ایک ایک ذرہ میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن بھائی کے خون میں مردانگی ہے وہ سخت ہوتا ہے وہ بہن کی محبت میں اتنا نہیں پگھلتا جتنا بہن کا خون بھائی کی محبت میں

لیکن بہادر انسان کی خاص صفت یہ بھی ہے کہ رقت اور محبت کا اسکے دل میں زیادہ مادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت خولہؓ جس قدر حضرت ضرار کو عزیز رکھتی تھیں حضرت ضرار اس سے کم انکو نہیں سمجھتے تھے یہ بھی اتفاقات کے عجائبات میں سے ہے کہ شام اور مصر کی فتوحات میں یہ دونوں بھائی بہن جا بجا کافرونکے ہاتھوں میں گرفتار ہوا کئے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کو جب تک چھڑا نہ لیتا تھا اسکو چین نہ آتا تھا۔ اس موقع پر ہم اِنکے چند گرفتاریونکا حال لکھتے ہیں۔

سنہ ۱۹ھ میں مسلمانوں کا لشکر دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ کہ ناگہاں یہ خبر آئی کہ اجنادین میں کفاروں کا بڑا مجمع ہو رہا ہے حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ آپ ضرارؓ کو انکے مقابلہ کے لئے بھیجئے۔ انہوں نے اس رائے کو پسند کیا اور پانچ ہزار سوار ضرارؓ کو دیکر اس طرف روانہ کیا۔ ابھی یہ لوگ پہونچنے بھی نہ پائے تھے کہ راستہ میں حمص کے بادشاہ وردان سے مقابلہ ہوگیا جو بارہ ہزار فوج لئے ہوئے اجنادین کو جا رہا تھا۔ ضرارؓ نے بڑی بہادری سے حملہ کیا یہاں تک کہ فوج کے اندر گھس گئے۔ وردان کا بیٹا ہمدان بھی اس فوج میں سردار تھا اس نے ضرار کو ایک نیزہ مارا جس سے انکا بازو زخمی ہوا انہوں نے لپک کر اسکے سینہ میں نیزہ چڑا۔ جو پار ہوکر اسکے پیٹھ کی ہڈی سے گذر گیا جب نیزہ کھنچا تو اسکا پھل اس کی ہڈی میں پھنسا رہگیا۔ کفار کو موقع ملا چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ضرار کو گرفتار کر لیا۔

مسلمان سپاہی باوجود اپنے سردار کی گرفتاری کے نہایت ثابت قدمی سے لڑتے رہے۔ ایک تیز رفتار سوار نے ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر حضرت خالدؓ کو پہونچائی انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سے اجازت لیکر ایک ہزار سواروں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور باگ چھوڑ دی۔

خالدؓ تیزی سے ایک ہزار سواروں کے ساتھ چلے جارہے تھے کہ یکایک انہوں نے دیکھا کہ فوج کے آگے آگے ایک نہایت تیز رفتار سوار جارہا ہے جو ڈھاٹا باندھے ہوئے ہے اور ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ لئے ہوئے ہے اسکے بدن پر سیاہ لباس ہے اور سوائے آنکھوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔

حضرت خالدؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سوار ہے لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا۔ آخر انہوں نے گھوڑے کو تیزی سے اسکی طرف بڑھایا۔ اور تمام لوگوں نے اپنے گھوڑے تیز کئے تاکہ معلوم کریں کہ کون شخص ہے لیکن وہ آگے نکل گیا یہاں تک کہ معرکہ میں پہونچکر اس نے کافروں پر بیدریغ حملہ کیا۔ وہ رومیوں کی جماعت میں گھس جاتا تھا اور پھر بجلی کی طرح نکل آتا تھا۔ پھر حملہ کرتا تھا اور پھر باہر آتا تھا یہاں تک کہ کفار کے خون سے اسکا نیزہ سرخ ہو گیا۔ اور کئی رومیوں کو اس نے پست کر دیا پھر وہ قلب کی طرف بڑھا اور رومیوں کی فوج کو چیرتا ہوا بیچ میں پہنچا اور کئی کافروں کو قتل کیا۔ اتنے میں حضرت خالد بھی پہونچگئے اور انہوں نے بھی کافروں پر حملہ کیا رومیوں نے بڑی بہادری سے انکے حملہ کو روکا دو پہر تک لڑتے رہے لیکن آخر کار شکست کھاکر بھاگے۔ انکا زیادہ حصہ قتل ہو گیا۔

لڑائی کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ سوار خون میں بالکل ڈوبا ہوا ہے۔ چاروں طرف سے مسلمانوں نے تحسین کی حضرت رافع نے خالد سے کہا کہ میں تو حیران ہوں کہ یہ کون سوار ہے ایسا بہادر سوار کم دیکھنے میں آیا۔ حضرت خالدؓ نے کہا

علی ہذا میں بھی حیرت میں ہوں ذرا دریافت کرو کہ یہ کون ہے ایک شخص نے بڑھکر دریافت کیا لیکن اس سوار نے مُنہ پھیر لیا اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے کہا کہ اے بہادر شہسوار امیر تیرا نام دریافت کرنا چاہتا ہے اور تو مُنہ پھیرتا ہے یہ دیکھکر حضرت خالد خود آگے بڑھے اور پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ اے امیر میں نے اسی وجہ سے مُنہ پھیرا کہ مجھے شرم آتی ہے کیونکہ میں عورت ہوں اور آپ سب لوگ مرد ہیں۔ میں ازور کی بیٹی ہوں۔ اپنے بھائی کے قید ہوجانیکی خبر سنکر تاب نہ لاسکی اور اسکو چھڑانے کے لئے چلی آئی۔

خولہؓ نے ایک ایک مسلمان سے پوچھا کہ کہیں ضرار کو بھی تم نے دیکھا لیکن کسی سے کچھ پتہ نہ معلوم ہوا تب انکے دل کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اور انہوں نے رونا شروع کیا۔

اے میرے بھائی کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کس میدان میں کافروں نے تجھکو پھینکا۔ انہوں نے تجھے نیزے سے مارا۔ یا تلوار سے قتل کیا......... اے میرے بھائی تیری بہن تیرے اوپر قربان۔ اگر میں تجھے دیکھ پاتی تو کافروں کے ہاتھ سے خود چھڑاتی۔ کیا خبر ہے کہ میں اب پھر تیرا دیدار دیکھوں گی یا نہیں۔ یا تو اپنے باپ کے پاس پہنچا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت کا جام پیا تھا۔ اگر ایسا ہو تو میری طرف سے تجھپر ہزار ہزار سلام ہوں۔

انکا یہ نوحہ سنکر تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت خالد بھی روئے۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا دستہ رومیونکا پہاڑ کے دامن میں نمودار ہوا۔ مسلمانوں نے فوراً تیار ہوکر ان پر حملہ کیا۔ انہوں نے دیکھتے ہی تلواریں اور نیزے اپنے ہاتھوں سے پھینک دئے اور اماں مانگی۔ حضرت خالد نے انکو اماں دی اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم حمص کے باشندے ہیں وردان کے ساتھ تمہارے مقابلہ کے لئے آئے

تھے۔ لیکن یہاں آکر ہمکو معلوم ہوگیا کہ وہ تم سے نہیں لڑسکتا اسلئے ہم اپنے
گھروںکو واپس جارہے ہیں۔ حضرت خالدنے ان سے پوچھا کہ کیا تمکو ہمارے بھائی
کی کچھ خبر ہے جس نے وردان کے بیٹے کو ہلاک کیا تھا اور جسکو اس نے گرفتار
کرلیا۔ انہوں نے کہاکہ وہی جو بلا زرہ پہنے ہوئے لڑتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے
کہاکہ ہاں۔ انہوں نے کہاکہ وردان نے اسکو سو سواروں کی حراست میں قید
کرکے حمص کی طرف روانہ کیا ہے۔ تاکہ وہاں سے ہرقل بادشاہ روم کے
پاس بھیجا جائے۔

حضرت خالدکو یہ سُنکر خوشی ہوئی۔ انہوں نے فوراً حضرت رافع کو حکم دیا کہ
سو سوار لیکر حمص کے راستہ کی طرف جاؤ اور دشمنوں کے نشان قدم سے
انکا پتا لگاکر ضرار کو چھڑالاؤ۔

رافعؓ نے اسیوقت سو سوار منتخب کئے اور لیکر روانہ ہوگئے۔ حضرت خولہ کو
جب یہ خبر ملی تو خوشی سے انکا چہرہ دمک اٹھا گھوڑے پر سوار ہو کر ساتھ ہوئیں۔
حضرت رافع اِس دستہ فوج کو لیکر بہت دور نکل گئے۔ دشمنوں کے نقش
قدم کا ہرچند انہوں نے کھوج لگایا لیکن پتا نہ چلا دور تک تلاش کرتے ہوئے چلے
گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہاکہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ ابھی
یہاں تک نہیں آئے ہیں اِسلئے مناسب ہے کہ ہم لوگ گھات میں چھپکر بیٹھ رہیں
اور انکے آنے کا انتظار کریں۔

انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو یہ خیال گذرنے لگا
کہ ہم نے وقت کو رائگاں کھویا کہ اتنے میں کچھ سوار آتے ہوئے دکھائی دئے
جب قریب آگئے تو معلوم ہوا کہ یہ وہی سو سوار ہیں جو ضرارؓ کو لئے جارہے ہیں
جب ٹھیک موقع پر آئے تو یکایک حضرت رافع نے حملہ کیا۔ تکبیر کا نعرہ سنتے ہی

کافروں کے حواس اُڑ گئے حضرت ضرار چھڑا لئے گئے۔ اور کافر ایک ایک کرکے مارے گئے۔

دمشق ہی کے محاصرہ میں یہ خبر آئی کہ اجنادین میں نوے ہزار عیسائی فوج مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوئی ہے حضرت ابوعبیدہ نے تمام فوج کو اجنادین کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد کو فوج کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور عورتوں اور بچوں سامان وغیرہ کو پیچھے سے خود ایک ہزار سوار ونکے حفاظت میں لیکر روانہ ہوئے ابھی ایک منزل آئے تھے کہ والی دمشق نے موقع پاکر چھ ہزار سوار لیکر حضرت ابوعبیدہ پر شہر سے نکلکر حملہ کردیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ عربی عورتیں بھی جان توڑکر لڑیں لیکن کفار کی تعداد بہت تھی۔ بہت سی مسلمان عورتیں گرفتار ہوگئیں منجملہ انکے حضرت خولہ بھی تھیں۔

ایک تیز رفتار سوار خالدؓ کے پاس پہنچا۔ اور چلا یا کہ کفار نے عربی حرم پر چھاپا مارا اور ایسی جمیعت سے آئے ہیں کہ ابوعبیدہؓ کو مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی حضرت خالد نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو بات ہونے والی ہوتی ہے ہوکر رہتی ہے میں حضرت ابوعبیدہ سے کہتا تھا کہ آپ فوج کو لیکر چلیں اور ساقہ پر مجھے چھوڑیں لیکن انہوں نے نہ مانا۔ فوراً دو ہزار سوار انکی امداد کے لئے روانہ کئے اور ایک ہزار اپنے ہمراہ لیکر پیچھے سے چلے۔ کفار ان کو دیکھتے ہی بھاگے لیکن انکا سردار بولص اور بہت سے عیسائی گرفتار کرلئے گئے۔

حضرت ضرار نے جب یہ سُنا کہ کفار جن عورتوں کو قید کرلیگئے ہیں ان میں انکی بہن خولہ بھی ہیں تو رنج سے بیقرار ہوکر، رونے لگے حضرت خالد نے کہا کہ گھبرانیکی کوئی بات نہیں ہے۔ انکے بہت سے سردار ونکو تم نے گرفتار کیا ہے انکے عوض میں

ہم اپنے قیدیوں کو چھڑا لینگے۔ تمام سپاہ کو معہ حضرت ابوعبیدہ کے انہوں نے فوج کی طرف روانہ کیا اور خود ایک ہزار سوار لیکر اپنے قیدیوں کو چھڑانے چلے۔ ان ہزار سواروں میں حضرت رافع ؓ اور ضرارؓ بھی تھے۔

ادہر بولص کا بھائی پطیر جب مسلمان عورتوں کو قید کر کے لے گیا تو وہ ایک ندی کے کنارے فروکش ہوا۔ باقی ماندہ سپاہ اسکے ساتھہ تھی اس نے کہا کہ جبتک میرے بھائی کی کوئی خبر نہ معلوم ہو اسوقت تک یہیں ٹھہرو تاکہ اسکا کچھ سُراغ لگا کر اسکے چھڑانے کی کوئی تدبیر کریں۔

اس نے مسلمان عورتونکو ایک محفوظ خیمہ میں بند کیا یہ عورتیں اکثر بوڑھیاں تھیں لیکن سواری اور جنگ میں ماہر تھیں انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کی کہ اب کس تدبیر سے ہمکو نجات مل سکتی ہے۔ حضرت خولہ جو نوعمر اور پر جوش تھیں بولیں کہ اے تبابعہ اور عمالقہ (عرب کے دو پُرانے شاہی خاندان) کی بیٹیو! کیا تم پسند کرتی ہو کہ ان کافروں کے بس میں ہو کر رہو اور تمہاری اولاد انکی غلام بنے۔ کیا تم اس ذلت کو برداشت کروگی کہ عرب کے قبائل تمہاری اس رسوائی کا چرچا کریں کہاں ہے تمہاری آبائی شجاعت! کدہر ہے تمہاری خاندانی شہامت! تمہارے اسلاف ہمیشہ موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے رہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ تم سب بھی اس رسوائی کے بدلے مرنا قبول کروگی حضرت خولہ کی یہ تقریر سنکر ایک صحابیہ نے کہا کہ اے خولہ بیشک ہم ایسے ہی ہیں۔ اور بارہا ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہماری رگوں میں بھی وہی خون ہے جو ہمارے اسلاف کی رگوں میں تھا۔ سخت سے سخت جنگوں میں اپنی شجاعت اور شہامت ہم دکھلا چکے ہیں۔ مگر اس موقع پر جبکہ تلوار ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے کیا کر سکتے ہیں۔

حضرت خولہ نے کہا کہ تلوار نہ ہو تو نہ سہی خیمہ کی چوبیں نکال لو۔ میخیں اکھیڑ لو اور انکو

لیکر فا رنگر و نپر حملہ کر و۔

سب عورتوں نے ایسا ہی کیا۔ اور غول بندی کر کے ایک دائرہ بنالیا۔ حضرت خولہ انکی سردار تھیں۔ انہوں نے کہا کہ سب ایک سے ایک ملی رہو۔ الگ نہو۔ مقابلہ کرنے والوں کی تلواروں اور نیزوں کو توڑ ڈالو۔

ابھی شکل سے یہ غول باہر نکلا۔ وہاں ایک رومی کھڑا تھا۔ پہلے اسی پر ایک صحابیہ نے ایک چوب ماری جس سے اسکا سر پھٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ دیکھتے ہی چاروں طرف سے رومی دوڑے۔ پیٹر کو بھی خبر ہوئی۔ بھاگا ہوا آیا۔ عورتوں کو اس طرح دیکھکر ہنسا پوچھا کہ اس سے تمہارا کیا مطلب ہی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسوائی اور بدنامی کی زندگی سے بچنے کے لئے تم سے لڑینگے۔ مرجائینگے لیکن تمہارے ہاتھوں میں قیدی بنکر نہ رہیں گے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عورتوں کو پکڑ لو۔ ان پر ہتھیار نہ اوٹھاؤ بلکہ زندہ گرفتار کرو۔ سپاہی چاروں طرف سے لپکے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان شیر دل عورتوں نے کئی کافروں کو جان سے مار ڈالا۔ تب پیٹر کو غصہ آیا وہ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور سپاہیوں کو للکارا کہ اب تلوار اوٹھاؤ اور ان کو قتل کرو۔ یہ سنتے ہی رومی تلواریں کھینچ کھینچکر آگے بڑھے۔

یہ وقت ان عورتوں کی سخت مایوسی کا تھا۔ وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکی تھیں مگر اللہ تعالے بڑا مسبب الاسباب ہے۔ رومیوں کے حملہ کرتے ہی پہاڑ کی اوڑ سے حضرت خالد۔ اور ضرارؓ مع ایک ہزار سواروں کے نمودار ہو گئے۔ حضرت خولہ نے للکار کر کہا کہ اے ایمان والیو! شریفوں کی موت مرو۔ اور کمینوں کی طرح عاجز و خوار نہو۔ دیکھو وہ اللہ تعالےٰ کی مدد ہمارے لئے آرہی ہے۔ میرے بھائی اور رسول پاک کے صحابہ ہمکو چھڑانے آتے ہیں۔ عورتیں اس امداد غیبی کو دیکھکر خوشی کے مارے اُچھل پڑیں۔ کفار دہشت زدہ ہو گئے۔ اور بھاگنے لگے۔

پیٹر بھی اپنے گھوڑے پر بیٹھنے کے لئے لپکا۔ اور عورتوں سے بولا کہ جاؤ تم سب کو میں نے صلیب کے صدقہ میں آزاد کر دیا۔

ابھی وہ گھوڑے پر بھی نہیں بیٹھ چکا تھا کہ حضرت ضرار وہاں پہونچ گئے۔ پیٹر نے بھاگتے ہوئے کہا کہ یہ عورتیں میں نے تمکو بخشیں۔ انہوں نے تیزی سے اسکی طرف گھوڑا بڑھایا اور کہا کہ اسکا کچھ شکریہ بھی لیتے جایئے۔ یکایک پیٹر کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گرنے لگا کہ اتنے میں حضرت ضرار نے اسکے کولھے میں ایک نیزہ جڑا جو پار نکل گیا۔ انہوں نے اسکا سر کاٹ کر نیزہ پر رکھ لیا۔ جس قدر کافر ملے مارے گئے۔ اور عورتیں چھڑائی گئیں۔ پھر فوج اجنادین کو روانہ ہوئی۔

جنگ یرموک سب سے بڑا معرکہ ہوا ہے۔ اس میں تمام عیسائی طاقت تقریباً چھ لاکھ فوج جمع ہوئی تھی۔ اسکا افسر اعلیٰ ماہان تھا اسلامی فوج چالیس اور پچاس ہزار کے درمیان تھی۔ اسکے امیر حضرت ابو عبیدہ تھے۔ پہلے مقابلہ میں حضرت خالد نے تھوڑے سے مسلمان لیکر ساٹھ ہزار عیسائیوں کو شکست دی۔ لیکن ان منتخب مسلمانوں میں سے پانچ آدمی گرفتار ہو گئے۔ جنمیں حضرت ضرار بھی تھے حضرت خولہ اس رنج سے بیقرار ہو گئیں۔ بھائی اور کیسا بھائی۔ دن بھر اسی کی فکر۔ رات بھر اسی کی رہائی کی دعا۔ طے کر لیا کہ میں بھی اسی معرکہ میں انشا اللہ جام شہادت پیونگی۔ اتفاق سے حضرت خالد کو ماہان نے صلح کی گفتگو کرنے کو بلا بھیجا۔ وہ سو سوارونکو اپنے ہمراہ لیکر تشریف لیگئے۔ اس نے بڑا عالیشان دربار سجایا تھا کہ عربوں پر رعب غالب ہو۔ لیکن صحابہ کی نگاہ میں دنیا کی کیا ہستی تھی جو اس کروفر کو وہ خاطر میں لاتے۔ بہت عرصہ تک گفتگو رہی لیکن صلح کی صورت نہیں پیدا ہوئی ماہان نے جھنجلا کر کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہی۔ حضرت خالد کو

اسکا جھنجلانا ناگوار ہوا انہوں نے کہا کہ تم ہم سے زیادہ میدان جنگ کے شایق نہیں ہو۔ وہ وقت میری نگاہوں کے سامنے ہے جبکہ تیرے گلے میں رسی باندھکر میں حضرت عمرؓ کے سامنے لیجاؤنگا اور وہاں تیرا سر اڑایا جائیگا۔

یہ سنکر ماہان کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اسکے درباری منتظر ہوئے کہ اگر ہمکو حکم دے تو ہم خالدؓ کو قتل کر ڈالیں ماہان نے نہایت جوش میں آکر کہا کہ ابھی ان پانچ قیدیوں کو منگاکر میں تمہارے سامنے ان کی گردن اُڑاتا ہوں تاکہ تمہیں اپنی ہستی معلوم ہو جائے۔

حضرت خالد نے بگڑکر کہا کہ تو ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔ تیری کیا مجال ہے جو کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون بھی تو بہا سکے۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اور انکے تمام ساتھیوں نے تلوار کھینچی۔ اور کہا کہ ابھی ہم تجکو اور تیرے درباریوں کو تہ تیغ کر ڈالیں گے۔

حضرت خالد کے بگڑے ہوئے تیور دیکھکر ماہان دل میں ڈر گیا۔ ہاتھ اُٹھاکر کہا کہ اے خالد ٹھہرو۔ یہ سب باتیں تم نے اسلئے کہیں کہ تم سفیر ہو اور جانتے ہو کہ سفیر قتل نہیں کیا جاتا۔ اچھا اب تم اپنے لشکر میں جاؤ جسکو اللہ چاہیگا فتح دے گا۔

یہ نرم جواب سنکر حضرت خالد نے تلوار میان میں رکھ لی۔ اور پوچھا کہ ان پانچ قیدیونکی بابت کیا کہتے ہو۔ ماہان نے کہا کہ میں نے آپ کی خاطر سے انکو رہا کیا آپ اپنے ساتھ لیجائیے۔ حضرت خالد انکو اپنے ساتھ لائے۔ خولہؓ اپنے بھائی کو دیکھکر بہت خوش ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

یرموک کی لڑائی میں مسلمان عورتیں اسلامی فوج کے پس پشت ایک ٹیلہ پر تھیں۔ کفار کی کثرت سے کبھی مسلمانوں کا میمنہ شکست کھاتا تھا۔ کبھی میسرہ۔ اس

طوفان اور شورش میں مسلمان بعض وقت شکست کھاکر بھاگ نکلتے تھے۔ عورتیں ٹیلہ پر سے اُتر کر انکو روکتی تہیں۔ اور جبراً دشمنوں کی طرف پلٹاتی تہیں۔ کئی ہفتہ تک یہ لڑائی جاری رہی اور روزانہ اس قسم کی کیفیتیں پیش آتی تھیں بعض وقت کفار دہکا پیل کرتے ہوئے ٹیلہ تک پہونچ جاتے تھے تو مسلمان عورتیں دست بدست ان سے جنگ کرتی تہیں ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ کافر بڑہتے بڑہتے اس ٹیلہ تک پہونچ گئے۔ عورتوں نے ان سے لڑنا شروع کیا لخم اور جذام کی عورتوں نے شکست کہائی اور بہاگ نکلیں۔ حضرت خولہ نے انکو ڈنڈونسے مارنا شروع کیا اور کہا کہ تم ہماری جماعت سے نکلجاؤ تم ہمکو بزدل اور کمزور بناتی ہو۔ آخر ان بیچاریوں نے قسم کہائی کہ اچھا ہم اب مرجائینگے لیکن نہ ٹلینگے۔

حضرت خولہ نے ایک رومی کافر پر وار کیا۔ لیکن اسکی تلوار انکے سر پر پڑی۔ اور یہ زخمی ہوکر گر پڑیں۔ تمام جسم خون سے شرابور ہو گیا۔ حضرت عفرہ نے اس کافر کو قتل کیا اور انکو اوٹھاکر خیمہ میں لیگئیں۔ پانی پلایا آنکھیں کہلیں پوچھا کہ کیسا حال ہو کہا کہ اللہ کا شکر ہے لیکن بچتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔ کیا میرے بہائی ضرار کی تمکو خبر ہے انہوں نے کہا کہ میں نے کئی روز سے انکی کوئی خبر نہیں پائی۔ حضرت خولہ نے رو کر دعا کی کہ اے اللہ میرے بہائی کو اسلام کیخدمت کیلئے محفوظ رکہنا میں اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔

حضرت عفرہ کہتی ہیں کہ خولہ کو اسی حال میں چھوڑکر میں پہر لڑنے کیلئے نکلی۔ رات کو جب مسلمان تہک کر آئے تو میں نے دیکھا کہ خولہ مشک لادے ہوئے انکو پانی پلاتی پہرتی ہیں گویا کبھی انکو کوئی زخم ہی نہیں لگا تہا۔ اتنے میں حضرت ضرار بھی آگئے پوچھا کہ کیا گذری۔ انہوں نے کہا کہ خیر گذری۔ ایک کافر نے مجھے تلوار ماری عفرہ نے اسکی گردن کاٹ لی۔ حضرت ضرار نے کہا کہ تجھے خوشخبری ہو کہ یہ

تیرے لئے ذخیرہ ہے جنت کا۔

انطاکیہ میں سخت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ایک ایک ہزار فوج کا دستہ ایک ایک مسلمان سردار کے پاس تھا۔ حضرت ضرار بھی ایک دستہ کے امیر تھے خولہ کو کسی نے خبر پہونچائی کہ ضرارؓ شہید ہو گئے۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مردانہ لباس پہنکر رن میں کود پڑیں۔ اتفاق سے لڑتے لڑتے وہاں پہونچ گئیں جہاں حضرت ضرار تھے۔ انکو زندہ دیکھکر خوش ہو کر انکی طرف لپکیں اور کچھ بات کرنی چاہی۔ انہوں نے بھی انکو پہچانا۔ اور کہا کہ اے خولہ یہ وقت بات چیت کا نہیں ہے بلکہ کام کا ہے۔ اپنے گھوڑے کی باگ میرے گھوڑے سے ملاؤ۔ اور اپنا نیزہ میرے نیزہ کے برابر رکھو۔ اگر ہم میں سے کوئی قتل ہوا تو حشر میں حوض کوثر پر ملاقات ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد مشرکوں نے شکست کھائی۔

ملک شام فتح ہو چکا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ اردن کے قریب خیمہ زن ہیں۔ عمرو بن العاصؓ اور خالدؓ وغیرہ مصر کی فتح میں مشغول ہیں۔ حضرت ضرار بیمار ہیں انکی بہن خولہ انکی تیمارداری میں مشغول ہیں۔ وہ رملہ کے ساحل پر جہاں گھاس چارہ بہت تھا دو ہزار فوج کے ساتھ پڑے ہوئے تھے تا کہ گھوڑے اور فوج پھر تازہ دم ہو جائیں۔

اسکندریہ کی چند جنگی کشتیاں اتفاقاً ایک رات ادھر آنکلیں۔ انہوں نے دیکھا کہ جا بجا آگ روشن ہے اور ملاحوں کے ذریعہ سے معلوم کیا کہ یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت ٹھہری ہوئی ہے تو انہوں نے اچانک چھاپا مارا۔ کچھ مسلمان مقتول ہوئے باقی ماندہ تقریباً ڈیڑھ ہزار کو انہوں نے قید کر کے کشتیوں پر لا دلیا۔ انہیں قیدیوں

یہ دونوں بھائی بہن تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ضرارؓ کی عیادت کو آئے تھے وہ کسی صورت سے بچ نکلے اور آکر حضرت ابو عبیدہ سالار فوج کو خبر کی۔ انکو بڑا رنج ہوا۔ خاصکر ضرارؓ اور خولہ کے قید ہونے کا۔ کیونکہ شجاعت کی وجہ سے یہ دونوں تمام فوج میں ہر دلعزیز تھے۔ انہوں نے فوراً حضرت عمرو بن العاص کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور لکھا کہ جس طرح ہو ان قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش کرو۔ عمرو بن العاص اور خالدؓ کو ضرار اور انکی بہن کے قید ہونے کا بڑا غم ہوا۔ انہوں نے فوراً خبر کے لئے اسکندریہ میں جاسوس روانہ کئے۔

ادھر یہ سب قیدی اسکندریہ میں لیجاکر مقوقس کے بیٹے کے سامنے پیش کر دئے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ مگر بعض مشیروں نے یہ مشورہ دیا کہ انکا قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسوقت ہم میں اور عرب میں لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارے آدمی بھی انکے ہاتھ میں گرفتار ہو جائیں اسوقت ہم ان قیدیوں کو دیکر انکے عوض میں اپنے قیدی چھڑا لینگے اس کو بادشاہ نے پسند کیا اور یہ قرار پایا کہ یہ قیدی دیر زجاج میں جو اسکندریہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے رکھے جائیں دوسرے دن دو ہزار فوج کی حراست میں وہ دیر زجاج کو روانہ کئے گئے۔ یہ سب خبریں حضرت خالد کو پہونچیں۔ وہ پہلے ہی اس مقام پر پہونچ گئے جسوقت تھکے ماندے سپاہی قیدیونکو لیکر وہاں پہونچے اسوقت انپر حملہ کر دیا۔ سات سو قتل اور تیرہ سو گرفتار ہوئے حضرت خولہ ضرار اور تمام مسلمان قیدی رہا ہوئے۔

معرکہ بہنسا میں حضرت ضرار دو سو سوار لئے آرہے تھے کہ اچانک کفار کی دو ہزار

کی جماعت نے انپر حملہ کیا خوب لڑائی ہوئی - لیکن حضرت ضرار کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی - وہ گرے - کفار نے موقع پاکر انکو گرفتار کر لیا - اور لے چلے حضرت سالم اس معرکہ سے بچکر نکل بھاگے - اور ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر اسلامی فوج میں پہونچائی - فوراً حضرت رافع وغیرہ دو ہزار سوار لیکر انکے تعاقب میں چلے - حضرت خولہ بھی عربی گھوڑے پر مسلح جارہی تہیں - تہوڑی دیر میں انپر آن پڑے - اور حضرت ضرار چھڑا لے گئے - کافر بھاگ چلے - لیکن انکی بدقسمتی سے ادہر سے بھی ایک دستہ اسلامی فوج کا آرہا تھا - وہ بیچ میں پڑ گئے اور سب کے سب وہیں مارے گئے -

بشرط امکان آیندہ

راقمہ ا - ج

جاپان

چھٹا باب

اندرون خانہ

جاپانی مکان دنیا کی سادہ ترین عمارتوں میں شمار ہوتے ہیں - کھپریل یا پھونس کی چھت اور اسکو قایم رکھنے والے کھمبے ہی ان مکانات کے خاص اور اہم لوازمات ہیں - دن کے وقت ان میں روغنی کاغذ کی دیواریں ہوتی ہیں اور رات

اس کتاب کا پانچواں باب پہلے ہی رسالۂ خاتون کے جنوری نمبر بابتہ سنہ ۱۹۱۰ء میں "جاپان کی لڑکیاں" کے عنوان سے شایع ہو چکا ہی فقط

سید خورشید علے

میں ان کو بدل کر لکڑی کی دیواریں جو نہ بہت دبیز ہوتی ہیں اور نہ کچھ ایسی بہت مضبوط ہوتی ہیں بنا لی جاتی ہیں۔عام طور پر مکانات یک منزلہ ہوتے ہیں۔ان سب خصوصیتوں کے دو خاص وجوہ ہیں جو بجائے خود بہت اہم ہیں۔

اول تو یہ کہ جاپان میں زلزلوں کی کثرت ہے۔اسلئے جب زلزلہ آتا ہے تو تمام مکانات منہدم ہو جاتے ہیں اور آدمیوں کے سر و نپر آرہتے ہیں۔ایسی حالت میں بڑی بڑی اونچی عمارتیں اور اینٹ پتھر کے مکانات زیادہ تباہی کا باعث ہوتے۔اور نہ صرف یہی بلکہ ان کی دوبارہ تعمیر بھی مشکل ہوتی۔دوسرے یہ کہ جاپان میں آگ کے حادثے بھی بہت ہوتے ہیں۔لوگ نہایت بے پرواہ ہیں۔معمولی اور ارزاں چراغ اور ان سے بھی سستا تیل استعمال کرنے کے عادی ہیں۔کبھی چراغ پھٹ جاتا ہے یا اُلٹ جاتا ہے تو فوراً روغنی کاغذکی دیواریں مشعل کی طرح جلنے لگتی ہیں۔آگ کے شعلے چاروں طرف جلد جلد پھیل جاتے ہیں اور تھوڑی سی دیر میں چند گلیوں اور محلّوں کو یا نواح شہر کے کسی حصّہ کو یا پورے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں۔جاپانی ان نقصانات کو نہایت خاموشی سے برداشت کرنے کے عادی ہیں۔گھر بار کی اس تباہی کے بعد پھر چند کھمبے مہیا کرتے ہیں اور اسی پہلی کھپریل کو اوپر جما کر یا نئی پھونس کی چھت بنا کر چند کاغذ کی دیواروں اور لکڑی کے اوٹون کے ساتھ ایک نیا گھر کھڑا کر دیتے ہیں۔

غریب اور مفلوک الحال آدمیون کے مکانات دن کیوقت صرف ایک بڑے کمرے کی طرح ہوتے ہیں۔رات کے وقت گھر والوں کی ضرورت کے مطابق جس قدر سونے کے کمرے درکار ہوں اس بڑے کمرے میں بنا لئے جاتے ہیں مکان بناتے وقت زمین کو عام سطح سے ایک فٹ کے قریب اونچا کر لیا جاتا ہے اس چبوترہ نما فرش پر اور اس کے مقابل چھت میں ہر طرف کنڈیاں لگی ہوئی ہوتی

ہیں۔ ان ہی کنڈیوں کے ذریعہ حسب ضرورت کاغذ کے چوکھٹے لگا دئے
جاتے ہیں جو دیواروں کا کام دیتے ہیں۔ ان کو جاپان میں "شوجی" کہتے ہیں
مکان کے سامنے کا حصہ راستہ کی جانب کھلا ہوا ہوتا ہے۔ جب کبھی کسی غرض
سے اسکو بند رکھنا منظور ہوتا ہے تو ایک مصنوعی دیوار یہاں بھی لگا دیجاتی ہی
راتکے وقت ان کاغذی دیواروں کے عوض چند لکڑی کی دیواریں اسیطرح
قایم کی جاتی ہیں جنکو "امی ڈو" کہتے ہیں۔
جاپانی تازہ ہوا اور روشنی کی بڑی ہی قدر کرتے ہیں۔ جب تک کہ
سخت بارش یا تند وتیز طوفان خیز ہوا کے جھونکوں سے مجبور نہ ہو جائیں
مکان کے اگلے حصہ کو ہمیشہ کھلا رکھتے ہیں۔ جب دھوپ بہت سخت اور ناقابل
برداشت ہوتی ہے تو عموماً ایک پردہ لٹکا دیا جاتا ہے جسپر مالک مکان کا نام
نہایت جلی سفید حروف میں نمایاں رہتا ہے۔ جس طرح انگریز لوگ اپنے دروازونپر
اپنے نام کی تختیاں لگاتے ہیں ویسے ہی گویا یہ پردے بھی ہوتے ہیں۔ ان
مکانات میں اسباب خانہ داری بہت سادہ اور مختصر ہوتا ہے۔ زمین پر دبیز
چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا ہوتا ہے اور اسی پر سوتے اور اسی پر اوٹھتے بیٹھتے
ہیں۔ ایک نیچی تپائی سے میز کا کام لیا جاتا ہے غرض جاپان میں نوجوان میاں
بیوی کا ایک الگ گھر قایم کرنا بہت آسان ہے۔ چنانچہ مشہور مصنفہ مسیز بشپ نے
لکھا ہے:-

"منجملہ ان اہم ترین اسباب کے جو غیر ممالک کی طرز رہائش اور طریقہ بود و باش اختیار"
"کرنے میں جاپانیوں کے مانع اور مزاحم ہیں ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ خانہ داری کے"
"مصارف بے انتہا بڑھ جائیں گے اور اوئل عمر کی شادی مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گی"
"اب تو غریب طبقہ کے ایک نئے بیاہے ہوئے میاں بیوی کے واسطے اپنا گھر قایم کرنیکا"

"لئے صرف ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک کمرہ خواہ اس میں اور کمرے بنائے جا سکتے ہوں یا"
[illegible]
"تما صندوق جس میں دن کیوقت یہ چیزیں رکھ دی جاتی ہیں۔ ایک چاول رکھنے کی چوبی کڑھائی اور"
"ڈوئی۔ ایک لکڑی کا بڑا پیالہ۔ ایک لوہے کی دیگچی ایک "ہی باچی" یعنی مکان گرم کرنے اور کھانا"
"پکانے کا چولھا۔ ایک یا دو کشتیاں۔ ایک یا دو چائے دان دو چاول کھانے کے وارنش کئے ہوئے"
"پیالے۔ ایک توشہ دان۔ چند چینی کی پیالیاں۔ چند تولئے۔ ایک بانس کی جھاڑو۔ ایک "ڈیا کوبون"
"یعنی تمباکو نوش کرنے کا آلہ۔ ایک لوہے کا گھڑا۔ چند تختے جو سامان جانے کے لئے کسی گوشہ میں لگا دئے"
"جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دو پونڈ یعنی تیس روپیہ سے بھی کم میں مہیا ہو جاتی ہیں"

اگر ضرورت ہو تو اس سے کم خرچ میں بھی گھر بسایا جا سکتا ہے۔ اس حالت میں بھی ضرورت آرام کی تمام چیزیں مہیا ہو سکتی ہیں۔ بڑے بڑے مستند مصنفین اس رائے میں متفق ہیں کہ جاپان کے ایک قلی کا مکان ساڑھے پانچ ین میں جو پندرہ روپیہ کے برابر ہوتے ہیں اچھی طرح قائم ہو سکتا ہے۔ متوسط طبقہ کے مکانات بہت سادہ ہوتے ہیں مگر ان کا سامان ویسا کم قیمت نہیں ہوتا۔ ان کے کھمبے ابنوس کے ہوتے ہیں۔ چھت اور کھمبوں میں سنہری پچیکاری ہوتی ہے۔ فرش بھی بہت خوبصورت اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ باوجود اسکے وہی کاغذی پردے جنکو "شوجی" کہتے ہیں ضرورت کے مطابق کمرے بنانے میں کام آتے ہیں اور وہی چوبی دیواریں جو "امے ڈو" کہلاتی ہیں رات کے وقت گھر کو بند رکھتی ہیں۔ کمروں میں نہ تو دروازے ہوتے ہیں نہ آمد و رفت کیلئے راستے۔ اگر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی ضرورت ہو تو درمیانی "شوجی" کو ہٹا کر دوسری طرف نکلتے ہیں اور پھر اسکو اسی طرح برابر کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایک سے دوسرے کمرے میں ہوتے ہوئے اس کمرے میں پہنچنا پڑتا ہے جہاں جانا مطلوب ہو۔ "شوجی" پر عجب عجب قسم کے دلفریب نقش و نگار کئے جاتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک "کاکی مونو" رکھنے کا قاعدہ ہے "کاکی مونو" ایک تصویر ہوتی ہے جو ریشمی کپڑے پر بہت استادانہ کمال کے ساتھ بنی ہوتی ہے۔ یہ تصویر زیادہ تر شاہ دانہ کی یا رآور ٹہنی کی ہوتی ہے جو سفید ریشم پر بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے اور جس پر اصل کا دھوکہ ہوتا ہے۔

جاپان کے مکانوں میں دود کش نہیں ہوتے کیونکہ وہاں چولھوں کے نہ ہونے سے ان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ روزانہ پخت و پز ایک معمولی سے چولھے پر کی جاتی ہے جس میں صرف کوئلہ جلتا ہے۔ اس کا تھوڑا سا جو دھواں نکلتا ہے وہ کاغذی دیواروں کے بیشمار شگافوں میں سے

بہ آسانی نکل جاتا ہے۔

سردی کے موسم میں اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے جاپانی اپنے بغلوں میں ہاتھ دیئے رہتے ہیں اور اپنے جسم پر چھوٹے چھوٹے جو لے لٹکا لیتے ہیں جنکو "ہبی باچی" کہا جاتا ہے۔ "ہبی باچی" ظروف ایک برتن ہوتا ہے جس میں مٹی بھر کوئلے ڈالدیئے جاتے ہیں جو اس طرح جلتے رہتے ہیں کہ دھواں نہیں نکلنے پاتا۔

کمروں میں نہ کرسیاں ہوتی ہیں نہ میز۔ زمین پر بے انتہا خوبصورت چٹائیوں کا فرش ہوتا ہے۔ یہ چٹائیاں برف کی طرح سفید اور گدیوں کی مانند نرم ہوتی ہیں۔ انکی موٹائی دو انچ سے کم نہیں ہوتی۔ ان کو گھانس کی ایک بہت عمدہ قسم سے بنا جاتا ہے اور جاپانی ان ہی پر بیٹھا کرتے ہیں۔ کھانے کے وقت چھوٹی اونچی میزیں رکھی جاتی ہیں اور کھانے سے فارغ ہونیکے بعد ان کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ کرسیاں کبھی استعمال نہیں کی جاتیں۔ اسلئے جو لوگ مغربی معاشرت اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کو یہ بھی سیکھنا پڑتا ہے کہ کرسیوں پر کس طرح بیٹھا جاتا ہے۔

جب سونیکا وقت آتا ہے تو کسی دوسرے کمرے میں جانیکی ضرورت نہیں۔ دن کیوقت جس کمرے میں اُٹھتے بیٹھتے ہیں رات کیوقت اسی کو خوابگاہ بنا لیا جاتا ہے۔ مکان کے گوشہ میں سے چوبی تکئے اور چند لحاف نکال لئے جاتے ہیں اور تکیوں کو قرینہ سے رکھکر لحاف بچھا دینے کے بعد بستر تیار ہو جاتا ہے۔ اجنبیوں کے لئے یہ تکئے بہت حیرت انگیز اور تکلیف دہ ہوتے ہیں بعض اہل یورپ جنہوں نے ان تکیوں کا تجربہ حاصل کیا ہے کہتے ہیں کہ ان پر سونا اتنا ہی تکلیف سا ہوتا ہے جیسا چوکھٹ پر سر رکھکر سونا ہے۔

جاپانی ہمیشہ چٹائیوں پر بیٹھتے اٹھتے اور ان ہی پر سوتے ہیں اسلئے ان میں مکان کے اندر جوتا پہننے کا قاعدہ نہیں۔ جوتوں سے ان کی خوشنما صاف ستھری۔ اور بے داغ چٹائیوں کے غلیظ ہو جانیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی لئے دروازہ پر جوتے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور گھر کے

اندر صرف ٹٹیا بی پہنے جاتے ہیں جو دستانوں کی وضع کے بہت دبیز پائتابے ہوتے ہیں۔

سید خورشید علے
حیدر آباد دکن

حسد

دنیا میں طبائع بشری میں جسطرح خوشی غم۔ تردد۔ تفکر۔ مسرت۔ راحت۔ عشرت۔ عسرت۔ غضب اور غصہ وغیرہ وغیرہ ودیعت کی گئی ہیں ویسے ہی حسد ہے یہ صفت حسد کی ایسی ہو کہ اسکی مذمت برائی میں آیات اور احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہو چنانچہ سورۂ بقر میں ہو۔ ود کثیر من اھل الکتاب لو یرد ونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسداً من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق۔ یعنی دل چاہتا ہو بہت کتاب والونکا کہ تم کو کسی طرح پھیر کر بعد ایمان کے کافر کردیں بسبب حسد کے اپنے اندر سے بعد اسکے کہ کھل چکا اونپر حق۔ اور حدیث صحیح میں ہو۔ الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔ یعنی حسد نیکیوں کو کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ بنی آدم خدا کی نعمتوں کے دشمن ہیں۔ جب سولخدا صلعم نے یہ فرمایا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون ایسا شقی ہوگا جو نعمت خدا کا دشمن ہوگا۔ فرمایا وہ لوگ جو حاسد ہیں اور نعمت و فضل ایزدی کو کروہ جانتے ہیں۔ اس خصلت ذمیمہ کا اثر علما و صلحا میں زیادہ ہو اس باعث سے کہ یہ لوگ بہ نسبت جہلا کے قدر نعمت خوب جانتے ہیں۔ پس جس وقت اپنی طبیعت میں وہ نعمت نہیں پاتے تو دوسرے کو دیکھکر آزردہ ہوتے ہیں اور حسد کرتے ہیں۔

لہٰذا اہل تجربہ فرماتے ہیں کہ چند فرقے بے حساب دوزخی ہونگے۔ اُمرا ظلم سے۔

عربؔ تعصب اور حمیت سے۔ دہقینؔ کبر و نخوت سے۔ تاجرؔ لوگ خیانت سے۔ صحرائیؔ اور پہاڑی جہالت سے۔ اور علماؔ حسد سے۔ غرض کہنے والے کی یہ ہے کہ یہ خصلتیں ان فرقوں میں کثیر الوجود ہیں۔ کوئی شخص انسے کمتر خالی ہی۔ پس حساب اور پرستش احوال کی حاجت نہیں اور یہی حدیث میں وارد ہے کہ حاسد مشرک ہی اور اوس کے واسطے مشرکوں کا ثمرہ ہے کیونکہ اوس نے انکار کیا بخشش خدا کا۔

حاسد زندگی کرتا ہی غمگین۔ خوشی کرتا ہی غمگیں۔ اور مرتاہے غمگین۔

عبد اللہ ابن عون فرماتے ہیں کہ ایک روز میں فُضَیل ابن مُہلّبؔ کی مجلس میں گیا۔ فضیل اوس زمانہ میں واسط کا صوبہ دار تھا۔ پس اوس نے بطور نصیحت کے کہا خبردار تکبر نہ کرنا کہ اول گناہ عالم میں یہی ہے۔ ابلیس اسی سبب سے ملعون ابدی ہوا۔ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔ اسی طرح حرص وطمع سے پرہیز رکھنا کہ اسی نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکال کر محنت سرائے دنیا میں ڈالا ہی۔ اور حسد سے بہت دور رہنا کہ اسی حسد نے ہابیل ابن آدمؑ کو قابیل کے ہاتھ سے قتل کروایا ہے۔

اہل علم کا قول ہی کہ حسد کے چار مرتبہ ہیں اول یہ کہ زوال نعمت کسی سے چاہے گو وہ نعمت اسکو حاصل نہو۔ پس یہ مرتبہ اعلیٰ ہے کہ مسلمان صالح کے حق میں ایسا حسد گناہ کبیرہ ہی۔ اور کافر کے حق میں مباح۔ دوم یہ کہ انتقال اس نعمت کا اپنی طرف چاہے مثلاً کسی کا باغ مجھے ملجائے یا کسی کی ریاست مجھے حاصل ہو۔ تو اوس میں حصول نعمت مقصود بالذات ہی۔ اور زوال اوسکا مقصود بالتبع پس یہ قسم بھی مسلمان کے حق میں حرام ہے۔ سوم یہ کہ زوال نعمت تو نہیں چاہتا الاجب اوس نعمت کی تحصیل سے عاجز ہے تو آرزو کرتا ہی کہ یہ نعمت دوسرے کے پاس بھی نرہے۔ پس یہ بھی ممنوع ہی چہارم یہ کہ حصول اس نعمت کا اپنے واسطے طلب کرے۔ لیکن زوال اوسکا غیر سے خیال میں نہیں ہی۔ اسکو غبطہ کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ اگر امور دینیہ میں ہو جیسے ایمان۔ نماز۔

زکوٰۃ۔ تعلیم و تعلّم وغیرہ میں تو محمود ہے بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جاتا ہی۔
صحیحین میں وارد ہی کہ لا حسد الا فی اثنین رجل آتاہ اللہ مالا فانفقہ
فی سبیل اللہ ورجل آتاہ اللہ علما فہو یعمل ویعلم الناس۔ یعنی دو شخصوں میں حسد
نہیں ہی ایک وہ آدمی جسکو اللہ نے مال دیا اور اوس نے راہ خدا میں صرف کیا
اور دوسرا وہ شخص جسکو اللہ نے علم دیا اور اوس نے اوسپر عمل کیا اور لوگوں کو
سکھایا۔ اکثر روایات میں الا فی اثنتین بتارتانیث وارد ہی۔ یعنی حسد نہیں ہے مگر
دو شخصوں میں ایک مال۔ دوسرا علم۔ اور یہ حدیث باب العلم مشکوٰۃ شریف میں
موجود ہی۔ تلاش سے اسباب حسد کے سات معلوم ہوتے ہیں۔ اوّل عداوت و
بغض۔ کیونکہ انسان مجبول ہی اس امر پر کہ جب اسکو کسی کی طرف سے ایذا پہونچتی
ہی تو بالطبع اوسکو دل میں دشمن رکھتا ہے اور دمبدم چاہتا ہی کہ اس سے کسیطرح
انتقام لے۔ پس جب قدرت نہیں پاتا تو یہ چاہتا ہے کہ گردش زمانہ اوس سے
انتقام لے کہ جان و مال اوسکا تلف ہو جائے۔ چنانچہ ایسے ہی حاسدونکی شانمیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ ان یمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بہا یعنی
اگر پہونچے تمکو بھلائی کہیں یہ اللہ کی طرف سے اور اگر پہونچے تمکو کچھ برائی تو اوس سے
بہت خوش ہوں۔ حسد ہی باعث تنازع ہوتا ہی۔ دوسرا تکبر کہ اپنے ہمچشم کو منصب
عالی پر نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خواہش رکھتا ہی کہ یہ مرتبہ و منصب اوس سے کسی طرح
زائل ہو جائے تاکہ میں اور وہ برابر ہو جاؤں۔ اسی حسد سے کافر کہتے تھے۔
لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ یعنی کیوں نہ اُترا یہ قرآن
کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے۔ یعنی مکے اور طائف کے سرداروں پر۔
تیسرا یہ کہ یہ شخص دائما اپنے ہمچشموں سے خدمت لیتا رہا ہو اور یہ استخدام بدون
زوال نعمت کے اوروں سے صورت پذیر نہیں ہی پس ناگزیر زوال نعمت چاہتا ہی

جس طرح کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے تھے آھولاء من اللہ علیھم من بیننا۔ آیا
یہ وہ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے اونپر ہم میں سے۔ چوتھا تعجب اسبات کا کہ یہ شخص
لایق اس نعمت کے نہ تھا اوسکو مل گئی۔ پس یہ تعجب باعث ہوتا ہے کہ اگر یہ نعمت
اس سے زائل ہوجائے تو تعجب رفع ہوئے۔ پانچواں بعض مقاصد کے فوت ہوجانیکے
خوف سے کوئی شخص آرزو کرتا ہو کہ یہ نعمت اوس سے زائل ہوجائے۔ جیسے ایک
صناع کو دوسرے سے یا ایک مسجد کے واعظوں کو یا ایک شہر کے طبیبوں کو باہم ہوا
کرتا ہی۔ چھٹواں حب ریاست متقاضی ہوتی ہی کہ اور کی ریاست نرہے کیونکہ بنظیر
اور منفرد ہونا کمال میں ہر آدمی کی خواہش جبلی ہے گو کہ یہ بات اصلا حاصل نہیں
ہوتی بلکہ تفرد بکمالات خاصہ ذات کبریا ہے۔ ساتواں خباست طبع اور بخل بیجد
کہ فیضان الٰہی اور نعمائے باری مشاہدہ کرکے بالطبع ملول ہوتا ہی برعکس اسکے کہ
مصیبت و بدحالی ملاحظہ کرکے خوشدل ومسرور۔ پس یہ حسد بدترین انواع میں
ہی۔ والعیاذ باللہ من الکل۔ جب یہ چند چیزیں اسباب سے مجتمع ہوئیں تو حسد کو ترقی
ہوئی اور یہ حسد مرض عالمگیر ہے کوئی شخص اس سے کمتر خالی ہے بلکہ حدیث شریف
میں وارد ہی۔ وما منا احد الا حسد۔ یعنی نہیں ہی ہم میں سے کوئی شخص مگر حسد
کرتا ہی۔ اور علاج اس مرض روحانی کے دو نسخے ہیں ایک علم دوسرا عمل لیکن علم
دو قسم ہی ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔ اجمالی یہ ہی کہ ہر ایک چیز قضا و قدر پر چھوڑے
اور اسی عقیدے کو بخوبی مستحضر رکھے کہ وہی ہوتا ہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور
یہ سمجھ لے کہ مکروہ جاننا کسی کا اور خواہش کسی کی دفع تقدیر میں کارگر نہیں ہوتی۔
تفصیلی یہ ہی کہ حسد کو ایمان کی آنکھ کا خاشاک جانے کیونکہ حسد موجب کراہت
حکم الٰہی و نارضامندی تقسیم باری کا ہے۔ اور اپنے برادران نوعی کی بدخواہی
اوسکا لازمہ ہی۔ اور عذاب دائی۔ رنج مستمر۔ وسواس خاطر۔ او تکدر حواس

اوسکا خاصہ ہی۔ بے اسکے کہ محسود کو کسی طرح کا ضرر دنیا یا دین کا پہونچتا ہو۔
اسواسطے کہ دنیا میں بسبب حسد کے نعمت زائل نہیں ہوتی۔ چہ جائکہ دین میں
کسی طرح کا نقصان وقوع پذیر ہو۔ بلکہ اجر عظیم ہوتا ہے۔ اور محسود مظلوم شمار کیا
جاتا ہی اور حاسد ظالم۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ظالم کی حیات پر مظلوم کو
قدرت تصرف آخرت میں دینگے۔

عمل پس طریق اوسکا یہ ہی کہ محسود کی نسبت ایسے فعل کرنے جملہ مقتضائے حسد کے
مخالف ہوں۔ مثلاً اگر حسد بدگوئی کا باعث ہو تو مقام بدگوئی میں مدح شروع کرے
یا اگر باعث تکبر ہو اس مقام میں تواضع اختیار کرے اور فروتنی سے پیش آوے
یہانتک کہ محسود رفتہ رفتہ محبوب ہو جائے اور از خود حسد زائل ہو۔ کیونکہ محبت مادۂ
حسد کے قاطع ہی۔ اس مقام پر ایک بات اور جاننا چاہیئے وہ یہ ہی کہ حاسد کے
دل کو ایک نفرت محسود سے ہوتی ہے اور یہ نفرت وہ چیز ہے کہ مقدور بشری سے
خارج ہی۔ پس اس نفرت پر عقاب وعذاب بھی نہیں ہوتا لا یکلف اللہ نفسا الا
وسعہا۔ یعنی اللہ تعالے تکلیف نہیں دیتا ہی کسی شخص کو مگر جو اوسکی گنجایش ہے اور
تکلیف شرع اس نفرت سے متوجہ نہیں بلکہ حاسد مکلف ہی اسپر کہ اس نفرت کو مکروہ
سمجھے۔ اور درپے ازالہ ہو۔ اور اوسکے ارتکاب سے بتکلف باز رہے۔ تا بتدریج
وہ نفرت زائل ہو جائے۔

حضرت انسان کے دو فرشتے ہیں۔ ایک فاعل فعل حمیدہ کے۔ دوسرے
آمر امر ناپسندیدہ کے اول الذکر فرشتے کی یہ حالت ہی کہ باوصف فہم وعلم کے بھی
اپنے تئیں اوروں سے جو معزز وممتاز ہیں مساوی یا اعلی دیکھنے کا خواہشمند ہے
لیکن مخفی نرہے کہ یہ بھی دائرۂ حسد سے خارج نہیں۔

چنانچہ یہ خیال طبقہ بطبقہ ہر فرد بشر میں کم وبیش موجود ہی۔ شاید ہی کوئی ہو جسمیں

مفقود ہے مگر ساتھ ہی اسکے اتنا خیال ملحوظ رہے کہ بالکل ہی ناجائز درجے تک غالبًا یہ نہیں پہونچ سکتا ہی۔ جیسا کہ مندرجۂ بالا سطور سے جو اہل تجربہ کا قول ہے ثابت ہوتا ہی۔

مؤخر الذکر فرقے میں اگر اتنی قدرت فہمیدگی ہوتی کہ اپنی خصلت مذموم سے واقف ہوں فورًا اجتناب کرتے۔ اور بجائے اسکے طرف خصائل صالحہ کے راجع ہوتے۔ لیکن بباعث نشۂ ذمیمہ کے دکھائی نہیں دیتا کہ کیسے حرکات صادر ہو رہے ہیں۔ اور کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ بادی النظر میں یہی ہے کہ ترک امور نالایقہ میں کوشاں نہیں ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ اپنی حالت پر جو اوصافِ ناپسندیدہ کا گنجینہ ہے۔ اور تیر مذمت کا نشانہ ہے۔ نظر کرکے سعی دفع کریں وہ اپنے تئیں صفات حسنہ کے قبول کرنے والے تصور کر لیتے ہیں۔ مزید براں اسپر بھی خاموشی گویا چٹکیاں لیتی ہی کہ وقت تکلم ہر پہلوئے سخن میں مخاطب کے سامنے اسی خصلت رذیلہ کو لباس محمودہ میں ملبوس کرکے با فتخار تمام پیش کرتے ہیں ہر چند کہ خود اوروں سے نیک صفات میں کمتر ہیں۔ لیکن بوجہ حسد کے کہ کہیں ایسا نہو کہ دوسروں کے فضائل زیور اوصاف حمیدہ سے آراستہ نکل پڑیں بباعث رشک قدم آگے رکھکر مابین گفتگو کے ایسا موقع نکال ہی لیتے ہیں جس میں اپنی تعریفیں خواہ خفیہ الفاظ میں یا پہلو بدلکر علانیہ کر گذرتے ہیں۔

بہرحال منشا اس تحریر سے یہی اخذ کیا جاتا ہی کہ حتی المقدور انسان ضعیف البنیان کو سزاوار ہی کہ منجملۂ خصائل ذمیمہ کے اس آتش صفت حسد سے بھی جیسا کہ اوپر حدیث شریف سے ظاہر ہو چکا ہی باز رہے۔ فقط

راقمہ
از کلکتہ } ح خ

عورتوں کی تعلیم

(سلسلہ سابق)

عورت کے لئے سب سے ضروری علم قانون حفظ صحت ہی کیونکہ مثل مشہور ہی کہ تندرستی ہزار نعمت ہی۔ اسی پر سارے قوم کی بہبودی کا دار و مدار ہے اور اسکی طرف کافی توجہ نہ ہونے سے کیسے کیسے نقصان عظیم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ایک فلاسفر لکھتا ہو کہ دنیا میں بہت سے بے زبان نادان بچے خصوصًا پانچ سال کی عمر کے پیشتر ہی جو مر رہے ہیں۔ اگر اونکی مائیں فرض منصبی کو جو قانون قدرت نے انکے لئے مخصوص کیا ہے۔ اچھی طرح سے ادا کرنے پر کمر باندھیں تو ہرگز یہ موتیں نہوں چنانچہ پینتالیسویں سالانہ رپورٹ دفتر رجسٹر جنرل جو ۱۸۸۵ء میں شایع ہوئی منظہر ہے کہ فی ہزار انسان کی موت میں دو سو پچاس موتیں پانچویں سال کے اندر علاج پذیر امراض سے ہوئی ہیں۔ کتنی جانیں نہ بچینگی اگر مائیں سمجھ جائیں نیچر کی اس بلند آواز کو جو ہوشیار کر رہی ہے متعلق سردی و سرد پاؤں کے اکثر کمسن لڑکے لڑکیاں جب جاڑے سے ٹھٹھر رہے ہوں وہ اگر جاڑے کی شکایت کریں تو انکے کپکپانے پر ہنسی اوڑائی جاتی ہے اور جب سردی انکے نرم و نازک طبیعت پر حملہ کرتی ہے تو مائیں صرف زکام ہو گیا ہی کے معمولی الفاظ سے ٹالدیا کرتی ہیں اونکی اس بے خبری سے پھیپڑوں میں گلٹی پڑجاتی ہی اور وہ متعدد عارضوں کی بنیاد ڈالدیتی ہے وہ اس وقت خود بخود ظاہر ہوتے ہیں جبکہ لاعلاج ہوتے ہیں اس لئے ہوشیار و فکرمند عورت جو اپنی خانہ داری اور بچوں کی نگرانی کرتی ہے وہ ہرگز خواہ وہ کیسا ہی خفیف زکام کیوں نہو چین نہیں لیتی جب تک کہ اسکو اچھی طرح سے بے نام و نشان نکردے

اور وہ ذہن نشین کرتی ہے اس خطرے کو جو تری اور بھیگے پاؤں سے ہوتا ہے۔
مردم شماری سے ظاہر ہے کہ بہت سی جانیں صرف عورات کی کم نگرانی سے تلف
ہو رہی ہیں۔ تندرست آدمی بھیگے پاؤں کھلی ہوا میں بہت دیر بے ضرر چل پھر
سکتا ہے بشرطیکہ وہ بعد واپسی مکان فوراً خشک کپڑے سے صاف کرکے اپنے
پاؤں میں موزے اور جوتے پہنے۔ اے ماؤ! سمجھو اور سمجھاؤ تم اپنے
بچوں کو صرف تری نہیں ہے جو خرابی لاتی ہے بلکہ رُکنا پسینہ کا جو خارج ہونا
ہے جسم سے وہ بھی زکام لاتا ہے۔ اور بے ضابطگی دورانِ خون۔ اور یہی ہیں
جس سے انہیں بچنا چاہیئے۔ بچوں کو پاکیزہ ہوا روشن کمرے کی ضرورت
لازمی ہے۔ لیکن سرد ہوا کے جھونکے سے انکو بچانا چاہیئے۔ چنانچہ اس سے
اس کی پوری تصدیق کرلو کہ ڈاکٹر جوزف کلارک نے ڈبلن کے زچگی خانے میں
جو رجسٹر ۱۷۵۸ء سے ۱۸۳۲ء تک رکھا گیا تھا اوسکے خلاصے ایڈنبرا کی ایسوسی ایشن
کے روبرو پڑھکر ثابت کر دیا کہ ہمیشہ پاکیزہ ہوا کی سخت ضرورت ہے اس
رجسٹر کے خلاصے سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۷۸۱ء میں ہر چھٹیسواں بچہ تولد کے بعد
نو روز کے اندر ہی اندر بہ عارضہ تشنج انتقال کرجاتا تھا جب انتظام کافی ہوا
تو برابر پانچ سال میں ہر بیس طفل سے ایک طفل ضایع ہوتا رہا۔ اس سے صاف
ظاہر ہے کہ محض کافی انتظام کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔ مگر افسوس
ہے کہ یہ سب علم ہماری قومی مستورات کو کہاں۔ وہ یہی بہتر سمجھتی ہیں کہ ایک
تنگ و تاریک کمرے میں بہت سے لوگ رات بھر سویا کریں۔ کمرے دریچے سب
بند ہوں جاڑے کے موسم میں اور طرہ یہ کہ ایک دہکتی ہوئی انگیٹھی ہو۔ اور یہ
نہیں جانتیں کہ خود اپنے ہاتھوں اپنا اور اپنے بچوں کا نقصان کر رہی ہیں بقول
ایک مشہور فلاسفر کے کہ اکثر اولاد جنکو والدین نے ہزاروں آرزوؤں کیساتھ

پالا ہے اور اونکی نئی دنیا کی آغاز کے آرزو مند رہا کرتے ہیں عین نوجوانی
کے وقت میں والدین کی کشت آرزو پر برق اجل گرا کر داغ جدائی دے
جاتی ہیں اور اس ناگہانی موت پر والدین خدا کو نامنصف بے رحم اور
اپنی تقدیر کو بری کہتے اور بدقسمتی پر نالاں رہتے ہیں۔ مگر ایسے والدین کو
یقین کرنا چاہیئے کہ اگرچہ موت کا وقت معین ہے مگر غور سے تحقیق سے
دیکھا جائے تو اکثر ایسی موتیں صرف ایک نہ ایک بے احتیاطی کا ہی نتیجہ
ہیں۔ کیونکہ بچے کی اس عمر میں بہ لحاظ اس کی عمر کے احتیاط کرنی فرض
ہے۔ اور جب یہ نہیں ہوتا تو وہی بے احتیاطی رفتہ رفتہ یہاں تک اپنا
حصہ انکے مزاجوں میں پیدا کرتی ہے کہ متواتر بیماریاں ہوتے ہوتے آخر
تپ دق ہو جاتی ہے اور یہی باعث ان کی لہلاتی جوانی کو خاک میں ملائیگا
ہے۔ یہی وجہ خاص ہے کہ اگر کوئی سخت جان صغر سنی میں بچ بھی گیا تو سن
بلوغ کو پہونچتے پہونچتے ہدف دق وسل ہوا جیسا کہ باغبان ایک درخت
کے پود کی اچھی طرح سے نگرانی کرکے آخر ایک دن تناور درخت بناتا اور اپنی
محنت کا شیرین ثمرہ پاتا ہے ایسا ہی مائیں اپنی پود کو اگر چاہیں تو ضرر سے
زیادہ توانا و تندرست ایکدن بنا سکتی ہیں اور اپنی محنت کا شرین پھل پاسکتی
ہیں۔ ورنہ برعکس اسکے پرورش میں لاپروائی ہوئی تو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ
ایک درخت کی پود کو ہم تنگ گملے میں رکھکر یہ کیونکر امید رکھیں کہ ایکدن
وہ ضرور تناور درخت بنجائیگا۔ بچے کی جیسی پرورش ہوگی اسکے جسمانی ڈیل
ڈول کی ساخت سے ظاہر ہوگا نیچر نے جو قواعد قایم کیے ہیں اس سے لاپروائی
کرنا گویا خلاف مرضی خدا کے کرنا ہے۔ جبکہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے
جسم کا سارا اندرونی و بیرونی ڈیل ڈول خدا اور بزرگ نے ایسا بنایا ہے کہ

کم از کم ستر اسی سال تک پائدار رہنے کے لئے کافی ہے۔ تو بہت ہی تعجب کرنا چاہیئے کہ اکثر مقامات پر آدہا حصہ پیدا ہوتے ہی یا سن بلوغ کو پہنچنے کے پہلے فنا ہوجاتا ہے۔ ایک ہزار بچوں میں جو لندن میں پالے جاتے ہیں چھ سو پچاس بچے قبل دس سال کی عمر کے مرجاتے ہیں ایسا خیال کرنا غلط ہے کہ خالق نے اتنی کم مقدار زندہ رہنے کے لئے انتخاب کی ہے۔ بہت بڑا حصہ صغر سنی کی موت کا بعد بہت غور و پرداخت کے بہ تدریج بہت کچھ کم ہو گیا۔ ڈاکٹر اینڈرو کومب ایم۔ ڈی۔ اپنے فزیالوجی میں حسب ذیل بیان کرتا ہے۔ کہ لنڈن میں قبل از سو سال کے وہاں کے یتیم اور مفلس بچے جب (ورکس ہوس) میں شریک کرلئے گئے بوجہ ناپاک و گندی ہوا اور ہجوم طفل اور ناموافقت غذا ہر چوبیس لڑکوں میں سے ایک سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ یعنی دو ہزار آٹھ سو بچوں میں سے جو سالانہ شریک کرلئے جاتے تھے۔ دو ہزار چھ سو نوے بچے نذر اجل ہو رہتے تھے۔ لیکن جب شرائط حفظ صحت پر لوگ غور کرنے لگے اور پارلیمنٹ سے ایکٹ جاری ہوا جس سے افسران ملک بچوں کو شہر میں لاکر پالنے پر مجبور کئے گئے یہ ہیبت ناک موتیں بجائے دو ہزار چھ سو نوے کے چار سو پچاس رہگئیں۔ پس اس سے زیادہ زوردار دلیل کی ضرورت ہی کیا رہی اسباب کو ثابت کرنے کے لئے کہ بیماری اکثر اوقات ایسے وجوہات سے پیدا ہوتی ہے جسکو انسان بچانکر دور کرسکتا ہے۔ اسلئے انسان پر فرض ہوگیا کہ ان اسباب کو ہر ذریعہ سے دور کرے۔ جو خالق معبود اونکے امکان میں رکھ چکا ہے۔ یہ اوسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ مستورات کو اس قسم کی تعلیم ہو جس سے وہ قانون حفظ صحت کو اچھی طرح سے عمل میں لاسکیں۔ اور مرد و عورت کے دماغی و جسمانی پرورش میں ترقی دینے کے لئے پوری مدد دے سکیں۔

اے میری پیاری بہنو! تمہارے دل مردوں کو اس طرح ترقی کے زینے پر
دیکھکر تمہاری کس مپرسی کی حالت پر افسوس کرتے ہونگے اور مردوں کے
کاموں پر ضرور رشک آتا ہوگا۔ میں بھی تم لوگوں کی طرح سے یہی چاہونگی کہ
جس طرح ہمارا دل چاہے ہم ہر طرح کا علم حاصل کرلیں۔ مگر سخت افسوس ہے کہ
[illegible] زبان پر لایا کریں کیونکہ خدا نے بزرگ نے خود ہمیں
مردوں کے فرایض سے بالکل جداگانہ فرایض عطا کئے ہیں اور اوسکے خلاف
کرنا گویا خلاف مرضی خالق کرنا ہے پھر ہم مفت میں مردوں کے قدم بقدم
چلنے کی کوشش کیوں کریں جس میں فائدہ بھی نہیں بلکہ اور اُلٹے گنہگار و نافرمان
بنیں وہی مثل ہم پر صادق آئیگی کہ محنت برباد گنہ لازم۔ کیونکہ جب ہم کانفرنس
کی شرکت کریں یا اسٹیج پر آکے لکچر دینے لگیں یا پارلیمنٹ کی ممبرز یا بیرسٹری
یا انجینیری کرنے لگیں تو لوگ ہمکو بجائے تحسین و آفرین کے چاروں طرف سے
شکایتوں کا ہدف بنائیں گے۔ کہیں گے کہ جب تم انجینیری بیرسٹری یا ممبر
پارلیمنٹ بنتی ہو جو بالکل مردوں کے کام ہیں۔ یہ بھی پورا کیوں نہیں کرتیں
کہ مثلاً۔ جولاہا۔ رنگریز۔ کاغذی۔ سان گر۔ آئینہ ساز۔ سنار۔ لہار۔ بدرسان
کسیرا۔ سنگتراش۔ منار۔ نگینہ ساز۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ بھی تو مرد ہی کیا کرتے
ہیں۔ پھر ان میں حصہ کیوں نہیں لیتی ہو؟ جب مردوں کے قدم بقدم چلنے کی
سوجھی ہے تو اسکو بھی پورا کرو۔ تمہارے بچوں کو ہم دودہ پلائیں گے گھر میں
ڈوپٹہ اوڑھاکر بچوں کو لوریاں دے دے کر تھپک تھپک کر ہم سُلائیں گے
بچوں کو چھاتی سے لگائے مادری محبت کا پورا جوش ہم بتادینگے وغیرہ
بتاؤ یہ دلخراش الفاظ کون سُنیگا؟ آخر اس تھکا فضیحتی کی بھی ہم ہی مستحق
ٹھہرینگے۔ پھر اس سے فائدہ؟ خود اپنے ہاتھوں خود کو ذلیل کرنا ہے پھر ہم

کیوں نہ وہ کوشش کریں اور اس میں نام پیدا نہ کریں جو نیچر نے مخصوص ہمارے لئے موزوں کیا۔ اور ہماری قدر و وقعت بھی جبھی ہوگی جبکہ ہم اپنے فرض منصبی کو موافق مردوں کی مردانگی سے پورا کرینگے۔ خود اس کے متعلق بڑے بڑے صاحب علم اور فلاسفروں کا بھی یہی خیال ہے۔ کہ عورات اسی خدمت کو مستعد ہوکر پُرجوشی سے کریں جس میں مرد بالکل عاجز ہیں۔ یہی خدمت ہیں درجہ کمالیت کو پہونچائیگی۔ یوں تو بہت سے اقوال ان لوگوں کے موجود ہیں۔ منجملہ سب کے چند اقوال یہاں صرف طوالت کے خیال سے مختصر کرکے لکھتی ہوں۔ ایڈورڈ ہاٹ بان اپنے تصنیف میں لکھتا ہے کہ وہ عورت جو طلاق دیگئی یا وہ عورت جو نعمت اولاد سے محروم رکھی گئی یا وہ عورت جس کی اولاد اسکی تعلیم و تربیت کی محتاج نرہی ہو یا وہ عورت جو عمر کنواری یا بدنصیبی سے بیوہ ہوگئی ہو جو بے دھندے کے بیٹھی ہو ایسی مستورات کو اختیار ہے جس قسم کا علم و ہنر سیکھنا چاہیں سیکھ لیں۔ گر مستورات کے لئے وہی سب میں بہتر ہے جو نیچر نے مخصوص کیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورات مردوں کے فرایض میں دخل دیں۔ اسلئے کہ انکے فرایض خود بہت وسیع اور پُرلطف اور مخصوص ہیں کیا ضرورت ہے کہ ایسے شریف فرایض کو لاپروائی سے ادھورا رکھکر دوسرے کاموں میں دخل دیں۔ بے شک مصنف نے مردوں کے کام کرنے کو جن عورات کو منتخب کیا ہے وہ تو ذکر ہی اور ہے عورت کے فرایض جو ہیں وہ بے شک ممتاز اور شریف اور بہت ضروری ہیں ایک عورت کے اختیار میں پوری فیملی یعنی سارے گھر کی بلکہ کنبہ کی جان ہوتی ہے جب تک اولاد چھوٹی رہی وہ ایک گھر میں محدود کی گئی اور جب صاحب اولاد ہوئی تو خاندان ہوگیا اور پھر کنبہ قبیلہ پھر آخر

رفتہ رفتہ قوم تک نوبت پہونچی بس ساری قوم کی ترقی بہبودی یا تنزل
بالکل عورت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جیسا چاہیگی قوم کو بنائیگی یا بگاڑیگی۔
کیا عورت کو اس خدمت سے خوش ہونا چاہیئے؟ بے شک ہونا چاہیئے۔
کیا عورت کے فرایض شریفانہ نہیں ہیں؟ بے شک ہیں۔ مرد مانند مزدور کے
محنت اُٹھاکے کسی نہ کسی طرح اپنی کمائی عورتوں کے آگے لاکے دھر دیں
اورعورتیں مانند ملکہ کے انکی محنت کی داد دیکر اونکی تسلی تشفی کیا کریں اور اپنی
موہنی مورت سگھڑ طریق شیرین بیانی نرم و نازک الفاظ سے انکو خوش
کریں جو ان کی کمائی ہو اسکو اپنے بچوں کی پرورش خانہ داری میں یعنی
زندگی کے ضروری کاموں میں لگاکر۔ انتظام خانہ داری کی لگام اپنے
ہاتھ میں رکھیں۔ جیسے کوئی ملکہ خراج وصول کرتی اور سلطنت کے کاروبار میں
عمدگی سے حسب ضرورت لگایا کرتی ہے۔ مردوں کے فرایض میں دخل
دینے کے متعلق میری پیاری بہنوں میں نے بہی بہت مرتبہ غور کرکرکے
دیکھا اور بہت سے صاحب علم بزرگوں فلاسفروں کے اقوال پر گہری
نظر ڈالے غور کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلا کہ ہم جو خواہش رکھتے ہیں وہ درحقیقت
ہماری ہٹ دہرمی ہے ہندی میں مثل مشہور ہے "تریا ہٹ" افسوس ہے میری
بہنوں ہم روز ازل سے یونہی ہر طرح کی صلواتوں کا ہدف ہو رہی ہیں
اور زیادہ کیوں نکتہ چین لوگوں کو اسکا موقعہ دیں۔ ہمیں یونہی سمجھنا چاہیئے
کہ مرد لوگ جو اپنے فرایض ادا کرتے ہیں جن پر ہمیں رشک آتا ہے وہ درحقیقت
عورتوں کے مزدور ہیں مگر وہ جیسے عقل میں بڑھے ہوئے ہیں ایسی ہی دانشمندی
سے اپنے فرایض دلچسپ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اب ایسی حالت میں
ہمیں ہرگز نہیں چاہیئے کہ اونکی پیروی کریں جب ہم انہیں کی پیروی کریں

تو وہ اگر موقع کی تاک میں ہونگے تو ضرور ہماری کوتاہ اندیشی پر ہنسینگے۔
ہمکو چاہیئے کہ انکی پیروی اسباب میں کریں کہ جیسا وہ اپنے فرایض میں مستعد
نظر آرہے ہیں ہم بھی اپنے فرایض کو جو قدرتاً دلچسپ ہیں انکو اپنی عقلمندی
ہوشیاری سے اور زیادہ دلچسپ بنائیں۔ ہاں ہماری قوم میں کوئی عورت
ایسی مستثنیٰ نکلی تو وہ بات اور ہے اسکو اختیار ہے۔ مگر اسوقت بھی مردوں
کے فرایض میں دخل دینے کے عوض قومی خدمت اس طرح کرے کہ وہ
قانون حفظ صحت کو اچھی طرح سے جاننے کی کوشش کرکے راہ للہ بچوں کو ایسا
قوی بنائے جس سے قوم کی ترقی ہو۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سے
زیادہ دنیا میں اور کیا اچھا کام ہے۔ اگر مستورات مردوں کا سا علم سیکھنا چاہیں
تو بیشک وہ ہارینگی نہیں مگر وہ خود کو اور اپنے متعلقین کو عذاب میں ڈالینگی
کیونکہ جب ہم بھی مردوں کے سے کام کرنے لگیں تو اور دوسری نئی جنس
کہاں سے پیدا ہو۔ تاکہ ان فرایض کو انجام دے خود میں ایسی مثالیں بچشم خود
حیدرآباد دکن میں دیکھ رہی ہوں۔ کہ لڑکیوں کو اصول خانہ داری سے محض کوری
رکھکر مردوں کی سی تعلیم دینے کا کیا نتیجہ ملا۔ اور انکے فرایض منصبی میں خلل واقع
ہوکے معاملات کیسے درہم و برہم ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایک لایق تعلیم یافتہ
لیڈی جنکو میں بخوبی جانتی ہوں۔ انکا یہ حال ہے کہ بات چیت آداب ملاقات
وغیرہ میں پوری استعداد مگر افسوس وہی نہیں جو چاہیئے یعنی اصول خانہ داری
پرورش اطفال سے محض ناواقف برائے نام گھر کی مالک ٹھریں۔ بچوں کا
رکھ رکھاؤ جو ادہا درجن سے کم نہیں انکی تیمارداری بیماری انتظام خانہ داری
حساب خانہ داری کارجسٹر نوکر کے ساتھ برتاؤ انکے فرایض کی ادائیگی سبھی کچھ
شوہر کے ذمہ کے ساتھ وابستہ رہا۔ جب شوہر اپنے فرض منصبی کو پورا کرے جسکا

قدرت نے انکو ذمہ وار ٹھرایا ہے باہر جاتے ہیں تو گھر کا سارا کارخانہ درہم و
برہم ہو جاتا ہے نوکر جدا اپنے باتوں میں مشغول جیسا جی میں آیا کر رہے ہیں
مگر بیگم صاحبہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بچوں کا سارا دار و مدار آیا پر ہے
جو غیر قوم ہونے کے علاوہ بے تربیت جاہل پھوہڑ ہے۔ ان سے کوئی پوچھے
کہ آپ نے مادر مہربان بنکر بچوں کے حق میں کیا کیا ؟ بیچارے شوہر جب
باہر سے تھکے ماندے گھر آئے بس نوکر جدا صاحب یہ نہیں وہ کی آواز سے
دماغ چاٹ جاتے ہیں اسٹور روم سے غلہ تک شوہر تلوا کر دلوایا کرتے
ہیں پھر بچوں کے پاس گئے کوئی روتا ہے کوئی سوتا ہے کسی کو کھلایا کسی کو
سُلایا پھر دوسرے کام میں مشغول ہوئے۔ بیگم صاحبہ یا ڈرائینگ روم میں اپنی
مُلاقاتی بہنوں سے سرگرم مُلاقات یا کتب بینی میں مشغول۔ بچے بھی اپنی ہر
ایک ضرورت باپ سے بیان کرتے رہنے سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اب جائے
غور ہے اگر کوئی دوسرا مرد ہوتا تو یہ زحمت شاید ہی برداشت کرتا۔ بھلا
عورات کا اصول خانہ داری سے بے خبر رہنا مردوں پر ظلم نہیں تو اور
کیا ہے یا تو چاہیئے تھا کہ سب ذمہ داریوں کو خود بخوبی انجام دیتیں میاں
جب باہر سے آتے تو انکی دلدہی دلجمعی کرتیں۔ اپنے بچوں کو جنہیں قدرتی
خوشنما جاندار گلشن کہنا چاہیئے اس گلشن کو اپنی مادری محبت کی آبیاری
سے انکی عمدہ تعلیم و تربیت سے گلزار نونہال بنادیتیں۔ نوکروں پر مہربانی
کی چاشنی کے ساتھ اپنا رُعب جماتیں۔ اور انکے فرائض سے آگاہ کرتیں
نوکر چاکر روپیہ پیسہ اولاد خدا نے سبھی عطا کئے ہیں اسکی پوری قدر کرتیں
جب انکی تعلیم ہی ایسی نہیں ہوئی ہو تو وہ کیا اپنے فرض منصبی کو پورا کریں
انکی تعلیم۔ انکے بھائیوں کے ساتھ ساتھ صرف انگلش میں ہوئی تھوڑا بہت

پیانو پر ہاتھ چلانا آگیا اور بس اللہ اللہ خیر صلا۔ اس سے بہتر تو یہی ہوتا کہ انکو ایسی بیڈ ہب تعلیم ہی نہوتی بلا سے گھر کے بڑے بڈھوں سے تو کچھ سیکھتیں مگر ان کو دن رات کتب بینی کی چاٹ ہے یا دوسروں کو نصیحت کرنا مضمون نویسی سے۔ خود را فضیحت دیگرے را نصیحت والی مثل پوری کر رہی ہیں۔ گویا اونکے بھی دو فرض ہیں جنکو انجام دے رہی ہیں۔ خدائے بزرگ ہر مرد و عورت کو اپنے فرض منصبی کے پورا کرنے میں مدد دے آمین۔ اب تعلیم کے فرق والے مضمون کو ختم کرنا چاہیئے کیونکہ بہت طول ہو رہا ہے۔ اب یہ بتانا ضروری ہے کہ مرد و رت کے دماغی حالت کیسے ہیں (اسفرڈ فوی) ایک مشہور عالم اپنی تصنیف میں لکھتا ہے اب تک یہ مسلم تھا کہ مرد کا دماغ عورت کے دماغ سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری یہ بات بھی تسلیم کی گئی تھی کہ جسکا دماغ زیادہ ہوتا ہے اس میں عقل و دانش زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن حال کی تحقیقات سے یہ بات بالکل غلط ثابت ہوئی ہے اور یہ امر پورے طور سے ثابت ہو چکا کہ دماغ کا وزن جسم اور قد و قامت کی مناسبت سے ہوتا ہے دوسرے یہ بھی صحیح نہیں کہ دماغ کی مقدار زیادہ ہونے سے عقل و دانش زیادہ ہوتی ہے۔ عورت کے دماغ کے کم ہونے کی وجہ اوس کے قد و قامت اور جسم کی کمی ہے ورنہ جسماً عورت کا دماغ مرد سے زیادہ ہے لیکن دماغ کی ترقیاں کچھ زیادہ قابل توجہ نہیں ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ دماغی حیثیت سے مرد و عورت میں کیا فرق ہے؟ اور ان دونوں کو کس قسم کی قابلیت و صلاحیت عطا کی گئی ہے فطرتاً صدہا ہزارہا سال کی طرز و معاشرت و تمدن میں مرد و عورت کو خاص خاص فرایض کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اور انکی دماغوں کا فرق بھی انہیں وجوہ سے ہے۔ عورت کا دماغ سخت دماغی محنت

کو برداشت نہیں کرسکتا۔ زیادہ دیر تک فلسفیانہ اور قیاسی دلائل میں
عورت کا دماغ زیادہ کام نہیں کرسکتا لیکن برعکس اسکے حافظہ عورت
میں زیادہ ہے۔ اور جزیات کے لئے زیادہ موزوں ہے مگر کلیات و
خشک قیاسی امور میں دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ مرد کا دماغ زیادہ تر استدلالی
ہوتا ہے لیکن عورت میں فطری احساس مرد سے زیادہ ہے ایک ہوشیار
عورت اپنے فن یا کام کو عملی طور سے دکھا سکتی ہے لیکن اس کو دلائل سے
ثابت نہیں کرسکتی۔ عورت میں صبر کی قوت بلحاظ جذبات کے بہت زیادہ
ہے لیکن سائنٹی فک علمی مسائل میں وہ زیادہ صبر نہیں کرسکتی ہے اور اسکے
بیان کرنے میں کسی قسم کا تذکرہ ہو بڑا لطف آتا ہے۔ خاصکر وہ یعنی عورت
واقعات کو بہت یاد رکھتی ہے اسکے حافظہ میں مرد کی نسبت زیادہ قوت
ہے۔ عورت کو جسپر ایک مرتبہ اعتبار ہوتا ہے اسکی ہر ایک بات کو آسانی
سے یقین کرلیتی ہے۔ عورت کے رہنما اسکے جذبات ہوتے ہیں برخلاف
مرد کے جو زیادہ تر عقل و قیاس پر چلتا ہے عورت اپنے دل سے کام کرتی
ہے اور مرد اپنے دماغ سے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بچوں کی پرورش پرداخت
کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ ابتدا میں صنعت حرفت عورت کے ہاتوں سے
پیدا ہوئی اور علوم فنون مرد کے ہاتھ سے۔ چونکہ عورت میں انفعالی قوت
ہوتی ہے اس لئے وہ معمولی سائنٹی فک خیالات سے سیر ہو جاتی ہے۔
لیکن سائنس کی ترقی کے لئے طول طویل قیاس اور استدلال کی ضرورت ہے
لہذا مرد بہ نسبت عورت کے زیادہ کام کو اچھی طرح سے انجام دیتا ہے کیونکہ
اسکا زیادہ سابقہ دماغ سے ہوتا ہے اور عورت کا دل سے۔ اس میں شک
نہیں کہ ہر زمانے میں بعض عورتوں نے علوم و فنون میں بڑی بڑی ترقیاں

کی ہیں۔ لیکن یہ مثالیں مستثنیٰ ہیں۔ عورت کی قوت انفعالی حافظ سلیقہ لطیف جذبات اخلاق میں ہے اسی لئے وہ علمی کمی کو اپنے ان صفات سے پورا کر دیتی ہے عورت کی فضیلت محبت نیک دلی خلوص میں ہے جسکا ثبوت ہر ایک ماں کے دل میں پایا جاتا ہے۔ یہی الفاظ ہیں جس کو ان سے اپنی ہماری تصنیف میں ظاہر کئے ہیں افسوس کہ مضمون طویل ہو گیا۔ اب میں ختم کرتی ہوں میری دلی دعا ہے کہ خدائے بزرگ میری تحریر میں اثر پیدا کرے اور مردوں کو توفیق دے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کی طرف دل سے توجہ کریں تاکہ عورت مرد ملکر قوم کی کشتی کو ساحل مراد پر پہونچائیں۔

اثر فلک سے اُتر آ ذرا خدا کے لئے
کہ ہم نے ہاتھ اُٹھائے ہیں اب دعا کے لئے

راقمہ خاکسار عباسی بیگم

دعا کے فائدے

عبادت کے فوائد یہاں لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ ہر ایک خورد کلاں پر فوائد عبادت کے ظاہر ہیں۔ البتہ دعا کے کچھ فائدے بیان کرتی ہوں خداوند کریم ہر بشر کو توفیق دے دن میں پانچ وقت نماز اور دعا کے ہیں۔ بھلا جو شخص بدن کی صفائی اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ درگاہ الٰہی میں دعا کرے کیوں نہ اثر ہو اس معاملہ میں مناسب جان کر میں اپنا کچھ تھوڑا سا حال عرض کرتی ہوں کہ مجھ بدنصیب کو کوئی مصیبتوں کا سامنا ہوا جنکا برداشت کرنا میرے بے کس دل پر سخت ناگوار تھا اسی دعا پر بھروسہ کیا کیسا ہی غم و الم ہو دعا ایسی تسلی بخش چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے فرحت

ہو جاتی ہے بخدا میرا دل تو ایسا دعا کا قائل ہو چکا ہے کہ غم میں التجا اور خوشی میں سجدۂ شکر کئے بغیر کسی سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا نماز کے بعد دعا سے اس قدر اطمینان ہوتا ہے جسکا اندازہ امکان سے باہر ہے خاصکر غم اور مصیبت کے وقت التجا نے ایسا اثر دکھایا ہے کہ جیسا زخم پر مرہم آرام دیتا ہے اس دلِ رنجور کو سوائے دعا کے اور کوئی سہارا نظر نہیں آتا کہ جسکے ذریعہ سے دن رات بسر ہوں۔ میں تو اسکو اپنا دلی محرم راز مونس غمخوار تصور کرتی ہوں مصیبت اور غم میں بجائے واویلا کرنے کے میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ سجدے میں اپنے خدا سے دلی التجا کر کے اپنے دل کا غبار نکال لیا جائے تو اللہ تعالےٰ جو بڑا رحیم و کریم ہے کیوں نہ اطمینان بخشے گا بس غم کا علاج اس سے بہتر کوئی نہ ہوگا میں کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ مجھ گنہگار کی بہت سی دعائیں قبول کر کے میرے دل کو دعا کے قائل ہونے کی توفیق بخشی الٰہی سب کی آرزوئیں پوری کر آمین ثم آمین اکثر اوقات کئی بہنوں کو دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو فی الفور یا تو کسی بزرگ کے مزار پر پہونچتی ہیں اور منت مانتی ہیں یا کسی فقیر کی خوشامد شروع کرتی ہیں اگر حسلم الٰہی سے کوئی بات پوری ہوگئی تو منت بھی ادا کر دی اور فقیر پر بھی یقین ہوگیا تو خیر ورنہ بہت سی بیویوں کو کہتے سُنا ہے کہ خدا کے سوا کوئی مراد کا پوری کرنیوالا نہیں پیروں فقیروں کو بھی آزما لیا ہے کوئی مصیبت میں مددگار نہیں ہوتا افسوس کہ پہلے ہی سوچ لیا ہوتا کہ سوائے خدا کے کوئی مراد کا پورا کرنے والا نہیں یہ بالکل فضول اور نادانی ہے کہ پہلے خدا کا شریک ٹھہرائے اور پھر اولٹا الزام دے کیسی بُری بات ہے۔ مشرک بھی بنے۔ بزرگوں کی بھی توہین کی۔ نہ اللہ ہی راضی ہوا

نہ کام ہی پورا ہوا۔ دونوں طرف سے گئے

دس

(ج)

قومی مُناجات

اے رحیم و اے کریم و اے شہِ جود و عطا ۔ اے شہنشاہِ دو عالم مالکِ ارض و سما

دین و دنیا کی شہنشاہی کا مالک ہے تو ہی ۔ پُر معاصی ہم ہیں بندے ہے ترا شیوہ عطا

ہے تری سرکار اعلیٰ اور تو خلاق ہے ۔ ہم ہیں اک ناچیز بندے بے نوا و نا سزا

جس طرف دیکھا ترا جلوہ نظر آیا ہمیں ۔ صاف ظاہر ہو گیا کوئی نہیں تیرے سوا

واقعی ہے ذات تیری لاشریک و لاجواب ۔ دونوں عالم کا تو ہی مالک ہے میرے کبریا

ہم بھٹکتے پھرتے ہیں لگتے نہیں اب راہ پر ۔ راستہ سیدھا بتا اور بخش دے ہم کو خدا

تیری بخشش تیری رحمت تیرے احسان لاتعد ۔ عمر بھر کفرانِ نعمت ہم سے ہوتا ہی رہا

باہمی دشمن ہوئے رسوائے عالم ہو گئے ۔ ہم کو اپنی کور بختی کا نتیجہ یہ ملا

سخت مشکل میں پھنسے ہیں اور کچھ چارہ نہیں ۔ شامتِ اعمال کا ہمکو ثمر اچھا ملا

اپنی بداعمالیوں کے ہم ہیں یا رب معترف ۔ اپنی کرتوتوں کی ہی جو کچھ بھگتتے ہیں سزا

دور کر یا رب نفاق اور حُبِّ قومی کر نصیب ۔ ہو ہماری یہ دُعا مقبول بہرِ مصطفیٰ

بغض اور کینہ عداوت جہل ہم سے دور ہو ۔ ہوں ہمارے قلب پُر تنویر جیسے آئنا

دادرس فریادرس تیرے سوا کوئی نہیں ۔ بخش دے لطف و کرم سے اپنے بندوں کی خطا

یا خدا شانِ کریمی کے ہیں ہم امیدوار ۔ حُبِّ قومی دے ہمیں اور قوم کا شیدا بنا

مذہبی جھگڑوں سے اور قومی تعصب سے نکال ۔ متحد ہو جائیں ہم سب ہے یہی تجھ سے دعا

نور سے ایماں کے روشن کر ہمارے قلب کو ۔ تیرے پیغمبر کی اُمت کا ہو بہتر خاتمہ

ہی ابھی تک قوم میں تعلیم نسواں کی کمی / قوم میں تعلیم نسواں کا عطا کر و لولا

عورتیں تعلیم پائیں گر ہماری قوم کی / ہم بنا سکتے ہیں اونہیں سیکڑوں زیب النسا

ہی ہماری یہ دعا مقبول کر لے ذو الجلال / شاہِ آصف کو خطابِ نہر مجسٹی ہو عطا

ہو ترقی علم میں اقبال میں اور جاہ میں / دو نوں شہزادوں کا سہرا شاہ کو دکھلا خدا

ہیں سخنداں شاد دستور معظم قدر داں / اونکے دونوں لختِ دل کو رکھ سلامت اے خدا

جسقدر ارکانِ دولت ہیں اُنہیں آباد رکھ / یا آلٰہی اونکے دل میں درد قومی کر عطا

تھی تمنا ایک مدت سے مجھے اوستاد کی / فضل رب سے اب جلیل القدر کا سایہ ملا

رابعہ کی اس دعا کو اے خدا مقبول کر / جوش قومی حب قومی سوز قومی کر عطا

رابعہ سلطان بیگم

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مرحوم

رہنے کیا آئے تھے دنیا میں امیر

سیر کر لی اور اپنے گھر چلے

دُنیا فانی ہی اور اُسکی ہر ایک چیز قانون فنا کے تابع ہی - یہ ہستی جو انسان کو اپنے حیرت انگیز کرشمے دکھا کر اپنا فریفتہ بنا لیتی ہے شے موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی - زندگی جسکے لئے آدمی تمام عمر مصائب و تکالیف کا شکار بنا رہتا ہی اسکی حقیقت مٹی کے کھلونے کیطرح ہی - انسان حرص و ہوا کا بندہ لاکھ سر مارے - کوشش کر کے دولت اکٹھا کرے - جاہ و منصب حاصل کرے نام و نمو و پیدا کرے لیکن ایکدن اُسے تمام دنیاوی تعلقات سے منقطع ہو کر دو گز زمین کے سپرد ہونا ہی - موت کا زبردست ہاتھ کسی ذی روح کو پناہ نہیں دے سکتا اور کوئی اسکے جابر شکنجہ سے نجات نہیں پا سکتا - یہ وہ قانون ہے جسکا اثر امیر و غریب - نیک و بد - جوان و پیر - سب پر یکساں ہوتا ہی - شخصی امتیاز - مصلحت وقت اسکے سامنے کوئی چیز نہیں اور ہر شخص مجبور

ہے کہ پیام اجل کے آتے ہی وہ اس جہان سے رخصت ہو۔ فلسفیانہ نظر سے دیکھا جائے تو موت اور زندگی پر رنج یا خوشی کا اظہار کرنا فعل عبث معلوم ہوتا ہے لیکن کسی فرد اکمل کی موت جسکی ذات بنی نوع آدم کے لئے سرچشمۂ فیض ثابت ہو چکی ہو قیامت سے کم نہیں ہوتی۔ دنیا میں روز ہزاروں نفوس انسانی کا اتلاف ہوتا رہتا ہے لیکن قابل افسوس صرف اُس شخص کی موت ہو سکتی ہے جسکی وجہ سے ملکی و قومی منافع متصور تھے۔ مرنا برحق ہے لیکن ایسے وجود کا فنا ہونا حد درجہ کی مصیبت شمار کیجا سکتی ہے جسکی آنکھ بند ہونے سے اوسکے قابل قدر کارناموں کا خاتمہ ہوتا ہو۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی کا حسرت ناک واقعۂ رحلت اسی قبیل سے ہے۔ آپکے انتقال کی غیر متوقع خبر سُنکر ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ماتم برپا ہو رہا ہے اور حامیان اُردو سب کے سب خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان سیاہ پوش نظر آ رہے ہیں۔ اردو لٹریچر کیخدمت جس مستعدی اور جانکاہی سے شمس العلماء مرحوم کے معجز نگار قلم سے ابتک ہو رہی تھی آج اوسکا خاتمہ ہو گیا اور اردو زبان کے اولین محسنوں اور سرپرستوں کی فہرست سے ایک قابل پرستش نام خارج ہو گیا۔

اردو زبان کی موجودہ حالت پر جن بزرگوں کو عبور حاصل ہے اور جو اوسکے خطرناک پوزیشن سے واقف ہیں وہ اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسوقت شمس العلما مولوی ذکاء اللہ ایسے بالغ نظر اور صائب الرا لیڈر کی امداد و مشورت کی کسقدر ضرورت تھی تاکہ عوام پر ظاہر ہو جاتا کہ فروعی اختلافات جو آجکل ملک میں شد و مد کے ساتھ پھیلائے جا رہے ہیں اونکو مصلحت اندیشی سے رفع کر کے اصولاً زبان اردو کی بہتری کے وسائل کس خوبی سے مُہیا کئے جا سکتے ہیں۔ امیر و داغ اور سرشار ایسے خادمان اردو کی موت پر اشک ماتم بہانے کے بعد ہمیں باقی ماندہ اہل قلم بزرگوں سے ڈھارس باندھنے کا موقع ملا تھا اور مجروح دل کیلئے یہی خیال مرہم کا کام دے رہا تھا لیکن ایکسال کے قلیل مدت کے

اندر ہی اندر مولانا آزاد کے بعد ہی مولوی ذکاء اللہ ایسے ذی علم اور تجربہ کار انشا پرداز کا اپنی جگہ خالی کر دینا پورے طور پر ہمت شکن ہے اور اب غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ذاتی لیاقت و تجربہ کے رو سے آپ کی جانشینی کا حق ادا کر سکے۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم کے حالات زندگی پر سرسری غور کرنے سے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں جس کا ایک معتدبہ حصہ سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کا بار سنبھالنے کے نذر ہوا کس طرح اسقدر گرانبہا علمی ذخیرہ اہل ملک کے فائدہ کیلئے مہیا کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ اردو زبان کے سب سے بڑے مصنف اور مولف تھے اور آپ کی کل کتابیں مفید مطلب ہونیکے علاوہ آپ کی وسعت نظر اور واقفیت کی ضامن ہیں۔ ہم اس مضمون میں معمولی طور پر آپ کی ابتدائی زندگی کا تذکرہ کرکے آپکے علمی مشاغل پر کسی حد تک تفصیلی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ناظرین ادیب کو معلوم ہو کہ اردو کے اس سب سے بڑے ادیب نے چمنستان اردو کی آبیاری کس کس طرح کی ہے۔ آج کل جو لوگ ذاتی افکار و قلت وقت کی آڑ میں اپنی زبان کی خدمت سے کوسوں دور بھاگنا چاہتے ہیں وہ مولوی صاحب مغفور کے حالات سے سبق لیکر اپنے وجود کو ملکی زبان و ملکی ادب کے لئے سودمند ثابت کر سکتے ہیں۔

مولوی صاحب مرحوم دہلی کالج کے ان متعلمین میں سے ہیں جنکے کارناموں سے کالج کا نام ابتک روشن ہے۔ کالج عرصہ ہوا فنا ہو گیا لیکن اوسکے سپوت شاگردوں کے ذکر کیساتھ بے اختیار کالج کا نام زبان پر آجاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد۔ شمس العلماء آزاد اور مولوی ذکاء اللہ صاحبان تینوں دہلی کی خاک سے پیدا ہوئے۔ تینوں ایک ساتھ ایک ہی کالج اور ایک ہی کلاس میں داخل ہوئے اور غالباً تینو ایک ہی ساتھ فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ دنیاوی جھگڑوں میں پھنسنے کے بعد بھی ان صاحبوں نے ایک حد تک حق رفاقت ادا کیا کہ تینوں نے اردو کی سرپرستی قبول کی اور اپنی بہترین خدمات کے عوض ہر سہ حضرات گورنمنٹ عالیہ کیجانب سے شمس العلماء کے امتیازی خطاب سے مفتخر کیے گئے۔

مولوی ذکاءاللہ صاحب کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی جب وقت آپ کالج میں داخل ہوئے تعلیم سے فراغت پانیکے بعد آپ اسی کالج میں معلّم ریاضی مقرر ہوئے۔ میرے خیال میں ہر شخص کے لئے یہ امر باعث فخر ہو سکتا ہو کہ جس کالج میں ایکدن وہ طالب علم بنکر آئے اُسمیں اپنی ذاتی لیاقت کے وسیلے سے اُستادی کا درجہ حاصل کرے۔ یہاں سے علیحدہ ہونے پر آپ کی ماموری آگرہ کالج میں اُردو لٹریچر کی تعلیم پر ہوئی غرضکہ اسطرح آپنے سات سال تک اُسموئے معلی کا کام کیا اور اسکے بعد ۱۸۵۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر اضلاع بلندشہر و مرادآباد میں رہے۔ اور گیارہ سال تک اس جگہ پر عمدگی سے کام کرتے رہے ۱۸۶۶ء میں "دہلی نارمل اسکول" کی صدر مدرسی کا عہدہ حاصل کیا۔ تین سال کے بعد آپ کو "اورنیٹل کالج" میں لکچراری کیخدمت پیش کیگئی لیکن اسکا چارج لینے سے پیشتر آپ "میور کالج" الہ آباد میں اُردو لٹریچر کے پروفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۵ سال تک آپ اس کالج میں انٹرنس سے۔ ایم۔ اے۔ تک کی کلاسوں کو عربی و فارسی کا درس دیتے رہے جس خوش سلیقگی و قابلیت سے آپنے اپنی مختلف خدمات پوری کیں اُس سے آپکی علمیت کا سکہ ملک میں بیٹھ گیا اور آپکے افسران بالا آپکے کام سے ہمیشہ مسرور رہے۔

میور کالج کی پروفیسری کیخدمات ایک عرصہ تک قابل اطمینان صورت میں انجام دینے کے بعد آپنے پنشن لیکر خانہ نشینی اختیار کر لی۔ ۴۶ سال ملازمت سرکاری میں صرف ہوئے اور ۲۴ سال تک وظیفے سے مستفید ہو کر اہل ملک کو ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دیگئے۔ بزم اُردو میں آپ کی جگہہ خالی پڑی ہے اور آپ ہم سے جُدا ہو گئے ہیں لیکن آپکے علمی کارنامے آپ کو حیات جاوید بخشنے کیلئے کافی ہیں اور آپ کی اولاد معنوی سے نامعلوم مدت تک آپ کا نام زندہ رہیگا۔

آپ کی تصانیف کا تفصیلی ذکر ایک مبسوط مضمون کا محتاج ہے اور اگر مضمون نگار آنپر تنقیدی نظر ڈالکر ذاتی رائے کا اظہار بھی ضروری سمجھے تو گویا اوسے بجائے خود ایک مشرح و مطول تصنیف کیلئے آمادہ ہونا پڑے گا۔ اس جگہہ ہم صرف شمار و اعداد سے مختصراً آپ کے علمی کارناموں کو نذر ناظرین کرنا چاہتے ہیں اونپر رد و قدح کرنے اور تعریف و تقریظ لکھنے کا

نہ موقع ہی نہ اونکی چنداں ضرورت ہی کیونکہ ملک کے سربرآوردہ رسائل میں ایک عرصہ تک آپکی کتابوں پر نقادانہ ریویو شایع ہوتے رہی ہیں جو مقبولیت عام کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ ان سطور میں اُنہیں خیال کا اعادہ تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

کچھ عرصہ ہوا ایک اخبار میں آپکی تصنیفات و تالیفات کی ایک جامع فہرست میں نے دیکھی تھی وہ اس جگہہ نقل کیجاتی ہے۔

سبجکٹ	مطبوعہ	غیر مطبوعہ	جملہ
ریاضیات	۸۱	۶	۸۷
تاریخ وجغرافیہ	۱۷	۱	۱۸
علم ادب	۱۶	×	۱۶
علم اخلاق	۶	×	۶
طبیعیات و ہیئت	۷	۲	۹
سیاست مدن	۲	۵	۷
	۱۲۹	۱۴	۱۴۳

اس فہرست سے کل کتابوں کی تعداد ۱۴۳ پائی جاتی ہی جو کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہی سنہ ۱۸۵۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۱۰ء تک کی یہ علمی کمائی ہی۔ گویا بالاوسط فی سال قریب تین جلدوں کے ہوتی ہیں اب انمیں سے اگر ۳۶ برس ملازمت کے وضع کر دیجئے تو اوسط بہت زیادہ ہو جاتی ہی۔ مولنا شبلی نے حضرت امام غزالی رح کے حالات میں کسی جگہہ آپ کی تصانیف کا روزانہ اوسط نکالا ہی جو شاید چار صفحے ہوتے ہیں۔ قریب قریب یہی اوسط مولوی ذکاءاللہ صاحب کی دماغی کوششوں کا ہی جو ہندوستان ایسے ملک میں جہاں علمی مشاغل کی گرم بازاری ایک عرصہ سے مفقود ہی اور لوگوں کی طبیعتیں اکتساب علوم کیطرف سے متنفر ہیں بیشک ایک عجیب بات ہی۔ میرا خیال ہی کہ اردو میں اسوقت تک کوئی شخص مولوی ذکاءاللہ مرحوم کیطرح کثیر التصانیف نہیں گذرا کہا جاتا ہی کہ اگر آپ کی کتابوں میں سے ہر ایک ایک جلد کا یکجائی وزن کیا جاتا

توخود آپ کے وزن سے وہ زیادہ ہوتا۔

اس فہرست پر معمولی طورسے غور کرنیکے بعد مصنف کی ہمہ گیر قابلیت کا قائل ہونا پڑتا ہی۔ ریاضی تاریخ جغرافیہ۔ اخلاق ہیئت۔ پالیٹکس کوئی مضمون آپ کی حد نظر سے باہر نہ تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ آپ کو تاریخ و اخلاق سے خاص شغف تھا لیکن انصاف یہ ہی کہ بقیہ اصناف علوم میں سے آپنے جسپر قلم اُٹھایا ہی اوسی میدان کے سوار نظر آتے ہیں۔ میں اُن خوش قسمت لوگوں میں ہوں جنھیں مولوی ذکاءاللہ کی بیش بہا کتابوں کے مطالعہ کا بیشتر موقع ملا ہی اردو کی پہلی اور دوسری کتاب سے لیکر جو آپکے نظر انتخاب کا بہترین ثبوت ہیں۔ تاریخ ہندوستان وغیرہ تک کوئی ایسی نہیں جو اپنے نامور مصنف کی ہمہ دانی کیلئے کافی شہادت نہو۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور کسی شخص کو اختیار نہیں ہی کہ دوسرے کے خیال کو محض اس سبب سے کم وقعت سمجھے کہ اوسکی ذاتی رائے اوس سے جُداگانہ ہی لیکن اگر انصاف سے دیکھئے تو جو محنت و کوشش مولوی ذکاءاللہ صاحب مرحوم نے اُردو کیلئے کی ہی اوسکے مفید و کارآمد ہونے میں شک نہیں۔ اگر کسی جگہہ بالفرض کوئی لغزش بھی ہوگئی ہو تو وہ معقول پسند طبقہ میں قابل گرفت نہیں قرار پاسکتی۔

آپ کی کتابوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر تاریخ ہندوستان۔ تاریخ برٹش گورنمنٹ۔ سوانح عمری ملکہ معظمہ وغیرہ ہیں۔ اول الذکر ۱۳ ضخیم جلدوں میں اور دوسری تین جلدونمیں ختم ہوئی ہی۔ مولوی سمیع اللہ صاحب مرحوم سی۔ ایم۔ جی۔ جنکے قومی کاموں کا زندہ نمونہ الہ آباد میں محمدن ہوسٹل موجود ہی اور جو ایک عرصہ تک سرسید مرحوم مغفور کے مشن کے زبردست حامی رہ چکے ہیں اونکے دوست اور احبا کو شمس العلماذکاءاللہ صاحب کا خاص طور پر ممنون ہونا چاہیئے کہ آپنے آخری وقت اونکی سوانح عمری تیار کردی۔ مولوی سمیع اللہ صاحب بلاشک قومی لیڈر تھے لیکن سرسید سے نقیض ہوجانیکے بعد آپ نے گویا گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور عام طور پر نوٹس میں نہ آتے تھے۔ اسمیں کلام نہیں کہ اس گوشہ

گزینی سے جہاں قوم اور ملک آپ کی نفع بخش خدمات سے محروم ہوگیا وہاں آپکے مفید کاموں اور سودبخش خیالوں کے نتایج بھی مفقود ہوگئے اور خوف تھا کہ کہیں آنیوالی نسلیں اپنے ایک ذی ہمت محسن کے نام سے بھی ناآشنا نہ رہجائیں لیکن مولوی ذکاراللہ صاحب نے آپ کی لایف لکھکر نہ صرف حق ہموطنی ادا کردیا بلکہ نوجوانان قوم کیلئے ایک مشعل روشن کردی ہی جس کے اُجالے میں وہ صراط مستقیم سے ہٹ نہیں سکتے۔

سُنا گیا ہی کہ شمس العلماے مرحوم آجکل "تاریخ اسلام" ایسے وسیع سبجکٹ پر طبع آزمائی کر رہے تھے جسکا سلسلہ افسوس ہی کہ آپکے دم کے ساتھ ختم ہوگیا۔ کاش آپ کی یہ سعی تکمیل کو پہونچتی تو کون کہہ سکتا ہی کہ اس چمن میں آپ کیا کیا گل نہ کھلاتے اور اُردو کے خزانۂ ادب کو کن کن جواہرات بے بہا سے نہ بھرتے۔ اُمید ہے کہ آپکے نامور فرزند اُس مسودہ کو خواہ وہ جس حالت میں ہو چھپوا دینگے اور اہل ملک اُسے اپنی زبان کے ایک سرپرست کی آخری یادگار سمجھکر سرآنکھوں پر لیں گے۔

مستقل تصنیفات سے اگر قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو آپکے اُن مضامین کا مجموعہ کئی ضخیم کتابوں کے برابر نکلے گا جو آپنے وقتاً فوقتاً ملکی رسائل و اخبارات کے لئے تحریر فرمائے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ ہندوستان کے تمام سربرآوردہ ماہواری و ہفتہ وار پرچوں میں مضامین بھیجتے تھے۔ میں کئی ایڈیٹروں سے ملا ہوں اونمیں سے اکثر شمس العلما ذکاراللہ کے خلق و مروت کے مداح پائے گئے۔ انکا بیان تھا کہ مولوی صاحب کو مضمون بھیجنے کیلئے جب لکھا گیا تو زیادہ تر بواپسی ڈاک آپنے بھیجا ہی۔ گویا انکار کرنا آپ کو معلوم ہی نہ تھا۔ رسالہ حسن حیدرآباد دکن۔ تہذیب الاخلاق۔ سائنٹفک گزٹ علیگڈھ۔ ادیب فیروزآباد۔ معارف وغیرہ رسالے آپکے رشحات قلم معجز رقم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ اب یہ پرچے تو موجود نہیں لیکن جو نئے نئے رسالے اونکی جگہہ نکلتے رہے ہیں اونکی طرف بھی دست امداد بڑھانے میں آپنے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ مخزن۔ زمانہ۔ خاتون۔ علیگڈھ منتھلی میں عرصہ

تک آپکے مسلسل مضامین نکل چکے ہیں۔

پُرانے اور نئے رسالوں اور اخباروں کی سالانہ جلدوں میں اگر کوئی آپکے مضامین دیکھے تو اوسے آپ کی وسعت معلومات اور واقفانہ انداز کا پتہ چل سکتا ہی۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ سائینس کیمیا طرز معاشرت۔ پالیٹکس مشکل سے کوئی سبجکٹ بچا ہوگا جسپر آپنے کچھ نہ کچھ نہ لکھا ہو۔ شمس العلما حالی مدظلہ کا قول بالکل راست ہی کہ آپ کا دماغ گویا کسی بنئے کی دوکان تھی جسکو جس چیز کی خواہش ہوئی وہاں سے مل گئی۔

مضمون نویسی کا شوق آپ کو بالکل ابتدائے عمر سے تھا۔ دہلی کالج میں لڑکوں کی حوصلہ افزائی کے لئے وظائف ملتے تھے۔ مولوی ذکاءاللہ مرحوم ان وظائف کے زیادہ تر حقدار ٹھہرتے تھے۔ دو تمغے "ہائی پروفشنسی" کے بھی آپ کو وہاں سے ملے۔ کالج سے جو علمی شوق آپ لیکر باہر نکلے تھے وہ ہمیشہ قایم رہا جبوقت آپ سررشتہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر تھے اوسوقت آپ کو بصلہ خدمات تعلیم نسواں منجانب گورنمنٹ خلعت مرحمت ہوا۔

بیان کیاجاتا ہی کہ آپکو ۱۹ سال کی عمر سے علمی شوق تھا اوس زمانہ میں آپ جو مضامین لکھکر اخباروں اور رسالوں میں بھیجتے تھے اونمیں کسر نفسی سے اپنا نام درج نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہی کہ حقیقت پسند لوگ نمایش سے کسقدر گریز کرتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ اگر ایڈیٹر صاحب کسی غلطی سے ہمارا نام مضمون کے تحت میں لکھنا بھول جائیں تو گویا اونسے ناقابل عفو خطا سرزد ہوئی ہی۔

اکثر اہل قلم اس بات کے شاکی پائے گئے ہیں اور اونکا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے کہ اونکی زندگی میں اونکی تصانیف کی قدر نہیں کیگئی۔ مولوی ذکاءاللہ ہندوستان کے ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں جنکی کتابیں اونہیں کے سامنے ملک سے مقبولیت کی سند پاگئی ہیں اور نہ صرف پبلک نے اونہیں ہاتھوں ہاتھ لیا ہی بلکہ سرکار نے بھی عزت افزائی سے دریغ نہیں فرمایا۔ آپ کی کتب ریاضی وطبیعات الہ آباد و پنجاب کی یونیورسٹیو نمیں

بہت عرصہ تک شامل کورس رہ چکی ہیں۔ اُردو کتابوں کا ایک سلسلہ جو حلقہ بندی مدارس کیلئے آپنے ترتیب دیا تھا ایک مدت دراز تک رائج رہکر دو چار سال پیشتر موقوف ہوا ہے۔ سلسلۂ ریاضیات کیلئے برٹش گورنمنٹ سے آپ کو پندرہ سو کا بیش قرار انعام عطا ہوا اور "خان بہادر" و "شمس العلما" کے معزز خطابات سے مخاطب کئے گئے۔

آپکے اخلاق و عادات کی نسبت صرف اسقدر عرض کر دینا کافی ہو کہ روشن خیال اور تعلیم جدید کے حامی ہونیکے ساتھ ہی آپ پرانی وضع کے پابند تھے۔ خلق و ہمدردی آپ کا خاص شیوہ تہا۔ سرسید کے آپ قدیمی رفیق تھے۔ ایک مرتبہ سرسید کے انتقال پر آپ سرسید میموریل فنڈ ڈیپوٹیشن کے ہمراہ لاہور تشریف لیگئے اور ۱۹۰۸ء میں اسلامیہ مدارس کے معلمین کی جو کانفرنس علی گڑھ میں منعقد ہوئی تھی اوسکے آپ پریسیڈنٹ تھے۔

افسوس ہو کہ فضل و کمال کی یہ زندہ تصویر اب ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اس قحط الرجال کیوقت ایسے کامل الفن۔ مشاق اور تجربہ کار ہمدرد قوم کا اٹھ جانا بدنصیبی کی علامت ہے۔ خدا سے دعا ہو کہ اونکی روح کو اوس دنیا میں جہاں ایکدن سب کو جانا ہو اور جہاں سے کوئی پلٹ کر نہیں آتا راحت اور اُردو کی سوگوار دنیا کو صبر حاصل ہو۔

(از ادیب) سید محمد فاروق

اڈیٹوریل

مجوزہ محمدن یونیورسٹی اور ہماری خواتین

مسلمانوں میں خدا کے فضل سے قومی بیداری کی جہاں اور علامتیں شروع ہوئی ہیں وہاں ایک یہ بھی ہو کہ ہماری خواتین میں بھی قومی تحریکوں اور قومی ضروریات کا احساس پیدا ہو چلا ہو جس کے متعلق ان کالموں میں وقتاً فوقتاً تذکرہ ہوتا رہتا ہو۔ ازاں جملہ مجوزہ محمدن یونیورسٹی کے ساتھ ہماری خواتین جس دلچسپی کا اظہار کر رہی ہیں وہ مندرجہ ذیل

اول رابعہ سلطان بیگم صاحبہ (حیدرآباد دکن) کی ایک تحریر ہی جو اونہوں نے مشیر دکن کو لکھی ہی اور جس میں اونہوں نے اپنے اہل مذہب کو مجوزہ محمدن یونیورسٹی کی تکمیل کیجانب مائل کیا ہی۔ اس مضمون کی تمہید میں رابعہ سلطان بیگم صاحبہ نے جو ایک عمدہ قطعہ لکھا ہی وہ ذیل میں درج ہی۔ غالبًا یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہو گا کہ اس تحریر کا یہ نتیجہ ہوا ہی کہ حیدرآباد میں تکمیل محمدن یونیورسٹی کے مقصد کیلئے خواتین کی بھی ایک کمیٹی قایم کرنے کی تحریک ہو رہی ہے ۔

شاخ امید میں ثمر آئے خدا کرے
نغمہ ہے بلبلوں کی زباں پر سرور کا

اس باغ کے نہیں چمن آرا کا گو پتہ
لیکن ہر ایک پھول میں جلوہ ہی نور کا

جنت یہ ہی کہ قوم کی ہمدردیاں کریں
پھر لطف کیا ہے ورنہ شراب طہور کا

سید کی کوششیں ہوئیں سرسبز بعد مرگ
ہے شکر لاکھ لاکھ خدائے غفور کا

ہے یونیورسٹی کی تمنا لگی ہوئی
کیا حال پوچھتے ہو دل ناصبور کا

کالج کے ابتدا میں مخالف بہت تھے لوگ
سید پہ طنز کرتے تھے سب نکر و زور کا

کس کو خبر تھی لائیگا پھل یہ شجر ضرور
آئیگا ایک روز کرم کے ظہور کا

کالج ہی سے ہے شوکت اسلام رابعہ
مرجع یہی ہے ہند میں نزدیک دور کا

اسکے علاوہ ایک وہ تحریر ہی جو مولوی عبدالحمید صاحب چشتی (لاہور) کی صاحبزادی کی جانب سے نواب وقار الملک بہادر کو لکھی گئی ہی اور جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ تحریک ضرور مسلمانوں کے گھروں میں بھی پہونچ گئی ہی۔

قبلہ ام جناب نواب صاحب بہادر مدظلہ العالی! پیشتر اسکے کہ میں کچھ عرض کروں یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ میں ابھی چھوٹی ہوں اور لکھ نہیں سکتی اسلئے میری آپا میری طرف سے لکھیں گی۔ قریبًا مہینے سوا مہینے سے کوئی دن نہیں گذرا کہ میرے اباجان اور چچا جان اس تجویز کی نسبت (جو جناب ہز ہائنس آغا خان بہادر نے مسلمانوں کی یونیورسٹی بنانے کی نسبت کی ہے) ذکر نہ کرتے ہوں اور اوس مہربانی و عنایت کا ذکر نہ کرتے ہوں جو وہ ہم غریب مسلمانوں کے حال پر فرما رہے ہیں۔ جناب کی اپیل (جو حال میں چھپی ہے) کل ہمکو سنائی گئی تو اسمیں جو فرانس کے تاوان کا ذکر آیا کہ وہاں کی عورتوں نے زیور بیچ بیچ کر ادائگی میں حصہ لیا اوسوقت میرے اباجان نے مجھ سے کہا کہ دیکھو عیسائیوں میں کس قدر قومی ہمدردی ہے تم بتاؤ کہ تم اسلامی یونیورسٹی میں کیا دوگی۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں تو خدا کے فضل سے لاکھوں روپیہ آ رہا ہی ہم غریبوں کے دس بیس روپیہ کی چیز کو کون قبول کریگا؟ اونہوں نے فرمایا کہ ہر ایک اپنی حیثیت کے موافق اپنے فرض کا خیال رکھنا چاہیے قطرہ قطرہ ہو کر دریا بن جاتا ہے سو میں نے اپنی دو بالیاں اونکی نذر کیں، پھر میری چھوٹی آپا صاحبہ (پھوپھی صاحبہ) نے بھی اپنی دو بالیاں اوتار دیں جو بذریعہ پارسل رسال خدمت ہیں اور میری بڑی آپا صاحبہ (جو دہلی میں تشریف رکھتی ہیں) میں اونکی خدمت میں بھی لکھونگی۔ انشاءاللہ وہ بھی میری عرض کو سنیں گی۔ اگر میری سب معزز بہنیں اور محترم مائیں بھی توجہ فرمائیں تو ہم

زنانہ اسکول۔ اس سے قبل ہمنے اعلان کیا تھا کہ علیگڑھ شہر میں پلیگ کی وجہ سے زنانہ اسکول کو سخت نقصان پہونچ رہا ہی۔ کیونکہ ڈولی کے کہار کچھ تو مر گئے اور کچھ بھاگ گئے اور اکثر لڑکیاں شہر چھوڑکر دوسرے مقامات پر چلی گئیں۔ اسلئے مدرسہ بند کرنا پڑا اب گو بیماری میں تخفیف ہے لیکن ایک ایسی سائیٹی کی لڑکیوں کو پھر دوبارہ جمع کرنا جسکو تعلیم نسواں کی طرف توجہ نہو کچھ آسان کام نہیں ہی۔ بہت سی لڑکیاں تو علیگڑھ سے بالکل ہی چلی گئیں اور بعض بعض اونچی جماعت کی لڑکیاں جنکا سلسلہ تعلیم کچھ دنوں کیلئے بند ہو گیا تھا اور جو عمر میں بھی بارہ تیرہ سال سے متجاوز ہو چکی ہیں انکے والدین نے انکی تعلیم ہی بند کر دی۔ غرضکہ اس پلیگ کی وجہ سے ہمکو پھر از سر نو تمام کام شروع کرنا پڑا۔ لڑکیوں کے مدارس اور بالخصوص مسلمان لڑکیوں کے مدارس میں دقتیں ہمیشہ رہیں گی جبتک پردہ کے بورڈنگ ہاؤسوں میں لڑکیوں کے رہنے کا انتظام نہ کیا جائے اور ایک خاص میعاد تک انکا بورڈنگ ہاؤسوں میں رہنا لازمی نہ رکھا جائے۔ روزانہ اپنے گھروں سے ڈولیوں میں لاکر لڑکیوں کو تعلیم دلانے سے بحالات موجودہ کسی مدرسہ نسواں کا کوئی منیجر کسی خاص میعاد تک تعلیمی ترقی نہیں دکھا سکتا۔ کیونکہ جو لڑکیاں مدرسہ میں پڑھنے آتی ہیں انکا مدرسہ میں بھیجنا یا نہ بھیجنا ہر روز انکے والدین کے اختیار میں رہتا ہی۔ روزانہ انکی خوشامد کرنی پڑتی ہے اور بجائے اسکے کہ احسان مانیں کہ ہماری اولاد کو تعلیم دیجا رہی ہی اُلٹا دوسروںکو ممنون کرتے ہیں۔

ہمارے مخدوم دوست آنریبل جسٹس مولوی کرامت حسین صاحب جنکو ایک عرصہ تک ایک زنانہ مدرسہ کے انتظام سے تعلق رہا ہی انہوں نے گذشتہ دسمبر میں خاکسار اڈیٹر سے فرمایا کہ بلا بورڈنگ ہاؤس میں لڑکیوں کو رکھے اگر چاہو کہ کسی خاص درجہ تعلیم تک پہونچاؤ تو یہ امر محال ہی اب آیندہ ہماری کوشش یہی ہوگی کہ ہم بورڈنگ ہاؤس کا انتظام کریں اور لڑکیوں کو اسمیں رکھیں۔ امسال اگر یونیورسٹی کے خاص چندوں کی وجہ سے دوسری مدات میں چندوں کا التوا نہ کر دیا جاتا تو ہمارا ارادہ تھا کہ ہم مختلف مقامات پر ڈپوٹیشن بھیجکر پبلک سے بورڈنگ ہاؤس کیلئے چندہ وصول کرتے۔ تاہم جو کچھ روپیہ اسوقت ہمارے پاس جمع ہی اس سے بالفعل کام شروع کئے دیتے ہیں۔ آیندہ سال کے شروع سے ہم تعلیم نسواں کیلئے

خاص اہتمام کے ساتھ چندہ کی فہرست کھولیں گے۔

ایک مصری بیگم۔ شاکرہ خانم مصر کی ایک دولتمند بیگم نے اپنی املاک کا ایک حصہ جسکی آمدنی تقریباً ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہی عثمانی بحریہ کی اعانت میں دیدیا ہی۔ اس فیاض بیگم نے وہ دریا دلی دکھائی ہی کہ دنیا بھر کے اخبارات اسکی تعریف کرتے ہیں۔

سکھوں میں تعلیم نسواں۔ الہ آباد میں جملہ مذاہب کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جسمیں سکھوں کی جانب سے پروفیسر جودھ سنگھ کا ایک مضمون سکھ مذہب پر پڑھا گیا۔ جموں کی پنڈت جیون مکتا نے بھی اس موقع پر ایک عمدہ تقریر فرمائی جسپر یورپین لیڈیوں نے بھی آفریں کی۔ پنڈتہ موصوفہ نے اس تقریر میں سکھ مذہب کا مختصر لیکن پر معنے حال سنایا اسکے علاوہ فیروزپور آشرم میں جب لیڈی ڈین صاحبہ تشریف لیگئی تھیں تو آشرم کی ایک لڑکی ہربنس کنور نے اڈریس لیڈی ڈین صاحبہ کو سنایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ خاص جماعت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی تعلیم کے میدان میں پیش قدمی کرنیکے لئے ہمہ تن مصروف ہیں۔

تقسیم انعام۔ انجمن اسلام بمبئی کے ہال میں سالانہ تقسیم انعام کا جلسہ منعقد ہوا۔ صدر جلسہ ہز اکسیلنسی گورنر بمبئی تھے۔ لیڈی کلارک صاحبہ نے اپنے دست مبارک سے انعام تقسیم کیا۔ آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی مرحوم کے بھائی کی لڑکی قمرالنسا نے لیڈی کلارک کا تمغہ پایا۔ کیونکہ قمرالنسا احاطہ بمبئی کے امتحان انٹرنس میں تمام لڑکیوں میں اول پاس ہوئی ہیں۔

زنانہ جلسہ۔ بھائی کلا بمبئی میں دکنی پھول ہال انجمن کے مکان میں خاتون لکشمی بائی بنکر نے سنسکرت کی تقویت کیلئے ایک زنانہ جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں پھول مالی دکنی قوم کی تقریباً ۵۰ عورتیں موجود تھیں نیز دیگر اقوام کی مستورات بھی شریک جلسہ تھیں۔ لکشمی بائی بنکر۔ لکشمی بائی گائکوار اور ہیرا بائی بیج ل نے تعلیم نسواں کی ضرورت پر ایک پر معنے تقریر فرمائی۔ اور یہ بھی کہا کہ اکثر بہنیں اپنے بناؤ سنگار میں اسقدر محو رہتی ہیں کہ انہیں گھر کا کام دھندا اور بچوں کی پرورش بار معلوم ہوتی ہی مگر ان باتوں کو دل سے نکال دینا چاہئے۔ اور اپنے فرض کی طرف متوجہ ہونا چاہیے عورتوں کے تعلیم یافتہ ہونے سے مردوں کو بہت امداد حاصل ہوگی۔

بعد ازاں لڑکیوں کے ایک اسکول کی تجویز پیش ہوئی۔ اسیوقت چندے کے وعدے کئے گئے۔ اور عماتوں کی

طلائی مساس

یا

طمع راسہ حرف اندوہر سہ تہی

زمانہ سلف میں ایک نہایت ہی امیر بادشاہ مایا داس (دولت کا غلام) گذر چکا ہے اسکی ایک اکلوتی بیٹی تھی جس کا نام میرے صفحۂ دل سے بالکل محو ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ننھے بچوں کو عجیب وغریب ناموں سے پکارنے سے ایک گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ میں اسے ننھی کے نام سے یاد کرونگا۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی شے ہوگی جو مایا داس کو سونے سے زیادہ عزیز تھی لیکن خوشباش ننھی اسے سونے سے بھی عزیز تر تھی۔ مگر جس قدر زیادہ وہ ننھی سے پیار کرتا تھا۔ اسی قدر زیادہ اسکو دولت کی خواہش بڑھتی تھی کوتاہ اندیش مایا داس سمجھتا تھا کہ عزیزہ ننھی کی بہتری کی عمدہ ترین سبیل جو کہ اسکے احاطۂ اقتدار میں تھی یہ تھی کہ اسکے لئے چمکتے ہوئے سونے کا اتنا بڑا انبار فراہم

کرے کہ آفرینش دنیا سے لیکر اب تک کسی فرد بشر نے نہ جمع کیا ہو اس لئے وہ
ہمیشہ اسی خیال میں مستغرق رہتا تھا اور بسا اوقات مغرب کی جانب شفق کے
خوبصورت سرخ بادل دیکھکر وہ حسرت سے خواہش ظاہر کیا کرتا تھا کہ کاش وہ
فی الاصل خالص سونا ہوتی اور اسے قدرت حاصل ہوتی کہ انہیں حفاظت سے
اپنے مضبوط آہنی صندوق میں بندکر سکتا جب کبھی چھوٹی ننھی ہاتھوں میں پھول
لئے ہوئی اسے دوڑتی ہوئی ملتی تو وہ کہا کرتا "پیاری ننھی کاش کہ یہ پھول
فی الحقیقت سونے کے ہوتے جیسا کہ انکی ظاہری شکل و شباہت سے وہ ہوکا
ہوتا ہے تب البتہ وہ اس قابل ہوتے کہ کوئی انکی گل چینی کی تکلیف اٹھاتا"!
آخرالامر جیسا کہ دنیا کا دستور ہی کہ لوگ اگر دانائی سیکھنی کی کوشش نکریں
تو دن بدن بیوقوفی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں مایا داس کے دل میں فراہمی
زر کی خواہش حدِ اعتدال سے اس قدر تجاوز کر گئی کہ وہ سنہری اشیا کے علاوہ
کسی دوسری چیز کو دیکھنا یا چھونا گوارا نہ کر سکتا۔ بدیں وجہ وہ دن کا اکثر
حصہ محل کے اندر ایک تنگ و تاریک تہ خانہ میں جہاںکہ اس نے اپنا خزانہ جمع
کیا تھا گذارا کرتا۔

اسکی عادت تھی کہ احتیاط سے دروازہ کو قفل لگا دیتا کبھی تو سنہری سکوں سے
بھری ہوئی تھیلی کو اُٹھا لیتا اور انہیں گنتا کبھی ایک بڑے سے طلائی پیالیکو
ہاتھ میں لیتا اور اپنے چہرے کی ہنستی ہوئی صورت اس کے اندر دیکھتا یا کبھی ایک
سونے کی بھاری سلاخ اوٹھا کر ہوا میں اوچھالتا اور نیچے آتے وقت اسے
دبوچ لیتا۔ جب وہ ان عجب حرکات میں مشغول ہوتا تھا تو اپنے سے یوں ہمکلام
ہوتا۔ "امیر مایاداس امیر مایا داس تم کیا ہی خوش قسمت انسان ہو"! لیکن ساتھ ہی
اسکو خیال آتا کہ وہ اب بھی اتنا خوش نہیں جتنا کہ وہ ہو سکتا ہی اسکی خوشی کا پیالہ

تب تک لبریز نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ تمام دنیا سونے کی نہ بن جاتی اور وہ سب اوسکی ملکیت نہ ہوتی حسب معمول مایا داس ایک دن اپنے خزانے والے مکان میں اپنا جی بہلا رہا تھا۔ کہ ناگاہ سونے کے انبار پر ایک سایہ پڑا مایا داس نے نظر اوٹھا کر دیکھا تو اسے ایک خوبصورت نوجوان کی شکل دکھائی دی مایا داس کو یقین واثق تھا کہ اس نے احتیاط سے دروازہ کو قفل لگا دیا تھا۔ لہذا اسکا اجنبی ملاقی بالضرور کوئی معمولی انسان نہ ہوگا نو وارد نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر مایا داس سے یوں گویا ہوا مایا داس تم ایک امیر آدمی ہو اور شاید دنیا میں کسی کے پاس اتنی دولت ہو جتنی کہ تم نے اس کمرے میں جمع کی ہے مایا داس "درست۔ لیکن خیال فرمایئے کہ میں نے اپنی تمام عمر ہی اسکے فراہم کرنے میں صرف کر دی ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہاں اگر ہزار برس کوئی جی سکے تو شاید وہ امیر بن سکے"۔

نو وارد۔ "اچھا تو پھر تم قانع نہیں ہو"۔

مایا داس نے اپنا سر ہلایا۔

نو وارد۔ تو پھر للہ فرمایئے کہ کونسی چیز آپ کی تسلی کا موجب ہو سکتی ہے

مایا داس دیر تک سوچتا رہا۔ آخر نو وارد کے اصرار پر اس نے اپنی مہر سکوت یوں توڑی۔ "میں ان تکالیف سے اپنا خزانہ جمع کرنے سے تنگ آگیا ہوں۔ جو کہ باوجود میری اعلیٰ ترین کوششوں کی اس قدر چھوٹا دکھائی دیتا ہے میں چاہتا ہوں کہ جس چیز کو ہاتھ لگاؤں سونے کی بنجاوے"۔

نو وارد کا چہرہ روشن ہو گیا اور وہ کہنے لگا "طلائی مساس! دوست مایا داس واقعی تمہاری عالی دماغی تحسین کی مستحق ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کامل یقین ہے

کہ طلائی مساس کے حصول سے تم قانع ہو جاؤ گے"۔

مایا داس نے اُسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہو گا اس پر نووارد نے اپنا دایاں ہاتھ ہلا کر کہا۔"اچھا جس طرح تم چاہتے ہو اسی طرح پر ہو گا" کل علی الصبح تم اپنے آپ کو طلائی مساس کے نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ ور پاؤ گے تمام رات مایا داس نے آنکھوں میں کاٹی ابھی صبح کا ذب ہی تھی کہ اوس نے ہاتھ باھر پھیلا دیئے اور نزدیک کی چیزوں کو چھونا شروع کیا۔ لیکن ابھی تاریکی تھی اور اسے بار بار مایوس ہونا پڑا آخر کار جب سلطان مشرق نے آنکھ کھولی یہہ دیکھکر کہ اسکا بستر سونے کا تھا مایا داس کی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو وہ بستر سے باہر کود کر دیوانہ وار ہر ایک چیز کو چھوتا اور اسے سونے کی بنی ہوئی دیکھکر حد سے زیادہ خوش ہوتا۔ جب اسے طلائی مساس کے حاصل ہو جانے کی اچھی طرح سے تسلی ہو گئی تو جلدی سے اوس نے اپنے کپڑے زیب بدن کئے اور اپنے تئیں سونے کے ایک زرق برق پوشاک میں ملبوس دیکھکر اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی پھر اوس نے ننھی کا سیا ہوا رومال جیب سے نکالا علیٰ ہذالقیاس یہ بھی طلائی تھا اس تبدیلی سے وہ اتنا خوش نہوا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اوسکی پیاری ننھی کے ہاتھوں کا کام ویسے کا ویسا ہی رہتا۔

بعد ازاں اس نے عینک لگائی تاکہ اردگرد کی اشیا کو زیادہ صفائی سے دیکھہ سکے لیکن وہ حیران تھا کیونکہ اسے ان میں سے کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ طلائی مساس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ عینک کے شفاف شیشے سونے کے بنجاتے ان دنوں چونکہ عینکیں بہت کم یاب تہیں انکے اس طرح کھوئے جانے سے اسے بہت افسوس ہوا۔ لیکن حرص کا جن سر پر سوار تھا خود ہی دل کو یوں تسلی دی کہ طلائی مساس کے مقابلہ میں عینکوں کی حیثیت خاک بھی نہیں۔

پھر وہ باغ میں گیا اور بہت سے گلاب کے پھول دیکھ کر خوش ہوا انکی دھیمی دھیمی خوشبو اس صبح کے سہانے وقت میں دل کو عجب فرحت دیتی تھی۔ مایا داس نے احتیاط سے ہر ایک پھول کلی پودے اور جھاڑی کو چھوا حتیٰ کہ سب کے سب سونے کے بن گئے یہانتک کہ کئی ایک کیڑے بھی اس سنہری آفت کے شکار ہو گئے۔

اب ناشتے کا وقت ہو گیا مایا داس کے سامنے ایک نہایت پر تکلف دستر خوان چنا گیا۔ چھوٹی ننھی محل میں نہ تھی۔ مایا داس نے حکم دیا کہ اسے جلدی بلایا جائے چھوٹی ننھی مایا داس کو یوں تو پہلے سے ہی بہت عزیز تھی لیکن اس دن ایسی گراں بہا نعمت کے مل جانے سے وہ اور بھی پیاری معلوم ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ننھی کے رونے کی آواز آئی۔ مایا داس بہت متحیر تھا کہ ننھی جو ایک ہنس مکھ لڑکی تھی خلاف معمول کیوں رو رہی ہے اسی اثنا میں ننھی ہچکیاں لیتی ہوئی غمناک چہرہ بنائے ہوئے آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی مایا داس استعجاب کی صورت بنا کر بولا۔ "پیاری ننھی اس چمکتی دمکتی صبح کو کیوں ناخوش ہو؟" اسکے جواب میں ننھی نے بغیر منہ کھولے اپنا دایاں ہاتھ جس میں مایا داس کے سنہری گلاب کے پھولوں میں سے ایک تھا باپ کی طرف نکالا۔

مایا داس "کیا ہی عمدہ پھول ہے! بھلا اس میں کونسی چیز دھری ہے جو تمہارے رونے کا سبب ہوئی بچہ؟"

ننھی۔ (رو کر) "ابا جان یہ تو نہایت ہی بدنما پھول ہے۔ علی الصبح جونہی میں نے کپڑے پہنے میں دوڑتی دوڑتی باغ میں گئی تو تمام پھولوں کو مرجھایا ہوا پایا سب کے سب اس کی طرح زرد پڑ گئے

ہیں۔ اور خوشبو تو بالکل ہی جاتی رہی ہے۔

مایا داس جسکو کہ اس بات میں اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ یوں بولا "پیاری ننھی یہ کونسی رونے کی بات ہے؟ طلائی پھول عام پھول سے بہتر ہے۔ اچھا ہے یہ خام خیالی چھوڑ دو اور بیٹھ کر اپنا دودھ پیو۔"

مایا داس اب کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس نے چائے کا ایک پیچہ اپنے مُنہ کی طرف اُٹھایا لیکن جوں ہی کہ چاء اسکی ہونٹوں سے لگی۔ منجمد ہو کر سونے کا ایک ڈلا بنگئی۔ پھر اوس نے طشتری میں سے ایک چھوٹی سی مچھلی اُٹھائی۔ وہ بھی فوراً ایسی ہی نظر آنے لگی۔ جیسے کہ کسی ہوشیار سُنار کی بنائی ہوئی ہے مایا داس حیران تھا۔ کہ روٹی کھائے تو کس طرح کھائے۔ ایک گرم روٹی کو پکڑا ابھی اسے توڑا ابھی نہیں تھا۔ کہ اوس کا رنگ زرد دکھائی دینے لگا۔ تنگ آ کر ایک ابلے انڈے کو ہاتھ لگایا لیکن یہاں بھی مایوسی نے مُنہ دکھایا۔ اب تو عنانِ صبر اس کے ہاتھ میں ڈھیلی پڑ گئی۔ ایسی عمدہ خوراک اور اس میں سے ذرہ بھی نصیب نہوا۔ لیکن بالکل مایوس ہونے سے پیشتر اوس نے خیال کیا۔ کہ شاید بہت جلدی کرنے سے اس نئی آفت سے نجات ملے۔ بدیں خیال نہایت سرعت کے ساتھ ایک روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالکر زور سے چبانا شروع کیا لیکن یہاں بھی طلائی مساس اسکے عاجز کرنے کے لئے کافی ثابت ہوا۔ اپنے منہ کو سونے سے بھرا محسوس کر کے ڈر کے مارے اسکی چیخ نکل گئی۔ ننھی بیچاری وہشت زدہ ہو کر چلا اُٹھی "اباجان کیا بات ہے؟"

مایا داس بیخودی کی حالت میں تھا۔ اب اسے یہ خیال بہت ستانے لگا کہ وہ باوجود اپنی تمام امارت کے ایک غریب مزدور سے بھی بدتر تھا۔ شامت اعمال سے اب اسکی بھوک بھی چمک اُٹھی تھی سے بھلا یہ کب دیکھا جا سکتا تھا۔ کہ

اوسکا پیارا آیا تو روئے۔ اور وہ اسے تسلی ہی نہ دے۔ وہ دوڑ کر اسکے گھٹنوں پر گر پڑی۔ مایا داس نے جھک کر اسے ایک بوسہ دیا اور اپنی گود میں لینا چاہا۔ لیکن وہ تو سونے کی بن چکی تھی بھلا مایا داس سے کیسے ملتی وہ اسے بلاتا تھا۔ لیکن جواب دیتا تو کون دیتا۔ ننھی کا خوبصورت پھول جیسا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اور اس کا نرم نازک بدن پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ اب تو مایا داس اپنی بدقسمتی پر زار و قطار رونے لگا۔ پیاری ننھی اب ایک طلائی بت تھی اب جبکہ وقت ہاتھ سے گذر چکا تھا۔ مایا داس نے محسوس کیا۔ کہ ایک محبت بھرے دل کی اس تمام دولت کے مقابلہ میں جو کہ زمین اور آسمان کے درمیان جمع کی جا سکتی ہے کیا قیمت ہے جب مایا داس اس طرح مایوسی کے سمندر میں غرقاب تھا۔ اسے اچانک ایک مسافر دروازہ کے نزدیک کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ جسکو مایا داس نے فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ اسی مسافر نے طلائی مساس دیا تھا۔

مسافر۔ "دوست مایا داس بتاؤ۔ طلائی مساس کے ذریعہ سے تمہیں کیسی کیسی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں"۔

مایا داس "میں بہت بری حالت میں ہوں"۔

مسافر نے چونک کر آواز بلند کہا۔ "بہت بری حالت! کیا یہ واقعی سچ ہے؟ لیکن اسکی وجہ کیا ہے۔ کیا میں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اور کیا تمہارے دل کی ساری آرزوئیں بر نہیں آئیں"!

مایا داس نے افسوس ناک لہجہ میں جواب دیا۔ "اب مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ سب کچھ سونا ہو جانا وبال جان ہے۔ اور میں وہ چیز جو کہ مجھے سب سے عزیز تھی۔ کھو بیٹھا ہوں"!

مسافر "خوب تو اس عرصہ میں تم نے ایک نئی بات معلوم کر لی ہے۔ لیکن [illegible] تمہارے خیال میں ان دو چیزوں سے کونسی چیز بہتر

ہے۔ طلائی مساس یا صاف ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ۔"

مایا داس نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ "مبارک پانی! ہائے افسوس تو اب میرے خشک گلے کو کبھی تر نہیں کریگا۔

مسافر۔ "طلائی مساس یا روٹی کا ایک ٹکڑا۔"

مایا داس "فی الحقیقت روٹی کا ایک ٹکڑا دنیا کے تمام سیم و زر سے بہتر ہے۔"

مسافر۔ "شہنشاہ مایا داس آپ کل سے آج زیادہ عاقل ہیں۔ جہانتک میری بصیرت کام کرتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا دل تا حال سونے سے نہیں بدلا۔ ہنوز تم میں اتنی سمجھ باقی ہے۔ کہ ہر روز کی ضروریات کی عام اشیاء جو کہ ہر ایک کو میسر ہوتی ہیں۔ اس حقیر زر سے جسکی تلاش میں ہزاروں شب و روز منہمک ہیں کیسی بڑھ چڑھ کر ہیں! اچھا تو اب مجھے صدق دل سے بتاؤ۔ کہ آیا تم طلائی مساس کے عطیہ سے رہائی حاصل کرنی چاہتے ہو۔"

مایا داس "مجھے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔"

ایک مکھی قسمت کی ماری اڑتی ہوئی مایا داس کے ناک پر آ بیٹھی۔ لیکن فوراً بیٹھنے کے ساتھ ہی نیچے فرش پر گر پڑی۔ کیونکہ یہہ بھی سونے کی ڈلی بن گئی تھی یہ دیکھکر مایا داس کانپنے لگا۔ اس پر مسافر نے محبت بھرے لہجہ میں مایا داس کو یوں خطاب کیا۔ "اچھا تم شمالی نہر میں جو کہ تمہارے باغ کے پاس گذرتی ہے جا کر نہاؤ اسی سے ایک مٹی کا کوزہ پانی سے بھر لاؤ۔ اور جن اشیاء کو تم سونے سے انکی اصلی حالت پھر لانا چاہتی ہو۔ ان پر وہ چھڑک دو۔" مایا داس نے

ایک لمحہ ضائع نہ کیا فوراً دریا کی طرف ایک مٹی کا برتن لیکر دوڑ اگیا اور بغیر کپڑے اُتارنے کے پانی میں غوطہ لگایا۔ پانی کی خنکی محسوس کرکے وہ بول اوٹھا "پرمیشور تیرا صد ہزار شکر ہے فی الحقیقت یہ پانی دل خوش کن ہے اور مجھے یقین ہے۔ کہ اس نے مجھے طلائی ساس سے رہائی بخشدی ہوگی"۔ یہ کہکر مایا داس نے جلدی سے برتن کو پر کیا۔ اور جیسی کہ اُمید ہوسکتی ہے پہلا کام جو اوس نے کیا ننھی کی سنہری مورت پر زور زور سے ہاتھ بھر کے چھینٹے مارنے لگا۔ جونہی کہ پانی ننھی کے بدن پر پڑا۔ اس کے چہرے پر گلابی رنگ عود کر آیا۔ اور اوس نے متحیر ہوکر اپنے باپ کو جو کہ اب تک اسپر پانی پھینک رہا تھا۔ کہا۔" ابا جان بس کرو۔ تم نے تو میری نئی قمیص بالکل تر بتر کردی ہے"۔ ننھی بیچاری کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابھی ابھی وہ سونے کی مورت بنی کھڑی تھی۔

جب مایا داس ایک پیر فرتوت ہوگیا۔ تو وہ بسا اوقات ننھی کے بچوں کو گود میں لیکر یہ نادر واقعہ ہو بہو اسی طرح جس طرح کہ میں نے تمہیں سُنایا ہے سُنایا کرتا تھا۔

خاکسار فیروزالدین مرادؔ

ایم ایس سی بی ٹی پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڈہ

مصیبت کی کہانی

کلیجہ تھام لوگے جب سُنوگے
نہ سنواے خدا شیون کسیکا

نواب نقی خان کو آنکھ بند کرتے دیر نہ لگی۔ کہ اسکے ہونہار بیٹے میاں تقی نے

دن عید رات شب برات منانی شروع کر دی اور گویا دل میں یہ ٹھان لی
کہ بڑے بھلے غرض جس طور سے ہو باپ کا نام روشن کرنا چاہئے۔ نقی خاں
کے حیات ہی میں میاں تقی نے کونسا بُرا کام تہا کہ نہ کیا اور کونسا ارمان
تہا کہ نہ نکالا۔ نقی خاں مگر پوچھا جائے۔ قابل الزام تھے یا نہیں؟ تو میں اسکا
فیصلہ کرنیوالا کون۔ مگر اتنا تو ضرور کہونگا۔ کہ اگر تقی خان دو حرف سے آشنا
ہوتے تو شاید انکی حالت کچھ اس سے بہتر ہی رہتی۔ مگر اسکے ساتھ ہی نواب
نقی خاں خیال کرتے تو کیونکر۔ اللہ نے اتنا مال و اسباب دے رکھا تہا
کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ گھر میں رکھنے کی بھی جگہہ نہ تھی پھر جیسا کہ عام خیال
ہے پڑھواتے تو کس لئے۔ اور لکھواتے تو کیوں۔ اور اسپر میاں تقی
لے دے کر گھر کے اکلوتے تھے جس چاؤ اور پیار سے پالے گئے ہونگے
خیال کے قابل ہے۔ جب کبھی میاں تقی کوئی برا کام کرتے تو انکے والد
بزرگوار ہمیشہ یہ کہا کرتے۔ کہ ابھی لڑکا ہے۔ کھیلنے کے دن ہیں کھیلنے دو
بس پھر کیا تہا۔ میاں تقی تھے۔ کہ مرزا پھویا بنے ہوئے تھے۔ اور سچ مجھے
اتنا تو خیال نہیں۔ شاید اسی نام سے پکارے جانے بھی لگے تھے۔ خیر
جو کچھ بھی ہو میاں تقی کی مٹی لڑکپن ہی میں خراب ہو چکی تھی۔

تقی کا پندرہواں سال تہا۔ کہ نواب نقی کے رخصت ہونے کے دن
قریب آ پہونچے۔ یہاں تک بستر مرگ پر جا پڑے۔ جب حالت روزمرہ
خراب ہوتی چلی تو ایک دن اپنے لاڈلے بیٹے کو بلا کر یوں وصیت کی
میرے پیارے میں شاید دو تین گھنٹہ کا مہمان ہوں۔ اب تم سے ہمیشہ
کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ افسوس ہے تو اتنا اور صدمہ ہے تو اس بات کا
کہ اپنے سامنے تمہاری شادی رچانی نصیب نہوئی اور تمہارے سر سہرا بندھا

نہ دیکھا۔ خیر صفدر علی صاحب جو ہمارے رشتہ داروں میں سے ہیں انکو اللہ نے ایک لڑکی دی ہے۔ لڑکی حسن کی دیوی ہی نہیں بلکہ عمدہ چال و چلن کی بھی ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے اور جانتا بھی ہوں۔ بیٹا اگر چراغ لیکر بھی تلاش کروگے۔ تو ایسی بیوی ملنی محال کیا بلکہ ناممکن ہے تم اپنی شادی کا پیغام ضرور انکے ہاں بھیجنا۔ قرینہ ہے۔ کہ صفدر علی صاحب کو بھی انکار نہ ہوگا نواب نقی خاں کی اب آواز بند ہوتی چلی۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر حکیم سب موجود تھے۔ مگر موت کی دوا کون کر سکتا ہے۔ ہچکی آئی۔ اور ہچکی کے ساتھ ہی روح بھی نکل گئی۔ ع۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ تھوڑے روز تک تو تقی خاں غم کے پتلے بنے رہے۔ دیوانے وحشی۔ ظاہرا ہویا باطنی۔ جو کچھ جی میں آیا باپ کے غم میں بنے۔ جب غم کی انتہا ہو چکی تو خوشی کی ابتدا شروع ہوئی۔ ہوئی اور ایسی ہوئی۔ کہ شاید کسی کے خواب و خیال میں بھی آئی ہو۔ افسوس نواب نقی خاں کے آبا و اجداد نے کن کن مشکلوں سے روپیہ جمع کیا ہوگا۔ مگر تقی کو اسکا کچھ بھی خیال نہیں آیا۔ اور نہایت بیدردی سے دولت لٹانی شروع کر دی۔ اسی درمیان میں باپ کی وصیت یاد آئی۔ فوراً صفدر علی صاحب کے ہاں شادی کا پیغام بھیجا گیا

صفدر علی صاحب نواب نقی کی طرح امیر نہ تھے۔ مگر ہاں اُتنا نہ تھا تو اتنا ضرور تھا۔ کہ دال روٹی سے خوش تھے بیٹی کی نسبت تمام تلاش کی نسبت آئی۔ اور ضرور آئی۔ مگر حسب خواہ نہ آئی۔ بیچارے اسی اُدھیڑبن میں تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ بیٹی جوان ہو چکی ہے۔ کسی طور پر نباہنا ضرور ہی۔ اتنے میں میاں تقی کا پیغام پہونچا صفدر صاحب کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں خیال آیا کہ کسی سے صلاح و مشورہ بھی کر لینا چاہیئے مگر

صلاح لوں تو کس سے اور مشورہ کروں تو کس سے بی بی تہیں وہ بھی لقمۂ اجل ہو چکیں گھر میں ایک بیٹا تھا وہ بھی نوکری کی وجہ سے باہر۔ خیر چار ناچار اپنے بیٹے ظہیر کو تار دیکر بلایا۔ ظہیر باپ کا تار دیکھتے ہی فوراً آپہونچا باپ سے بلانے کی وجہ دریافت کی۔

صفدر علی صاحب۔ "ظہیر میں نے جو تمہیں بلایا ہے اسکی ایک خاص غرض ہے شاکرہ جوان ہو چکی ہے اسکی شادی جہانتک جلد ممکن ہو ہو جانا بہتر ہے۔ میں نے بہتیرا نسبت تلاش کی مگر کہیں سے نہ آنا تھی نہ آئی۔ بارے خدا کا فضل ہے کہ کل میاں تقی نے اپنا پیغام بھیجا ہے۔ میرے نزدیک اس سے عمدہ اور بہتر نسبت کون ہو سکتی ہے۔ بہتر اور مناسب ہے کہ منظور کر لیا جائے۔"

ظہیر۔ "ابا جان شادی کا ہونا تو ضرور فرض ہے مگر تقی خاں سے ہو یا نہو تو اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہتر ہے کہ خود شاکرہ سے اس میں رائے لی جائے وہ ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ اپنے برے بھلے کو کہیں ہمسے زیادہ سمجھ سکتی ہے۔"

صفدر۔ (غصہ ہوکر) "تم نے لڑکی سے رائے لینے کی خوب کہی میں تو آج نئی بات تم سے سن رہا ہوں۔ افسوس انگریزی تعلیم نے تمہیں اتنا آزاد بنا دیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ انگریزی پڑھکر تم ایسے روشن خیال ہو جاؤگے تو میں کبھی تمہیں ایسی تعلیم نہ دلواتا۔"

ظہیر۔ "ابا جان بے ادبی معاف آجکل شادی کے بعد طرح طرح کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں۔ کبھی یہ سنا جاتا ہے کہ لڑکا سسرال نہیں جاتا بی بی حسب خواہ نہ ملی۔ کبھی لڑکی زہر کھا کر مر گئی۔ غرض جو کچھ بھی ہو اسکی وجہ جناب والا نے غور بھی کی۔ وجہ یہی ہے کہ شادی نہ تو لڑکے کے رضامندی سے ہوتی ہے نہ لڑکی کی خوشنودی سے"

صفدر۔ "بس بس اپنے لکچر کو رہنے دو۔ میں نے صلاح اور مشورہ کیلئے بلایا ہے۔ لکچر سننے کے لئے نہیں"

ظہیر۔ "ابا جان خفا نہ ہوجئے۔ میں صلاح اور مشورہ ہی دے رہا ہوں مجھے کہہ لینے دیجئے۔ اسکے بعد کرنا یا نہ کرنا آپکے اختیار میں ہے میں تقی خاں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسکے چال وچلن سے کون شخص واقف نہیں کونسی برائیاں دنیا میں ہیں جو تقی خاں میں نہیں پائی جاتیں۔ ہاں اگر دولت کو کہئے تو اسکا اعتبار ہی کیا۔ آج میرے پاس ہے۔ اور کل اونکے پاس۔ البتہ علم ایک جوہر ہے وہ بالکل اس سے بے بہرہ ہیں۔ علاوہ بریں میرے خیال میں تو اپنی حیثیت سے زیادہ والوں کے ہاں شادی کرنا کیا۔ ایسا خیال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ شاکرہ لایق شاکرہ ہرگز ان سے بیاہے جانے کے قابل نہیں ہے"

ظہیر بیٹا تھا۔ باپ نہ تھا۔ لڑکا تھا بزرگ نہ تھا۔ مہذب تھا۔ بے ادب نہ تھا کہنے کا مالک تھا کرنیکا نہیں۔ غرض جہانتک غریب سے ہو سکا کہا۔ اور جتنا ہو سکا سمجھایا۔ مگر حریص صفدر کو تقی کی دولت نے اندھا کیا کہ بیٹی کو کوئیں میں ڈھکیلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ پیغام منظور کر لیا۔ منظوری کی دیر تھی۔ شادی کا

ہوجانا کیا بڑی بات تھی۔ اور وہ بھی میاں تقی کے سامنے شادی ہوئی۔
اور خوب دل کھول کے ہوئی۔ بیچارے صفدر کی ٹانگ تقی کے سامنے کیا
ٹھہرنیوالی تھی۔ مقروض ہوئے۔ ذلیل ہوئے۔ سب کچھ ہوئے۔ اور
ایسے ہوئے کہ پنپنا بھی دشوار ہوگیا۔ رہا سہا۔ گھر میں جو کچھ تھا سب
صاف ہوگیا۔ اور ایسا صاف ہوا۔ کہ نام لینے کو ایک کوڑی بھی باقی نہ رہی
مفلسی اور مفلسی کیساتھ فکر نے میاں صفدر کو ایسا آن گھیرا کہ جان کے ساتھ
پیچھے پڑ گئی۔ ظہیر نے ہزار چاہا۔ کہ گھر کی حالت درست کرے۔ قرضداروں سے
نجات پائے مگر ظہیر تنہا ظہیر۔ کوئی یار نہ مددگار کرتا تو کیا کرتا۔ صفدر کی حالت
روز بروز ردی ہوتی چلی۔ ہوتے ہوتے یہاں تک پہونچی۔ کہ بیچارے کو دنیا سے
کوچ کرنا پڑا گھر کی تباہی اور باپ کی بربادی کا غم شاکرہ کو جتنا ہوتا کم تھا
مگر بیچاری کرتی تو کیا کرتی رو پیٹ کر صبر کر لیا شادی کو شاید سال بھر سے
زاید نہوا تھا۔ کہ شاکرہ کو ان مصیبتوں کا سامنا پڑا۔ اور زیادہ مصیبت
اس بات کی تھی کہ میاں کو برابر جس طور سے ہو زیادہ خوش رکھنا چاہیئے
شاکرہ عقلمند تھی۔ بیوقوف نہ تھی۔ سمجھدار تھی۔ کم فہم نہ تھی۔ میاں تقی کے
مزاج کو فوراً تاڑ گئی۔ سسرال کو دیکھا کہ لٹی جاتی ہے۔ بدنظمی ہے کہ ہر طرف
پھیلی ہوئی ہے۔ گھر میں ماما۔ دائی۔ لونڈی باندی اناتا مغلانی اندر باہر
غرض جتنے تھے۔ سبکو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔ میاں تقی
خواہ بہشت میں جائیں۔ یا دوزخ میں۔ دل میں خیال کیا کہ دلہن کب تک
بنی رہوگی۔ گھر یوں لٹ رہا ہے۔ فوراً دلہن کا جامہ اتار گھر کے انتظام کو
اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ایسا درست کیا کہ شاید نواب نقی کے وقت میں بھی
رہا ہو۔ اس درمیان میں اللہ نے ایک لڑکی دی۔ نام باصرہ رکھا۔ اسوقت

تک تو شاکرہ نے میاں تقی سے اچھی طرح نباہ کیا۔ مگر میاں تقی کا ظلم
روز بروز ترقی کرنے لگا۔ شاکرہ میں جہاں اتنی صفتیں تھیں وہاں فرمانبرداری
بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اکثر گرمی کی راتوں میں شاکرہ نے پنکھا جھلتے
صبح کر ڈالا۔ غرض میاں تقی کی اطاعت میں بیچاری نے کھانا پینا سونا
جاگنا سب حرام کر ڈالا۔ ہر وقت حکم کے بجا لانے کے لئے ایک پاؤں پر
کھڑی رہتی۔ تقی نا قدر تقی نے اس گوہر کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ جوہری ہوتا
تو جواہر کی قدر سمجھتا۔ جاہل۔ ناکارہ۔ بدکار تقی اصلی حقیقت کو کیا سمجھتا
تقی نے کونسا ظلم تھا۔ کہ شاکرہ پر نہیں کیا اور کونسا ستم تھا کہ شاکرہ پر جائز
نہیں رکھا۔ غریب پیار کی باتیں کرتی۔ تو جواب ڈانٹ کر ملتا۔ غرض میاں
تقی کے جوجی میں آتا شاکرہ کے ساتھ کر ڈالتے۔ مگر واہ ری شاکرہ ہر وقت
ہر لحظہ ہر حالت میں صابر رہتی۔ ایک روز میاں تقی پر ایسا بھوت چڑھا کہ
معاذ اللہ بھوت کیا تھا خاصہ جن تھا۔ دن کو چڑھا رات تک اُترنیکا نام
نہ لیا۔ بی بی پر غل مچایا۔ اُچھلے کودے۔ مارا پیٹا۔ غرض جو کچھ جی میں آیا
کیا۔ مگر شاکرہ بے گناہ شاکرہ کا منہ تھکے کر جواب بھی دیا ہو۔ آنکھ پھوٹے کہ
تقی کو غصہ کی نگاہ سے بھی دیکھا ہو۔ تقی کا جب اس ظلم اور تشدد سے بھی
جی نہ بھرا۔ تو ایک روز کسی دوسری عورت سے شادی کر لی اور گھر میں
لا بٹھالا۔ اسکا لانا تھا کہ شاکرہ کو گھر چھوڑ دینے کا حکم ملگیا۔ شاکرہ مصیبت کی
ماری اسوقت کوئی اسکے دل کی حالت پوچھتا۔ جاتی تو کہاں جاتی۔ گھر
نہ دوار۔ باپ نہ ماں۔ بھائی نہ بند۔ زار و قطار رونے لگی۔ روکر جب دل
ہلکا ہوا۔ تو حکم کی تعمیل کا خیال آیا۔ اُٹھی۔ اور لڑکی کو گود میں لے۔ میاں
تقی کے ایک پرانے کھنڈر کو جو بہت زمانہ سے ویران پڑا تھا۔ بسانے چلی گئی۔

شاکرہ کو اس اُجڑے ویرانے مکان میں آئے ہوئے عرصہ ہو گیا اس زمانہ کو جس مصیبت اور تکلیف سے اس نے کاٹا کچھ اسیکا کام تھا۔ایک روز برسات کا موسم تھا۔ بارش ایسی زور سے ہو رہی تھی۔ کہ لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے۔ مگر میں تو یہ کہوں گا کہ بارش شاکرہ کی مصیبت پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ بارش نہ تھمنے کی تھی نہ تھمی۔ شاکرہ کو اس زور کا بخار چڑھا کہ الاماں والحفیظ۔ غریب کو جان کے لالے پڑ گئے۔ سمجھی کہ بس اب آخری وقت ہے بخار نہیں بلکہ چل چلاؤ کا سامان ہے۔ باصرہ کو گلے لگا کر خوب روئی چوما پیار کیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہا۔ بیٹی تیرا اللہ والی ہے میں تجھسے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتی ہوں" چاہتی تھی کہ کچھ اور کہے۔ مگر بیچاری سے نہ کہا گیا۔ بچی اور اسپر ننھی سی جان۔ ماں کی حالت دیکھکر بلکنے لگی۔ گلو سے چمٹ گئی۔ بلکتے بلکتے بچی کو نیند آگئی۔ شاکرہ نے بیٹی کو پلنگ پر لٹا دیا۔ اوڑھنا نہ بچھونا۔ ایک کپڑہ تھا۔ کیا بچھاتی اور کیا اوڑھتی۔ باصرہ پر ڈال دیا شاکرہ کو اپنی موت پر ہرگز افسوس نہ تھا۔ مگر خیال تھا تو اسکا اور افسوس تھا تو اتنا کہ میرے بعد میری بچی کی کیا حالت ہوگی۔ مگر نہیں قادر مطلق جو سب کا نگہبان ہے اسکی بھی حفاظت کرے گا۔ شاکرہ تو قبل ہی سے مردہ ہو رہی تھی بخار تو صرف بہانہ تھا۔ دم کے دم میں روح پرواز کر گئی۔ انا للہ الخ اسوقت جبکہ شاکرہ اپنے قادر مطلق سے ملنے کے لئے جا رہی تھی۔ میاں تقی پڑے سو رہے تھے۔ اور یہ خواب دیکھ رہے تھے۔

خواب

کیا دیکھتے ہیں کہ دو قوی ہیکل آدمی جنکی شکل رات سے بھی زیادہ تاریک اور صورت دیو سے بھی زیادہ مہیب ہے میاں تقی کے پاس آئے اور مشکیں کسنے لگے۔

میاں تقی اُچیلے کو وے بہت کچھ ہاتھ پیر مارا۔ مگر انکے زور کے سامنے انکی بساط ہی کیا تھی۔ مجبوری مشک بند ہو جانا پڑا۔ یہ لوگ انکو لیکر ایک خوفناک راستہ پر ہو لئے۔ معاذ اللہ راستہ کیا تھا۔ جہنم کا نمونہ۔ ہر چہار طرف جنگل ہی جنگل نظر آرہا ہے اور جنگل ہی سنسان یہاں حضرت انسان تو بالکل خواب و خیال ہیں۔ خوفناک درندوں کی ہیبت ناک آوازیں میاں تقی کے لئے موت کے پیغام سے کم نہیں تھیں اکثر یہ درندے میاں تقی کو کھا لینے کے لئے جست بھی کرتے۔ مگر وہ یاجوج ماجوج جو انکو لئے جا رہے تھے۔ ڈانٹ کر بچا لیتے تھے تقی کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ اکثر گھبرا کر اسکی تفصیل بھی پوچھتے۔ مگر جواب سوائے سکوت و خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ آخر اس گھاٹی کو طے کرکے یہ لوگ دوسرے میدان میں جا پہونچے۔ یہاں تو اور ہی حال تھا۔ ہر جگہ چمن نہایت خوبی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے فوارے رنگ برنگ کے پھولجھڑی چھوٹ رہی تھے۔ مرغان خوش الحان اپنے قادر مطلق کے حمد و ثنا میں محو ہو رہے تھے۔ باشندگان چمن لباس فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ انکے بشرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کے استقبال کے لئے بیچین ہیں۔ استنے میں ہٹو۔ بڑھو کی صدا ہر چہار طرف سے گونجنے لگی۔ تقی نے مڑکر دیکھا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سواری رنگ برنگ کے جواہرات سے مرصع لوگ لئے آرہی ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خداوندا یہ کون ہے جسکی سواری اس تزک و احتشام سے آرہی ہے۔ سواری نزدیک آپہونچی۔ سواری کے بیٹھنے والے کو دیکھا اور حیران ہوا۔ بیساختہ چلا اوٹھا۔ آہا یہ تو ہماری بی بی شاکرہ ہے"
شاکرہ نہایت پرتکلف کپڑے زیب تن کئے ہوئے اپنے بیٹی باصرہ کو

گود میں لئے ہوئے بیٹھی ہوئی ہے۔ شاکرہ کا چہرہ اسوقت چاند سے
زیادہ روشن تھا۔ وہ خوش تھی۔ اور باصرہ ہنس رہی تھی۔ چاہتا تھا کہ تقی
آگے بڑھکر بی بی کو گلے لگالے۔ مگر محافظوں نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے
نہ دیا۔ رویا گڑگڑایا۔ منت وسماجت کی۔ مگر وہ کب چھوڑنے والے تھے۔
شاکرہ نے تقی کو دیکھکر سواری کے روکنے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سواری
فوراً رک گئی۔ تقی کو نزدیک بلایا اور یوں گویا ہوئی "افسوس وقت تھوڑا
ہے اور کہنا بہت کچھ ہے۔ خیر تقی او نفس کے تابعدار تقی سن اور خوب کان
لگا کر سُن میں نے تیری خوشی کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ہر وقت
تیرے حکم کے بجالانے کو ایک پاؤں پر کھڑی رہی۔ جو کچھ تو نے کہا میں نے
سنا۔ اور جو حکم تو نے دیا میں بجالائی۔ تیرے لٹتے ہوئے گھر کو بچایا۔ تیرے
ظلم وستم کو پیار سمجھا۔ دن رات اوٹھتے بیٹھتے۔ جاگتے سوتے۔ ہر وقت
ہر لحظہ تیرے آرام کا خیال رکھا۔ مگر تو نے اسکا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ خیر جو کچھ
تو نے کیا اچھا کیا میں ہرگز گلہ مند نہیں ہوں۔ اور جو کچھ میں نے کیا میرا
فرض تھا۔ میں نے تجھکو صرف اسوقت ایک خاص غرض سے بلایا ہے۔
باصرہ ننھی باصرہ کی ماں کا سایہ آج اسکے سر سے اُٹھ گیا۔ غریب یتیم ہوگئی۔
بے والی ہوگئی۔ دنیا میں کوئی اسکا سرپرست نہ رہا۔ اگر لے دیکے کچھ ہے تو
تو ہی ہے۔ لے اور اسکو رکھ۔ (باصرہ کو بڑھا کر) یہ میری امانت ہے۔ باصرہ
تیرے پاس رہنے والی نہیں ہے۔ ہاں جب تک رہے۔ اسکی نگہداشت کرنا
اگر میری امانت کو اچھی طرح نہ رکھا تو قیامت میں دامنگیر ہونگی"۔ اتنا کہا اور
سواری کو بڑھنے کا حکم دیا۔ آناً فاناً سواری نظر سے غائب ہوگئی۔ تقی نے
سواری کے ساتھ جانیکی کوشش کی مگر بیفائدہ اور بلا سود تقی خواب سے چونکا

اور ایسا چونکا کہ اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ باصرہ ہاتھ باندھے سرہانے کھڑی ہو
اور رو رہی ہے۔ باصرہ نے باپ کو جاگتا ہوا دیکھکر کہا۔ ابا میاں۔ اماں آج
روٹھ گئی ہیں۔ بہت منایا۔ نہیں منتی ہیں۔ چلئے اور انکو منا دیجئے"۔ خواب
اور خواب کے ساتھ بچی کا یہ کہنا تقی کے دلپر کاری ہوا۔ بیٹی کو گلے سے
لگا لیا۔ رویا اور ایسا رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ بی بی کا خیال آیا کہ واقعی
کیا معاملہ ہے۔ چلکر دیکھنا چاہیئے۔ وہاں کیا تھا۔ وہ کب کی مرچکی تھی۔ آیا
بی بی کی لاش سے لپٹ کر اپنے قصوروں کی معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر اب
کیا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ شاکرہ
او جنت کی بیٹھنے والی شاکرہ شاباش تو ہر وقت صابر رہی شاکر رہی۔
اطاعت کی کسوٹی پر پوری اُتری۔ کسی وقت تقی کو شکایت کرنے کا موقع
نہیں دیا۔ جو کچھ تونے کیا خوب کیا۔ بہتر کیا۔ آج سے تو فردوس کے آباد
کرنے والی شمار کی جائیگی۔ او اصبر و شکر کی دیوی تو مرگئی۔ تیری ہڈیاں
خاک ہوجائینگی۔ مگر تیرا افسانہ جب تک دنیا ہے عبرت کے ساتھ یاد
کیا جائیگا۔ تونے وہ مثال چھوڑی کہ دوسروں کے لئے تمثیل ہی۔ آفریں
صد ہزار آفریں تو وہ کارنامہ چھوڑ کر چلی ہے کہ تیری آنیوالی بہنوں کے لئے
ایک سبق ہی۔ جا اور اچھی طرح سے جنت میں آرام کر۔

سید مجید الدین احمد اشرف
متعلم مدرستہ العلوم علیگڈھ

ذی شعور لڑکیاں

اور

گھر کے کاروبار

آجکل کی نئی روشنی کے زمانہ کی تعلیم یافتہ اور خود پسند لڑکیاں اپنے ہاتھ سے گھر کے کسی کام کو کرنا باعث ذلت وحقارت تصور کرتی ہیں اور ہل کر پانی پینے کو بھی کسر شان سمجھتی ہیں اور دوسروں سے کام کروانے کو باعث فخر وعزت خیال کرتی ہیں غرض ہر وقت دوسروں کا ہی سہارا ڈھونڈتی ہیں اور جس وقت اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا اتفاق ہو جاتا ہے تو کام کی عادت نہ ہونے کے سبب وہ ذرا سے کام سے گھبرا جاتی ہیں اور ذرا سا کام بھی ان کو بار معلوم ہونے لگتا ہے۔ آجکل کی لڑکیاں کتاب کا کیڑا بنی کرسی پر ٹنگی بیٹھی رہتی اور گھر کے کسی کاروبار سے بالکل تعلق نہیں رکھتیں ماں بیچاری کو بچوں کے دھندوں سے اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کام اپنی نگرانی میں نوکروں سے کروائے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ میری بچی ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہے اس سے مجھے کچھ آرام اور خانہ داری کے کاروبار میں مدد ملے لڑکی اپنے ہاتھ سے کام نہ کرے تو نہ سہی ماماؤں سے ہی اپنی نگرانی میں کام کرائے تو غنیمت ہے۔ بھلا ایسی کاہل وجود اور کم ہمت لڑکیوں سے جو ہل کر پانی پینے کو بھی کسر شان سمجھتی ہیں ان سے ماں بچاری کو آرام اور خانہ داری کے کاروبار میں مدد ملنے کی کیا امید ہو سکتی ہے لہٰذا ذی شعور لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ گھر کے کاروبار کو اپنا فرض سمجھیں

اور ماں کو خانہ داری کے کاموں میں مدد دیں اور ہر وقت ہر کام میں
چالاک وچست نظر آئیں - اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے مووی خانہ کی
کنجیاں ماماؤں کے حوالہ کردی جاتی ہیں اور مامائیں موقع پاکر خوب لوٹتی
اور گلچھرے اُڑاتی ہیں - لڑکیوں کو چاہیئے کہ وہ ہر ایک کام اپنی نگرانی
میں کرائیں اور غلہ ماما سے اپنی نگرانی میں تلوائیں اور انکو لوٹنے اور چرانے
چھپانے کا موقع نہ ملنے دیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے بھی خود
سینے چاہئیں اس طرح لڑکیوں کو سینا آجائیگا اور معقول رقم جو کئے دن
درزیوں کو بھری جاتی ہے اس کی کفایت ہوگی - چھوٹے بہن بھائیونکو
صاف ستھرا رکھنا چاہیئے اور ان کو تمیز ادب واخلاق سکھانا چاہیئے
اور ہر وقت ہر حالت میں ماں باپ کی فرمانبردار رہنا چاہیئے اور ان کا
ادب کرنا چاہیئے اور وہ جو کچھ کہیں بسروچشم بجالانا چاہیئے پڑھنے لکھنے
کے وقت پڑھنا لکھنا اور کام کاج کے وقت کام کاج کرنا چاہیئے -

خاکسار

عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی - حیدرآباد دکن

محمدن یونیورسیٹی اور ہمارا فرض

ادائیگی فرض ہر قوم ہر مذہب اور ہر ایک فرقے میں واجبی خیال کیا جاتا
ہے اور چونکہ مذہبی فرایض کا ادا کرنا دیگر فرایض سے زیادہ ضروری و
واجبی ہے - اسلئے ہر ایک قوم میں عموماً اس کا زیادہ خیال ہے اور خصوصاً
جو حصہ اقوام عالم میں اسکا زیادہ پابند ہے - وہ کمزور فرقۂ نسواں ہے - قطع نظر
دیگر عالم نسواں کے اسوقت مسلمان مستورات ہند پر خیال کیا جاتا ہے - جو ایام

جہالت سے لیکر اس زمانہ تک (جبکہ علمی روشنی انکی اندھیری کوٹھریوں میں پہنچنے لگی ہے) مذہب کی فدائی رہی ہیں۔ اور اب تھوڑا بہت لکھ پڑھ لینے سے قومی ضروریات کو بھی محسوس کرنے لگی ہیں۔ جائے شکر ہے کہ چند سال سے چند تعلیم یافتہ خواتین قومی کاموں میں مدد بھی دینے لگی ہیں۔ اور بفضل خدا زنانہ تعلیمی حالت دن بدن ترقی پر ہے۔ چند سال قبل کا ذکر ہے۔ جبکہ "ٹرن روپی فنڈ" کھولا گیا تھا۔ تو ہماری تعلیم یافتہ روشن خیال قابل فخر بہن بنت نصیر الدین حید رصاحب نے اس کام میں حصہ لیکر کافی مدد دی۔ اور ابتو آئے دن چھوٹے چھوٹے فنڈ کھلتے رہتے ہیں۔ جنکو ہم) کمزور ہاتھ بھرتے ہیں۔ غرضکہ فی زمانہ قومی ضروریات کیلئے چندہ دینا یا مانگنا ایک عام بات ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق سمجھانے یا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ محمڈن یونیورسٹی کا غلغلہ تمام ہندوستان میں ہر کس و ناکس کے کان تک پہنچ چکا ہے۔ تو بھلا یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہماری تعلیم یافتہ اخبار بین حلقۂ نسواں کو اسکی خبر نہیں۔ تعجب ہے کہ اسوقت تک کیوں نہیں اس طرف توجہ کی گئی۔ ہماری اسوقت کی قابل افسوس و تعجب خیز خاموشی شرمناک و ذلیل کُن ثابت (خدا وہ دن لائے) ہو گی اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آئیگا۔ جب ہم پر قوم کی مدد کرنی لازمی ہو گی۔ قوم پر یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ امیر غریب فقیر بوڑھا جوان اور بچہ اپنی اپنی بساط کے موافق کمر ہمت باندھکر اس قومی بلکہ مذہبی فرض کے ادا کرنے کو تیار ہو جائے۔ خصوصًا وہ فرقہ جو نماز و روزہ خیرات و زکوٰۃ کا زیادہ پابند ہے۔ اس فریضۂ مذہب (یعنی تکمیل محمڈن یونیورسٹی) کی انجام دہی کو واجب سمجھکر لیڈران قوم کا ہاتھ بٹائے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے

صوبے سے کوئی ایسی خوش کن خبر نہیں سُنی گئی کہ فلاں مسلمان بیگم صاحبہ نے چندہ دیا یا چندہ جمع کرنے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن اس طرف کی خواتین نے اس کام میں بھی سبقت کر دکھائی۔

لاہور کی لیڈیز "میاں فیملی" نے کئی سو روپیہ جمع کر کے اپنے سرگرم لیڈر آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب کی مدد کی۔

اسی طرح سُنا ہے کہ قصبہ قصور (پنجاب) کی ایک بیوہ نیک دل خاتون نے اپنا زیور قیمتی تین ہزار روپیہ کا یونیورسٹی میں دیدیا۔ اب اخبار تہذیب النسواں لاہور کی خریدار بیگمات نے اس زنانہ یونیورسٹی فنڈ کھول لیا ہے۔

معزز بہنوں! یہی صفات ہیں۔ جن کے سبب سے اس صوبے کے مسلمانوں کو "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب ملا ہے۔ ہمارے سردار قوم سر آغا خاں ان لوگوں سے ایسے خوش ہوئے کہ علی گڈہ کالج کو ہماری طرف سے اور کیتھڈرل لاہور میں گارڈ دینے کو کہتے تھے۔

مجھے چند ہفتوں سے یہ سوچ تھی کہ میں کس طرح اس کام میں مدد کروں۔ اگرچہ میں کیا اور میری مدد کیا؟ مگر میرے دل نے مجھے بیچین کر رکھا تھا اور بے انتہا فکر تھا کہ کیا کروں۔ اور کس طرح کروں؟ میری اختیاری بات تو یہی تھی۔ کہ چندہ دیدوں۔ مگر جہاں لاکھوں نہیں کروڑوں کی ضرورت ہے میرا حقیر چندہ کیا مدد کر سکتا ہے۔ اور بدقسمتی سے میرا قیام ایک ایسی جگہ ہے جہاں یونیورسٹی کے لئے ایک پیسہ بھی وصول ہونا ناممکن معلوم ہو رہا ہے۔ یہاں کی نسوانی حالت نہایت قابل افسوس ہے۔ یونیورسٹی تو کجا علی گڈہ کالج کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اور انکو سمجھانا بھی ناممکن۔ کیونکہ یہاں کوئی زنانہ

جلسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ یہاں کی مستورات حرف شناس بھی نہیں ہیں۔ بذریعہ اخبارات یا پرائیویٹ چٹھیوں کے سمجھانا بھی مشکل ہے اس قسم کی مجبوری وناکامیابی کے خیال سے میرا دل بیحد غمگین و پژمردہ ہو رہا ہے۔ تاہم یہ ناممکن ہے۔ کہ ان رکاوٹوں کے سبب میں اپنے ارادے سے باز رہوں۔ چنانچہ میں نے فہرست مرتب کردی ہے جو مسلمانان کوہاٹ کے زنانخانوں میں بھیجی جائیگی جس قدر بھی وصول ہوا غنیمت جانونگی اگر خدانخواستہ کچھ نہ ملا تو یہ افسوس تو نہ رہیگا کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اب جسقدر بھی اپنی کامیابی کی اُمید ہوسکتی ہے۔ وہ دوسرے مقامات کی روشن خیال ہمدرد قوم بہنوں کی مدد پر ہے میں نے اپنے ننھے اخبار "پھول" میں بھی یونیورسٹی فنڈ کھولدیا ہے اور بیس روپے کی رقم ننھے بچوں کی طرف سے وصول بھی ہو چکی ہے۔ گو پھول ایک چھوٹا سا پرچہ گویا بچوں کا کھلونا ہے۔ اسکے ذریعہ فنڈ کی کچھ مدد نہ ہوسکے گی لیکن اتنا تو ضرور ہوگا۔ کہ قوم کی اس ننھی جماعت (جسکے ساتھ آیندہ ترقی کی اُمیدیں وابستہ ہیں) میں قومی ضروریات کا احساس پیدا ہوگا اور بچپن ہی سے اونہیں ایسے کام کرنے کی عادت پڑیگی۔ علاوہ اسکے پنجاب کی روشن خیال خواتین جو چندہ دینے کو تیار رہیں وہ اس زنانہ فنڈ کا حساب کتاب رکھنے کو ایک سکرٹری کا ہونا ضروری خیال کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ کام بھی میں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور چندہ آنا بھی شروع ہوگیا ہی۔ زنانہ فہرست میں سب سے پہلی پچاس روپیہ کی رقم لاہور کی ایک نیکدل خاتون کی طرف سے وصول ہوگئی ہے۔ مگر ایسے عالیشان کام میں حصہ لیکر اس طرح چپ چاپ آہستہ کارروائی کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس زنانہ فنڈ میں تمام مسلمان بیگمات ہندوستان کی امداد کی ضرورت ہی۔ اپنی مدد کیلئے

تیار کرنے کو میں نے روشن خیال بہنوں کو بہت سے خطوط لکھے ہیں۔ مردانہ کمیٹیوں کی طرح ہمیں بھی ضرورت ہے۔ کہ ہر شہر میں زنانہ کمیٹی قائم ہو۔ اور ہر ایک مقام کی ایک تعلیم یافتہ و با اثر بیگم سکرٹری کا کام اپنے ذمہ لے بیشک ہم میں نہ اس قدر تعلیم ہے نہ آزادی کہ زنانہ جلسے کرکے کمیٹیاں مقرر کریں۔ اگر کوئی روشن خیال سرگرم بی بی ایسا کریں بھی تو اُمید نہیں کہ عام پردہ نشین مستورات اوس جلسے میں شریک ہو کر مدد دیں تاہم بعض بعض خاص مقامات پر ایسا کرنا بھی ممکن ہے۔ لکھنؤ۔ دہلی۔ آگرہ الہ آباد وغیرہ جہاں اکثر پردہ پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں زنانہ کمیٹیاں قایم ہونی بہت آسان کام ہے۔ بہرحال اتنا تو ہر جگہہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مقام کی ایک ایک سمجھدار بی بی فہرست بنا کر پہلے اپنے گھر کا چندہ درج کریں اور پھر اپنی ملنے جلنے والی سہیلیوں سے لیں۔ اپنے باپ بھائی اور شوہروں کے دوستوں کے زنانخانوں میں فہرست بھیجیں۔ اگر دس گھر فہرست بھیجی گئی تو ضرور پانچ گھروں سے کچھ نہ کچھ مل ہی جائیگا۔ کچھ ضرور نہیں کہ روپے ہی ملیں ہمیں دوانی۔ چونی اور پیسے بھی نہایت قدر سے لینے چاہئیں۔ بس یہی ہماری کمیٹیاں ہوں گی اور جمع کرنے والی سکرٹری۔ میرا خیال ہے کہ اسوقت یہ ضرور کہا جائیگا کہ قومی چندے اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ جن کے بوجھ سے غریب مسلمان دب رہے ہیں اور اب یونیورسٹی کا چندہ چونکہ ہر فرد قوم پر واجب ہو گیا ہے۔ اور بعض ہمدردان قوم نے ایک ایک ماہ کی آمدنی فنڈ کو دیدی ہے۔ ایسی حالت میں ہم کس طرح چندہ کرسکتے ہیں؟ کیونکہ ہر ایک گھر پر دوہرا بار پڑ جائیگا۔ جن مردوں سے لیڈران قوم وصول کر رہے

ہیں۔ اونہیں کے گھروں سے ہم مانگنے لگیں۔ تو آخر آئیگا کہاں سے۔
آمدنی تو ایک ہی ہے اور دینا دو جگہ"۔

معزز بہنو! بیشک یہ عذر معقول ہے۔ کہ ہر ایک گھر پر دوہرا بار پڑیگا مگر ایسے ایسے موقع ہیں اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک وقت میں ہیں کئی کام کرنے پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً عزیزوں میں ایک جگہہ شادی ہے وہاں کے اصرار کو پورا کیا اور اونہیں دنوں دوسری شادی بھی تیار ہوگئی تو اگر پاس نہیں تو قرض ہی لیکر صرف کیا جائیگا۔ یا بچے کی پیدائش پر چھٹی وغیرہ کی رسوم پر صرف کیا گیا اور خدانخواستہ اونہیں دنوں عزیزوں میں یا گھر میں موت ہوگئی تو اس پر بھی صرف کرنا واجب ہوا۔ اور بدقسمتی سے رسومات ماتم ہم میں اس قدر بڑہی ہوئی ہیں کہ جن پر شادی سے زیادہ صرف ہوجاتا ہے۔ آخر یہ بھی کرتے ہی ہیں۔ علاوہ اسکے بعض وقت چند مہمانوں کا برداشت کرنا بھی بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اخیر مہینہ ہے خرچ کی تنگی ہے اور چند معزز مہمان آگئے جنکی نہایت پُر تکلف خاطر تواضع کرنی لازمی ہے۔ اوسوقت گھر کی عزت کے خیال سے بیویاں چپکے سے زیور نکالکر رہن رکہنے کو بہیجدیتی ہیں اور وقت گذرا دیتی ہیں۔ رؤسا و امراؤ جو بےفکری کی زندگی بسر کرتے ہوں۔ وہ تو ہم مسلمانوں میں گنے چنے ہی ہیں۔ ورنہ عامیانہ حالت تو یہی ہے۔ اور عوام ہی سے بہت سی مدد کی اُمید ہے۔ پس میری پیاری بہنوں نہایت فراخ حوصلگی سے سچی قومی ہمدردی وایثار نفسی کا ثبوت دو۔ میری بہنو یہی خیال کرلو کہ سردار قوم سرآغاخان ایک ایک دن کے لئے ہمارا مہمان ہے۔ جبکہ ایک معمولی مہمان کی خاطر کا خاص خیال کیا جاتا ہے۔ تو ایسے سربرآوردہ جلیل القدر لیڈر قوم

مہمان کی تواضع کس طرح نہ کی جائے۔ تنگی ترشی کر کے جس طرح ہو سکے اپنے خانگی اخراجات سے نکال کر یا اپنے رکھے ڈھکے کسی نہ کسی وقت کے پس انداز کئے ہوئے روپیوں کی گرہیں اور پوٹلیاں کھول کر اپنے انسانی مذہبی و قومی فرض کو ادا کرو۔

چونکہ بوجہ جہالت ہم میں کوئی کام کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ایک عرصہ تک بیکار پڑے رہنے کے سبب عضو معطل کا خطاب پایا تھا۔ مگر جب ہماری بھی خدا نے سُنی اور دن بھلے آئے تو تعلیم نسواں کی ضرورت مان لی گئی اور اب تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ کر ہم کارکنانِ قوم کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئی ہیں تو کوشش کر کے یہ ثابت کر دینا چاہیئے کہ وہی فرقہ جسکو عضو معطل مشہور کر رکھا تھا اب بیٹر ہاف کہلانے کا مستحق ہے۔ یہی موقع ہے کام کرنا سیکھنے اور کام کر کے دکھانے کا۔

مسز اینی بسینٹ صاحبہ بھی تو آخر ہماری ہی ہمجنس ہیں۔ وہ کتنا بڑا کام اپنے سر لئے ہوئے ہیں۔ کیا ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکیگا کہ ایک ہوتے ہوئے کام میں مدد دیں۔ نہیں ہوگا اور ضرور ہوگا۔ صرف اس طرف توجہ کرنیکی دیر ہے تنہا کسی سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا اور متفقہ کوشش سے بڑی سے بڑی مہم سر ہو سکتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہمارے لیڈر آغا خان کی طرح کوئی قابل تعلیم یافتہ با اثر مسلمان لیڈی زنانہ کمیٹیوں کی سرپرستی و زنانہ فنڈ کی امداد پر کمربستہ ہو جائے۔ پھر دیکھیں کس قدر جلد نمایاں کامیابی ہوتی ہے۔

افسوس کہ ہماری طرف اس قدر قابلیت و آزادی نہیں ہے کہ مثل ہز ہائینس کے شہر بہ شہر پھر کر یا اپنے ہی شہر میں دوسروں کے گھر و ں سے چندہ طلب کریں۔ لیکن دیگر ترقی یافتہ مقامات حیدرآباد کلکتہ بمبئی وغیرہ میں

مسلمان لیڈیز اس قابل ہیں جو جلسے کرکے یا بطور ڈیپوٹیشن کے پھر کر فنڈ کو بہت سی مدد پہنچا سکتی ہیں۔ سب سے اول ہماری نظریں اس ضرورت کے پورا کرنے کو جناب زہرا خانم صاحبہ فیضی پر پڑتی ہیں۔ جنکی کوشش سے ایک گرانقدر رقم زنانہ نارمل سکول علیگڑھ کو مل چکی ہے۔ کیا بلحاظ اعلیٰ قابلیت و کیا بہ لحاظ روشن خیالی زہرا خانم صاحبہ کو طبقۂ نسواں میں ایک قابل فخر درجہ حاصل ہے۔ اگر وہ اس طرف توجہ کریں تو ہز ہائینس آغا خان کی طرح اپنے فرقے سے اونہیں بھی اعلیٰ کامیابی حاصل ہو اور غالباً میرا خیال غلط نہ ہوگا کہ آج کل وہ ضرور خاموشی کے ساتھ یونیورسٹی فنڈ کی کوشش میں مصروف ہونگی۔ جس طرح کہ ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ آف بھوپال نے ڈیڑھ لاکھ کے گرانقدر عطئے کا وعدہ ہز ہائینس سے فرمایا ہے اسی طرح ہمیں اپنی روشن خیال ہر ہائینس بیگم صاحبہ آف جنجیرہ و بیگم صاحبہ آف سچین سے قابل قدر عطیوں کی اُمید ہو۔

افسوس کہ کچھ عرصہ سے ہماری حالی دماغ ہمدرد قوم بہن بنت نصیرالدین حید رصاحب تیموریہ اپنے والدین کی تیمارداری اور افسوسناک علالت کے سبب سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب اون کے عالمانہ مضامیں کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اور اخبارات میں نظر نہیں آتے۔ ورنہ وہ ضروریات زمانہ کو سمجھنے والی خیر خواہ قوم اسوقت تک ایسی خاموش تھوڑی تھیں جبکہ ون روپی فنڈ کا کام نہایت سرگرمی سے کیا تھا تو یہ تو یونیورسٹی کو عدم سے وجود میں لانے کی کوشش کا وقت ہو۔

مجھے اسوقت بہن صاحبہ موصوفہ سے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور اونکو پریشانی کی حالت میں تکلیف دینا دل گوارا نہیں کرتا۔ مگر مجبوری ہے

اور نہایت مجبوری ہے کہ اونکی مدد کے بغیر حیدرآباد سے زنانہ فنڈ کو مدد ملتی نظر نہیں آتی۔ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ حیدرآباد میں وصولیٔ چندے کے لئے ایک زنانہ کمیٹی قایم کرکے وہاں بھی کام شروع کردیں جہاں کافی سے زیادہ کامیابی کی اُمید ہے۔ کیونکہ وہاں کثیر التعداد متمول واعلیٰ تعلیم یافتہ بیگمات موجود ہیں۔ افسوس کہ میری عزیز روشن خیال بہن بنت سید امداد حسین صاحب بوجہ انتقال برادر آجکل سخت رنجیدہ حالت میں ہیں۔ ورنہ اس قدر مجھے فکر نہوتی کیونکہ اوس صوبے کی جنرل سکرٹری کا کام وہ نہایت خوبی سے انجام دیتیں۔ گو اس حالت میں اون سے کام لینا سخت بیدردی ہے۔ لیکن اون کے لئے اندنوں غم غلط کرنیکی اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں کہ وہ اس قومی کام میں شریک ہوکر اپنے اندوہگیں خیالات کو تبدیل کریں۔

اب میں پھر اپنے صوبے کی روشن خیال بیگمات سے التجا کرتی ہوں کہ جہانتک جلد ممکن ہو یونیورسٹی فنڈ کی طرف متوجہ ہوں۔

لکھنؤ میں جناب بنت نواب علی خاں صاحبہ و بنت جناب علی اوسط صاحب بیرسٹرایٹ لا یہ کام اپنے ذمہ لیں۔ آگرہ میں جناب بیگم سعید الظفر خاں صاحبہ علیگڈھ میں جناب بیگم محمد عبد اللہ صاحبہ (اڈیٹر خاتون) اور جناب بیگم حبیب الرحمٰن خاں صاحبہ (نفیس دلہن) پر نظر پڑتی ہے۔

دہلی میرٹھ مراد آباد و الہ آباد وغیرہ سے بھی مجھے فنڈ کی امداد اور اپنی حوصلہ افزائی کی پوری اُمید ہے۔

پنجاب میں کئی بہنیں میری مدد کو تیار ہیں۔ شریف النساء عبد اللطیف صاحبہ نے جالندھر و بنت حفیظ اللہ صاحبہ نے امرتسر میں کام شروع کردیا ہے۔

ناظرین بیگمات خاتون سے التماس ہے کہ ناظرین بیگمات تہذیب النسواں کیطرح اس زنانہ تحریک میں حصہ لیکر میری حوصلہ افزائی فرماکر مشکور کریں۔ میں منتظر ہوں اپنی ہمدرد قوم بہنوں کے اون خطوط کی جنہیں میرے ساتھ کام کرینگے وعدے تحریر ہوں۔

واضح رہے کہ جو بہن اپنے شہر میں کام شروع کرنا چاہیں وہ خاکسار سے کاغذات مطبوعہ صدر دفتر یونیورسٹی فنڈ علیگڑھ) طلب کریں۔

رقوم چندہ و فہرست بھی میرے پاس کوہاٹ آنی چاہیئے۔ روپیہ بنک میں جمع کیا جائیگا اور فہرست ہفتہ وار قومی اخبارات میں شایع ہوتی رہیگی۔ اس عرضداشت کو ختم کرتے ہوئے میری یہ دلی دعا ہے کہ اے خدا ہمیں ہمت و توفیق دے کہ اس قومی فرض کو ادا کریں اور ہمارے ناتواں ہاتھوں میں طاقت بخش کہ اس فنڈ کو بھریں۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

خاکسار

بنت سید نذر الباقر دفتر اخبار پھول کوہاٹ

ایک مصری خاتون کی تقریر

مصر کے اخبار الجریدہ میں عرصہ سے ایک مصری خاتون نے عورتوں کے متعلق مفید مضامین کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اسی اخبار میں اس نے اعلان کیا کہ جمعہ کے دن عورتوں کے متعلق وہ قومی ہال میں ایک تقریر کریگی۔ اس تقریر کے سننے کے لئے وقت معینہ پر معزز خواتین کا ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوا۔ اور مقررہ نے اپنی تقریر شروع کی۔ چونکہ یہ تقریر

عام طور پر اسلامی خواتین کے حسب حال ہی اسلئے ہم اسکا ترجمہ خاتون میں درج کراتے ہیں تاکہ ناظرات خاتون اپنی مصری بہنوں کے خیالات سے واقف ہوں اور انکو یہ معلوم ہو کہ وادی نیل کی پردہ نشینوں میں نئی مغربی تحریک نے کہاں تک اثر کیا ہے۔ اس تقریر کیساتھ شیخ عبدالعزیز کی تقریر پڑھ لینی چاہیئے جو خاتون کے کسی گذشتہ نمبر میں درج ہو چکی ہے۔

مترجم

بیگمات!

اپنی تقریر کو شروع کرنے سے پہلے میں آپ کا نہایت خلوص کے ساتھ شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اس مجمع میں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی اور اس قومی جلسہ کو جو مسلمان خواتین کے مسئلہ پر بحث کرنیکے لئے منعقد کیا گیا ہے اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی۔

میں اس موقع پر جو تقریر کرونگی وہ میری ذاتی رائے ہے۔ جو بہت غور و فکر کے بعد میں نے ترتیب دی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میری تمام رائیں جنکو میں اس تقریر میں بیان کرونگی سب ٹھیک ہیں۔ کیونکہ انسان سے خطا اور غلطی اکثر ہوتی ہے لیکن یہ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ میں کہونگی وہ خلوص اور نیک نیتی سے کہونگی۔ اسلئے اگر میری کسی رائے کے متعلق کوئی بہن اختلاف کریں تو بہت مناسب ہوگا کہ میری تقریر کے بعد وہ اختلاف اور اسکے وجوہات صفائی کے ساتھ بیان کر دیئے جائیں۔ تاکہ میں اس رائے کی غلطی سے آگاہ ہو جاؤں۔

بہنو! یہ جلسہ اس لئے نہیں ترتیب دیا گیا ہے کہ ہم اس میں اچھے اچھے کپڑے پہنکر اپنی زیب و زینت دکھلائیں یا معمولی سرسری باتیں کر کے اپنے اپنے

گھر و نکو چلی جائیں۔ بلکہ آج میں سب سے اہم ترین مسئلہ جو آپ کے لئے ہو سکتا ہے آپ کی خدمت میں پیش کروں گی۔ اور یہی مسئلہ ہماری اجتماعی اور قومی زندگی کی روح ہے۔ وہ کیا ہے عورتوں کا مسئلہ۔

بہنو! آجکل بالعموم اخباروں میں۔ جلسوں میں تحریروں میں تقریروں میں مرد ہمارے شاکی پائے جاتے ہیں اور عورتیں بھی مردونکی شاکی ہیں۔ ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ کون فریق اپنے دعوے میں سچا ہے کیونکہ عربی میں ایک مثل ہے کہ دھواں بلا آگ کے نہیں ہوتا۔ انگریزی کا مشہور فلسفی اسپنسر لکھتا ہے کہ جو رائیں بظاہر ہمکو غلط معلوم ہوتی ہیں وہ سراسر غلط نہیں ہوتیں بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ شائبۂ صداقت کا ضرور ہوتا ہے۔ اسلئے اب ہم اور مرد دونوں اپنے اپنے دعوؤں میں سچے ہیں۔ اور دونوں کی شکایتیں اپنے اپنے موقع پر ایک حد تک بجا ہیں۔

ہمارے اور مردونکے درمیان میں آج کل ایک قسم کی جنگ درپیش ہے اور اسکا سبب یہ ہے کہ دونوں فرقوں میں باہمی خیالات کا اتحاد نہیں ہے۔ مرد کہتے ہیں کہ عورتیں اس حالت میں اسلئے ہیں کہ انکی تربیت خراب ہے تعلیم کا طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ عورتیں کہتی ہیں کہ مردونمیں فطرتی جبر اور سختی ہے۔ یہ اختلاف خیال اس حد تک پہونچگیا ہے کہ جس سے مصری عورتوں اور مردونکی زندگی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ افسوس یہ ہوتا ہے کہ مرد و عورت اسلئے پیدا کئے گئے ہیں کہ دنیاوی آرام و راحت ایک دوسرے سے حاصل کریں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جنسوں کی آفرینش اسلئے نہیں کی ہے کہ یہ آپس میں کینہ اور نفرت رکھیں بلکہ اسلئے کی ہے کہ باہمی محبت اور الفت سے دنیا کا آرام حاصل کریں اور

اسکی بقا کا باعث ہوں۔ کیونکہ بلا دونوں کی باہمی الفت کے دنیا کی بقا ممکن نہیں ہی فرض کرو کہ اگر مرد دنیا کے کسی گوشہ میں تنہا چھوڑ دیئے جائیں۔ اور عورتیں دوسرے حصہ میں الگ رہیں تو نتیجہ کیا ہوگا۔ انسانی نسل منقطع ہو جائیگی اور عالم برباد ہو جائیگا۔

اسلئے ضروری ہے کہ اس باہمی منازعت پر غور کیا جائے اور اس نقطۂ بحث پر نظر ڈالی جائے اور انصاف کیا جائے کہ کس حد تک فریقین کی شکایتیں بجا ہیں۔

مرد جس طرح اپنے بیٹوں کی تعلیم میں کوشش کرنے میں اس طرح اپنی بیٹیوں کو تعلیم نہیں دلواتے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتیں جب زیادہ پڑھ لکھ جائینگی تو اپنے فرایض منصبی کو چھوڑ کر مردوں کے کاموں میں دست اندازی کرینگی لیکن لیکن میں مردوں سے سوال کرتی ہوں کہ انہوں نے اب ہمارے لئے کونسا کام چھوڑ رکھا ہی۔

پہلے زمانہ میں عورتیں چرخہ کاتتی تھیں۔ اس سے اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے کپڑے بنے جاتے تھے اور پہننے کے کام آتے تھے۔ اب دنیا میں ایسی ایسی عظیم الشان مشینیں سوت بنانے اور کپڑا بننے کی نکل آئی ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے چرخہ کا کام بالکل ہی جاتا رہا۔

عورت کا زمانہ گذشتہ میں یہ کام تھا کہ وہ غلہ صاف کرتی تھی۔ پیستی تھی۔ گوندھتی تھی۔ پھر روٹی پکا کر کھلاتی تھی۔ اب بجلی اور ہوا چکی ایجاد کر لی گئی ہیں۔ جنپر مرد ملازم رکھے جاتے ہیں ان چکیوں سے پسا پسایا آٹا ملجاتا ہے بڑے بڑے رسٹوران گلی گلی میں قایم کر دیئے گئے ہیں جہاں سے پکا پکایا کھانا گھر دنیں پہونچ جاتا ہی۔ عورت کے ہاتھ سے چکی چولہے کا کام بھی نکل گیا۔

عورت گھروں میں پہلے پانی بھرتی تھی۔لیکن اب نل بنگئے۔پہلی منزل سے لیکر ساتویں منزل تک دریائے نیل موجود رہتا ہے۔اس کام سے بھی عورت کو چھٹکارا ملا۔

اب صرف غریب گانوں والیاں کچھ تھوڑا بہت یہ جھگڑا اپنے ساتھ رکھتی ہیں وہ بھی ان گانوں میں جو محض دیہات ہیں اور جہاں تمدن کی روشنی بالکل نہیں پہونچی ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں ان ایجادوں کی مذمت کرتی ہوں بلکہ میں بہت شکرگذار ہوں اور خوش ہوں اس بیان سے میرا مطلب صرف یہ ہی کہ ہم نے ابتک مردوں کے کاموں میں دست اندازی نہیں کی ہے بلکہ مردوں ہی نے ہمارے کاموں میں دست اندازی کی ہے اور ایجادات کے ذریعہ سے ہمارے تمام کام انہوں نے ہم سے لیکر اپنے ہاتھ میں کرلئے۔

اب اگر ہم بھی انکے بعض کاموں میں دست اندازی کریں تو کیا بیجا ہے احسان کا بدلہ احسان ہے جس طرح انہوں نے ہمکو بہت سے کاموں سے سبکدوش کیا ہمکو بھی مناسب ہے کہ ہم انکے کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر انکو کسیقدر سبکدوش کریں۔

لیکن اس مسئلہ مزاحمت (یعنے ایک دوسرے کے کام میں دست اندازی کرنا کی بنیاد دراصل شخصی آزادی پر ہے فرض کرو کہ زید ڈاکٹر بننے کی کوشش کرتا ہی۔عمر تجارت میں ہاتھ پانوں مارتا ہے تو کیا کسی شخص کو اختیار ہی کہ وہ زید سے جا کر یہ کہے کہ تو ڈاکٹر نہ بن۔یا عمر کو روکے کہ تو تجارت نہ کر۔یہ حق عقلاً۔ شرعاً کسی کو حاصل نہیں ہے۔ہر شخص آزاد ہی جو پیشہ وہ دنیا میں کرنا چاہے کرے۔کوئی روکنے والا نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی امریکا کہ پریسیڈنٹ روزولٹ

اور کان کنون میں عداوت واقع ہو گئی۔

اب جبکہ مردوں نے ہمارے ہاتھ پاؤں توڑ کے رکھدیئے۔ اور ہمکو بالکل بیکار کر دیا تو کیا اب ہم سست ہو کر چپ چاپ گھر میں بیٹھیں یا اس بات پر غور کریں کہ ہم کو اپنے لئے کوئی نیا میدان کام کا تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ سب بہنیں کہیں گی کہ نئے کام تلاش کرنے چاہئیں کیونکہ ہمارے فرایض اس قدر کم ہیں کہ ہم بہت تھوڑے سے وقت میں انکو پورا کر لیتے ہیں اسلئے باقی اوقات میں ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم علم حاصل کریں۔ اور یہی نقطۂ بحث ہے مرد اسی بات سے ناراض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب یہ پڑھ لیگی تو ضرور ہمارے کاموں میں دست اندازی کرے گی۔

اس بیان سے میرا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ میں آپ کو اسبات پر آمادہ کروں کہ آپ اپنے خانگی کام بچوں کی پرورش وغیرہ کو چھوڑ کر وکالت اور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے یا ریلوے اور ڈاکخانہ کے دفاتر کا کام سیکھیئے۔ بلکہ میں صرف یہ کہتی ہوں کہ اگر ہم میں سے کوئی ان کاموں کو اختیار کرنا چاہیئے تو کسی مرد کو کیا حق ہے کہ وہ اسکو روکے۔

مردوں کی ایک بڑی زبردست دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عورت کو حمل۔ ولادت اور تربیت اولاد کی وجہ سے کسی کام کو نہیں کرنا چاہیئے میں یہ کہتی ہوں کہ بیشک یہ ہمارے فطرتی فرایض ہم کو لگاتار کام سے ضرور روکتے ہیں لیکن ایسے نہیں ہیں کہ ہم مطلق کوئی کام نہ کریں۔ کونسا شخص ہے جو بیمار نہیں ہوتا اور اسکے کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہو جاتا۔ علاوہ بریں عورتوں میں بہت سی ایسی ہیں جو شادی نہیں کرتیں۔ یا بانجھ ہو

بہت سی بیوہ ہو جاتی ہیں۔ یا شوہر طلاق دیدیتے ہیں اور کوئی انکا سرپرست نہیں ہوتا۔ بعض حالتوں میں شوہر بھی ہوتا ہے لیکن اس کو عورت کے امداد کی ضرورت رہتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر عورتیں تعلیم یافتہ ہونگی تو وہ ذلیل پیشوں سے بچکر شرافت کے ساتھ مثلاً طبابت وکالت معلمی وغیرہ سے اپنی زندگی کا سامان کرسکیں گی۔ مرد ہم سے کہتے ہیں کہ تم گھر کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ اور ہم سامان زندگی کو مہیا کرنے کے لئے۔

میں کہتی ہوں کہ کونسا فرمان خدا کی طرف سے اسکے متعلق صادر ہوا ہے انہوں نے کہاں سے یہ جانا کہ ہم گھر کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہاں اقتصادی حالت اور تمدن کی رو سے تقسیم عمل ایک نہایت ضروری چیز ہے لیکن عورتوں کی ایک تھوڑی سی تعداد اگر تعلیم حاصل کرے اور خارجی فرایض بجا لائے تو اس سے نظام تمدن میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا۔ اور میرا خیال ہے کہ تقسیم عمل سوسائٹی کی اختیاری چیز ہے۔ جبری نہیں ہے۔ اگر ابتدا میں حضرت آدم آٹا پیسنا اور روٹی پکانا اپنے ذمہ لے لیتے اور حضرت حوا زراعت اور شکار کرتیں تو آج معاملہ بالکل برعکس ہوتا اب بھی ہم بربری خاندانوں میں دیکھتے ہیں کہ مرد بیٹھکر گھر بھر کے لئے کپڑے سیتے ہیں۔ اور انکی عورتیں کھیتیاں کرتی ہیں باغ سینچتی ہیں یہانتک کہ پھل توڑنے کے لئے کھجور کے درختوں پر چڑھتی ہیں

آپ میں سے جسکو دیہات جانے کا اتفاق ہوا ہوگا اسنے فلاحوں اور کسانوں کی عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔ کھیتی میں مدد دیتی ہیں۔ مویشی چراتی ہیں۔ اور تمام کاموں میں انکا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ وہ مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ اور باوجود ان کاموں کے وہ اپنے فطرتی فرایض بھی بجا لاتی ہیں۔ اور انکی اولاد ہمارے بچوں سے

زیادہ قوی اور تندرست ہوتی ہے۔

اب یہ بات صاف ہوگئی کہ ہر فریق جو کام کرے وہ اپنے اختیار اور پسند سے کرے۔ کچھ جبر واکراہ نہیں ہے کہ عورتیں خانگی ہی کام کریں۔ اور مرد بیرونی۔

ہم جو ضعیف کہے جاتے ہیں اور حقیقت میں ضعیف ہیں اسکی وجہ یہ ہی کہ مدت دراز سے مردوں نے ہمارے ہاتھ سے تمام کام چھین لئے ہیں۔ اگر ہماری طرح بیدست وپا کرکے قوی سے قوی مرد بھی گھر میں بٹھا دئے جائیں تو وہ بھی ہماری طرح کمزور اور ضعیف ہو جائیں گے۔

گذشتہ زمانہ میں جبکہ عورتیں بھی مردونکے ساتھ کام کرتی تھیں وہ مردوں سے کسی بات میں کم نہ تھیں اب بھی دہاتی عورتیں مردوں سے کم قوی نہیں۔ یہ تو سراسر مردونکا قصور ہے کہ انہوں نے ہمکو کمزور کردیا اور پھر اُلٹا الزام لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمکو کمزور پیدا کیا ہی۔

ایک سیاح بیگم نے جو نہایت روشن خیال تھیں مجھے بیان کیا کہ انہوں نے امریکا میں وہاں کے ہند دباشندونکو بچشم خود دیکھا ہے کہ دور کی آواز پر جب وہ کان لگاتے ہیں تو اسکے کان گھوڑوں اور گدھوں کے کان کی طرح خود بخود ہلتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پشتہا پشت سے وحشی اور جنگلی باشندے ہیں درندوں اور آفتوں کا ہر وقت انکو خوف لگا رہتا ہی۔ اسوجہ سے وہ اپنے کانونکو ہر طرف لگائے رکھتے ہیں تاکہ جسطرف سے کوئی آواز آئے فوراً حفاظت کے لئے تیار ہوجائیں۔ اسی مشق کی وجہ سے انکے کان برابر ہلتے رہتے ہیں۔ اور وہ بہت دور کی آہٹ پالیتے ہیں حالانکہ اور اقوام بنی نوع انسان میں یہ بات نہیں ہی۔ اسلئے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ

انسان جب اپنی کسی قوت کا استعمال چھوڑ دیتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ قوت
اس سے نکل جاتی ہے۔ ہم کو چونکہ مردوں نے مدتہائے دراز سے غلامی
اور سخت غلامی کی حالت میں رکھ چھوڑا ہے۔ اسلئے نہ صرف ہمارے جسمانی
قویٰ بلکہ عقلی اور دماغی قویٰ بھی کمزور ہوگئے ہیں۔ اور اب انکا یہ الزام
بالکل صحیح ہے کہ ہم جسمانی اور عقلی ہر طرح پر انسے کمزور ہیں۔ مرد کہتے ہیں کہ
عورتوں نے دنیا میں کیا کیا۔ کسی عورت نے کوئی ایجاد کی۔ کسی نے
حساب کا کوئی قاعدہ بدلا۔ کسی نے ریاضی کا کوئی نیا مسئلہ دریافت کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ مردوں نے کیا کیا۔ حساب اور ہندسہ کے آجتک وہی
اصول ہیں جو یونانیوں اور قدیم مصریونکو معلوم تھے۔ ہاں ہم اسبات کا
اعتراف کرتے ہیں کہ مردوں نے بہت سی نئی ایجادیں کیں لیکن اگر مجھکو جہاز پر
چڑھنے اور سمندر میں پھرنے کی اجازت ہوتی تو کیا میں نہ امریکا دریافت کرلیتی
اگر مدرسوں میں سائنس اور حکمت علمی کے سبق مجھکو ملتے تو میں مشین نہ ایجاد کرتی

بیشک میں تسلیم کرتی ہوں کہ عورتوں نے کوئی عظیم الشان ایجاد نہیں کی
لیکن اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اسکی عقل کو اس طرف متوجہ ہونیکا موقع نہیں دیا
گیا۔ ورنہ جن جن کاموں میں عورتوں نے قدم رکھا ہے وہ مردونسے پیچھے
نہیں رہی ہیں بلکہ سبقت لیگئی ہیں۔ یہانتک کہ بعض خاص صفات جنکو مرد
اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہیں مثلاً شہسواری اور بہادری عورتیں ان میں بھی
انسے بڑھ گئیں۔ مثلاً حضرت خولہؓ جن کی بہادری کی داستان سنکر جب وہ اپنے
بھائی سید ضرار کو رومیوں کی فوج میں سے چھڑا لائی تہیں حضرت عمرؓ دنگ
رہ گئے تھے۔ یا مثلاً جان آف آرک جس نے فرانسیسیوں کی فوج کو انگریزوں
سے متواتر شکست کہانیکے بعد اپنی سرکردگی میں لیکر انگریزونکو شکست دی۔

انتظامی قابلیت اور حکمرانی میں بھی عورتیں مردوں سے کم نہیں رہیں۔ روس ملکہ کیتھرین۔ انگلینڈ کی ملکہ الیزبتھ۔ مصر کی ملکہ شجرۃ الدر کے زمانوں پر نگاہ ڈالو۔ مرد بادشاہوں کے زمانوں سے زیادہ انکے زمانہ میں امن و رفاہیت اور خوشحالی رہی ہی۔

مرد کہتے ہیں کہ انکے زمانوں میں بھی کارکن ہم ہی تھے۔ یعنی یہ انکی قابلیت نہ تھی بلکہ وزرا اور امرا کی قابلیت تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسا کہنا بیشک صحیح ہے کیونکہ دستوری حکومت میں پارلیمنٹ حاکم ہوتی ہے جیسے ملکہ وکٹوریا ہالینڈ کی ملکہ حال ولہلمینا کی کیفیت ہی لیکن اس زمانہ کے متعلق جبکہ بادشاہ خود مختار ہوتا تھا ایسا کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اسوقت سلطنت کی خوش کامی زیادہ تر حکمران کی لیاقت پر منحصر ہوتی تھی۔ اب وہ زمانہ شروع ہوا ہے کہ ہم تعلیم کی طرف بڑھنے لگے ہیں۔ مرد کچھ تو ہمارے بالکل ہی مخالف ہیں لیکن جو لوگ موافق ہیں وہ کہتے ہیں بس تھوڑی سی تعلیم لڑکیوں کو بچپن میں دیدی جائے وہی کافی ہے وہ چاہتے ہیں کہ کالجیز۔ مہندس خانے۔ کتب خانے۔ طبی تعلیم گاہیں سب ہم سے خالی رہیں ورنہ جہاں ہم اس میں گئے اور اونکے خیال میں ہم ڈاکو بنے جو انکے حقوق کو لوٹنے گئے ہیں۔

بعض بہنیں یہ سوچتی ہوں گی کہ مرد تو عورتوں پر بڑے مہربان ہیں انکی کیوں شکایت کی جاتی ہے۔ میں کہتی ہوں کہ افسوس ناک تو یہی بات ہی کہ ہم ایسے کیوں ہوئے کہ کوئی ہمارے اوپر مہربانی کرے ایسے کیوں نہ ہوئے کہ وہ ہماری عزت کرتے۔ اگر ہم ابتک نہ تھے تو اب کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم قابل رحم نہ بنیں بلکہ قابل احترام بنیں۔ کیونکہ رحم دو قسم آدمیوں پر کیا جاتا ہے۔ تندرست بیمار پر اور بڑا چھوٹے پر رحم کرتا ہے۔ سو ہم اپنے کو بیمار کہیں یا چھوٹا

میں تو ان دونوں میں سے ایک بھی بتا پسند نہیں کرتی۔

بعض مرد یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو حساب نہ پڑھاؤ۔ صرف ابتدائی چاروں قاعدے یعنی جمع۔ تفریق۔ ضرب اور تقسیم پڑھا دو۔ اس سے زیادہ کی انکو ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ کیوں ہمکو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا زمینداریاں ہمارے نام نہیں ہیں۔ یا بنک سے ہمارے روپے کا حساب کتاب نہیں رہتا۔ یا صنعت وحرفت اور طب وغیرہ کی تعلیم میں ہمیں اسکی حاجت نہ ہوگی۔

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر زبانیں نہ سکھلائی جائیں میں اسکی بھی کوئی وجہ نہیں سمجھتی۔ دنیا میں جس قدر زبانیں ہیں سب نافع ہیں خاصکر وہ زبانیں جنمیں ہر قسم کے علوم وفنون کی کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مجھے تو اگر کوئی بربری یا چینی زبان سکھلانے والا اُستاد ملے تو میں ضرور سیکھوں

تعلیم خانہ داری۔ وتربیت اطفال میں ہم ڈاکٹر نظمی کے مرہون منت ہیں جنہوں نے ان دونوں کے لیے ازبس کوشش کی ہے۔

بہنو! علم عقل کو روشن کرتا ہے۔ خواہ اسپر عمل کرو یا نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑھانے کی کیا ضرورت ہے کیا وہ دنیا کی سیاحت کرینگی یا تجارت کیلئے ملکوں ملکوں سفر کرینگی فرض کرو کہ عورت یہ کچھ نہ کرے لیکن اگر اسے دنیا کے حالات شہروں کے موقع معلوم ہوں تو کیا اسکی عقل میں روشنی نہ پیدا ہوگی۔ مثلاً میں کہتی ہوں کہ ڈاکٹر جغرافیہ پڑھتا ہے۔ جبر ومقابلہ سیکھتا ہے لیکن پیشہ کرتا ہے طبابت کا۔ یہ کس نے قانون بنایا ہے کہ جو دنیا کا سفر کرے وہی جغرافیہ پڑھے۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے جبکہ ٹرکی میں عظیم الشان انقلاب ہوا۔ سالونیکا کی

فوج نے آستانہ پر چڑھائی کی۔ اور سلطان عبدالحمید کو معزول کردیا۔ یہہ سب خبریں عورتیں پڑھتی ہیں اگر سالونیکا اور آستانہ کے جغرافی حالات سے بھی واقف ہوں تو یہ خبریں انکے لئے زیادہ دلچسپ ہوں۔ الغرض میں پھر وہی کہتی ہوں کہ علم میں بجائے خود ایک لذت ہے خواہ اسکو کام میں لائیں یا نہ لائیں۔

مجھے یہ یقین ہے کہ ہماری موجودہ حالت کی خرابی اور نوجوانوں کی تربیت کا نقص صرف عورتوں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ اب جبکہ ہم اپنی بیماری کی ٹھیک دوا معلوم کرچکے ہیں تو کیوں اپنا علاج نہ کریں حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان ایک ہی سوراخ سے دوبار ڈنک نہیں کھاتا جہالت کا نتیجہ بہت کچھ ہم نے بھگت لیا اب اسمیں دوبارہ نہیں پڑنا چاہیئے مدرسے خواہ کتنے ہی کوشش کریں لیکن وہ بچوں کو مہذب نہیں بنا سکتے۔ اگر اسکی ماں تعلیم یافتہ ہو تو بچہ یقیناً مہذب اور شائستہ ہوگا اور ابتدا ہی سے علم کی محبت اور عمدہ اخلاق اسکے ذہن نشین ہوجائینگے۔

مرد کہتے ہیں کہ ہماری موجودہ خرابی کا سبب ہماری ناقص تعلیم ہی لیکن یہ غلط ہی۔ ناقص تعلیم نہیں بلکہ ناقص تربیت۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علم سے تہذیب آتی ہے مگر میرا یہ اعتقاد ہے کہ علم اور تربیت ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ چیزیں ہیں۔ ہاں علم دین ایک ایسا ہی کہ وہ بجائے خود تربیت ہی لیکن اور علوم کی یہ حالت نہیں ہے۔ اسپر دلیل یہ ہے کہ ایک ہی امتحان دو شخص پاس کرتے ہیں دونوں نے وہی ایک ہی تعلیم حاصل کی ہے لیکن ان میں اخلاق وعادات میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک ہی کتاب دو استاد دو شاگردوں کو پڑھاتے ہیں لیکن ایک میں

ہمت اور بلند حوصلگی کا اثر زیادہ ہوتا ہے دوسرے میں کم یہ اختلاف بوجہ تربیت کے ہوتا ہے۔ تعلیم تو ایک ہی ہے۔

اسلئے ہماری تمام خرابیوں کی جڑ مدرسے ہی نہیں ہیں مدرسوں میں تو کچھ تھوڑی بہت تربیت بھی ہے بلکہ ہماری خرابی کی اصلی بنیاد یہی چہار دیواری کی قید ہے۔

میں یہ نہیں کہتی کہ ہمکو یوروپین عورتوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ یوروپین لیڈیز بے پردگی کے ساتھ آزاد بھی ہیں وہ حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ بخلاف اسکے ہماری مصری ماؤں اور دادیوں کا پردہ قید سخت ہے دونوں افراط اور تفریط کی حالت میں ہیں۔ اعتدال کی حالت ترکی عورت کی ہے وہی ہمکو اختیار کرنی چاہیئے۔

میں اسلامی شریعت کے حد سے ایک انچہ تجاوز نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے یہاں کے بعض بڑے بڑے لوگوں نے (باعتبار دنیاوی وجاہت کے) اپنی لڑکیوں کو فرنگی ناچ سکھایا ہے۔ میں اسکی سخت مخالف ہوں۔ ایسی کمینی تقلید ہرگز کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے جس سے اسلامی شرافت پر دھبہ لگتا ہو۔ میری تمام بہنوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے لوگوں کی ناپسندیدہ حرکت پر نفریں کریں خاموش رہکر انکی جرأت نہ بڑھائیں۔

ہمارے یہاں کے بعض مردوں میں یہ ضبط سا گیا ہے کہ وہ یوروپین عورتوں کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں اور انہیں سے شادی کرتے ہیں۔ اکثر انکو وہ یوروپین عورتیں ملتی ہیں جو اپنی قوم میں نسب حسب اور عزت و جاہت کے لحاظ سے نہایت ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس کہنے پر یوروپین بہنیں مجھے معاف کرینگی کیونکہ حقیقت حال یہی ہے۔ جو عورتیں

ذی حسب اور شریف خاندانونکی ہوتی ہیں انکی مانگ اسقدر رہوتی ہے کہ وہ غیر ملکیوں کو نہیں ملسکتیں۔ ہی۔ ذیل اور ادنی عورتیں مل جاتی ہیں۔

مرد کہتے ہیں کہ ہم یوروپین عورتوں سے شادی کرنے کو اسلئے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ تم سے بہتر ہیں۔ بچوں کی پرورش۔ مکان کی صفائی۔ شوہر کے آرام کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ شادی ایک قومی اور ملکی امر ہے۔ غیر قوموں کی مہذب لڑکیوں سے شادی کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنی قوم کی نامہذب لڑکی سے کرے۔

اگر میں کسی یوروپین لیڈی کے اچھے اچھے بچے دیکھکر انکو اپنا بچہ بناؤں اور اپنے بچوں کو اسلئے چھوڑدوں کہ ویسے نہیں ہیں تو کیا یہ میرا فعل معقول خیال کیا جائیگا۔

جو مرد یورپ سے شادیاں کرکے عورتیں لاتے ہیں میرے نزدیک وہ نفرین کے قابل ہیں۔ فرض کرو کہ یوروپین عورت ہم سے بہتر ہی سہی تو وہ ہمیں کو کیوں نہیں بہتر بنانے کی کوشش کرتے۔ میں خود یوروپین عورتوں کی سب سے بڑی مداح ہوں لیکن قومی اور ملکی مصلحت کا خیال مردونکو ضرور چاہیئے

مجھے اس امر سے سخت رنج ہوتا ہے کہ ہمارا احترام مردونکی نگاہ میں اسقدر نہیں ہے جس قدر کہ ہونا چاہیئے اور اسکے ملزم ہمیں ہیں۔ ہمنے اپنی جہالت۔ توہم پرستی سے اپنے آپ کو اس درجہ میں ڈالدیا جو لوگ خود اپنا اعزاز آپ نہیں کرتے دنیا میں ہر جگہ ذلیل رہتے ہیں۔ ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ ایک دن اپنے باغیچہ میں ٹہل رہا تھا۔ ایک طرف سے کچھ آواز آرہی تھی اُسی سمت کو گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے

میں اپنی آپ خود کرتا ہوں عزت | نہیں دیکھتا کوئی مجھکو ذلت

اور حالت یہ ہے کہ ایک پھٹا لنگوٹا باندھے ہوئے مٹی کھو دتا ہے۔ بادشاہ کو سخت تعجب ہوا کہ یہ حالت اور یہ دعویٰ! آخر مسکرا کر کہا اس سے بڑھکر کیا ذلت ہوگی جس میں تو ہے۔ اس نے کہا کہ میں لسلئے اس حالت میں ہوں کہ تجھ جیسے سے کچھ مانگ کر ذلیل نہ ہوں الغرض انسان اگر خود اپنی عزت کرتا ہے تو سب لوگ اسکی عزت کرتے ہیں اور جب پروا نہیں کرتا تو ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسلئے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ایسی کوشش کریں کہ اپنی عزت لوگوں کے دلوں میں قایم کریں۔ میں نے دس رزولیوشن تجویز کئے ہیں جو آپکے سامنے پیش کرتی ہوں۔

(۱) لڑکیوں کو اصلی مذہبی تعلیم دیجائے یعنی قرآن اور حدیث صحیح۔

(۲) لڑکیونکو ابتدائی اور سکنڈری دونوں قسم کی تعلیم دیجائے اور ابتدائی تعلیم لازمی کر دی جائے۔

(۳) خانہ داری علمی اور عملی ہر قسم کی سکھائی جائے۔ حفظان صحت اور تربیت اطفال اوسکی کورس کا ضروری جزو ہو۔

(۴) چند لڑکیاں ہر سال مخصوص کی جائیں جنکو ڈاکٹری کی مکمل تعلیم دیجائے یہانتک کہ ملکی ضروریات کیلئے تمام لیڈی ڈاکٹر مصری ہی ہوں۔

(۵) عورتوں کو کامل آزادی دیجائے کہ وہ جس علم و فن کو چاہیں اسکی تکمیل کر سکیں۔

(۶) بچپن ہی سے سچائی کوشش اور استقلال کی عادت لڑکیوں میں پیدا کیجائے

(۷) پیغام نکاح میں شریعت کا لحاظ کیا جائے یعنی ایک محرم کی موجودگی میں دولہن قبل نکاح کے دولہا کو دکھا دی جائے۔

(۸) پردہ اور باہر نکلنے میں ترکی عورتوں کی تقلید کیجائے۔

(۹) ملکی مصلحت کا لحاظ رکھکر غیر ملکی آدمیوں اور چیزوں سے حتی الوسع مستغنی ہو جانا چاہیئے۔

(۱۰) ہمارے بھائیوں سے اُمید ہو کہ وہ ہماری اس تحریک میں مدد کریں۔

مترجم ا-ج

اڈیٹوریل

ریویو

رفیق الصالحات - فی اصلاح الرسوم والبدعات۔ یہ کتاب رفیق فاطمہ مرحومہ دختر ثانی مولوی اشفاق حسین صاحب رئیس سنبھل ضلع مرادآباد کی تصنیف ہے اسکے دو حصے ہیں۔ اور دونوں حصے ہمارے پاس بغرض ریویو آئے ہیں پہلے حصہ میں مصنفہ نے مخالفین پردہ کا جواب عقلی اور نقلی دلائل سے جہانتک اسکے امکان میں تھا دیا ہے۔ مولوی محب حسین صاحب اڈیٹر معلم نسواں اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر جو مخالفین پردہ کے سرغنہ قرار دئے جاتے ہیں اس رسالہ میں بالخصوص مخاطب کئے گئے ہیں۔

دوسرے حصہ میں بیوہ کے نکاح ثانی کی ترغیب ہی۔ مصنفہ نے دونوں حصے بطور ناول کے لکھے ہیں جس سے مضمون کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ حصہ اول ۸۴ صفحہ اور حصہ دوم ۷۶ صفحہ کا ہے۔ چھپائی لکھائی کاغذ وغیرہ عمدہ ہے عزیزی پریس آگرہ میں چھپی ہے اور غالبًا وہیں سے ملسکتی ہے قیمت درج نہیں ہے۔

آئینہ عبرت۔ یہ ناول ہمارے ملک کی مشہور عالمہ فاضلہ خجستہ اختر بانو جناب

سہرو رو یہ بیگم صاحبہ کی تصنیف ہی جنکے نام نامی سے تمام ناظرین و ناظرات بہت اچھی طرح سے واقف ہیں۔ کیونکہ انکے بہت سے اعلیٰ درجہ کے مضامین خاتون میں شایع ہو چکے ہیں۔ نیز انکی تصنیفات۔ کوکب دری۔ سیرۃ النبی تعلیم انسار! درسلک مروارید وغیرہ ملک میں شایع ہو چکی ہیں۔

آئینہ عبرت کے نام سے حال میں بیگم صاحبہ موصوفہ نے اپنا وہ ناول چھپوایا ہی جو ۱۹۰۶ء میں خاتون میں "مسز بالیبرٹن کی مصیبتیں" کے عنوان سے شایع ہوتا رہا۔ لیکن خاتون میں صرف ایک ہی حصہ اس ناول کا شایع ہوا تھا اب دونوں حصے اسکے یکجا کرکے چھاپ دیئے گئے ہیں۔

ہم خود اس خیال میں تھے کہ اس مفید دلچسپ اور قیمتی ناول کو چھپوائیں لیکن بیگم صاحبہ نے سبقت کی اور خود چھپوا دیا۔ اور یہی اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ ہم چھپواتے تو دوسرا حصہ کہاں سے لاتے۔

سہرو روبہ صاحبہ کے تحریر کی متانت زبانکی شستگی اور خیالات کی خوبی کی تعریف کرنا غیر ضروری ہی تمام لوگ اس سے واقف ہیں۔ ہماری رائے ہی کہ یہ ناول ہر تعلیم یافتہ لڑکی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ اراکین سنڈیکیٹ کلکتہ یونیورسٹی نے اسکے خوبیوں کی وجہ سے میٹریکولیشن کے امتحان کے نصاب میں اسکو منظور فرمایا ہی۔

اسکی ضخامت ۲۲۴ صفحے۔ چھاپا ٹائپ کا ہی۔ کاغذ عمدہ ہی۔ اور جلد کپڑے کی نہایت خوبصورت ہی قیمت درج نہیں ہی۔ ملنے کا پتہ حبل المتین پریس نمبر ۱۶ میڈیکل کالج اسٹریٹ جمال الدین صاحب الحسینی۔

ہماری ہمدرد قوم بہن بنت نذر الباقر صاحبہ نے کمال ہمدردی اور جوش کے ساتھ اسلامی زنانہ دنیا میں یونیورسٹی فنڈ کی تحریک کی ہی۔ ہم اس تحریک کو

دل سے پسند کرتے ہیں اور ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ ہماری قومی بیداری کی علامت
ہی کہ عورتیں جنکے کانوں تک اس قسم کی باتیں پہونچتی ہی نہ تھیں وہ اب عظیم الشان
قومی کاموں میں حصہ لینے لگی ہیں - ہم نے بہن موصوفہ کا مضمون جو انہوں نے
اس تحریک کیلئے لکھا ہی اس نمبر میں درج کر دیا ہے - اور ہم اُمید کرتے ہیں
کہ تمام مقامات کی مسلمان خواتین فراخ حوصلگی کے ساتھ اس کار خیر میں حصہ لینگی

بھارت استری مہامنڈل - اس نام کی ایک انجمن تمام ہندوستان کی عورتوں
کے لئے قایم کی گئی ہی - اسکے ذریعہ سے تعلیم نسواں کیلئے کوشش کی جائیگی - کم
استطاعت بے یار و مددگار عورتوں کے لئے ایک فنڈ جمع کیا جائیگا جس سے
انکی مدد کی جائیگی - سالانہ چندہ ایک روپیہ اور فیس داخلہ ایک روپیہ مقرر کیگئی
ہی کلکتہ کے قرب و جوار میں عنقریب اسکی شاخیں قایم ہونے والی ہیں - مختلف
مقامات کے سکرٹری اپنے یہاں تعلیم نسواں کا بندوبست کرینگے - ہر ایک
مقام سے جو چندہ وصول ہوگا وہ عورتوں کی تعلیم میں صرف کیا جائے گا جو
خاتون اس انجمن کی ممبر بننا چاہیں وہ شریمتی سرلا دیوی نمبر ۱۶۲ اولڈ بالی
گنج روڈ کلکتہ سے خط و کتابت کریں -

اسی انجمن کا اجلاس اِلہ آباد میں نمایش کے موقع پر وزیانگرم ہال
میں بصدارت ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ ہوا تھا - اس انجمن کے نام سے جیسا
کہ خود بیگم صاحبہ موصوفہ نے فرمایا تھا یہ خیال ہوتا ہی کہ یہ ہندوؤں کی انجمن ہے
ہمیں امید ہی کہ اس انجمن کا ایسا نام رکھا جائیگا جس سے یہ مختص القوم نہ معلوم ہو -

---

ایک اخبار لکھتا ہی کہ ممکن ہی کہ ہر ہائینس حضور بیگم صاحبہ بھوپال جشن تاجپوشی لندن میں

شریک ہونے کے لئے ولایت تشریف لیجائیں۔ کیونکہ حضور ممدوحہ کو شرکت کا بلاوا آیا ہی عجیب دہوکھا۔ نوشہرہ میں کچھ عرصہ ہوا ایک زنانہ مدرسہ قایم کرنے کے لئے چندہ وصول کیا گیا۔ اس مدرسہ کا نام گورونانک کنیا پاٹ شالا ظاہر کیا گیا تھا۔ اس نام کیوجہ سے سکھوں نے بھی اسمیں فراخدلی سے چندہ دیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خالص آریہ سماجی مدرسہ ہی۔

زنانہ انسپکٹر مدارس۔ سرشتہ تعلیم ہند میں ایک اور زنانہ عہدہ کا اضافہ ہوا ہی یعنی صاحب زیر ہند نے مس سوماردل صاحبہ کو مشرقی بنگال و آسام کے زنانہ مدارس کی انسپکٹری پر مامور کیا ہی۔

ہندوستان کی مردم شماری۔ ہر دسویں سال ہندوستان کی مردم شماری ہوتی ہی۔ چنانچہ اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمام ملک کی مردم شماری ہوئی۔ سارے ہندوستان کی آبادی ساڑھے اکتیس کروڑ ہے گذشتہ مردم شماری کی بہ نسبت جو دس سال پہلے ہوئی تھی ، فیصدی کا اضافہ ہوا ہی۔ باوجود قحط۔ و طاعون کے یہ بیشی امید افزا ہی۔ ریاستوں کی آبادی میں سب سے زیادہ حیدرآباد میں بیشی ہوئی ہی۔ یعنی ۲۵ لاکھ کی اب اسکی کل آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ تک پہنچی ہی۔ حضور نظام کو اس سے دلی مسرت ہوئی ہوگی اور اس اضافہ پر بادشاہ دکن کو مبارکباد دیجا سکتی ہی۔ مختلف مذاہب اور اقوام کی میزانیں ابتک نہیں شایع ہوئی ہیں لیکن امید ہی کہ انشاء اللہ بہ نسبت ماسبق کے مسلمانوں کی تعداد میں معقول اضافہ ہوا ہوگا۔

مصری یونیورسٹی کا شعبہ تعلیم نسواں

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مصر میں جو یونیورسٹی قوم نے قایم کی ہے اسمیں عورتوں کو فراموش نہیں کیا ہے بلکہ انکی تعلیم کا سامان بھی کیا گیا ہی۔ چنانچہ عورتوں کیلئے اسمیں مفید لکچر انکا سلسلہ شروع کیا گیا ہی سیدہ موسیٰ نبویہ جو ایک نہایت عالمہ فاضلہ روشن خیال و تعلیم یافتہ اوستانی ہیں عورتوں کے لئے لکچر دیتی ہیں۔ ہم ذیل میں انکے چوتھے لکچر کا جو خوش قسمتی سے ہکو مل گیا ہی ترجمہ درج کرتے ہیں مقررہ نے اس میں عورتوں کی بیچارگی کی تاریخ بیان کی ہی نیز یہ بھی دکھلایا ہے کہ عورتوں کی ترقی اور تنزل کا قوم پر کس درجہ گہرا اثر پڑتا ہی۔

مترجم

پیاری بہنو!

میں نے پہلے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو عورت کی تاریخی حالت سناؤنگی کہ گذشتہ زمانہ میں اسکی کیا کیفیت رہی ہے۔ اور مختلف قوموں میں اسکے ساتھ کیا کیا

سلوک ہوتے رہے ہیں۔ اس سے تم کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ عورتوں کی ترقی اور انحطاط پر قوموں کی ترقی اور انحطاط کا دارمدار ہے۔ اور نیز اس کا فیصلہ تم کر سکو گی کہ تم کس قدر اپنی ترقی سے غافل ہو۔

عورتوں کی غفلت نہ صرف انہیں کے تنزل کا باعث ہے بلکہ انکے تنزل اور جہالت کو قومی تنزل اور جہالت سمجھنا چاہیئے۔ انکی ترقی سے قوم کی ترقی وابستہ ہے۔ کیونکہ قوم کا نصف حصہ جو ابتک عضو معطل کی طرح بیکار رہا ہے اگر پھر طاقت ور ہو جائے تو اس میں چوگنی قوت آجائیگی ہمکو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مردونکی ترقی قومی ترقی کے لئے اس قدر ضروری نہیں ہے جس قدر ہماری ترقی بلکہ میں تو یہ بھی کہتی ہوں کہ مرد ترقی کر ہی نہیں سکتے جبتک کہ عورتیں تعلیم یافتہ اور شایستہ نہ ہو جائیں ہمارا غفلت اور جہالت میں میں پڑے رہنا نہ صرف ملکی اور قومی ترقی کے فرائض سے غفلت کرنا ہی بلکہ اپنی اولاد کے فرض سے بھی ہم غافل کہے جائیں گے۔

مشہور انگریزی مورخ .. ہنری میں لکھتا ہے کہ "رومن کے قدیم عظیم الشان اور ہندوؤنکے گذشتہ تمدن میں صاف فرق نظر آتا ہے کہ رومن عورتونکا بہت خیال رکھتے تھے اور انکی آزادی میں کوشاں تھے لیکن ہندو انکو غلام بنائے ہوئے تھے اور ذلت کی حالت میں جکڑ بند رکھتے تھے"

ہمکو اس حالت سے کچھ شرمانا نہ چاہیئے جس میں کہ ہم ہیں۔ کیونکہ تمام دنیا کی عورتوں کی حالت اسی طرح کی تھی۔ لیکن شرم کی یہ بات ہے کہ اور قومونکی عورتوں نے تعلیم پاکر ترقی اور آزادی حاصل کر لی ہے اور ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔

یورپ کی عورتیں آج سے دو صدی پہلے ہم سے بھی بدتر حالت میں تھیں

لیکن انہوں نے لگا تار کوشش کی اور آخر آج وہ اس قدر مہذب اور شائستہ ہیں کہ تمام دنیا میں انکی عزت کی جاتی ہے بخلاف اسکے ہم اپنی گذشتہ حالت کو جب دیکھتے ہیں تو وہ ہماری اس حالت سے ہزار درجہ بہتر تھی ہم برابر تنزل کے غار میں گرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب ہم نے اپنی حالت کو سمجھ لیا ہے اور پھر ترقی اور تعلیم کے لئے کچھ ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے ہیں۔

ہم اب اپنی ماؤں سے اپنی حالت کو بہتر پاتے ہیں۔ اور امید ہے کہ ہماری لڑکیاں ہم سے بہتر حالت میں ہونگی اس سے آسرا بندھتا ہی کہ انشاءاللہ ہمارا مستقبل اچھا ہوگا۔

گذشتہ زمانہ میں عورت بالکل ادنیٰ درجہ کی حالت میں تھی۔ اسکا کوئی اعزاز و وقار اور سوسائٹی میں کوئی امتیازی درجہ نہ تھا۔ مرد اسکے اوپر حاکم مطلق تھا جس طرح چاہتا اسکو رکھتا وہ بھی گھر کی چیزوں اور سامانوں کی طرح ایک سامان سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مرد اسکو لوگوں کی نظروں سے چھپاکر رکھتا تھا۔ کہ کوئی اس کو دیکھ نہ لے۔ یا کہیں اسکو باہر کی ہوا نہ لگ جائے اگر وہ اسکو اپنا مشیر اور مددگار سمجھتا تو گھر کے کونے میں صندوق کی طرح اسکو بند نہ کرتا۔ لیکن اس نے اسکو بچوں سے زیادہ غیر معتبر سمجھا۔ اور اپنی اندھی غیرت کے جوش میں اسپر پردہ لگا یا کہ اوّل تو وہ گھر میں بیٹھی رہے اور اگر باہر نکلے تو اسطرح کہ کوئی اسکو دیکھ نہ سکے۔ ورنہ مرد کی ساری عزت خاک میں مل جائیگی۔

پیاری بیٹیو! یہ نہ سمجھو کہ یہ حالت صرف مسلمانوں کے ہی گھروں میں ہوئی اور انہیں کے یہاں عورتوں پر پردہ لازم کیا گیا۔ نہیں یورپ میں بھی عورتیں

پردہ کرتی تھیں اگرچہ اسکی نوعیت ہمارے پردہ سے کسی قدر جدا تھی۔

عورتوں نے مردوں کی اس غیرت کو اس امر پر محمول کیا کہ وہ ہمارے حد سے زیادہ قدردان ہیں یہانتک کہ یہ بھی انکو گوارا نہیں کہ کوئی دوسرا ہماری شکل تو کیا ہمارے لباس کو بھی دیکھ سکے۔ اس خیال سے انہوں نے مردوں کو خوش رکھنے کے لئے طرح طرح کی آرائش اور بناؤ سنگار کرنے شروع کئے۔ تاکہ وہ انکی نگاہوں میں اچھے معلوم ہوں۔ اسی بناؤ سنگار کی مصروفیت نے انکو بہت سی انسانی خوبیوں سے محروم کر دیا چنانچہ عورتوں کے لئے یہ لازمی ہو گیا کہ وہ اپنے آپ کو آراستہ رکھیں اور اپنے بناؤ سنگار سے مردونکو خوش کریں۔ عورتوں نے یہانتک اس کی طرف توجہ کی کہ بعض بعض ملکوں میں فطرت کے خلاف آرائش کرنے لگیں۔ تمام جسم سوئی سے گودوانا شروع کیا۔ کہیں دانتوں میں سونے کی کیلیں جڑی جانے لگیں۔ کہیں پاؤنمیں لکڑی کے جوتے پہنے گئے تاکہ وہ بڑھنے نہ پائیں کیونکہ عورت اسوقت تک حسین و جمیل نہیں ہو سکتی جبتک کہ اسکے پاؤں بچوں کی طرح چھوٹے چھوٹے نہ ہوں بیچاری چینی عورت اسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اسکے پاؤں اس قدر چھوٹے بنائے جاتے ہیں کہ وہ چل نہیں سکتی اپنے ضروری روزمرہ کے کاموں سے بھی عاجز رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ چین کی بدنصیبی اور اسکے تنزل کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہاں کی عورتیں اس قدر بیکار کر دی گئی ہیں۔ باوجود اسکے کہ وہاں کے باشندے بڑے دستکار اور محنتی ہیں اور اتنا بڑا وسیع اور زرخیز ملک ہے لیکن آج دنیا میں اسکی وقعت مردہ ہاتھی سے زیادہ نہیں ہے بخلاف اسکے اسی کا بھائی جاپان ہے جو آج تمام مشرق کا سرتاج خیال کیا جاتا ہے

اور تمام دنیا میں اسکی دھوم مچی ہوئی ہے۔ روس جیسی زبردست اور بھاری بھرکم سلطنت کو اس نے وہ شکست دی کہ دنیا عش عش کر گئی۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ جاپان باوجود اسکے کہ ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن وہ یورپ کے قدم بقدم چلا۔ اس نے اپنی عورتوں کو تعلیم دی اور آزادی بخشی۔ چنانچہ جاپانی عورت علم میں عمل میں۔ صنعت و حرفت میں ہر جگہہ مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہے۔ حبشی عورتوں کی حالت سنو۔ جنوبی اور وسطی افریقہ میں عورتیں اپنے کانوں کو چھید کر انہیں ایک قسم کے پر ڈال لیتی ہیں۔ اسی طرح ناک میں سوراخ کرکے اس میں چاندی یا سونے سے منڈھا کر ایک پر ڈالدیا جاتا ہے جس سے سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں قوت شامہ مرجاتی ہے سر پر بھی پر و نکے گچھے لگاتی ہیں۔

گودنے کی تکلیف سے تو ہم سب خوب واقف ہیں کیونکہ مصر میں اسکا بہت رواج ہے۔ تین تین چار چار سوئیوں سے بدن تمام گودا جاتا ہے پھر اس میں نیل وغیرہ بھرا جاتا ہے۔ دانت کے مسوڑے گودے جاتے ہیں۔ عورتیں بچاری ان تمام تکالیف کو نہایت خوشی اور صبر کے ساتھ برداشت کرتی ہیں اسکو بناؤ سنگار اور آرایش کی قربانی سمجھتی ہیں۔ آہ عورت مسکین ہے بیکس ہے لاچار ہے بیکس اور لاچار فطرتاً نہیں ہے بلکہ رسم اور عادت نے اسکو بیکس بنادیا ہے۔ اور مردان رسموں کو اپنی خوشی کا ذریعہ سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ زیادہ دور اندیشی سے کام لیتے تو انکو معلوم ہوتا کہ وہ سراسر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ اور اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں۔

روس کی عورتیں بھی اسی طرح پردہ کرتی تھیں جس طرح ہم میں رواج ہے

لیکن جب پیٹر اعظم بادشاہ ہوا تو اس نے اس رسم کو ترک کرنے کا حکم دیا
چنانچہ عورتوں نے پردہ چھوڑ دیا۔ اور مردوں نے پرانا بد قوارہ لباس
جو مشرقی دنیا میں رائج تھا اوتار ڈالا اسی زمانہ سے روس میں مادی
اور علمی ترقی شروع ہوگئی۔ پیٹر کے بعد کئی عورتیں روس کے تخت سلطنت
پر بیٹھیں اور انکے زمانوں میں سلطنت میں اضافہ ہوا گیا۔
ہندؤں نے عورتوں کو غلام بنانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا۔
انکے وحشیانہ رسموں میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب شوہر مر جائے تو
عورت بھی اسکے ساتھ جل جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندؤں کا
یہ اعتقاد تھا کہ عورت صرف اسلیئے پیدا کی گئی ہے کہ اپنے شوہر کی لونڈی
بنی رہے۔ اور جب وہ مرگیا تو اس کی زندگی کی ضرورت نہیں ہے اسلئے
اسکو بھی جل جانا چاہیئے یہ انتہا درجہ کی خود غرضی اور جبر و سختی تھی۔ علاوہ
بریں بڑے بڑے لوگ اپنی بی بیوں کو جوئے میں ہار جاتے تھے۔ گویا
مثل مال اور سامان کے انکو بھی بازی میں لگا دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
ہندو ہمیشہ اجنبی قوموں کے غلام بنے رہے۔
عورتوں کی کم و بیش تمام قوموں میں یہی حالت تھی۔ ہر ملک و قوم کے
مردوں نے انکے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ اسلام سے کچھ پیشتر یورپ
میں عرب جاہلیت سے بھی زیادہ عورتوں کا حال بد تر تھا۔ اور بہت زمانہ تک
اسی طرح چلا آیا۔ یورپین عورت اس قدر مجبور تھی کہ اسکو کسی چیز کے تصرف کا
کچھ اختیار نہ تھا۔ یہانتک کہ وہ اپنا ذاتی مال بھی اپنی اولاد کو نہیں دے سکتی
تھی۔ اور نہ قانون کی رو سے اولاد کیلیئے وصیت کر سکتی تھی۔
عرب میں اسلام نے عورتوں کو پوری آزادی بخشی۔ انکو انکے مال میں

تصرف کرنے کا اختیار دیا اولاد کے لئے وصیت کرنے کا حق دیا۔ حق وراثت بخشا الغرض تمدن انسانی میں اسکا جو حقیقی درجہ ہو سکتا ہے اسکو عطا فرمایا۔ مگر باوجود اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ کے انقلاب نے یہ حالت کر دی ہے کہ آج مسلمان عورت کی حالت بمقابلہ یوروپین عورت کے نہایت پست اور ادنی ہے۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمان عورت رفتہ رفتہ علم سے دست بردار ہو گئی اور یوروپین عورت نے رفتہ رفتہ علم حاصل کر لیا۔ یورپ اسکی تعلیم کے مطابق اسکو آزادی دیتا گیا۔ مفید کاموں میں لگایا۔ صحیح تعلیم اسکے لئے مہیا کی جسکی بدولت وہ آسمان پر پہونچ گئی اور ہم برابر قعر مذلت میں گرتے گئے۔ حالانکہ معاملہ اسکے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔

عربی عورت گذشتہ زمانہ میں بڑے عزت اور وقار سے دیکھی جاتی تھی اہل عرب ہر امر میں اوسکا بڑا خیال رکھتے تھے۔ شعرا قصیدہ میں سب سے پہلے اپنی بیوی کا ذکر کرتے تھے۔ سردار جب جنگ میں جاتے تھے تو عورتونکو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ عورتیں انکو جوش دلاتی تھیں۔ وہ انکا حکم بجالاتے تھے اور میدان میں ثابت قدمی سے لڑتے تھے۔ جب غالب ہوتے تھے تو عورتوں سے داد پاتے تھے۔ وہ اپنی عورتوں کی شرافت اور انکے کارناموں پر فخر کرتے تھے۔

عربی عورتیں ان تمام کاموں میں شریک ہوتی تھیں جو انکے مرد کرتے تھے۔ شعر کہتی تھیں۔ جنگ میں جاتی تھیں۔ تجارت کرتی تھیں۔ کئی ایک ملکہ بھی ہوئی ہیں جنمیں سے ملکہ زبا بہت مشہور ہے جس نے حیرہ کے بادشاہ کو اپنے باپ کے خون کے بدلہ میں قتل کیا تھا۔

الغرض عربی عورت اپنے زمانہ میں اعزاز اور وقار کی زندگی بسر کرتی تھی

اور غالباً یہی وجہ تھی کہ عرب ایک شاندار قوم خیال کئے جاتے تھے۔ اسکے بعد جب اسلام آیا تو اسنے اہل عرب کو اور بھی فروغ دیدیا۔ عورتوں کو اکثر امور میں مردوں کے برابر حقوق عطا کئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خنسار کو اپنی خدمت شریف میں آنے کی اجازت دیدیتے تھے اور اسکے اشعار سنتے تھے

اکثر مذہبی لڑائیوں میں عورتیں اپنے فصیح و بلیغ خطبوں اور تقریروں سے مسلمان بہادروں کے دلوں کو گرماتی تھیں۔ خود لڑتی تھیں۔ مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو علم و عمل سے محروم نہیں کیا تھا۔ وہ قومی اور سیاسی ہر قسم کے کاموں میں شریک ہوتی تھیں۔ جب اہل عرب اندلس میں آئے تو وہ یوروپین قوموں کے لئے کوشش اور ترقی کا نمونہ تھے۔ یہاں مسلمان عورتیں بہت سے تمدنی کاموں میں شریک تھیں۔ یہانتک بڑے بڑے عمل جراحی بھی کرتی تھیں جسکے لئے یوروپین عورت ابتک کوشش کر رہی ہے اور وہ اسکو حاصل نہیں ہوا۔

عربی عورت ہمیشہ حقیقی زندگی رکھتی تھی لیکن تقدیر الٰہی نے مسلمانوں کو تنزل کے غار میں گرادیا۔ علم سے بےخبر ہو گئے۔ عقلوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے۔ عورتوں کو تعلیم سے محروم کرکے گھر کے کونوں میں بٹھا دیا۔ خود دوسری سلطنتوں کے محکوم بن بیٹھے۔ اب جو کچھ تعلیم اور ترقی کی تحریک شروع ہوئی تو لوگ عورتوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ بہت سے لوگوں نے قرآنی آیتوں کی اپنے نفس کی خواہش کے مطابق تاویلیں کرکے کچھ کا کچھ فتویٰ لگانا شروع کیا لیکن میں صاف کہتی ہوں کہ قرآن شریف میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے عورتوں کو علم و عمل سے محروم رکھنے کی دلیل نکلتی ہو۔ یا یہ کہ جیسا کہ مشرق میں رسم ہے اس بات کا حکم نکلتا ہو کہ عورتیں گھر کی چار دیواری

میں قید رکھی جائیں۔

اگر مشرقی مردوں کے دماغ میں اس قسم کے اوہام نہ پیدا ہوتے تو آج انکی ترقی کا قدم یورپ سے کہیں آگے ہوتا۔ کیونکہ ان میں بہت پہلے سے علم کی اشاعت جاری ہے۔

میں اس موقع پر مصر کی قدیمی عورتوں کی کیفیت کو بھی فروگذاشت نہ کرونگی۔ عربوں کی افریقہ میں داخل ہونے سے پہلے مصری عورت بھی اپنے زمانہ کی دوسری عورتوں سے کم قدر و عزت نہیں رکھتی تھی۔ اسکی بدیہی دلیل یہ ہے کہ مصر کے قدیمی حکمران خاندانوں میں عورتیں بھی بادشاہت کے تخت پر بیٹھتی رہی ہیں۔ عمالقہ خاندان میں جورق۔ اور زلفا۔ قبطی خاندان میں ملکہ دلوکہ جو اس خاندان کی گل سرسبد تھی۔ یونانی خاندان میں ملکہ کلیوپیٹرا بڑی مشہور بیگمات گذری ہیں۔

اسلئے مصری عورت اب بہ نسبت اپنی گذشتہ ماؤں کے بہت پست حالت میں ہے۔ خواہ وہ عربی خاندان کی ہو یا قبطی خاندان کی۔ جہاں پہلے لوگ اپنی عورتوں کے کارناموں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے تھے انکی خوش اخلاقی اور بلند حوصلگی کے راگ گاتے تھے وہاں اب یہ حالت ہے کہ مرد اپنی عورت کا نام بھی لینا گناہ سمجھتے ہیں۔

بخلاف اسکے انگریزی عورت کی تاریخی حالت کو دیکھو۔ گذشتہ زمانہ میں وہ بھی اپنی دوسری بہنوں کی طرح مرد کے خود مختاری کے پنجہ میں سخت گرفتار تھی۔ بہت سے تمدنی علمی اور عملی حقوق سے محروم تھی۔ ادنی درجہ کی تعلیم۔ تیمارداری۔ سینا پرونا۔ بچوں کو پالنا ہی اسکا کام تھا۔ اسی اثنا میں چند ہمدرد عورتوں کے اوٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے نہایت

زور کے ساتھ عورتوں کے حقوق کی وکالت کی۔ انہیں میں [illegible]
بھی تھا جس نے انگریزی عورت کے لئے انگلینڈ میں وہی کوشش کی
جو ہمارے یہاں مرحوم قاسم امین نے کی باوجود بہت سی مخالفتوں کے
انگریزی عورت نے اسی وقت سے ترقی کی کوشش کرنی شروع کی۔ ایک
انگلش لیڈی نے جس کا نام مسز براؤن تھا ایک کتاب "ارورالیز" نامی
شایع کی۔ اس سے اسکی بڑی شہرت ہوئی۔ تمام لوگ اسکی قابلیت کو مان
گئے۔ لیکن باوجود اسکے جب وہ نیک نہاد لیڈی مری تو مسٹر اڈورڈ جیرالڈ
نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ دوسری "ارورالیز" اب نکلنے نہ پائیگی۔ میں مسز
براؤن کی لیاقت اور ذہانت کو تسلیم کرتا ہوں لیکن کاش وہ اپنی اس
ذہانت کو باورچی خانہ کے مشاغل میں صرف کرتی۔

گویا اس زمانہ میں تمام انگریز عورتوں کی تعلیمی ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے
مگر انگریزی عورتوں نے برابر تعلیمی ترقی جاری رکھی۔ اور مدرسوں میں پڑھنا
شروع کیا۔ ان کو ڈپلو   مے ملنے لگے۔ پہلے یونیورسٹی جس نے اپنا دروازہ
عورتوں کے لئے انگلستان میں کھولا وہ شمالی انگلستان میں تھی۔ لیکن اس
یونیورسٹی میں بھی اعلیٰ تعلیم عورتوں کو مردوں سے نہیں دلوائی جاتی تھی بلکہ
چند استانیاں تھیں جو ان کو پڑھاتی تھیں۔ یہ واقعہ ۱۸۲۰ء کا ہے۔ آج
۱۹۱۱ء میں بعینہ وہی مثال ہماری یونیورسٹی کی ہے جس نے عورتوں کیلئے
تعلیم کا دروازہ تو کھولا ہے لیکن اسکی اعلیٰ تعلیم مردوں کے ہاتھ میں نہیں
رکھی ہے بلکہ استانیاں مقرر کی ہیں۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ
کہ انگریزی عورتیں آج جس معراج پر ہیں اسپر پہونچنے کے لئے ہمکو لگاتار
۹۰ سال کی کوشش درکار ہے انگریزی عورتوں نے اسکے بعد اپنی تعلیمی ترقی

کی کوشش میں بڑی سرگرمی کی۔ خاصکر ڈاکٹری کے لئے چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں اور ۱۸۶۵ء میں بعض یونیورسٹیوں نے اپنے دروازے انکے لئے کھولدیئے۔ کیمرج یونیورسٹی نے ۱۸۸۱ء میں عورتوں کا داخلہ اپنے یہاں منظور کیا۔ پھر اکسفورڈ اسکاٹلینڈ لندن اور ڈبلن یونیورسٹی نے بھی انکو لینا منظور کیا۔

سب سے پہلے ایک انگلش لیڈی نے امریکہ سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی اور ۱۸۵۹ء میں انگلستان میں اس نے اپنا دواخانہ قائم کیا۔ اسکو دیکھکر انگریزی عورتوں نے طب کی تعلیم کے لئے بڑا زور دیا آخر کار انکا داخلہ منظور کیا گیا۔ اور ۱۸۶۵ء میں ایک انگلش لیڈی کو ڈاکٹری کی سند دی گئی۔ اسکے بعد میڈیکل کالج میں تین لڑکیاں داخل ہوئیں اور بہت خوبی کے ساتھ انہوں نے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ لیکن طبی کمیٹی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ عورتوں کو داخلہ کی اجازت نہیں دیتی۔

باوجود ان سب مخالفتوں کے انگریزی عورتیں برابر اپنے مقاصد میں کوشاں رہیں۔ وہ ولایات متحدہ میں جاکر وہاں طب کی تعلیم حاصل کرتی تھیں اور اپنے ملک میں واپس آکر مطب کھولتی تھیں آخر میں حکومت نے مجبوراً تمام امتحانات میں انکا داخلہ منظور کیا۔ اور ساری یونیورسٹیوں نے ۱۸۷۶ء میں اپنے دروازے انکے لئے کھولدیئے۔ جسکو ابھی ۵۰ سال سے بھی کم ہوئے انگریزی عورت کے ایک صدی کے یہ کارنامے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے جب انکے متعلق انگلستان کی کسی مجلس میں کچھ ذکر ہوتا تھا تو لوگ کہتے تھے عورتوں کو تعلیم سے کیا تعلق۔ انکو باورچی خانوں کے انتظام کے لئے چھوڑ دیں اب ہمارے متعلق لوگ کہتے ہیں۔

انگریزی عورت کی حالت اب کہاں سے کہاں پہونچ گئی- اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی قوم کو اس قدر عروج نصیب ہوا کہ دنیا دنگ رہگئی-

انگلستان کی یہ مثال ہمارے لئے نمونہ ہے- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتونکو اعلیٰ تعلیم دینے سے تمدن کا شیرازہ بکھر جائیگا وہ دہوکہا دیتے ہیں- تاریخ بالکل اسکے خلاف شاہد ہے- ہم اگر کوشش کریں اور اسی شاہراہ پر چلیں جس شاہراہ پر ہندوستان کی عورتیں چلی ہیں تو یقیناً اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری قوم ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہونچ جائیگی- کیونکہ ہم بھی ویسی ہی عورتیں ہیں جیسی انگریزی عورتیں-

امریکا شمالی کی قوموں کو دیکھو- جو آج سے چند صدی پہلے بالکل وحشی تہیں ان میں اور جانوروں میں تمیز کرنا دشوار تھا لیکن انہوں نے تعلیمی ترقی کی اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی حکمران قوم انگریزوں سے بھی بڑھ گئے- انہوں نے ہر چیز میں عورتوں کو آگے رکہا- علم- عمل سیاستہ- معاملات ہر امر میں عورتونکو برابر کا شریک گردانا- اور معراج ترقی پر پہونچ گئے- کون کہہ سکتا ہے کہ اُن عورتوں نے اپنے فطرتی فرایض میں کوتاہی کی یا وہانکا شیرازۂ تمدن بکھر گیا- بلکہ بخلاف اسکے تمدن اور شائستگی کے اعلیٰ مدارج پر وہ پہونچ گئے- ان عورتونکو دیکھکر میں تعجب کرتی ہوں کہ وہ کام میں کس قدر مستعد رہتی ہیں سستی اور کاہلی انکو چھو بھی نہیں گئی ہے- انتظام خانہ داری کا کیسا اچھا سلیقہ رکھتی ہیں بچوں کو کس عمدگی سے تربیت دیتی ہیں- ہمارے لئے کچھ برا نہیں ہے اگر ان عمدہ صفات میں ہم انکی تقلید کریں اور انہیں جیسا چست وچالاک تعلیم یافتہ سلیقہ مند اور ہنرور اپنے آپ کو بنائیں-

لیکن ان سب خوبیوں کی بنیاد علم ہے- اسلئے میری پہلی نصیحت یہی ہے

کہ جس قدر ہو سکے عورتیں علم حاصل کریں۔ میں مصری عورت کے مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ ذہین تیز طبع اور مستقل مزاج ہے اسلئے میں کامل امید رکھتی ہوں کہ وہ تعلیم میں بہت جلد ترقی کرے گی اور اسکے عروج کا زمانہ قریب ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ کیوں عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ کیا وہ قاضی یا مفتی بنیگی اُنسے کہدو کہ علم ہی تمام خوبیوں کی جڑ ہے! انسان بلا تعلیم کے انسان نہیں بن سکتا۔ اخلاق حمیدہ اس میں نہیں پیدا ہو سکتے۔ تھوڑی اور بے قاعدہ تعلیم بجائے مفید ہونے کے مضر بلکہ مہلک ہے۔ تعلیم جس قدر ہو اور جتنی ہو بہتر ہے۔ قاضی اور مفتی ہی ہونے کے لئے تعلیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمام اعمال واشغال زندگی کا دارومدار علم ہی پر ہے۔ میں بلند آواز سے کہتی ہوں کہ ہر ایک عورت سے جس قدر ممکن ہو تعلیم حاصل کرے۔ اگر وہ محتاج ہے تو علم ہی۔ اس کی ضرورت کو پورا کرے گا۔ کیونکہ علم ہی عمل سکھلاتا ہے اور عمل سے افلاس دور ہوتا ہے اور اگر وہ دولتمند ہے تو دوسروں کے لئے کام کرے اور قوم کو نفع پہونچائے۔

پیاری بیٹیو! میں اس سے زیادہ تمکو کچھ نصیحت نہیں کرنی چاہتی کہ تم علم سیکھو۔ اور سُستی اور کاہلی چھوڑ دو۔ علم تمہارے دماغ کو خود روشن کر دے گا۔ اور تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ آیندہ تمہیں کیا کرنا چاہیے

مترجم

ا۔ ج

جاپان

ساتواں باب

اندرون خانہ

خوشحال جاپانیوں کے پاس اگرچہ اسباب خانہ داری اور سامان آرائش بہت زیادہ ہوتا ہے مثلاً اعلیٰ درجہ کے رنگین اور خوش نما پردے خوبصورت گلدان۔ آبنوس کی عمدہ عمدہ میزیں اور تپائیاں جنپر سنہری کام ہوتا ہے عجیب عجیب نایاب کڑیوں کا سامان وغیرہ مگر یہ سب چیزیں گھر میں نہیں رکھی جاتیں۔ انکو ایک خاص دوسرے مکان میں رکھا جاتا ہے اور جب ضرورت ہو ہر چیز کے لئے نوکروں کو دوڑنا پڑتا ہے۔ جب اس چیز کا کام ہو چکے پھر اسکو وہیں واپس بھیجدیا جاتا ہے۔

اس خاص مکان کو گودام کہتے ہیں۔ یہ گچ اور چونہ کا بنا ہوا ہوتا ہے اور اسکی رنگت سیاہ کردی جاتی ہے۔ سیاہ رنگ پر مالک مکان کا نام سفید بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا ہوتا ہے اس گودام سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کبھی مکانوں کو آگ لگ جائے تو تمام خاندان انکی قیمتی زیورات اور ان کا مال و منال یہاں محفوظ کیا جاسکے۔ اسی مکانمیں مالک اپنا تمام قیمتی اسباب اور آرائشی سامان ہمیشہ رکھا کرتا ہے۔ ان چیزونکو بہت کم باہر کی روشنی دیکھنی نصیب ہوتی ہے۔

جاپانیوں کے پاس جو چیزیں ہوتی ہیں ان سب کو وقت واحد میں

استعمال کرنے کے وہ عادی نہیں ہوتے۔ اگر کسی جاپانی کے پاس بہت سے چینی کے مرتبان اور چینی کے گلدان ہوں تو وہ ایک ہی وقت میں ان سب کو کام میں نہیں لائے گا بلکہ ان کو محفوظ رکھ کر جب ضرورت ہو ان میں سے ایک استعمال کرے گا۔

گلدانوں کے استعمال کرنے میں رنگین پردوں کے ساتھ انکی مناسبت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور ہمیشہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ہر مرتبہ جب گلدان بدلا جاتا ہے یا اس کے پھولوں کی ترتیب میں کوئی دوسری نہایت دلفریب وضع اختیار کی جاتی ہے تو لڑکیوں کو آرائش کے متعلق ایک نیا سبق ملتا ہی۔ جب کوئی مہمان گھر میں موجود ہوتا ہے تو مہمانی کا کمرہ ہر روز نئی شکل اور نئی طرز سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ پردوں گلدانوں اور خوبصورت "کاکی مونو" (تصویر) کی ترتیب ہر دفعہ بدلی جاتی ہے۔ ایک گلدان مکان میں ہر وقت نئے اور تازہ پھولوں سے ڈھکا ہوا "ٹوکونوما" کے پاس رکھا رہتا ہی۔ "ٹوکونوما" جاپانی مکانات کا ایک عجیب اور دلچسپ جزو ہے۔ اسکے معنی تو ہیں اصل میں خوابگاہ کے مگر اصطلاح میں اس خاص کمرہ کو کہتے ہیں جو شہنشاہ جاپان یعنی میکاڈو کی مہمانداری کے لئے ہر دم مہیا رہتا ہے۔ جاپانیوں کی وفاداری اور اپنے بادشاہ کے ساتھ انکی دلی محبت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر مکان میں ایک کمرہ "ٹوکونوما" کے نام سے ہمیشہ اسلئے تیار رکھا جاتا ہے کہ اگر کبھی شہنشاہ اس طرف نکل آئے اور اسے کچھ دیر سستانے کی ضرورت ہو تو وہ کمرہ فوراً کام آسکے۔ اگرچہ ایسا کبھی نہیں ہوتا تاہم کمرہ مہیا ضرور رکھا جاتا ہی۔

عموماً مکان کے ایک گوشہ میں چند فٹ کی جگہ اس غرض کیلئے محفوظ کر دی جاتی ہے اور اس میں ایک بہترین "کا کی مونو" (تصویر) جو گھر والوں کو میسّر آسکے لگا دی جاتی ہے۔ تصویر کے مقابل گلدان ہوتا ہے جسمیں بہت احتیاط کے ساتھ پھول جمائے جاتے ہیں اور پھولوں کی ترتیب سے بعض روایتیں تشبیہات کے ذریعہ بیان ہوتی ہیں۔

رات کے وقت مکانوں میں موم بتی کی روشنی کی جاتی ہے۔ موم بتی کو ایک کاغذ کی بڑی اور مربع لالٹین میں جما دیا جاتا ہے۔ ان کی روشنی چونکہ بہت مدہم ہوتی ہے اس لئے آجکل معمولی ولایتی چراغوں کو اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ارزاں ہونے کے باعث یہ لوگ بہت ادنیٰ لمپ استعمال کرتے ہیں اسلئے آگ کے حادثے بہت ہوتے رہتے ہیں۔

جاپان کے قلیوں کے مکانات عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ باسانی ان کو منتقل کر لیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں عالی شان مکانات کے پیچھے ان کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کی قطار لگی رہتی ہے۔ جب ضرورت ہو یہ لوگ جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ صرف اپنا سادہ اسباب خانہ داری ہی ساتھ نہیں لیتے بلکہ مکان بھی اوٹھا لیتے ہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ نئی جگہ اسکو از سر نو قائم کر کے پھر اسی طرح بآرام اپنی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ روزمرہ مکانات اسطرح منتقل ہوتے رہتے ہیں اور اکثر مزدور پیشہ میاں بیوی اپنا گھر ایک جگہ سے اٹھانے اور دوسری جگہ جمانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کاغذوں اور تختوں کا ایک گٹھا کندھے پر لئے ہوئے مرد آگے آگے چلتا ہے اور اسکے پیچھے

اسکی بیوی و و تین بڑی بڑی گٹھریاں نیلے کپڑے میں لپٹی ہوئیں لئے ہوتی ہے - مرد مکان اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور عورت اسباب خانہ داری - غرض چند گھنٹوں میں جہاں ان کو ضرورت ہو یا جس جگہ ان کا جی چاہے ان کا گھر از سر نو بس جاتا ہے -

سید خورشید علی
حیدر آباد - دکن

محمڈن یونیورسٹی

یعنی

اسلامی دار العلوم

غدر کے بعد جب فنا فی القوم سرسید نے مسلمانوں کی تباہی اور اُنکی بربادی پر غور کیا تو بہت جلد اُن کو یقین ہو گیا کہ اگر اب مسلمان کسی طرح تباہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں - اور ترقی کر سکتے ہیں تو محض تعلیم کی بدولت اور اُس تعلیم کی بدولت جو مشرقی اور مذہبی پہلو کے ساتھ ساتھ مغربی طرز پر دی جائے -

اسکے ساتھ اُنکو اس بات کا بھی خیال ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے روپیہ سے اپنا علیحدہ دار العلوم بنانا چاہیئے جس میں مغربی اور مذہبی تعلیم و تربیت کے علاوہ طالب علموں میں قومی ہمدردی اور قومی خدمت کا احساس پیدا کرایا جائے -

سرسید مغفور نے اپنے اس خیال کو عملی صورت میں لانے کے لئے

ایک اسلامی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ جو اُن کی حین حیات میں ترقی کرکے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ہو گیا۔

اب قوم کے سربرآوردہ اصحاب نے تجویز کیا ہے کہ شہنشاہ جارج پنجم کے ہندوستان میں رونق افروز ہونے پر اُن سے علی گڈھ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانے کی اجازت لی جائے اور یونیورسٹی بنانے کے لئے فی الحال بیس۲۰ لاکھ روپیہ کی ضرورت ظاہر کی ہے۔ لیڈران قوم کی اس تجویز پر تمام مسلمانان ہند نے چاروں طرف سے لبیک کی صدا بلند کی اگر یہ کہا جائے کہ اس تجویز نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ فراہمی چندہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے۔ کہ کالج کے پُرانے طالب علموں سے (جو اولڈ بوائز کے لقب سے ملقب ہیں) اُن کی ایک ایک ماہ کی تنخواہ یا آمدنی یونیورسٹی فنڈ کے لئے لی جائے ہز ہائینس آغا خان اس کام میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ آنجناب نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ عطا فرمانے کا وعدہ کرنے کے علاوہ بذات خود دورہ کرکے چندہ فراہم کرنا منظور فرمایا ہے۔ چنانچہ آج کل آپ مختلف شہروں میں دورہ فرمارہے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ سر ممدوح اپنے مبارک اور نیک مقصد میں (جو قوم کی ایک اہم ترین خدمت ہے) کامیاب ہوں۔ اور خداوند تعالیٰ آپ کو اس نیک کام کی جزائے خیر دے آمین۔

مُسلم یونیورسٹی سے تمام مسلمانان ہند کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور اگر یہ کہا جائے تو غالباً نامناسب نہ ہوگا کہ قوم کی تباہی اور بربادی عروج اور ترقی کا بہت کچھ انحصار مُسلم یونیورسٹی پر ہی ہے۔

مسلمانوں کی چھ سات کروڑ تعداد کو دیکھتے ہوئے اور مجوزہ یونیورسٹی سے قوم کو جو فوائد پہنچیں گے (گواس میں شک نہیں کہ ابتدا میں مسلم یونیورسٹی مثل دیگر یونیورسٹیوں کے ہوگی لیکن بتدریج ہم اُس مقصد پر پہنچ جائیں گے جس کے لئے مسلم یونیورسٹی بنائی جارہی ہے) اُن کا اندازہ کرتے ہوئے محمدن یونیورسٹی کو عالم وجود میں لانے کے لئے بیس لاکھ روپیہ کچھ بھی نہیں۔ سرسید مغفور فرمایا کرتے تھے کہ ہماری قوم میں اب بھی دینے والے بہت ہیں کوئی لینے والا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سر آغاخان کی مستعدانہ کوشش نے مرحوم کا یہ مقولہ ثابت کر دکھایا۔

منجملہ دیگر کاموں کے ایک یہ کام بھی ایسا ہے کہ اسمیں قوم کی روشن خیال ذی علم خواتین کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہر عورت کا اپنے خاوند باپ بھائی اور بیٹے پر کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے۔ اگر قومی خواتین اپنے اپنے ہاں کے مردوں کو محمدن یونیورسٹی فنڈ میں چندہ دینے پر آمادہ کریں تو بہت جلد بیس لاکھ سے دوچند سہ چند روپیہ فراہم ہو جائے۔

یہ ایک ایسا کام ہے کہ مسلمان خواتین کو بذات خود اسمیں شریک ہونا چاہیئے۔ جب کہ روس اور جاپان میں جنگ ہو رہی تھی تو جاپان کی عورتوں نے جنگی بیڑہ کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے اپنے زیور اُتار کر جنگی فنڈ میں دے دیئے تھے۔ ہندوستان کی مسلمان خواتین جاپانی خواتین اور اپنی عثمانی بہنوں کی مثال سے سبق حاصل کر سکتی ہیں۔ ایک تُرک بڑھیا نے جو موزے بُنا کرتی تھی۔ اور ان کو فروخت کر کے اپنی بسر اوقات کرتی تھی۔ اپنی کُل جمع پونجی حجاز ریلوے فنڈ میں دے دی

گو بظاہر یہ ایک معمولی بات ہے لیکن درحقیقت قومی خدمت اور ایثار کی
اس سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ کاش ہماری قومی بہنیں بھی ادھر
توجہ فرمائیں۔ اور مسلمانان ہند پر ثابت کر دیں کہ اس گئے گذرے زمانہ
میں بھی ہم میں بہت سی بہنیں اپنے پہلو میں ایک ایسا دردمند دل رکھتی ہیں
جس میں قومی ضرورتوں کا احساس ہوتا ہے جو ضروریات زمانہ سے باخبر
اور قومی بھلائی اور برائی سے آگاہ ہے۔ جس میں باوجود مردہ ہو جانے
کے قوم کی مدد کی ہمت اور قوت باقی ہے۔ اور اگر اس کا حوصلہ
بڑھایا جائے۔ تو وہ قومی مشکلات میں قوم کا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔

معزز خواتین! قوم کی زیست اور موت کا انحصار تعلیم پر ہے اور
خاطر خواہ تعلیم جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ اپنی یونیورسٹی ہو۔ اگر ہم آج
قلمے قدمے درمے بزرگان قوم کی مسلم یونیورسٹی کی تکمیل میں مدد کریں
تو یقین ہے کہ جب ہم اپنا مطالبہ (تعلیم نسواں کا اعلیٰ درجہ کا مکمل انتظام
کرنے کا) کرینگے تو ہماری درخواست توجہ سے سنی جائیگی۔ بلکہ قوی
امید ہے کہ جب یونیورسٹی قایم ہو جائیگی تو ہماری التجا کئے بغیر ہی بزرگان
قوم لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا پورا پورا بند وبست کر دینگے۔

اس مجوزہ یونیورسٹی کا نام عام طور سے محمڈن یونیورسٹی مشہور کر لیا
جاتا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں محمڈن کی بجائے مسلم ہونا چاہیئے
محمڈن اور مسلم میں بظاہر کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں
بہت فرق ہے۔ محمڈن انگریزی لفظ ہے اور محمڈن کے معنی محمدی کے
ہیں نہ کہ مسلمان کے چونکہ حضرت عیسیٰ کے پیرو عیسائی کہلاتے ہیں اسلئے
عیسائیوں نے مسلمانوں کو بھی محمد صلعم کا پیرو سمجھکر محمڈن یعنی محمدی کر دیا۔

حالانکہ مسلمان اسلام کے پیرو ہیں - یہ بحث (محمدن اور مسلم کی) بہت بڑی ہے جنکو شوق ہو وہ کتاب سپرٹ آف اسلام (اس کے اُردو ترجمہ کا نام جوہر اسلام ہے) مصنفہ رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی کو ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر یہ کہ اس لحاظ سے کہ یہ مسلمانوں کی یونیورسٹی ہے لہذا اس کا نام مسلم یونیورسٹی ہونا چاہیئے۔ امید ہے کہ اکابر قوم اس مسئلہ پر غور فرماکر مجوزہ یونیورسٹی کا نام مسلم یونیورسٹی تجویز فرمائیں گے فقط

خاکسار

رضیہ بیگم مسعود الحسن

صد آفریں تیری ہمت پر اے سہارنپور!

اے سہارنپور میں تجھے تیری اس بلند ہمتی اور قومی ہمدردی پر جو تو نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے لئے دس ہزار روپیہ جمع کرکے ظاہر کی ہے نہایت خوشی اور تہ دل سے مبارکباد دیتی ہوں اور خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ وہ تجھے ہمیشہ اسیطرح نیک اور قومی کاموں میں شریک ہوکر نیک مثال قایم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ای سہارنپور تجھسے یہ اُمید نہیں تھی تو نے اپنی حیثیت سے بڑھکر اور اُمید کی خلاف یونیورسٹی میں چندہ دیکر نیک مثال قائم کی ہے نہایت خوشی کی بات ہی کہ اب تجھے بھی قومی کاموں سے دلچسپی ہونے لگی ہی اور تو بھی قومی ہمدردی کا اظہار کرنے لگا ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ تیری سنگدلی اور سرد مہری نے تجھے کوفہ کے خطاب کا مصداق بنا رکھا تھا یا ایک یہ زمانہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے چندہ میں عورتوں تک

نے بھی اپنے زیور اُتار کر دیدئے اور اپنی بلند ہمتی اور قومی ہمدردی
کی نیک مثال قایم کی خداوند کریم ان کو جزائے خیر عطا کرے۔
ای سہارنپور اگرچہ تجھے چھوڑے ہوئے بہت دن ہوئے مگر پھر بھی جب
تیری شرافت۔ تیری نیک نفسی تیری قومی ہمدردی سُنی تو بیحد خوشی حاصل ہوئی
اور بیساختہ زبان سے نکلا کہ صد آفریں تیری اس بلند ہمتی پر اے سہارنپور ا
اے سہارنپور شاید تجھے یقین نہ آئے مگر میں تیرے لئے خداوند کریم سے
دعا مانگتی ہوں کہ وہ تجھے دنیا میں قومی ہمدردی اور قومی کوششوں کی
زندہ مثال قایم کرکے سربلند اور معزز بنائے خدا جلد وہ دن لائے کہ
تو مہذب و شایستہ بن جائے سنگدلی اور سرد مہری کا بدنما دھبہ جو تجھپر
لگا ہوا ہے انقلاب زمانہ اس بدنامی کو تجھسے مٹادے آمین۔
مگر اس عرصہ میں اپنی حیثیت اور بساط سے بڑھکر جو کام تو نے کیا ہے اسکے
لئے تو تحسین و آفریں کے لایق ہے صد آفریں تری ہمت پر اے سہارنپور!

خاکسار
عالیہ بیگم
از حیدرآباد دکن

چاند خاتون

اس جری و دلیر خاتون کی حیرت انگیز جرأت وہمت کے فسانے
مورخین کے نوک زبان ہیں اور آج اسلامی دنیا ایسی خواتین کی بہادری
پر ناز کرنے کو تیار ہے۔ بیشک بقول مسٹر رام سروپ زمانہ ماضیہ کے تمدن
وشایستگی قابل لحاظ اور اسکی تاسی ضرور ایک حدتک فرض ہے کہ نئے زمانہ کی تہذیب

جس درجہ بھی پردہ نشینانِ حرم کی کمزوریاں دکھلائے انکا محض یہی نتیجہ ہے کہ ایسے اصحاب اپنی گذشتہ تہذیب و مدنیت سے ناواقف ہیں۔ آخر وہ کیا باتیں تھیں جو پہلی۔ عورتوں کو زیب النسا۔ رابعہ بصری۔ یا چاند خاتون وغیرہ وغیرہ کے ناموں کو چار چاند لگاکر شہرت کے آسمانوں پر چڑھا گئیں۔ کیا آج ہم میں وہ تہذیب نہیں آسکتی۔ بیشک پیدا ہو سکتی ہے لیکن ہم درمیانی کشمکش میں رہکر کچھ بھی نہیں کرسکتے یا تو پوری طرح انگلش ایٹیکیٹ کے پابند ہو جائیں یا قدیمی وضع کے ورنہ کہیں ہندوستان کی حالت پر یہ نہ کہنا پڑے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

چاند خاتون جب پیدا ہوئی واقعات پکار اُٹھے ہمت مردانہ مبارک زمانہ کی سیاست چلائی عقل وجرارت روبرو۔ استقلال نے خدمتگذاری کا بیڑا اُٹھایا۔

چاند خاتون حسین نظامی شاہ کی بیٹی۔ اور علی عادل شاہ کی بیوی تھی جبکہ عادل شاہ کو موت نے چاند خاتون سے جدا کر لیا تھا۔ چاند خاتون عالم بیوگی کے دن کاٹنے احمد نگر چلی آئی تھی۔ اور بیجاپور سے اسکو قلبی نفرت سی ہو گئی تھی۔

نظام شاہی خاندان دکن میں تقریباً ایک سو پندرہ برس حکومت کر چکا تھا اور اس خاندان کی یہ شیرانہ ہمت والی شاہزادی مایۂ ناز تھی۔

اکبر کو جب دکن فتح کرنے کی فکر تھی اور ہندوستان کے اور اور فتوحات سے اسے کسی قدر اطمینان ہو چکا تھا تو دکن پر خانخاناں اور شاہزادۂ مراد کو فوج لیکر بھیجا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب برہان نظام شاہ والیٔ تخت تھا۔ نظام شاہ نے فوجی جاہ وجلال سے اثر لیکر صوبہ برار اکبر کے

سپرد کر دینے کی نیت کی ہی تھی کہ اسکا ارادہ موت نے فسخ کر دیا یعنے
قبل اسکے کہ وہ صوبہ برار اکبر کے سپرد کرے مبتلائے مرض ہو کر جاں بحق
تسلیم ہوا۔ برہان شاہ کا جانشیں ابراہیم شاہ ہوا جسکو امرا نے قتل کیا۔ اب
اب منجھو خاں اہنگ خاں اور اخلاص ان تینوں میں حکومت کے لئے
جھگڑا شروع ہوا ہر ایک نے اپنا اپنا جُدا بادشاہ بنا لیا۔ منجھو شاہ کو جب کمزوری
محسوس ہوئی تو اسنے خان خاناں اور شہزادہ مراد کو خفیہ طریقہ سے
لکھدیا کہ یہاں باہمی لڑائی مچ رہی ہے۔ آپ آیئے ہم آپ کو احمد نگر کا قلعہ
سپرد کر دینگے۔ وہ تو موقع کے منتظر ہی تھے احمد نگر کی طرف کوچ کر دیا
لیکن جب منجھو خاں کا اثر قوی ہو چکا تو اسکو اپنی حرکت پر سخت ندامت
ہوئی۔ مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا خانخاناں نے راجہ جگناتھ راجہ
درگا وغیرہ کو بھی بلا لیا تھا اور اب معاملہ بہت نازک تھا۔

مگر چاند خاتون کے دل نے نہ گوارا کیا کہ میں اپنی آبائی حکومت
فنا ہونے دوں۔ اس نے بالجزم عزم کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سکے
سلطنت بچانا چاہیئے اور شجاعت وہمت کی ناک جسے بڑے بوڑھے رکھہ
گئے ہیں۔ ہرگز نہ کٹنا چاہیئے یہ سوچکر اس نے نہایت گہری تدبیر سے
پہلے تو اپنے مخالف سرداروں کو قلعہ سے باہر نکالدیا اور بعض کو عاملانہ
اصول سے ملا لیا۔ کچھ بیرونجات سے مدد مانگی اور قطب شاہ اور عادل
شاہ سے مدد دیں لیں۔ غرضکہ قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے غنیم کی
منتظر بیٹھہ رہی۔ ادہر سے خانخاناں اور شہزادہ مغلوں اور راجپوتوں
کا خونخوار لشکر لئے ہوئے پہونچے۔ دریائے شجاعت نے طغیانی کی
مصور عورت پر حملہ کیا مگر اسی کے ساتھہ ہی شاہزادہ مراد کو معلوم ہوا کہ

آصف خاں سرہنگ اور منچھو خاں ان سبھوں سے ملکر ایک مکمل اور بہت مضبوط فوج کر دی ہے اُدھر سے مخبر نے خبر دی کہ عادل شاہ والی بیجاپور نے خاتون کی مدد کو پچیس ہزار سوار روانہ کئے ہیں۔ حضرت کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ گھبرا گئے پھر دل میں یہ سوچا کہ قبل اس قوی مدد پہونچنے کے ہم سرنگوں کے ذریعہ سے قلعہ اُڑا دیں۔ چنانچہ تین سرنگیں قلعہ تک کھدوائی گئیں چاند خاتون غنیم کے اس ارادہ سے مطلع ہوئی فوراً بارود نکال کر اپنے قبضہ میں لائی اور دو سرنگیں فوراً بھروا دیں مگر تیسری سرنگ کی کارروائی ابھی ناتمام ہی تھی کہ شہزادہ مراد نے سرنگوں میں آگ لگوا دی۔ آواز ہوئی کہ اللہ کی پناہ زمین شق ہوئی کہ آسمان پھٹ پڑا۔ دھواں رفع ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ قلعہ کی پچاس گز دیوار غنیم کے استقبال کے لئے زمین پر فرش ہے۔ قلعہ والوں میں کھلبلی پڑ گئی قلعہ بھی گویا غنیموں نے دیوار گرتے ہی فتح کر لیا تھا۔ ادھر شہزادۂ مراد منتظر تھا کہ دونوں سرنگیں وہ بھی اڑیں تو راجپوتوں اور مغلوں کے لشکروں کا سیلاب قلعہ کی طرف بڑھے مگر سورما شجاعت مآب مستقل اور نہایت ہمت والی چاند خاتون مسلح ہو ہاتھ میں تلوار لئے گھوڑا چمکاتی ہوئی سامنے آئی جس طرف سے قلعہ کی دیوار گر پڑی تھی دم زدن میں سیکڑوں توپیں وہاں مہیا کر دیں اور فوج کو نہایت جراری سے لڑانا شروع کیا۔ بجائے دیوار کے قلعہ کے سامنے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور موت نے ہزاروں مغل اور راجپوتوں کو ہمیشہ کے لئے قلعہ بند مرگ کیا۔ شام کو شاہزادہ مراد فرودگاہ پر نامراد لوٹا۔ ادھر چاند خاتون نے قلعہ کی دیوار اُٹھوانا شروع کی صبح کو جب

خانخاناں اور مراد کی آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ بچاس گز لمبی دیوار تین ہاتھ بلند ہو چکی ہے۔ آخر شاہزادہ مراد کو فتح نہ نصیب ہوئی اگرچہ مہینوں خانخاناں اور مراد فوجیں لئے پڑے رہے اور کسی طرح قلعہ ملنے کی امید نہ تھی لیکن قلعہ بند فوج قلعہ میں رہتے رہتے گھبرا گئی۔ اور چاند خاتون کو مجبور کیا کہ صلح ہو جائے۔ آخر چاند خاتون نے مجبور ہو کر برار کا صوبہ اکبری حکومت کو نذر کیا اور خود چاند سلطان کا خطاب لیکر آج تک ماہ شجاعت اور آفتاب ہمت ہو کر چمکتی ہے۔ ایک یہی چاند خاتون کا مشہور فسانہ نہیں ابھی بہت سی ایسی ہی سچی کہانیاں ہیں مگر اونکا پتہ نہیں۔

زمانہ کی بات زمانہ کے ساتھ جس زمانہ میں ان باتوں کی قدر تھی لوگ لکھا پوچھا سنا بھی کرتے تھے لوگ آج کل تو ہندوستانی عورتوں کے لئے صرف نزاکت دلچسپی اور تعلیم پسند کرتے ہیں۔ ان کو ان واقعات سے کیا بحث۔ اللہ جنت نصیب کرے۔ میرے اُستاد مولوی خیراللہ صاحب مرحوم نے اپنے ایک فارسی رقعہ میں چاند خاتون کی بہادری کا ذکر کیا ہے۔ اسکا ترجمہ میں لکھے دیتا ہوں آجکل کے نوجوان کہیں گے کہ خط کاہے کو تھا شاہنامہ تھا مگر ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگلے زمانہ میں خط و کتابت میں بھی قابلیت صرف ہوتی تھی محض ڈیر مسٹر یا مختلف بے جوڑ عبارت پر اکتفا نہ تھی۔ عبارت آرائیاں ہوتی تھیں اور داد تحریر دیجاتی تھی۔ ایک شاگرد نے مولوی خیراللہ صاحب سے دریافت کیا تھا کہ چاند خاتون کون تھی۔ حضرت اوستاد نے ایک خط فارسی عبارتمیں لکھا رزم بزم کے حالات خوب دکھلائے گویا اسکا یہ منشا تھا کہ اس طرح لکھو اور سمجھو بھی۔ یعنے تعلیم کی تعلیم اور جواب کا جواب اسی خط سے میں

دو واقعات نقل کرتا ہوں۔

چاند خاتون کے شوہر کے عموماً لوگ دشمن ہو رہے ہیں اور یہ فکر ہے کہ دفعتاً حملہ کر کے عادل شاہ کو قتل کر ڈالیں عادل شاہ گو کچھ پرواہ نہیں کرتا تاہم وہ متوحش ہے اور تین روز سے برابر جاگ رہا ہے چاند اگرچہ شاہزادی ہے مگر شوہر سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہی کہ میرے سرتاج سو رہو مگر عادل شاہ کہتا ہے کہ موت کا انتظار رہی لڑ کر مرجانے دو وتم کل اپنے مائکہ چلی جاؤ اور مجھے موت اور خدا کے سپرد کرو چاند "میری جان بھی تم پر نثار ہو جائے گی جو تلوار تم پر آئیگی وہی میرا بھی سر قلم کرے گی۔ [۹]

عادل نے اپنی بیوی کی ہمت کی قدر کی اور باتیں کرتے کرتے سو گیا۔ بالاخانہ پر دھماکے کی آواز ہوئی۔ چاند خاتون نے اپنے شوہر کی تلوار اٹھائی صحن میں آئی جو دو شخص کمند ڈال کر عادل کے قتل کرنے کو آئے تھے ایک کا اس میں سے سر کاٹ لیا دوسرے کو زخمی کر کے گرا دیا مقتول اور زخمی کی جانکنی کی گھڑا ٹوں اور کراہ کی صداؤں نے عادل شاہ کو ہوشیار کیا۔ باہر نکلکر دیکھا تو بالاخانہ کا صحن خون کا حوض بنا ہوا ہے اور چاند ایک شخص کا سر کاٹنے سے (جسے پہلے زخمی کیا تھا) فراغت پا چکی ہے۔

محبت کرنے والے شوہر نے بیوی کی جرارت کا اعتراف گرمجوشی

---

[۹] آج ہی کل کا واقعہ ہی کہ میرے ایک دوست نے ایک تعلیم یافتہ لیڈی سے شادی کی میاں کو ہیضہ ہوا بیوی نے کہا کہ مریض کے پاس رہنا عمداً اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہی لہذا انہوں نے تا علالت شوہر دوسرا مکان لیا اور علحدہ رہیں سلے ماشاء اللہ۔ (شفیع احمد)

کے ساتھ کیا۔ اور کاری واروں کی داد ہاتھ چوم کر دی۔

چاند خاتون محافہ میں احمد نگر سے بیجا پور کی طرف آ رہی ہے ساتھ صرف محافظ ہیں گولکنڈہ حکومت کے فوجی سپاہیوں سے کہیں محافظ سپاہیوں سے حجت ہو گئی سپاہی آن بان والے ہوا کرتے ہیں۔ بس آپس میں کسی بات پر تلوار بھی کھنچ گئی۔ چاند خاتون کچھ لڑائی کے لئے تو آئی نہ تھی۔ محافہ کی محافظت کے لئے ایک سردار اور چند سوار تھے اور محافہ کے ساتھ چاند خاتون کی سواری کا کوتل گھوڑا۔ جب گولکنڈہ کے سپاہیوں اور محافظوں میں لڑائی ہونے لگی دم زدن میں گولکنڈہ کے سپاہیوں نے لاشوں کے ڈھیر لگا دئے چاند خاتون چٹ تلوار چمکا کر محافہ سے باہر نکلی (گویا نیام سے تلوار) گھوڑے پر چڑھ اپنے سواروں کے دل بڑھانے لگی اور خود بھی داد شجاعت دینے لگی گولکنڈہ کے سپاہی کچھ تو بھاگے اور کچھ یہ سنکر کہ یہ چاند خاتون ہے امان طلب ہوے۔

ناظرین۔ میں نے جہانتک تحقیق کی ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ چاند خاتون پردہ نشین تھی لیکن پردہ نشینی کی حالت میں اسکی صحت کیوں نہ خراب ہوئی اور اس میں اتنی جرأت و بہادری کیسے پیدا ہوئی؟ میں بھی حیران ہوں ذرا آپ بھی سوچئے؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پردہ میں تو صحت و تندرستی نہیں خراب ہوتی ہے اور نہ عورتوں کی قوتیں گھٹتی ہیں۔ البتہ تکلفات کے بڑھا دینے سے عورات کی تندرستی اور انکی جسمانی طاقتوں میں کچھ کمی پائی جاتی ہے۔

شفیع احمد

زنانہ حاضر جوابیاں

لفضلت النساء علی الرجال	فلو کان النساء بمثل ھذی
البتہ مردوں کی اوپر عورتیں فضیلت لیجاتیں	پس اگر اسکی طرح (سب) عورتیں ہوا کرتیں

اس سلسلہ میں دو عالمانہ مضامین رسالہ خاتون میں شایع ہو چکے ہیں جنہیں میں نے نہایت دلبستگی سے دیکھا۔ یقین ہے کہ دیگر ناظرات نے بھی پسند فرمائے ہونگے۔

خاکسار نے بھی سعی بلیغ کے بعد چند امثال مختلف کتب سے مستنبط کی ہیں جو ہدیہ ناظرات خاتون کیجاتی ہیں میں اپنی قابل بہنوں سے استدعا کرتی ہوں کہ وہ بھی ذرا سا درد سر گوارا فرماکر زنانہ حاضر جوابیوں کی نظائر فراہم کریں اور اپنے ہر دلعزیز رسالے میں شایع کرائیں۔

میری رائے ناقص میں اس مفید کام کو سہروردیہ بیگم صاحبہ مسز س۔م۔د صاحبہ اور بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ باحسن الوجوہ انجام دیسکتی ہیں معقول مثالیں مہیا ہو جائیں تو ہمارے بیدار مغز اڈیٹر صاحب انہیں ایک رسالے کیصورت میں مرتب فرمائیں لکھائی چھپائی تقطیع اور کاغذ بعینہٖ خاتون جیسا ہونا چاہیئے۔

یہ رسالہ صنف لطیف کی ذہانت و طبّاعی کا زندہ نمونہ ہوگا اور زنانہ لٹریچر میں گراں بہا اضافہ۔

زنانہ حاضر جوابیاں

(۱) شاہ اسمٰعیل صفوی[۵] نے ایک مرتبہ کسی شاطر شہزادے سے یہ شرط

[۵] خاتون کی کسی گذشتہ جلد میں ایک صاحب نے دلآرام کو جہانگیر بادشاہ کی بیوی لکھا ہے اور یہی لطیفہ بیان کیا ہے۔

بد کر شطرنج کھیلی۔ کہ ہارنے والا اپنی بیوی حریف کو دے سوٗ اتفاق سے بادشاہ ہارنے لگا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنی چاروں بیگمات کو پس پردہ بلا کر مشورہ کیا۔ کہ بحالت دیگر کون سی بی بی سے دست بردار ہو۔

پہلی بیگم "جہاں" تخلص نے فی البدیہ کہا۔

تو بادشاہ جہانی جہاں ز دست مدہ	کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید

دوسری بیگم المتخلص بہ "حیات" یوں درافشاں ہوئی

جہاں خوش ہست ولیکن حیات میباید	اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

تیسری بیگم جسکا تخلص "فنا" تھا کیا پختہ جواب دیتی ہے۔

جہان حیات ایں ہمہ بے وفاست	فنا را نگہدار۔ کاخر فناست

اب رہی چوتھی بیگم "دل آرام" اسکی ذہانت بھی سنیئے یہ تینوں اپنی اپنی برتیت کی کوشش کر رہی تھیں مگر دلارام شطرنج کا نقشہ دیکھ رہی تھی اسنے صرف ایک شعر میں چاروں کو بچا لیا اور جواب بھی دیدیا۔ کہتی ہے۔

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام رامدہ	فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

(۲) دولت نامی ایک نابینا عورت سمرقند کی رہنے والی تھی۔ جب تیمور لنگ نے سمرقند کو تاراج کیا تو اتفاقیہ ایک بار اسکا گزر معہ سپاہیان لشکر دولت کے سامنے ہوا تو اسنے بالبدیہ یہ شعر پڑھا۔

آتشے در شہر سمرقند باد	دیں تمر لنگ چرا اسپند باد

یہ شعر تیمور نے بھی سن لیا فوراً دربار میں طلب کیا اور نام دریافت کیا اس نے کہا "دولت" امیر نے فرمایا دولت تو اندھی نہیں ہوتی اس

بیباک خاتون نے جواب دیا کہ اگر آندھی نہ ہوتی تو لنگڑی کے پاس کیوں آتی ؟ آفریں۔

(۳) ایکدفعہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے نئے لباس کو لعل کے تکموں سے مزین فرمایا تو نور جہاں بیگم نے برجستہ کہا۔

شدست قطرۂ خوں منت گریباں گیر		ترا نہ تکمہ لعل است در لباس حریر

(۴) ایکبار شاہجہاں تفریحاً لب دریا پہ کھڑے مناظر دلکش کی سیر کر رہا تھا شہنشاہ کی منظور نظر بیگم ارجمند بانو بھی موجود تھی شاہجہاں نے امواج بحر کیطرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے فی البدیہہ جواب دیا

از ہیبت شاہ جہاں سر مینزند بر سنگہا

(۵) نور جہاں نے دمدار ستارہ دیکھکر بالبدیہہ جہانگیر سے کہا۔

ستارہ نیست بدیں طول سر برآوردہ   فلک بشاطری شاہ سر برآوردہ

(۶) دنانیر یحییٰ بن خالد برمکی کی خوش آواز کنیز تھی وہ ایک دن اپنے آقا کے ہمراہ گلگشت چمن میں مشغول تھی کہ یحییٰ نے پھولوں کی تعریف میں ایک شعر موزوں کر کے دنانیر سے جواب طلب کیا۔

فتمتعوا بالحظ منه		الورد احسن منظرا
پس اسکے لطف دید سے فائدہ اٹھاؤ		پھول کا منظر خوب تر ہے

دنانیر نے فی الفور عرض کیا

ورد الخل ودنیوب عنه		فاذا انقضت ایامه
تو مصیبتیں اسکی جگہہ لینگی		پس جب اسکے ایام (بہار) گزر جائینگے

عورتوں کے لئے فائدہ نہیں دے سکتا۔ اُن کو تو وہ تعلیم فائدہ دے سکتی ہے جو اخلاق کو درست کرنے والی اور باہمی فرق امتیازی کو قایم کرنے والی ہو خواہ وہ دیہاتی زبان میں ہی کیوں نہو۔

مولوی عبدالراشد الخیری پرانے مضمون نگار ہیں اور ہم اُنکی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ زبان کے خرچ کے سوا کوئی بات مضمون میں پیدا نہیں کر سکتے۔ نہ ہم اُنکی غیر بلند خیالی کی نسبت کوئی رائے قایم کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارا منشا ذاتیات کی بحث نہیں۔ ابھی تک ہمکو یہہ خبر ہی نہیں کہ ہماری موجودہ تحریر کہاں تک وقعت سے دیکھے جانے کے لایق ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہمیں زرا افسوس نہوگا اگر اہل الرائے حضرات نے اس کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ کیونکہ ہم اپنے خیال میں فرقہ نسواں کی فائدہ رسانی کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ہی اس امر نے ہمیں بے خطر کر دیا ہے کہ جبکہ اخبار و رسائل اظہار خیالات کا ذریعہ ہیں تو ہمارے لئے کونسی قباحت ہو سکتی ہے۔

"لڑکیوں کی انشا" جس سے ہمارا عنوان مضمون نمایاں ہے اُس کتاب کا نام ہے جو مولوی عبدالراشد الخیری نے عصمت ایجنسی کے لئے لکھی ہے اور چھپ کر ملک میں شایع ہو چکی ہے ٹائیٹل پیج کتاب کا ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

لڑکیوں کی انشا

جسمیں

خط و کتابت کے طریقہ سکھانے کے علاوہ خطوں کے ذریعہ سے

کنواری بچیوں کو نہایت ضروری اور کام کی باتیں بتائی گئی ہیں۔
صفحہ ۲۰ پر چھوٹی بہن کے نام ایک خط ہے جو ذیل کی عبارت سے شروع ہوتا ہے۔
واہ ری کلجبی بھائی کو کوستی ہوئی کیا اچھی معلوم ہوتی ہے میرا بس چلے تو تجھ نامراد کوستی کا منہ جھلس دوں۔
سبحان اللہ محاورات دلی کی نمکینی ظاہر کرنے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔
"عمر بھر ننگا تھورا"
کنواری بچیوں کے لئے کیا مہذب تعلیم اور کیا نادر انشا ہے ہر لفظ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔

گر ہمیں مکتب است وایں ملا		کار طفلاں تمام خواہد شد

"بیوقوفی اسی کی ہے کہ اپنے بچوں سے زیادہ بٹھایا باپ کی طرح سر پر ہاتھ رکھا ماں کی طرح کلیجہ سے لگایا اس کا بدلہ یہ کہ تو منہ بھر کوسے مر جائے تو کوستی چڑیل اس کا ٹنک پھوٹ پھوٹ کر نکلے گا"
ہر لفظ بلکہ ہر نقطہ حرف مرقع تہذیب و متانت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خط کو بھٹیاریوں کی تو تو میں میں سے تشبیہ دیجائے یا دھوبنوں کی لڑائی سے۔ تعلیم تو نہایت اچھی ہے افسوس
"فاروقی بندی جاتی کہاں ہے اللہ چاہے کیڑے ہی پڑیں اور کوئی چننے والا نصیب نہو"
مولانا کے یہاں باہمی خط و کتابت خصوصاً بڑی بہن کا خطاب چھوٹی بہن سے (خواہ وہ کیسی ہی خطا وار کیوں نہو) اسی طور سے ہوتا ہوگا اور ایسے ہی رکیک الفاظ سے جو کسی شریف کی زبان قلم پر تو کیا زبان

سے ہی نہ نکلے ہوں گے چھوٹی بہن سے خط وکتابت کیجاتی ہوگی اور شاید تعلیم کابھی اثر ہوگا کہ بجائے معقول طور سے اُسکو اُس کی نازیبا حرکت پر منفعل کرنے کے جاہلانہ باتیں سنا کر اُسکو آیندہ کے لئے مقابلہ کا موقعہ دیا جاتا ہو شرم

"ڈیکھ لیجو در در کی بھیک ہوگی اور ٹکڑا نصیب نہ ہوگا موئی نمک حرام جس"
"ہنڈیا میں کھائے اُسی میں چھید کرے اللہ رکھے اُس کے آگے ہی تو دودو"
"بیٹیاں ہیں یا اُن کو باہر کر تیرا بھرنا بھرے جائے کس دل سے ناگن تو نے"
"بھائی کو کوسا اُس کا تو اللہ چاہے رواں ہی میلا نہ ہوگا اُلٹ مُسلٹ کر سارے"
"کوسنے تجھپر ہی پڑیں گے اپنے بچوں کے کپڑے بنا دیتا اور تیرے نہ بناتا"
"تو موئی پاپن تو کتی ہوئی ہی اچھی لگتی"۔

ہم نے بخوف طوالت تمام خط کی نقل نہیں کی۔ ناظرین انصاف کریں اگر خط وکتابت کے سکھانے کے لئے یہ ہی طریقہ موزوں ہے تو خیر۔ ورنہ ایسی فضول اور بیکار کتابیں جس کے پڑھنے سے لڑکیوں کو لاطائل محاورہ نویسی کا شوق پیدا ہوا اور اپنی چھوٹی بہنوں کے ساتھ اس طور سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہو اس قابل ہیں۔ کہ تجلیات ناریہ اُن پر اپنا پرتو ڈالکر قبول کریں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ انشائے ہادی النسا جیسی صاف ستھری کے ہوتے اور مولانا ڈپٹی نذیر احمد کی تصنیفات کے ملک میں موجود ہونے کی کہاں تک (بحالت موجودہ) اس کی ضرورت تھی مولوی عبد الراشد الخیری مصنف انشا ہمیشہ سے ڈپٹی نذیر احمد صاحب مدظلہم کے نقش قدم پر چلنے کے عادی مشہور کئے جاتے ہیں لیکن محاورات کا استعمال جس سے کوئی نتیجہ سوائے

فضول جملوں کی بھرمار کے نہ نکلے مضمون کو وقیع کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔

ہمیں مصنف انشا جیسے ممتاز اہل قلم کے یہ جملے لڑکیوں کی انشا میں جسکا دعویٰ یہ ہو کہ۔

"علاوہ خط وکتابت کے طریقے سکھانیکے کام کی باتیں بتائی گئی ہیں"

افسوسناک معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے باوجود اس قدر یگانہ اخلاص کے جو ہم ممدوح سے رکھتے ہیں مجبور ہو گئے کہ اپنی افسوس بھری آواز کو پبلک کے کانوں تک پہونچادیں۔

یہ کتاب ۹۲ صفحات کی چھوٹی تقطیع پر ہے جس کی قیمت بھی بلحاظ اُس کے کمزور کاغذ کے ۸؍ بہت زیادہ ہے مذکورہ بالا اقتباس صرف ایک خط کا ہے اسی رنگ میں اور چند خطوط بھی ہیں جنکا لکھنا بیکار سمجھا گیا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ عصمت ایجنسی کسی مفید انشا کو اعلیٰ پیمانہ پر چھاپ کر ملک میں شایع کریگی اور اس نہایت تھوڑے صفحات کی جگہہ کوئی اچھے صفوں کی کتاب اور بجائے اس زیادہ قیمت کے جس کا بار نئے شوق والی لڑکیوں پر ناگوار اور ناریبا ہے اُس کو مناسب قیمت پر فروخت کرے گی۔

مولانا سے بھی التجا ہے کہ آیندہ وہ اپنے پاکیزہ محاورات کو ایسے طریقہ پر صرف کرینگے جس سے کنواری لڑکیوں میں متانت و تہذیب کا مادہ پیدا ہو کر انکو کام کی باتیں حاصل ہوں نہ کہ بیہ بیکار تو تو میں میں۔

راقم مقبول احمد نظامی سیوہاروی

دوستی

اگرچہ طبائع بشری میں دوستی یا میل جول ایک حد تک درجہ اہمیت میں مانی گئی ہے۔ لیکن تاہم ہر ایک دماغ اس قابل نہیں کہ اس کے نکتہ عمیق تک بآسانی رسائی حاصل کر سکے۔ بغیر اس مرحلے میں قدم رکھے انسانی زندگی کسی حالت سے بسر کرنا بادی النظر میں بعید از امکان معلوم ہوتا ہے۔ انسان بجائے خود مجبور ہے اس امر پر کہ وہ بغیر میل جول اور اتحاد کے محض سادگی یا بالفاظ دیگر تنہائی میں زندگی نہیں گذار سکتا۔

ہزار شربت شیرین و میوۂ مشموم	چناں مفید نباشد کہ بوی صحبت دوست

دل کا ایک فیاض جذبہ دوستی ہے۔ غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم طفلی سے ایام پیری تک شاذ ہی کوئی شخص ایسا گذرا ہو کہ جبکہ زمانۂ حیات میں موافق اوسکے خیالات و حالات کے احباب نگذرے ہوں۔

دوستی ایک دلی اتفاق ہے درمیان دو شخصوں کے جو قریب قریب ہمسن و ہمخیال ہوں۔ انسان ایک آشنا مزاج مخلوق ہے۔ یہ ایک طبعی خاصیت ہے انسان کی۔ ملنا اور محبت کرنا ساتھ دوسرے اشخاص کے بخلوص دل۔

دوست دو طبقہ میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اول عام۔ دوم خاص۔ عام کے درجے دو ہیں۔ ایک وہ کہ اسمیں کل بنی نوع انسان شامل ہیں۔ مثلاً ہنود مجوسی۔ یہود۔ اور نصاریٰ وغیرہ وغیرہ۔ اسواسطے کہ علی العموم اگر کوئی شخص باوجود غیر مذہب ہونیکے روبرو آجاوے تو بلا سبب ہرگز اس سے ایسی نشانیاں صادر نہونگی کہ جو علامت دشمنی پر مبنی ہوں کیونکہ اس کی

کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس سادہ دلی سے ملنا کچھ صرف یہیں پر نہیں موقوف ہے۔ بلکہ جو کوئی نا آشنا اور غیر مذہب والے سے سابقہ پڑے گا تو اُس سے بھی اسیطور پیش آنا انسان کا فطرتی خلق ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملے تو بکشندہ پیشانی ملنا غیبت میں درپئے بُرائی نرہنا۔ قول وفعل سے حتی المقدور رنج وتکلیف نہ دینا۔ جہانتک ممکن ہو بلا وجہ ملول خاطر نکرنا۔ اگر بہتری کی توفیق نہو تو بدی کا باعث ہرگز نہونا۔ درمیان گفتگو کے نرمی کا خیال کرنا۔ کسی امر پر حد سے تجاوز نہونا۔ ردّ وبدل بیجا نکرنا کہ اس سے کج خلقی کی نمایاں جھلک ظاہر ہے۔ یہ شرایط ہیں اُن کے واسطے جنسے محض شناسائی ہو۔

خاص دوستی جو ایک قابل قدر اور لایق فخر جملہ ہے۔ اُسے دو طبقے میں منقسم کرنا گویا ایک طرح سے اسکی توہین کرنی ہے۔ لہذا درجۂ واحد میں رکھنا ٹھیک ہے جو ہر ذاتی انسان کی طبعی خاصیت ہے۔ یہی خصوصیت وہ ہے کہ ایک دوسرے کے اسرار کو آپس میں مخفی رکھنا ایک حد تک اپنے دائرۂ صفت سے خارج رکھتی ہے۔ باوجود اسکے کہ اپنے خاص بھید کو ہرگز کسی کے گوش زد کرنا گوارا نہیں ہوتا۔ لیکن اُن شخصوں میں جن کے سر درجۂ مخصوصیت کا تاج بڑے آن بان سے بصد اعتبار دمک رہا ہے جبتک راز سے آگاہ نکرکے خوشی ورنج کے مطابق اُن سے جواب نہ سُن لیں انکو چین نہیں آتا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جنکی دیدار سے مسرت اور گفتار سے فرحت لاکلام حاصل ہوتی ہے۔

دلی دوست وہی شخص ہوتا ہے جو اپنے دوست کی دلجوئی۔ جستجوئے آرام اصلی۔ راحت لازمی۔ غمخواری۔ اور رازداری نیز عیب پوشی میں

حق الامکان بدل کوشان رہے آپس کی خاطرداری بے غرضی بنا ہے سچی دوستی کی۔ علاوہ بریں نیک نیتی و نیک خصلتی بھی اشد ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ دو بڑے شخصوں کی دوستی کو زیادہ عرصے تک قیام نہیں ہے سچی دوستی میں بہت کچھ برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اپنے دوست کی غلطی و ناکامیابی کو ایک صادق دوست برق کی فوری تیزی کے مانند بہت جلد محسوس کر کے متاثر ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ساعی رہتا ہے کہ اپنے دوست کو بُرائی سے محفوظ رکھے اور مطابق خیالات وسیع کے اسباب کی ذرایع کا متلاشی رہتا ہے کہ اُسے شادان و فرحان ہمیشہ دیکھے۔ درمیان سچے دوستوں کی خوشی زیادہ پائی جاتی ہے بہ نسبت غم کے زندگی بلا دوست گویا طعام بے نمک ہے۔

جھگڑا اور بناوٹی بزرگی دوستی کو کاٹ دیتی ہے۔ بیجا اور فضول غصہ بے موقع خوشی کی امید دوست سے رکھنا یہ بھی اک باعث ہر دوست کی برگشتگی کا۔ سخت دل لگی اور بے ادبی اکثر دوستی میں زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ علاوہ اسکے اکثر موقع میں خلاف رائے سے بھی انقطاع دوستی کا سبب ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لازم ہے کہ دوست منتخب کرنے کے قبل اسکے اخلاق و عادات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ یہ امر از بس شاق ہے کہ بعد دوستی کے بیوفائی اور جدائی ہو۔ جس سے کہ دلوں کو نہایت متاثرانہ صدمہ پہونچتا ہے۔ شیخ سعدی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

سعدیا سہلست با ہر کس گرفتن دوستی
لیک چوں پیوند کردی پارہ کردن مشکل است

دوستی کے قایم اور منقطع کرنے میں ہرگز عجلت کو جگہہ دینی نہیں چاہیئے
عموماً اکثر اشخاص اسطرف بہت کم خیال کرتے ہیں اور دوستی ہوتے ہی
اول ہی اول قبل اسکے کہ اُسکے خصائل سے کچھ واقفیت ہو محض بے پروائی
سے اسکے آگے اپنے مافی الضمیر اور رازکے اظہار میں کوتاہی نہیں
کرتے۔ جھٹ پٹ ایسی بے تکلفی پیدا کر لیتے ہیں کہ گویا وہ کبھی غیر ہی نہ تھے
اور چشم زدن میں دوستان دیرینہ کے زمرے میں نام درج کرلیا
جاتا ہے۔ لیکن ایسے اشخاص کو اپنی تعجیل کا ثمرہ بھی فوراً ملتا ہے۔ بعد
نقصان اُٹھانے کے جب گویا خواب غفلت سے چونکتے ہیں تو اپنی بیوقوفی
و نادانی سے پشیمان اور نفرت کناں ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنی کی بات
ہے کہ جلدی کی پیدا کی ہوئی دوستی ٹوٹتی بھی جلدی ہے جب دوستی بندھگئی
تو اُسکی بقا کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نکرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر دوست
سے تنازع وقوع پذیر ہو کر تعلق کی شکستگی ظہور میں آئی تو دوست ہاتھ سے
گیا دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ گروہ دشمناں میں ایک بہت بڑے دشمن کا
اضافہ ہو جائے۔ جسمیں کہ کئی صورت سے نقصان و فوائد اسکے قبضے میں
ہیں۔ کیونکہ وہ رازدار ہے اسلئے اسدم سوائے دلی کوفت اور پچھتانے
کے جو سراسر بیحاصل ہے کیا ہو سکتا ہے۔ وقت از دست رفتہ و
تیر از کمان جستہ کا ہو بہو معاملہ ہے۔ یاد رہے کہ ٹوٹے ہوئے تاگے کو
جوڑنا قریباً ناممکن ہے بالفرض گانٹھ بھی دیدی جائے تو یہ گرہ زمانہ کی
یادگار ہو کر مثل خار کے ایک ناگوار خلش کے ساتھ دلونمیں کھٹکتی رہیگی۔
اور وہ باہمی صفائی جو قبل از شکست تھی پھر ہونی غیر ممکن ہے۔

یہ بات بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ کہ جب دو شخصوں میں نئی دوستی

شروع ہوتی ہے۔ تو ازل ہی وہ دو شخص ایک دوسرے کے از حد خواہاں رہتے ہیں۔ اس حالت میں جانبین میں سے کوئی شخص بھی اپنے راز۔ اسرار۔ اور خیال کو اُسکی حضوری میں پیش کرنے میں کسیطرح سے دریغ نہیں کرتا۔ پھر جب یہ دوست ایک دوسرے کے نہاں وعیاں خصلت اور ظاہر و باطن عادت سے واقف ہو گئے۔ اور بطور سابق بدل راغب رہی تو جاننا چاہیئے کہ اب ان دونوں کی دوستی بیخ بن سے مدت العمر تک مضبوط ہو چکی۔ اور خدا نے چاہا تو تا دم مرگ بغیر واقع ہونے کسی قسم کے واقعات و عجائبات کے یکساں رہیگی۔

دوستی بنانے میں ہمسری رتبہ کا خیال ضروری ہے۔ اسواسطے کہ اپنی حیثیت سے زیادہ صاحب دولت سے دوستی رکھنا۔ اور موافق اُسکے وقت کے خاطر تواضع ادا نہونے کی وجہ سے اپنی فروتنی محسوس کرنیکے بعد شرمندگی سے ملول خاطر رہنا رنجیدہ ہے۔ اور لوگ اُسے طامع اور حریص گماں کرتے ہیں۔

رفاقت اپنے سے بدکی زیورِ دل پر زنگار چڑھاتی ہے۔ از روئے انسانیت یوں تو ہر فرد بشر بھائی اور دوست ہے لیکن یہ منشائے الٰہی کے خلاف ہی کہ ہر ایک سے ایک ہی طرح سلوک کیا جائے۔ ساتھ ہی اسکے یہ مخفی نر ہے کہ اپنے سے بہتر خصائل والے اور نیک کی صحبت صیقل کا کام کرتی ہے زنگ آلود دل پر۔ کم حیثیت شخص سے دوستی رکھنی اکثر باعث تکبر ہوتی ہے۔ اور بیشتر موقع میں محض اپنے سر و لب کی جنبش کو کافی معاوضہ سمجھتے ہیں۔

عاقل و دانا بشر مہیا کرنا دوستی کے لئے چنداں لازمی نہیں۔ صاف

باطن اور پاکیزہ خیال انسان بہتر ہے۔ اسپر کسی دقیقہ رس طبیعت نے کیا حسب حال تمثیل دی ہے "ایک معمولی دہات کی۔ لیکن مضبوط پرزوں کی ٹھیک وقت دینے والی گھڑی رکھنا ازبس مفید ہے۔ سنہری کیس والی کی نزاکت تمہیں بجز تکلیف حفاظت و نگہبانی کے کوئی فائدہ نہیں دیسکتی"۔ عقلمندوں کا کام تو کتابوں سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

"دوستی" کہنے کو تو صرف ایک ہی لفظ ہے۔ مگر اس میں ہزاروں اسرار لاکھوں راز پوشیدہ ہیں۔

تین قسم کے دوست دنیا میں موجود ہیں۔ جانی۔ زبانی۔ اور نانی دوست جانی وہ ہیں جو بھلائی کے مدام خواہاں اور تدابیر دقیق میں ہمیشہ کوشاں۔ اور واسطے امداد کے کمربستہ ہوں۔ بوقت ضرورت جانبازی تک آمادہ ہوں۔

زبانی وہ لوگ جو اپنی نمکین لاف وگزاف اور سخنہائے شیریں و پر الطاف کو صرف کانوں ہی تک محدود رکھیں۔ نہ کبھی ایفائے وعدہ کا ارادہ نہ کبھی امداد کو آمادہ۔ ایسوں کی دوستی محض ہاں میں ہاں ملانے تک کی ہوتی ہے جسکی کچھ قیمت نہیں۔

دوستان نانی استغفراللہ نام لینے کے بعد کلی کرنیکو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ یہ گروہ خود پرست طبیعت کے بندے ہیں انکی خودغرضی کا دہن اسقدر کشادہ ہے کہ پناہ بخدا۔ انکے خود پرستی کا شکم ظلمت کا غار ہے انکی ہر ایک بات میں دغا ہوتی ہے۔ اپنی ضرورت کے وقت حقیقی برادر صادق دوست۔ اور خالص مددگار بن جاتے ہیں۔ لیکن برعکس اسکے دوسرے کے معاملے میں بالکل بدل کر غیر سے بھی ابتر دکھائی دیتے ہیں۔ المختصر

تابمقدور ایسے خالم صیادوں سے حذر کریں۔ محض کلام ہائے پرُ فریب پر نہ بھول بیٹھیں۔

یہ چند باتیں بعد از عمل استحکام دوستی کیواسطے فائدہ مند ہونگی

(۱) گھر کا راز دوستوں پر آشکار نکرنا چاہیئے۔

(۲) درمیان دوستوں کے حتی الامکان قرض لینا یا دینا مناسب نہیں۔

(۳) چاہیئے کہ ہمیشہ احباب کے آگے ظاہر و باطن صاف رہے جس طرح کہ میلا جسم موجب کراہت ہے۔ اُسیطرح میلا دل باعث حقارت ہے۔

(۴) دوستوں کو افسردہ نکرنا چاہیئے۔ گفتار میں ہمیشہ نرمی و خندہ روئی ہو مابین گفتگو کے مخالفت و مباحثہ پیش نہو۔ دم خفگی تحمل ضروری ہے۔

(۵) دوستوں کی شکایت اور انکے خلاف کوئی بات غیر کی زبانی سُننا کبھی جائز نہ رکھا جاوے۔

(۶) دوستوں کے روبرو ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا سبب رنجش و دل شکستگی کا ہے۔

(۷) مطابق خصلت بشری کے اگر کچھ رنجش واقع ہو تو اُسکی جانب سے منتظر رہنے سے پیشتر خود جاکر معافی کی درخواست کرنی لازمی ہے

(۸) جملہ شکوک جس قدر جلد ممکن ہو رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(۹) باعتبار مختلف طبائع کے دوست اگر ہر قول و فعل میں ہمخیال نہو تو بُرا ماننا نامناسب ہے۔ کیونکہ ایک قسم سے یہ بھی اُسکی آزردگی کی وجہ بن سکتی ہے۔

(۱۰) اگر خدا ناکردہ کچھ تکلیف یا حاجت ہو تو بیشک دوستوں سے طالب

امداد ہونا از بس ضروری امر ہے۔ لیکن معمولی اور بالکل وہمی تکالیف کے واسطے ہرگز دقت میں نہ ڈالنا چاہیئے۔

(۱۱) اپنے احباب کے واسطے بصدق قلب بارگاہ قاضی الحاجات سے طلبی کرنا نہایت عمدہ ہے۔

بعض اشخاص اس طور کے ہوتے ہیں کہ پہلے پہل خود اپنی خواہش سے دوستی شروع کردیتے ہیں اور اس درجہ انسیت سے پیش آتے ہیں کہ بیچارے نئے بنے ہوئے دوست کو اسکی خبر اصلا نہیں ہوتی۔ لیکن آخر جب رفتہ رفتہ واقف ہوجاتے ہیں اور اُنکے دلی خیالات و التفات کو سمجھتے ہیں تو وہ اول الذکر دوست سے بڑھکر بصد انکسار اُسکے دوستی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور ایک ایسے دوست کے اچانک حصول سے ایسے شادکام ہوتے ہیں کہ گویا نعمت غیر مترقبہ ہاتھ لگ گئی۔ ساتھ ہی اسکے اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوکر اُسکی ہر طرح سے خاطر کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں وہی اول الذکر شخص بخیال اسکے کہ یہ دوستی کب تک اور کہانتک کھینچنی پڑے گی دل میں اسے گرانبار سمجھکر کھلے اور صاف لفظوں میں کہدیتا ہے کہ "دوستی اب اس قدر رکھنا کیا ضرور ہے۔ آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے سے عام طور پر ملتے رہیں گے" اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بے قصور موخر الذکر شخص کے بے خبر دل میں اس جملے نے کیا کیا۔ لیکن بدیں خیال کہ رشتۂ دوستی پہلے اول الذکر نے شروع کیا ہے اسواسطے بجائے کچھ کہنے کے صدمۂ دلدوز لئے ہوئے خاموش رہجاتا ہے۔

آجکل کے اس فریب دہ اور دغاباز دنیا میں دوستانِ باصفا و محبانِ بے ریا کی دستیابی بہت دشوار ہے۔ یہ قسمتوں کی بازی ہے کہ موصوف بہمہ صفت دوست ملجائے

خاکسار

ح - خ

اڈیٹوریل

ہندوستان کی قوموں میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ وہ بیوہ کی دوسری شادی نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے پہلے عورتیں مردوں کے ساتھ ستی ہو جاتی تھیں۔ اور یہ ایک بہت بڑا کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب سے علم و عقل نے ہندوؤں کی آنکھیں کھولیں اسوقت سے وہ سمجھنے لگے کہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہی۔ اور اس سے قومی اور ملکی ہر طرح کا نقصان ہی۔ چنانچہ اب تعلیم یافتہ ہندو اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ شادی بیوگان کا رواج قایم کریں۔ حال میں سیالکوٹ کے تیجا سنگھ مندر میں کھتریوں کا ایک جلسہ بیواؤں کے حقوق پر غور کرنیکے لئے منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں قرار پایا کہ بیوہ کا عقد ثانی ضروری سمجھا جائے اور بڑی عمر کی بیوہ عورتوں کی شادی دوبارہ کرنے میں کچھ مزاحمت نہ کی جائے۔ مختلف سبھائیں اور انجمنیں اسکے لئے کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن چونکہ مدتہائے دراز سے ہندوستان کی قوموں میں بیواؤں کی شادی نہ کرنیکا رواج رہا ہے اسلئے عام طور پر لوگ ابھی اس نئے خیال سے جھجکتے ہیں۔ لیکن امید ہو کہ اگر کوشش کرنے والے سچے دل سے کوشش کرینگے تو وہ ضرور کامیاب ہونگے۔

ہندوستان کے بعض مسلمان گھرانوں میں بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی بیوہ عورتوں کی شادی نہیں کرتے مگر انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن میں اللہ تعالی نے کھلے الفاظ میں حکم دیا ہی کہ "وانکحوا الایامیٰ منکم" بیوہ عورتیں جو تم میں ہوں اُن کی شادیاں کردو۔

اسلامیہ گرلز اسکول۔ ملتان میں بہت عرصہ سے تجویز تھی کہ ایک اسلامی مدرسہ نسواں جاری کیا جائے۔ اب معلوم ہوا کہ اسلامیہ گرلز اسکول کے نام سے وہاں ایک مدرسہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بننے والا ہے اسکا بنیادی پتھر بھی رکھا گیا ہی۔

سکھوں میں تعلیم نسواں - سکھوں کی قوم ایک سپاہیانہ اور بہادر قوم ہے۔ زمانہ دراز سے فنون سپہگری اور فوجی خدمت انکا خاص شیوہ رہا ہے۔ اب بھی گورنمنٹ برطانیہ کے وہ نہایت اچھے سپاہی گنے جاتے ہیں کچھ عرصہ سے ان کے لیڈروں نے زمانہ کی رفتار کو نہایت دور اندیشی کے ساتھ سمجھ کر اپنی قوم میں تعلیمی کوشش شروع کی۔ کیونکہ آیندہ اسی قوم کو ترقی اور عروج کی اُمیدیں رکھنی چاہئیں جو تعلیم یافتہ ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری سمجھا کہ لڑکیوں کو بھی تعلیم دیں۔ کیونکہ یہی لڑکیاں آیندہ قوم کی مائیں بنینگی۔ اگر یہ تعلیم یافتہ ہوجائیں گی تو آیندہ نسل کی تعلیم میں بہت کچھ آسانیاں ہوجائیں گی۔ اسلئے ان لوگوں نے عورتوں کی تعلیم کیلئے سخت جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ مثلاً یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ سکھ کنیا مہاودیالہ کے بانی و مہتمم بھائی تخت سنگھ نے جب دیکھا کہ انکے مدرسہ کیلئے کافی سرمایہ نہیں ہے اور کام چلتا ہوا نظر نہیں آتا تو فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عہد کر لیا کہ جب تک پچاس ہزار روپیہ نقد اپنے مدرسہ کے لئے جمع نہ کر لونگا اسوقت تک نہیں واپس آؤنگا۔ چنانچہ اب وہ مختلف مقامات کا دورہ کر رہے ہیں۔ اور سکھ سردار صاحبان اس ہمت والے کارکن کی فیاضی سے مدد کر رہے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نابھہ نے بھائی تخت سنگھ کو سات ہزار روپیہ چندہ عطا فرمایا ہے۔

ہم جہانتک دیکھتے ہیں سکھ سردار سچے دل اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور وہ زمانہ ہمکو دور نہیں معلوم ہوتا جب سکھوں کی قوم علمی اور عملی ترقی کے بام پر پہونچ جائیگی۔

کھوپرا اور مصری - پیسہ اخبار لکھتا ہے کہ مضافات لاہور میں ایک مسلمان بھائی بہن کسی گانوں کو جا رہے تھے۔ اتفاقاً راستہ ہی میں بھائی کو طاعونی بخار بڑی شدت سے

آگیا۔ بہن سخت پریشان ہوئی۔ اتنے میں اُدھر سے کسی درویش کا گذر ہوا اسنے مریض دیکھکر اسکی بہن سے کہا کہ میں اسکے پاس بیٹھتا ہوں تو کہیں سے کھوپرا مصری تلاش کر لا اور اسکو کھلا۔ بہن بہ ہزار مشکل اس پریشانی میں کھوپرا مصری کہیں سے تلاش کر کے لائی درویش نے اسپر کچھ پڑھکر پھونکا پھر وہ اسکے نیم جاں بھائی کو کھلائی گئی۔ آخر وہ اچھا ہو گیا۔ فقیر نے کہا کہ اس موسم میں جو بہن اپنے بھائی کو کھوپرا اور مصری کھلائیگی اسکا بھائی طاعون میں مبتلا نہو گا۔ یہ قصہ لاہور کی گلی گلی میں مشہور ہو گیا۔ تمام بہنیں اپنے اپنے بھائیوں کو کھوپرا مصری لے جا کر دیتی ہیں۔ اور اسکے عوض میں بھائی سے جو کچھ ہو سکتا ہی اپنی بہن کے ساتھ سلوک کرتا ہی اب گویا یہ ایک رسم نئی ہو گئی ہی۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی شریف میں فرمایا ہے کہ

ہر چہ گیرد علتی علت شود	کفر گیرد کاملے ملت شود

بیگم صاحبہ بھوپال ۔ آٹھ اپریل کو ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال معہ صاحبزادہ کرنل حافظ عبید اللہ خانصاحب صاحبزادہ حمید اللہ خانصاحب بغرض شرکت دربار یورپ کو روانہ ہو گئیں۔ ہر ہائینس کا سرسری طور پر پروگرام یہ ہی کہ پندرہ دن پیرس میں قیام فرمائینگی۔ بعد ازاں جرمنی کا عزم ہے۔ وہاں سے ویانا پایۂ تخت آسٹریا کی سیر فرماتی ہوئی شروع جون میں لندن پہونچیں گی۔ جولائی میں اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کی سیر فرمائیں گی۔ یکم اگست کو لندن سے سوئٹزرلینڈ کو روانہ ہونگی۔ وہاں سے اٹلی تشریف لے جائینگی رمضان شریف میں قسطنطنیہ میں قیام ہو گا۔ بعد ازاں مصر پھر شام کی سیاحت فرمائینگی۔ اور مدینہ منورہ کی زیارت کرتی ہوئی ہندوستان واپس تشریف لائینگی۔ یہ تمام سفر پردہ اور برقعہ کے ساتھ ہو گا۔

حوصلہ افزائی

وہ سوانح عمریاں اور کارنامے جنکے پڑھنے سے دلوں میں ترقی کا شوق پیدا ہو ایک قیمتی رہنما اور تجربہ کار رفیق سے کم فائدہ مند نہیں۔ لانگ فیلو نے اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ معراج ترقی پر پہنچنے کے لئے ہمکو اُن بڑے بڑے لوگوں کے حالات دیکھنے ضروری ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور محنت سے نام آوری حاصل کی ایسے کارناموں سے ہماری کم ہمت اور تباہ حال فرقوں کی ہمت بڑھیگی انہیں جوش پیدا ہوگا اور جہاں تک ممکن ہوسکیگا وہ اپنے آپ کو اُبھارنے کی کوشش کرینگے۔

کسی افراد قوم کی ترقی کا دارومدار اُس کی متمولی یا فارغ البالی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے ارادوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر کوشش کرنا ہی بڑی کامیابی ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے بہت سے مردوں اور عورتوں نے ادنیٰ

درجہ کے کسان، ملاح، موچی وغیرہ کم حیثیت پیشوں سے ترقی کرکے جیسی ناموری حاصل کی اور عام مخلوق کے لئے جیسے فائدہ مند کام کئے اُنہیں دیکھتے ہوئے یہ امر ثبوت کا محتاج نہیں رہتا کہ "ترقی اور ناموری ذاتی کوشش کا نتیجہ ہیں"۔

اگرچہ وہ تمام لوگ جنہوں نے ادنیٰ درجے سے ترقی کرکے علم وہنر سیکھے یا دولت پیدا کیا قابل عزت ہیں لیکن جنہوں نے باوجود اس ذاتی کوشش کے اپنے نفس اور خواہشوں کو مار کر مریضوں کا علاج کیا، ننگوں کو کپڑا پہنایا، دلشکنوں کی ہمت بڑھائی، اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دوسروں کی خدمت اور بہبودی میں صرف کیا صرف عزت ہی کے مستحق نہیں بلکہ دنیا کے سچے سردار کہلائے جانے کے قابل ہیں۔

اس موقع پر اُس نیک دل خاتون مسز فرائی کا حال خالی از لطف نہ ہوگا جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ قیدیوں اور مجرموں کی ہمدردی میں صرف کرکے اُن کی حالت میں اصلاح کرائی اور تمام یورپ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

فرائی دالزبتھ ۱۷۸۰ء میں بمقام ارلہم مسٹر گرنے کے یہاں پیدا ہوئی۔ اُس کا باپ اگرچہ زیادہ مالدار نہ تھا لیکن اپنی حیثیت کے موافق اس ہونہار بیٹی کی تعلیم وتربیت میں اُس نے بہت کوشش کی اور حتی المقدور فرائی کو مروجہ علم وآداب کی مشکلوں سے سبکدوش کردیا۔

۱۸۰۰ء میں جب وہ بیس سال کی ہوگئی تو ایک شخص جوزف فرائی کے ساتھ شادی کرکے کئی بچوں کی ماں کہلائی جانے لگی۔ فرائی کو اپنے خاوند کے خیالات سے بڑی نفرت تھی، اگرچہ وہ عام عورتوں کی طرح خاوند

کی خدمت کرتی اور ناز برداری اُٹھاتی تھی لیکن جوزف کا مذہبی خدمات میں حصہ نہ لینا اور عامۂ خلائق کے کاموں سے ہمدردی نہ رکھنا اُسے بُرا معلوم ہوتا تھا۔

فرائی کو بچپن ہی سے بیماروں کی تیمارداری کرنے، اُن کو مذہبی وعظ سُنانے اور بچوں کو تعلیم دینے کا شوق تھا چنانچہ جب وہ جوان ہوئی تو ارلہم اور ناروچ میں بیماروں کی دیکھ بھال شروع کی اور بچوں کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا جسمیں ستّر سے زیادہ طالب علم تعلیم پاتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگلستان میں تہذیب و شائستگی اب سے کئی درجہ گری ہوئی تھی ملکی نظم ونسق اگرچہ ترقی پر تھا لیکن موجودہ سے بہت کم، قیدخانوں میں قیدیوں کی بُری حالت تھی نہ کھانے کا آرام تھا نہ سونے کے لئے جگہ میسّر تھی۔ وہ حساب تھا کہ محنت سخت اور اُجرت بہت کم۔ اگر کوئی قیدی بیمار ہو جاتا تھا تو نہ اُس کی خبرگیری کی جاتی تھی۔ نہ اُس کے رہنے کو کوئی ہوادار مکان دیا جاتا تھا۔ نیوگیٹ[۱] جیل میں عورتیں زمین پر سوتی تھیں، نہ اُن کے لئے اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تھے نہ کھانا پکانے کے لئے کوئی علیحدہ مکان۔

اگرچہ فرائی سے پہلے بھی دو ایک ہمدرد اس طرف توجہ کر چکے تھے لیکن اس کامیابی کا بڑا سہرا اُسی کے سر تھا۔ ابتدا، ۱۸۱۳ء سے اُس نے عورتوں کے قیدخانہ میں جاکر اُن کی حالتوں میں اصلاح شروع کی۔ نیوگیٹ (جیل) میں ایک مدرسہ کھولا جہاں اخلاقی اور روحانی تعلیم کے ساتھ حرفتی

---

[۱] نیوگیٹ لندن کے ایک مشہور قیدخانے کا نام ہے۔ نیوگیٹ کے معنی ہیں نیا دروازہ چنانچہ ۱۲۱۸ء سے یہ لندن کے نیوگیٹ یعنی نئے دروازہ کا صدر محبس ہے۔ اختر

تعلیم کو بھی رواج دیا، قیدیوں کو بائبل (انجیل مقدس) کے حوالوں سے وعظ سنائے اور اُن کے دلوں کو ارتکاب جرم سے پھیرنے کی کوشش کی

۱۸۱۸ء میں اُس نے قیدی عورتوں کو روزی پیدا کرنے اور مذہبی تعلیم سکھانے کی غرض سے ایک انجمن قایم کی، تاکہ وہ رہا ہونے کے بعد اپنی معاش کی فکر کرسکیں۔ اسی طرح **فرائی** نے آوارہ گرد اور بھک منگے لوگوں کی اصلاح کے لئے امداد خانہ جاری کئے جہاں ان مفت خوروں کو علاوہ کھانے اور کپڑے کے مذہبی تعلیم دیکر کسی روزگار پر لگانیکی کوشش کیجاتی تھی

مسز فرائی نے اپنے کاموں میں حسب ضرورت گورنمنٹ کی امداد لینے سے دریغ نہیں کی چنانچہ اُس نے انگلستان سے فارغ ہوکر یورپ کے تمام بڑے بڑے شہروں کا گشت لگایا اور سب جگہ جیل خانوں کا معائنہ کرنے والی انجمن قایم کیں۔ جنکا کام قیدیوں کی اصلاح اور درستی قرار دیا گیا (تمام یورپ) غربا سے لیکر اُمرا تک اُس کی عزت کرتے تھے۔ لارڈ میر ڈچز آف کنٹ۔ ملکۂ فرانس اور بہت سے یورپ کے بڑے لوگ اُس کے کام کو وقعت کی نظر سے دیکھتے اور حسب ضرورت اُسکی امداد سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

فرائی ہمت کی دھنی اور استقلال کی پکی تھی اُس نے اپنی لگاتار کوششوں سے ہزاروں بیماروں کو اچھا کیا سیکڑوں آوارہ گردوں کی اصلاح کی اور یورپ کے بیشمار قیدیوں کو ہمیشہ کے لئے تکلیف سے بچا دیا یہہ ہمدرد خاتون اکتوبر ۱۸۴۵ء میں اپنے ہمجنسوں کو اس بڑی تباہی سے بچانے کے بعد ہمیشہ کے لئے آرام سے جا سوئی۔

— ✲ —

نیک و بد کوئی نہ دنیا میں رہا۔ لیکن ظفر
یا بھلائی رہ گئی کچھ یا بُرائی رہ گئی

سید مظہر حسین اختر (میرٹھی)

جاپان

آٹھواں باب

روزانہ کاروبار

جاپانی مکان میں سب سے پہلے جو شخص حرکت کرتا ہے وہ گھر کی مالکہ ہوتی ہے۔ اپنے بچھونے پر سے اُٹھنے کے ساتھ ہی پہلے وہ چراغ گل کرتی ہے جو رات بھر جلتا رہتا ہے۔ بلا ایک "این ڈون" کے جو ایک لمبا سا کاغذی چراغ ہوتا ہے کوئی جاپانی نہیں سوتا۔ چراغ بجھانے کے بعد وہ "اسے ڈو" یعنی چوبی دیواروں کے قفل کھولتی اور نوکروں کو بلاتی ہے۔ اس کے بعد ناشتہ کی میز بچھائی جاتی ہے۔ ایک حیثیت سے یہ کام بہت سادگی کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ میز پوش کا تو جاپان میں رواج نہیں اور نہ میز کے آراستہ کرنے کا قاعدہ ہے۔ صرف کافی مقدار چانولوں کی اُبل جائے اور چائے پک جائے تو بس ناشتہ تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک بات ضرور ہے جس میں گھر کی بی بی کو بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ وارنشی کٹورے جس میں چانول کھائے جاتے ہیں اور بانس کی کاڑیاں جن کی مدد سے جاپانی کھانا کھاتے ہیں اور جو انگریزی چھری کانٹے اور چمچے کی قایم مقام ہوتی ہیں

خاص ترتیب سے گھر والوں کے مدارج کے مطابق میز پر جمانی
چاہئیں۔ اس ترتیب میں اگر ذرہ بھر بے قاعدگی ہو جائے۔ اور کسی
گھر والے یا نووارد مہمان کے اصلی درجہ کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بڑی
بے عزتی اور سخت توہین خیال کی جاتی ہے۔ جاپانی آداب مجلس
کے حلقہ بگوش ہیں اور ادب وقاعدہ کی ان پر جابرانہ حکومت
ہے۔ جاپانیوں کی نظر میں کھانے کی عمدگی اور نفاست سے ایک ہزار
درجہ زیادہ کھانا کھلانے کے آداب اہمیت رکھتے ہیں۔ کوئی میزبان
اپنے مہمانوں کی جلی روٹی اور سخت بدمزہ چائے سے مدارات کرے
تو وہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ لیکن اگر دو تین درجہ معزز مہمان کے پہلے
دو درجہ معزز مہمان کی تواضع کی جائے تو وہ ایک ایسا ناقابل معافی
جرم ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ خاندان کے دامن شہرت پر
اس فعل کا بدنما دھبہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

ناشتہ کے بعد صاحب خانہ اپنے کاروبار پر روانہ ہوتا ہے۔ اگر
موسم صاف ہوا تو اس کی بی بی اس کے لئے گھاس کی بنی ہوئی کھڑاؤں
تیار رکھتی ہے۔ اگر بارش ہوتی رہی تو اس کے لئے اونچی اونچی چوبی
کھڑاؤں اور روغنی کاغذ کی چھتری تیار رکھتی ہے۔ گھر کی بی بی اور
سارے ملازم اس کے ساتھ دروازہ تک جاتے ہیں اور اس کو
رخصت کرتے ہوئے کئی کئی سلام کرتے ہیں۔ اپنے گھٹنوں کو باہم
رگڑتے ہیں جو انتہا درجہ کی تعظیم کی علامت ہے اور بڑی بڑی دعائیں
دیتے ہیں۔

ایسے موقعوں پر ملازموں کی گھر والوں کے ساتھ شرکت ہم لوگوں کو

عجیب معلوم ہوگی مگر جاپان میں نوکروں کی وہ حالت نہیں ہوتی جو
دوسرے ممالک میں ہوتی ہے۔ جاپان میں وہ بھی بچوں کی طرح
خاندان ہی کا ایک جزو تصور کئے جاتے ہیں۔ گھروں میں نوکری کرنا
ایک معزز پیشہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تجارت سے بھی اسکے اعزاز کا
درجہ بڑھا ہوا ہے۔ خانگی ملازم اگر کسی تاجر پیشہ سے رشتہ مناکحت
جوڑے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے تمدنی مدارج میں اپنے تئیں ایک
درجہ گھٹا لیا۔ ابھی بہت زمانہ نہیں ہوا کہ جاپان میں تجارت صرف
معمولی لوگ کرتے تھے اور تاجروں کو قلیوں اور مزدور پیشوں کے
زمرہ میں شمار کیا جاتا تھا۔

خانگی ملازموں کی اس غیر معمولی اہمیت کے دو سبب ہیں۔
اول تو یہ کہ پرانی رسم کے مطابق گھر کی مالکہ کو خواہ وہ کیسی ہی عالی
خاندان کیوں نہ ہو بذات خود اپنے شوہر۔ اپنے بچوں۔ اپنی ساس
اور اپنے سسر کی خدمت بجا لانی پڑتی ہے۔ اس سے خانگی ملازمت
ایک اونچی اور معزز سطح پر آگئی ہے۔ دوسرے یہ کہ بہت سے جاپان کی
نوکر نہایت عالی خاندان ہیں۔ صرف ایک پشت پہلے ان کے آباؤ اجداد
"سُامورائے" کے گروہ میں شامل تھے اور کسی نہ کسی بڑے جلیل القدر
"ڈیمیائے" کی طرفداری کرتے تھے۔

"ڈیمیائے" جو جاپان کے خود سر نواب ہوتے تھے بڑے ہی مالدار
اور صاحب جائداد ہوتے تھے۔ ان کی بہت معقول آمدنی ہوتی تھی۔
آمدنی کا اندازہ چانولوں کی مقدار سے لگایا جاتا تھا۔ اکثر "ڈیمیائے"
کی آمدنی چانولوں کے دس لاکھ "کوکو" ہوا کرتی تھی "کوکو" جاپان میں

ایک خاص وزن ہمارے چھیاسٹھ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ اس آمدنی کے ذریعہ ہر "ڈیمیائے" کو اپنی خانگی فوج "ساموارئے" کی سربراہی کرنی پڑتی تھی۔ "ساموارئے" کا غریب سے غریب آدمی بھی اپنے آپ کو ایک معزز شخص تصور کرتا تھا اور اپنے تئیں اپنے سردار کے خاندان کا ایک رکن خیال کرتا تھا۔ تجارت اور صنعت و دستکاری کی بڑی حقارت کی جاتی تھی۔ اس قسم کے لوگ محض اپنے سرخیل کی حمایت میں جاں فروشی کرنے کے لئے زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی سردار کے مکان میں رہکر اس کی خدمتگذاری کا کرنا بہت بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اسی سے تمام خانگی نوکریوں کا ایک خاص اعزاز پیدا ہو گیا۔ جب طوائف الملوکی کا زمانہ ختم ہو گیا "ڈیمیائے" کی طرز زندگی بدل گئی اور "ساموارئے" رکھنے کا قاعدہ اُٹھ گیا تو پھر یہ لوگ کثرت سے خانگی ملازمت کی طرف رجوع ہو گئے۔

لڑکے اور لڑکیاں جو خانگی ملازمت میں داخل کئے جانے کو ہوتے ہیں ان کو اس تعلیم کے علاوہ جو ان کے فرایض کے متعلق انکو دیجاتی ہے آداب مجلس کی خاص طور پر تربیت کی جاتی ہے۔ آقا کے ساتھ برتاؤ کرنے کے قوانین بھی بہت ضروری ہوتے ہیں اور رہر خانگی ملازم کو ان آداب و قوانین سے اچھی طرح ماہر ہونا اور ان کو آسانی کے ساتھ برتنے پر قادر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جاپانی نوکر اپنی مالکہ کو بہت جھک کر ادب سے سلام کرتے ہیں اور اس کے سامنے دو زانو ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ بات چیت میں ایسا انداز و لہجہ اختیار کرتے ہیں جیسے ایک کم درجہ اور مرتبہ کا آدمی کسی اعلیٰ طبقہ کے شخص کو مخاطب کرتا ہے

مگر پھر بھی وہ بہت بے تکلفی کے ساتھ اپنی اور اس کے مہمان کی گفتگو میں شریک ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی ہنسی کی بات نکل آئے تو خوب جی کھول کر ہنستے ہیں اور قہقہہ لگاتے ہیں۔

ان حالات پر نظر کر کے بہت مشکل سے یہ باور آسکتا ہے کہ جاپان کے ملازم پیشہ اس بے تکلفی کے باوجود بے لحاظ نہیں ہو جاتے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ان کی تعلیم و تربیت کبھی ان کو بے تکلفی کے مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ نوکروں کا جاپان میں جو درجہ ہے وہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ صاحب خانہ اور گھر والے ان کے ساتھ آقاؤں کی طرح پیش آتے ہیں مگر مہمانوں اور گھر والوں کے دوست احباب کو ان سے مساوات کا برتاؤ کرنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ لفظ "سان" سے جو انگریزی "مس" کا قایم مقام ہے ان نوکر لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ جب گھر کے لوگ موجود نہیں ہوتے تو نوکروں ہی کو مہمانوں کی تواضع اور خاطر مدارات کرنی پڑتی ہے۔ اس خدمت کو وہ نہایت خوش اطواری اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ انجام دیتی ہیں۔ ایک صاحب تصنیف خاتون کا بیان ہے کہ۔

"میری سیاحت کے زمانہ میں ایک دفعہ مجھے ایک خوشحال عالی خاندان"
"جاپانی خاتون کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب میں اپنی ایک"
"دوست کے ہمراہ مکان میں داخل ہوئی تو ایک بہت دربا مختصر سی"
"خاتون نے ہمارا استقبال کیا۔ جاپانی زبان سے قطعی ناواقف ہونیکی"
"وجہ سے میں اس گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی جو اس وقت میرے دوست"
"اور اس خاتون میں ہوئی۔ وہ عورت بھورے رنگ کی "کی مونو" اور"

"اوبی" پہنے ہوئے تھی اور کسی قدر ادھیڑ معلوم ہوتی تھی۔ اسکے
پاکیزہ انداز اور اسکی شایستگی و نفاست کا مجھ پر جو اثر ہو رہا تھا وہ میں
بیان نہیں کر سکتی۔ چونکہ مجھکو جوتہ اُتارنے سے منع کیا گیا تھا اسلئے
نرم و نازک فرش پر اس خاتون کے نہایت نرم سفید موزوں کے مقابلہ
میں میرے جوتے کی آواز سے مجھے بڑی ہی ندامت معلوم ہوتی تھی
اور میں بہت شرمندہ ہو رہی تھی"۔

"میری دوست اس عورت کو لفظ "سان سے" مخاطب کر رہی تھی اور
ان دونوں کا طرز کلام ایسا تھا جیسا میزبان اور مہمان کا ہوتا ہی۔ چاء سے
ہماری تواضع کی گئی اور گرمجوشی سے باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر سے گاڑی
کے پہیوں کی آواز آئی۔ ساتھ ہی بہت سے آدمیوں کی دروازہ کی طرف
دوڑنے اور "او کائوی" "او کائوی" (یعنی خوش آمدید) کے نعروں کی
آوازیں آنے لگیں۔ ہماری میزبان بھی فوراً کھڑی ہو گئی اور مسکراتی ہوئی
ہم سے رخصت ہونے کی معافی چاہنے لگی۔ جب وہ بھی "خوش آمدید"
کے نعروں میں شریک ہونے کو چلی گئی تو میری دوست نے کہا۔

"خوشی کی بات ہی کہ وہ آگئیں"

"میں نے پوچھا "کون آگئیں"

"میرے دوست نے کہا وہی جن سے ملنے کو ہم آئی ہیں میں نے کہا پھر وہ کون ہی
جس نے ہمیں چاء پلائی۔ میرے دوست نے ہنسکر کہا "وہ تو ماما تھی"۔

ایک اور شخص نے اسی کے متعلق بیان کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:۔

"اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جاپان میں صدر ملازم بہت سلیقہ شعار
اور خوش اطوار ہو۔ کیونکہ آقا کی غیر حاضری میں مہمانوں کی خاطر مدارات"۔

"ن کے لئے اس کو آداب مجلس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اپنے گھٹنوں کو"
"باہم رگڑنے اور سر جھکا کر سلام کرنے اور رسمی کرنے کے بعد وہ"
"صاحب خانہ کے ملاقاتی کو زمین پر بٹھا لیتے ہیں۔ ایک نرم تکیہ سے کرسی کا"
"کام لیا جاتا ہے جس کی بدولت سخت زمین پر بیٹھنے کی تکلیف سے ذرا آرام"
"ملتا ہے۔ اس کے بعد فوراً چائے کی پانچ پیالیاں پیش کی جاتی ہیں"۔
"(پیالیوں کی اس تعداد کو مہمانوں کی تعداد سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہر"
"مہمان کی اسی قدر پیالیوں سے تواضع کی جاتی ہے) پھر وہ بھی مہمان کیساتھ"
"بیٹھ جاتے ہیں اور بے تکلفانہ بات چیت کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ ان کا"
"لب ولہجہ بہت خفیف سا ادب کا پیرایہ لئے ہوئے ہوتا ہے مگر بالکل بے"
"تکلف انداز میں گفتگو ہوتی ہے۔ جب صاحب خانہ آچکتا ہے تو پھر ان کو"
"اُس فریضہ سے نجات ملتی ہے۔ صاحب خانہ کی واپسی کے بعد بھی ان کو"
"کمرہ سے نکل جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بدستور وہیں ٹھیر سکتی ہیں"
"اُن لوگوں کی گفتگو میں شامل ہو سکتے ہیں اور معمولی ہنسی دلگی کی بات پر"
"بھی خوب ہنس سکتے ہیں"۔

سید خورشید علی
حیدر آباد۔ دکن

احادیث متفرقہ

کیا تجھسے کہوں حدیث کیا ہے	ورد وانہ درج مصطفےٰ ہے
صوفی عالم حکیم دینی	کرتے رہے اس کی خوشہ چینی
یہ شاہ رہ محمدی ہے	گنجینۂ راز احمدی ہے

ناحق تجھے اور کچھ ہوس ہے | قرآن وحدیث تجھکو بس ہے
حق ہوگا حدیث خواں سے خرم | ارشاد رسول فخر عالم

واضح ہو کہ علم حدیث اشرف العلوم ہے اسواسطے کہ اشرف الناس کا کلام ہے۔ مطابق اسکے کہ کلام الملوک ملوک الکلام ہے سب علوم دینی اسیکے محتاج ہیں۔ علم تفسیر بلا حدیث کے معتبر نہیں علم عقائد وعلم فقہ علم سلوک۔ اور علم تاریخ بدون اُسکے کچھ سند نہیں۔ لیکن باوجود اس کے ہندوستان میں اس علم معظم کا چرچا نہیں۔ عوام کا تو کیا کہنا اکثر علما کو خبر نہیں۔ پھر ہم مستورات کا کیا ذکر۔ لیکن تاہم آجکل بفضل خدا اور بمدد فضلا اردو کی زبان سلیس اور بامحاورہ میں بہت سی کتابیں حدیث و تفسیر اور دیگر مسئلہ مسائل کی شایع ہو گئی ہیں۔ جنکے ذریعہ سے اُمید ہے کہ اب دن بدن ترقی علوم دینی میں اضافہ ہوگی اور بتدریج یہ شکایت رفع ہو جائیگی۔

جاننا چاہیئے کہ حدیث اُسکو کہتے ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمایا یا خود کیا یا جو حضرت کے سامنے ہوا اور اُسکو درست رکھا۔ پس جو زبان سے فرمایا اُسکو حدیث قولی کہتے ہیں۔ اور جو کیا اُسے حدیث فعلی کہتے ہیں۔ اور جو حضرت کے سامنے ہوا اُسی حدیث تقریری کہتے ہیں۔

اول اسلام میں مدت تک حدیث سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آتی تھی۔ کسی نے کتاب نہیں تصنیف کی یعنی سب زبانی یاد رکھتے تھے۔ پھر اول ابن جریج اور امام مالک اور ربیع نے تصنیف شروع کی۔

حدیث کی دو قسمیں ہیں متواتر اور احاد۔ متواتر وہ ہے جسکو ہر زمانے میں

اسقدر کثرت سے لوگوں نے روایت کی ہو کہ عقل اُنکے جھوٹ بولنے کو محال جانے۔ احاد وہ ہے جبکی روایت میں اتنی کثرت نہو۔

علم حدیث میں بہت کتابیں ہیں۔ لیکن چھ کتابیں نہایت مشہور ہیں جنکو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ اول صحیح بخاری۔ دوسری مسلم۔ تیسری ابو داؤد۔ چوتھی ترمذی۔ پانچویں نسائی۔ چھٹی ابن ماجہ۔ سوائے بخاری و مسلم کے باقی چار کتابوں میں ہر قسم کی حدیث ہی۔

حدیث شریف کی قسمیں اور راویوں کی تفصیل اگر اس مختصر سے مضمون میں تحریر کروں تو ایک کتاب ضخیم بن جائے لہذا اُن سب کو نظر انداز کر کے اختصار مد نظر رکھنا ضروری ہوا۔ انشاء اللہ اگر زندگی نے مہلت اور اشغال نے فرصت دی تو کبھی آیندہ حضرت امام بخاری کا حال لکھکر واسطے ناظرین و ناظرات خاتون کے پیش کرنے کا ارادہ ہی۔

حدیث۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ فرمایا حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جس نے سچے دل سے خدا کو اور اُسکو رسول کو مانا اور نماز کو ٹھیک ادا کیا رمضان کے روزے رکھے ثواب کی نیت سے ضروری ہو گیا خدا پر اُسکا بہشت میں لیجانا خواہ اپنا وطن اُسنے خدا کی راہ میں جہاد کے واسطے چھوڑا یا اُسی زمین میں ٹھیرا رہا ہو جس میں پیدا ہوا۔

اس حدیث کی شرح بخاری میں یوں ہے کہ اصحاب نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو ہم لوگوں کو خوشخبری سنا دیں کہ بہشت جہاد اور ہجرت پر موقوف نہیں حضرت نے فرمایا کہ بہشت میں سو سو بلند درجے ہیں کہ خدا نے غازیوں کے واسطے مقرر کئے ہیں۔ ہر ایک درجے میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور

زمین میں۔ پس جب تم خدا سے مانگو تو فردوس مانگا کرو۔ کہ فردوس سب بہشتوں کے درمیان میں ہے اور سب سے اونچی ہے اسکے اوپر خدا کا عرش معلی ہے۔ اُسی سے بہشت کی نہریں نکلی ہیں۔ یعنی ہر چند جہاد پر بہشت موقوف نہیں بلکہ اصل نجات کے واسطے ایمان اور نماز روزہ کفایت کرتا ہے۔ لیکن تم ہمت کو پست نکرو کہ صرف نجات پر قناعت کرو بلکہ ہمت بلند رکھو تا کہ فردوس پاؤ جسکے آگے سب بہشتیں پست ہیں

اس حدیث میں فرشتوں اور خدا کی کتابوں کا اور تقدیر و قیامت پر ایمان لانا بیان نہیں فرمایا اسواسطے کہ جب آدمی رسالت پر ایمان لایا تو ان سب پر بھی ضرور ایمان لائیگا۔ اسیطرح نماز اور روزے کیساتھ زکوٰۃ اور حج کا ذکر نہیں فرمایا اس واسطے کہ زکوٰۃ و حج صرف مالدار پر فرض ہے محتاج پر نہیں اور نماز روزہ سب پر یکساں فرض ہے مالدار ہو خواہ محتاج۔ خلاصہ یہ کہ یہاں حکم عام بیان فرمانا منظور رہا جو سب مسلمانوں کو شامل ہو۔

مخفی نرہے کہ ایمان سب عبادت اور نیکیوں کی جڑ ہے۔ بدون ایمان کے کوئی عبادت اور نیکی درست نہیں۔

صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ جسکو تم نے بھلا کہا اُسکو بہشت واجب ہوئی۔ اور جسکو تم نے بُرا کہا اُسکو دوزخ واجب ہوئی۔ تم خدا کے گواہ ہو زمین میں۔ تم خدا کے گواہ ہو زمین میں۔ تم خدا کے گواہ ہو زمین میں۔

مصابیح میں روایت ہے کہ ایک جنازہ نکلا اصحاب نے اُسکی تعریف کی دوسرا جنازہ نکلا اصحاب نے اُسکو بد کہا تب حضرت نے یہ حدیث فرمائی اور

اسی مضمون کی حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے کچھ ایک دو لفظ کا فرق ہے معلوم ہوا کہ اصحاب بلکہ ہر وقت کے دیندار خدا کے گواہ ہیں۔ اُنکی تعریف کرنے اور بد کہنے کو بڑا دخل ہے۔ دنیادار فاسق کی تعریف اور بُرا کہنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ اصحاب اور مجتہدوں کا اجماع اور اتفاق حجت ہے اور کامل سند ہے۔

بزار کی کتاب میں عامرؓ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ مرگیا اور خدا اُسکی بدی جانتا ہے اور لوگ اُسکی تعریف کریں تو خدا اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی قبول کی اور اسکے گناہ دیدہ و دانستہ معاف کئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ مثل مشہور ٹھیک ہے کہ زبان خلایق نقارہ خدا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ جو کچھ کوئی پوچھا چاہے پوچھے۔ پس مجھ سے جو کچھ پوچھوگے تبلادونگا جبتک میں اپنے اس مقام میں ہوں یعنی منبر پر۔ بخاری و مسلم میں پوری روایت یوں ہے کہ ایک روز حضرت نے بعد نماز ظہر کے منبر پر خطبہ پڑھا اور قیامت کو یاد کیا اور فرمایا کہ قیامت سے پہلے بڑی بڑی مصیبتیں ہونے والی ہیں اصحاب بے اختیار خوف قیامت سے رونے لگے پھر حضرت نے یہ حدیث فرمائی کہ جسکو پوچھنا ہو پوچھے۔ عبداللہ بن حذافہ نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے۔ فرمایا کہ حذافہ ہے اور حضرت اُسوقت بہت غصے میں تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر عرض کیا کہ ہم راضی ہیں خدا کی خدائی سے اور اسلام کے دین سے اور حضرت کی پیغمبری سے۔ یہ سنکر حضرت صلعم کا غصہ رفع ہوا۔ بعضے

علما کا قول ہی کہ منافقوں نے کہا تھا کہ پیغمبر ہمارے سوال کے جواب میں عاجز ہے بدیں وجہ حضرت غصے سے بار بار فرماتے تھے اُنکی طرف اشارہ کرکے کہ پوچھے جسکا جی چاہے۔ عبداللہ بن حذافہ اس مطلب کو نہ سمجھے۔ عمر فاروق ؓ تہ کی بات تک رسائی کر گئے کہ یہ کلام حضرت کا اصحاب سے نہیں منافقوں سے ہے تب وہ بات عرض کی جس سے حضرت کا غصہ فی الجملہ رفع ہوا۔ اس حدیث سے بڑی بزرگی اور نہایت تیز فہمی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ثابت ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بدون حاجت بیفایدہ سوال عالم سے کرنا نہایت مکروہ ہی۔

مسلم میں ابو موسیٰؓ اور حضرت عایشہ صدیقہؓ سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ جو خدا کا وصل یعنی موت اور آخرت چاہتا ہے خدا اُس کے ملنے کو چاہتا ہے۔ اور جو بُرا جانے خدا کا ملنا۔ خدا اُسکے ملنے کو بُرا جانتا ہے۔ حضرت عایشہ یا اور کسی بی بی نے یہ حدیث سنکر کہا کہ موت تو سب کو بُری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ اسکا مطلب نہیں بلکہ جب ایماندار مرتا ہے تو اُسوقت فرشتے اُسکو خدا کی رضامندی و کرم کی خوشخبری سُنا دیتے ہیں۔ پس وہ موت کو بدل چاہتا ہے۔ اور کافر کو مرتے وقت عذاب الٰہی نظر آتا ہے تو وہ موت کو اور خدا کے ملنے کو بُرا جانتا ہے۔ پس خدا بھی اُسکا ملنا بُرا جانتا ہے۔ یعنی زندگی میں جو موت بُری اور مکروہ معلوم ہوتی ہے اسکا چنداں مضایقہ نہیں۔ وقت مرگ کا اعتبار ہے۔ پس اُسوقت ایماندار مشتاق ہوتا ہے اور کافر گھبراتا ہے۔

مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہی کہ فرمایا رسول مقبول نے کہ جس نے

نماز کی ایک رکعت پائی اُس نے البتہ سب نماز پائی۔ اس حدیث کے دو
مطلب ہیں ایک یہ کہ جس نے ایک رکعت جماعت میں پائی اُسنے جماعت
کی نماز کا ثواب پایا اور دوسرے یہ کہ جس نے بقدر ایک رکعت کے
نماز کا وقت پایا تو اُس کی باقی نماز ادا ہے قضا نہیں۔ جیسے کہ صبح کی
نماز میں ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہوا یا عصر کے وقت ایک
رکعت کے بعد آفتاب غروب ہوا تو نماز ہو گئی۔ یہ مذہب ہے امام شافعی کا
لیکن امام اعظم کے مذہب میں اس صورت میں عصر کی نماز تو ہو گئی لیکن فجر
کی نماز آفتاب نکلنے سے باطل ہوئی۔

بخاری میں سلمان سے روایت ہے کہ فرمایا محبوب خدا نے کہ جو نہایا
روز جمعہ اور پاک صاف ہوا جتنی صفائی اُس سے ہو سکی یعنی حجامت
بنوائی اور سفید کپڑے پہنے پھر تیل لگایا یا خوشبو پھر دوپہر ڈھلتے مسجد
میں گیا اور دو ملے بیٹھوں کو اُس نے نہ چھیڑا۔ پھر نماز پڑھی جتنی اسکی
قسمت میں تھی یعنی تحیۃ المسجد اور سنتیں۔ پھر امام جب منبر پر آیا تو وہ
خاموش خطبہ سنتا رہا تو اُس شخص کی مغفرت ہو گئی اُسوقت سے پچھلے
جمعہ تک۔ بعضے لوگونکی عادت ہے کہ جمعہ کے دن دیر کر کے آتے ہیں
اور صفیں چیرتے اور لوگوں کو تکلیف دیتے صف اول میں جاتے ہیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف چیرنا درست نہیں۔ یا پہلے سے اول
صف میں بیٹھ رہے یا پھر جہاں جگہہ پاوے۔ اور مسلمانوں کو لازم ہے
کہ جمعہ کو جلد مسجد میں حاضر ہوا کریں جسقدر جلد جائیں گے ثواب زیادہ پائینگے

بخاری اور مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا
کہ جو دونوں ٹھنڈے وقت یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھیگا وہ بہشت میں

جائیگا۔ فجر کو نیند غالب ہوتی ہے اور عصر کو خرید فروخت اور دنیا کے بہت کام پیش آتے ہیں اسواسطے ان نمازوں کا زیادہ ثواب ہے۔ اس حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ انکے سوائے اور نمازوں کی حاجت نہیں۔ اسواسطے کہ جب آدمی نے ایسے سخت وقت کی نماز پڑہی تو آسان وقتوں کی خواہ نخواہ ہی پڑہیگا۔

مسلم میں حضرت عثمان ذی النورین سے روایت ہے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ جس نے عشا کی نماز جماعت سے پڑہی گویا اُس نے آدہی رات تہجد کی نماز پڑہی۔ اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑہی تو اُسنے گویا تمام رات تہجد کی نماز پڑہی۔ اور روایت ہے کہ حضرت ایک بار شب بیداری اور نماز تہجد کی خوبیان فرماتے تھے۔ اسمیں بعضے لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ہم محنتی لوگ ہیں دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں ہم سے نہیں ہوسکتا کہ ہم شب بیداری کریں تو حضرت نے اُنکے حق میں یہ حدیث فرمائی۔

مسلم میں جندب بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز پڑہی وہ خدا کی اماں میں آگیا۔ پس کہیں ایسا نہو کہ خدا تمکو پکڑے کسی بات میں اپنی اماں کے سبب سے یعنی صبح کے نمازی کو کسیطرح نہ چھیڑو وہ خدا کی اماں میں ہے۔ پس بیشک خدا کا گنہگار کسیطرح بچ نہیں سکتا پھر اُس کو دوزخ میں اوندہے منھ ڈال دیتا ہے۔ یعنی وقت صبح نیند اور غفلت کا ہے اُسوقت اُٹھکر نماز پڑہنا دلیل اُس کے سچے ایمان کی ہے اسواسطے خدا نے اُسکو اپنی پناہ میں لیا اور اُسکے ناحق رنج دینے والے کو دوزخ کا وعدہ کیا۔

مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو کوئی
نماز میں الحمد کی سورت نہ پڑھے پس وہ نماز ناقص ہے۔ وہ نماز ناقص ہے
وہ نماز ناقص ہے۔ جب ابو ہریرہ نے یہ حدیث روایت کی تو کسی نے
کہا کہ اگر ہم امام کے پیچھے ہوں تو الحمد کس طرح پڑھیں تو کہا کہ اپنے دل میں
پڑھ لیا کرو میں نے حضرت سے سنا ہے فرماتے تھے کہ حق تعالے
فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے بندوں کے بیچ میں آدھا آدھا بانٹا ہے
جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
میرے بندے نے میری خوبیاں کیں۔ اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب
کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے
میری بڑائی کی۔ اور جب کہتا ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین۔ تو
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے واسطے ہے اور بندے کے واسطے بھی
اور میرا بندہ جو مانگے سو پاوے۔ پھر جب کہتا ہے۔ اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم
ولا الضالین آمین۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات صرف بندے
ہی کے واسطے ہے اور میرا بندہ جو مانگے سو پاوے۔ امام شافعی کہتے
ہیں کہ الحمد پڑھنا نماز میں فرض ہے اسی حدیث کی دلیل سے امام اعظم کی
طرف سے یہ جواب ہے کہ اگر الحمد پڑھنا فرض ہوتا تو الحمد کے چھوڑنے سے
نماز بالکل باطل ہو جاتی ناقص نہ کہلاتی۔ اسکے ترک سے ناقص ہونا یہ
دلیل ہے فرض نہ ہونے کی۔

بخاری میں انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو ہماری طرح

نماز پڑہے اور نماز کے وقت ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا
حلال کیا جانور کھاوے سو وہ ایسا مسلمان ہے کہ جسکے واسطے اللہ اور
اُسکے رسول کی پناہ ہے - پس اللہ کا قول و قرار نہ توڑو اور اُسکو کچھہ
تکلیف نہ دو اُسکے پناہ دئے ہوئے کو نچھیڑو - یہود اور نصاریٰ کی نماز
میں رکوع نہیں قبلہ اُنکا اور ہے - اور مجوس مسلمانوں کا حلال کیا جانور
نہیں کھاتے تو جسنے ہمارے قبلے کی طرف رکوع والی نماز پڑہی اور
مسلمانوں کا ذبیحہ کھایا تو اُس نے وہ باطل دین چھوڑے پس وہ مسلمان ہوا
اب اُسکو رنج دینا درست نہیں -

بخاری میں حضرت ام حبیبہ سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا جو سنت
نماز پڑہے ہر دن بارہ رکعت اُسکے لئے بہشت میں گھر بنایا جائیگا - مراد ان
بارہ رکعتوں سے رات دن کی معمولی سنتیں ہیں - دو فجر کی - چھہ ظہر کی -
دو مغرب کی - دو عشا کی -

بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ فرمایا
رسول خدا صلعم نے کہ جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑہی وہ بہتر ہے - اور جسنے
بیٹھے پڑہی اُسکو کھڑے کا آدہا ثواب ہے اور جسنے لیٹے نماز پڑہی اُسکو بیٹھے کا
آدہا ثواب ہے یہ حدیث اُس بیمار کے حق میں ہی کہ جو بیٹھے نماز پڑہتا ہی -
لیکن اگر چاہے تو تکلیف اُٹھا کر کھڑے بہی پڑھ لے - اور لیٹے فرض پڑہتا ہی
لیکن تکلیف سے بیٹھ کر بہی پڑھ سکتا ہے - تو ایسے بیمار کو آدھا ثواب ہے - اور
جس بیمار سے اُٹھا بیٹھا نجاوے اُسکا ثواب پورا ہے - بیٹھے پڑہے خواہ کھڑے
اور بعضوں کے نزدیک اس حدیث سے نفل نماز مراد ہی -

بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا

کہ نماز میں سوائے نماز کے کسی طرف توجہ نچاہیئے۔ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم پہلے حضرت کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے ایک دفعہ ہمنے سلام کیا حضرت نے جواب نہ دیا اور بعد نماز کے یہ حدیث فرمائی یعنی وہ حکم اب موقوف ہوگیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بات کرنا۔ سلام کرنا جواب دینا بے سبب کھانا پینا۔ ادہر اُدہر دیکھنا نماز میں درست نہیں۔

مُسلم میں مُعٰویہ بن حَکَم سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا نماز میں مناسب نہیں ہی بات کرنا نماز تو صرف تسبیح اور تکبیر اور قرآن پڑہنے ہی کا نام ہے۔ مصابیح میں مُعٰویہ بن حَکَم سے روایت ہے کہ ہم حضرت کے ساتھ نماز پڑہتے تھے اتنے میں ایک آدمی نے چھینکا میں نے کہا یَرْحَمُکَ اللّٰہ لوگوں نے مجھے ڈانٹا میں نے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے جو مجھکو ڈانٹتے ہو جب حضرت نماز پڑہ چکے تو حضرت کے قربان میں نے ایسا نرمی سے بتانے والا نہیں دیکھا قسم خدا کی نہ مجھکو مارا نہ گالی دی نہ جھڑکا نرمی سے یہ حدیث فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک کا جواب دینا بات کرنا نماز میں درست نہیں۔

(باقی آیندہ)

کمترین
حسنہ خاتون

پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان!

اگرچہ کانوں کو چھید کر ان میں زیور لادنے کا دستور اُٹھ چلا ہے۔ مگر پھر بھی اکثر بہنیں باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے پُرانی لکیر کی فقیر بنی رہتی ہیں اور حد سے زیادہ زیور میں لدے ہوئے کانوں پر نہایت فخر کرتی ہیں

وہ کانوں میں اس قدر زیور لاد دیتی ہیں کہ بچارے کمزور و قابل رحم کان اس قدر بھاری زیور کا وزن نہیں سہار سکتے اور زیور کے بوجھ سے بالکل جھک جاتے ہیں جو نہایت بدنما معلوم ہوتے ہیں دیکھنے والونکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب کوئی دم میں وزن کے مارے کان ٹوٹ کے گر پڑینگے۔

ہاتھ پاؤں گلے میں جتنا جی چاہے زیور پہنیں اس کا کچھ مضایقہ نہیں ہے مگر کانوں میں ان کی بساط سے بڑھکر زیور پہنا سراسر بیرحمی وحشی پن کی علامت اور ننھی سی جان پر سخت ظلم کرنا ہے انکی حیثیت اس قابل نہیں ہے کہ ان پر حد سے زیادہ زیور لاد دیا جائے بلکہ ان کو ان کی بساط کے موافق زیور ہی زیب دیتا ہے۔

جس طرح تصویروں میں وحشی قوم کی عورتوں کو تانبے لوہے لکڑی وغیرہ کے زیور پہنے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح ہمارے ہاں بھی زیور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے خصوصًا ہمارے ملک کی مستورات تو ماشاءاللہ زیور میں سر سے پاؤں تک لدی رہتی ہیں وہ سب سے زیادہ ظلم کانوں ہی پر روا رکھتی ہیں چاہے گھر میں اور زیور نہ پہنیں مگر کانوں کو کسی حالت میں ننگا رکھنا گوارا نہیں کرتیں گھر میں ہوں یا باہر کان ہر وقت زیور میں لدے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حالانکہ کان تمام جسم میں سب سے چھوٹے ہوتے ہیں اس حالت پر بھی ان میں بالیاں پتے اور اور قسم کا زیور پہنا فرض سمجھا جاتا ہے اگر خدانخواستہ کسی کو سونے چاندی کا زیور میسر نہ ہوا تو جرمن سلور وغیرہ ہی کا زیور سہی مگر پہنیں گی ضرور۔

غرض سب سے زیادہ قابل رحم ہمارے ملک کی مستورات ہی کے کان ہوتے ہیں یہاں ننگے کان رکھنا بہت بڑا عیب اور بد شگونی سمجھی جاتی ہے اور اگر کوئی بی بی کبھی بھولے بسرے کانوں میں زیور پہنے بغیر کسی محفل میں شریک ہو جاتی ہے تو اس پر چاروں طرف سے انگشت نمائی ہونے لگتی ہے سب عورتیں اسکی جان کو آجاتی ہیں اور وہ انگریزی خیالات کی عورت تصور کی جاتی ہے اس کو اس قدر شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہی کہ پھر کبھی بھولے سے بھی کانوں میں زیور پہنے بغیر کسی محفل میں جانیکا نام نہیں لیتی۔

ہاں جسکے کان زیور میں لدے ہوئے ہوں اسکی بڑی عزت اور تعریف کی جاتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہاں حیدرآباد میں اول تو زیور پہننے کا بہت کم دستور ہے اور اگر شوقین بیبیاں کانوں میں زیور پہنتی بھی ہیں تو یہاں کے زیور اس قسم کے ہوتے ہیں کہ حسب لخواہ اور دستور کے موافق کان بھرکر زیور پہننے پر بھی کان نہیں جھکتے اور نہ بدنما معلوم ہوتے ہیں۔پس ان کی حالت پر غور کرکے ایسے زیور پہننے چاہئیں جو نہایت نازک اور سُبک ہوں نہ کہ ایسے زیور پہنیں جو کانوں کی بساط سے بڑھکر ہوں جس کی وزن سے کان ٹوٹنے لگیں اور دیکھنے والوں کو بدنما معلوم ہوں اور یہ مثل صادق آئے پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان!

اگر یہ خیال کیا جائے کہ کانوں کو چھدوانا اور زیور میں لادنا شریعت اسلامی کی روسے فرض ہے اور ایسا نہ کرنے سے گنہگار بنیں گے تو یہ خیال محض غلط ہی کیونکہ کسی حدیث اور مسئلہ کی کتاب میں یہ حکم نظر سے نہیں

گذرا کہ عورتوں کے کان میں سونے چاندی کے زیور نہوں تو جرمن سلور وغیرہ کی بالیاں اور سونے چاندی کے پتے نہ ہوں تو موتیوں اور پوتھوں کے پتے پہنا فرض ہے۔ جہانتک میں خیال کرتی ہوں اس قسم کی ہدایت کسی کتاب میں نہیں پاتی پھر کیوں ہمارے ملک کی مستورات نے خوامخواہ بچارے ننھے سے کانوں کے حق میں یہ ظلم وستم واجب سمجھ رکھا ہے۔

جو بہنیں کانوں پر اس قدر ظلم کرتی ہیں وہ نہایت ہی سنگدل اور ناانصاف ہیں ان میں اور وحشی قوم کی عورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے لہذا کانوں میں زیور لادنے والی بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ کانوں میں حد سے زیادہ زیور لادنے کی کوشش نہ کریں اور بچارے کانوں پر رحم کرکے ان کو چھیدنے کی تکلیف اور وحشی پن کی علامت سے نجات دیں۔ اور اگر زیور پہنیں ہی تو ان کی بساط کے موافق زیور پہنیں۔ اللہ ہمارے ملک کی مستورات کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ باہم اتفاق کرکے اس وحشی دستور کے اٹھانے کی کوشش کریں۔ آمین۔

مانا کہ بہنیں اس دستور کو سرے سے اٹھا نہیں سکتیں مگر کم تو ضرور کر سکتی ہیں۔ شاید بہنیں یہ سمجھیں کہ میں یورپین لیڈیز کی تقلید کرتی ہوں اور زیور پہننے کے برخلاف ہوں نہیں ہرگز نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے زیور پہنا ہی چھوڑ دو (کیونکہ ایسا کرنا بھی نہایت بدشگونی ہے) شوق سے زیور پہنو مگر ایسے زیور پہننے چاہئیں جو کانوں کے مناسب حال ہوں بہنیں خود غور کر سکتی ہیں کہ ننھے سے اور کمزور کانوں پر اس قدر زیور لادنا سخت بے رحمی اور ناانصافی ہے تکلیف کے علاوہ اس میں ہماری قوم کا سراسر نقصان ہے۔

غور کرنا چاہیے کہ آئے دن ہمارا کتنا روپیہ ظاہری نمایش میں زیور پر
صرف ہوتا اور سناروں کے نیگ لگتا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ جو روپیہ
اس طرح فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے وہ کسی قومی کام اور محتاجوں
کی مدد میں صرف کیا جائے جس سے دنیا میں بھی نیک نام رہو اور عزت
کی نگاہ سے دیکھی جاؤ اور آخرت میں بھی جزائے خیر پاؤ۔ میں صاف
دل سے اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہوں شاید میری یہ تحریر کانوں میں
زیور پہننے والی بہنوں کو ناگوار گذرے اسلئے معافی کی خواستگار ہوں۔

خاکسار

عالیہ بیگم بنت حبیب احمد نعمانی۔ از حیدرآباد دکن

خواتین کا ایک بیش بہا زیور

یعنی

سلائی کا کام

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے کہ ہمارے ملکی بھائیوں کو مفلسی ذلت
اور آئے دن کی مصیبتوں نے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ یا یہ
کہیئے کہ وہ اپنی آنے والی بربادی کا خوفناک خواب دیکھکر۔ اپنی کاہلی
کم ہمتی۔ اور جہالت کے خاردار بستر پر یک بیک چونک کر کروٹ بدلنے
کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے صبح کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح
امید ہوئی ہے کہ شاید اپنی حالت درست کر لیویں۔ لیکن ہنوز ہمارے

ہندوستانی معزز اصحاب خصوصًا۔ مسلمانانِ ہند اپنی تعلیمی کوشش کے علاوہ دیگر امراض مانع ترقی و بہبودی ملک کی طرف توجہ کرنا گناہ عظیم خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے۔ بی۔ اے۔ اور۔ ایم۔ اے کی ڈگری جان کہپا کر اندوختہ والدین صرف کر کے حاصل کر بھی لی تو امید واری کرتے کرتے مرحوم والدین کی بچی بچائی جائداد نظر قرض اور سود مہاجنی ہوجاویگی اور تب نیا فیشن دوسروں کے سامنے ہاتھہ پھیلانے کو مجبور کرے گا۔ اور عجب نہیں کہ فیشن کے بدولت کپڑے سے دونی اور تگنی سلائی دیتے دیتے خود جناب کا سُوٹ نظر خیاط ہو جاوے۔ ایسی حالت میں جبتک ہم۔ صنعت۔ حرفت۔ تجارت کی طرف اپنا خاص توجہ نہ کریں۔ تو ترقی معلوم۔ جسکی مثال آج تمام یورپ اور اہالیان یورپ میں ہے۔

ہم جب اپنے مکان میں پیدا ہوے تو آنکھہ کھول کر دیکھا تو کیا دیکھا کہ ہمارے گھر کی عورتیں سوائے چارپائی کے باندہ توڑنے اور فضولیات بک بک کے کچھ نہیں جانتیں ہمکو یہ پیدایشی۔ اور خاندانی ورثہ۔ مثل مادری زبان کے ملا۔ برخلاف اسکے انگلستان میں امیر سے امیر خاندان یا بادشاہوں کی شریف لیڈیاں ایک نہ ایک ہنر سے بخوبی واقفیت رکھتی ہیں۔ اور اُنکے علمی مذاق اور پاکیزہ اخلاق و سنجیدہ خیالات کا کیا کہنا انگریزوں کو اُنکی ترقی کے اسباب وراثتاً مثل مادری زبان کے ملتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی ترقی کا باعث اُنکی نیک بخت مائیں ہیں۔

ہندوستان میں شریف بیویاں کسی ہنر کے ذریعہ اپنی غربت کے

زمانے میں بسر کرنے کے بجائے فاقہ پر فاقہ کرنا اور دوسروں سے
مدد کی طالب ہونا فخر سمجھتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ انکو کوئی ایسا کام آتا ہی
نہیں جو اُنکے وقت پر کام آوے۔ انگلستان میں سیکڑوں کارخانے
ایسے ہیں جنمیں ہزاروں شریف لیڈیاں اپنے ہنر کے ذریعہ سے
اپنی سخت سے سخت مصیبت اور افلاس کے زمانے میں آرام سے
زندگی بسر کرتی ہیں۔

ہمارے ملک کے بھی بہت سے شریف پاکیزہ خیالات کے اصحاب
اس کوشش میں ہیں کہ عورتوں کو علمی شوق اور اخلاق حمیدہ سکھایا جاے
اس غرض کے لئے بہت سے رسالے نکلتے ہیں۔ لیکن میری نظر سے
کوئی رسالہ ایسا نہیں گذرا جسمیں اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ۔ سینا۔ پرونا
کاٹنا۔ کاڑہنا وغیرہ سکھلایا جاوے یہ ضرورت مجھکو ایک عرصہ سے
محسوس ہو رہی تھی۔ اور میں نے قریب چار ماہ کے ہوئے اپنے چند
معزز دوستوں کی رائے سے جنکو خاصکر اس مضمون سے دلچسپی ہے
ارادہ کیا تھا کہ کسی معزز پرچے میں جو کہ شریف خواتین کے ہاتھ میں
جاتا ہے اپنی بکواس لکھہ مارا کروں۔

میں نے ایک خط اڈیٹر صاحب خاتون کو لکھا یہ بہت بڑے حامی
قوم اور سنجیدہ فہم آدمی ہیں خدا انکا بھلا کرے فوراً اونہوں نے بہت
جوش سے جوابدیا کہ میں ضرور اپنے رسالہ میں اس مضمون کو جگہہ دونگا۔
شومی قسمت سے بیماری و تفکرات دنیا نے اتنی فرصت نہ دی کہ میں مستقل
طریقے سے مضمون بھیجنے کا بندوبست کر سکوں مگر خدا خدا کر کے اب اتنی
فرصت مل گئی ہے کہ اس قومی بار سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں۔

پبلک اگر پسند کریگی تو انشاءاللہ ہمیشہ ہیں خدمت کو حاضر ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس فن کے متعلق پرانے طریقے کو چھوڑ کر انگریزی صاف اور سہل اصول کو کام میں لاؤں کیونکہ نہ اب پرانی پوشاک رائج ہے اور نہ اب پرانے فیشن کی پوشاک پہننے والے باقی رہے ہیں انشاءاللہ ان قاعدوں سے پردہ دار شریف بیبیاں گھر بیٹھے بلا اوستاد کے ہر ایک طرح کی لیڈیز اور جنٹلمین کے کپڑے آسانی سے بنانا اور کاٹنا سیکھ جاوینگی جو کہ انکو ایک فضول خرچی سے بچانے اور افلاس میں مدد دینے کا ایک ذریعہ ہوگا علاوہ اسکے مرد بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہاتھہ پڑا ہوا ہنر کسی نہ کسی وقت ضرور کام آجاتا ہے۔

میں آج صرف قمیص کی کاٹ کی بابت لکھونگا (درزی کے کام کرنے کے واسطے کن چیزوں کی ضرورت ہے؟)

(۱) (ایک انچ ٹیپ) یہ ایک فیتہ ہے بکثرت بازاروں میں بکتا ہے جس ہر ایک انچ پر نمبر بنا ہوتا ہے لمبائی اسکی (۶۰) انچ ہوتی ہے جو ناپنے کے کام آتا ہے۔

(۲) (ایک مربع اسکوئر) جسکو ہندی میں (دگنا) کہتے ہیں یہ کپڑے کے ہر ایک حصہ کو ٹھیک مربع میں کر دیتا ہے آسانی سے ہر طلبہ کا ایک ہوشیار بڑھئی بنا سکتا ہے۔ جسکا ایک حصہ کم از کم ۲۱ انچ دوسرا حصہ ۱۲ انچ ہونا چاہیئے۔

(۳) ایک چاک مٹی کا ٹکڑا جو نشان دینے کے کام آتا ہے۔

(۴) ایک کاغذ کا تختہ جو اس کپڑے کے برابر ہو جسکو تم بنانا چاہتے ہو۔

(ناپ لینا)

کپڑا بنانے سے پیشتر ناپ لینے کی ضرورت ہے۔ قمیص بنانے کیواسطے

(۱) لمبائی گردن کے نیچے سے جہاں تک کی بنوانے والے کی پسند ہو ناپ لو (۲) کالر۔ گردن کے گرد ٹیپ ڈالکر ناپو (۳) سینہ۔ سینہ کے گرد چاروں طرف ٹیپ ڈالکر ناپو (۴) آستین۔ آدھی پشت سے لیکر مونڈھے تک جہاں سے آستین جوڑی گئی ہے اور ہاتھ کے گٹے تک آستین کی پوری لمبائی ہے۔ لیکن ناپ لیتے وقت ہر ایک ناپ کو دوبارہ سہ بارہ لے لو جبتک پوری طور سے اطمینان نہ ہو جائے ہرگز نہ لکھو اور بنوانیوالے کی پسند ضرور دریافت کرلو۔

(ناپ لینے کا طریقہ)

محمد سعید صاحب۔ قمیص سخت کف کی دونوں دامن برابر۔ نیلا بٹن کالر۔ لمبائی (۳۶) انچ۔ کالر (۱۵) سینہ (۳۶) آستین (۸-۲-۳۲) انچ
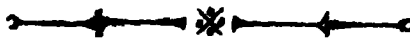
خودنمائی

خودنمائی بڑی برائی ہے خودنما خودپسند۔ کہلانا		یوں کہو نفس کی خدائی ہے اپنی حالت کی جگ ہنسائی ہے	

	میاں مٹھو اور اپنے ہی منہ سے عقل سے گویا ہاتھا پائی ہے	

اختر بیگم

نقشہ قمیص کا
اسکیل ۸۔ انچ = ایک انچ
آدھا پشت کا حصہ نمبر ۲
آدھا سامنے کا حصہ نمبر ۱
آدھی آستین نمبر ۵
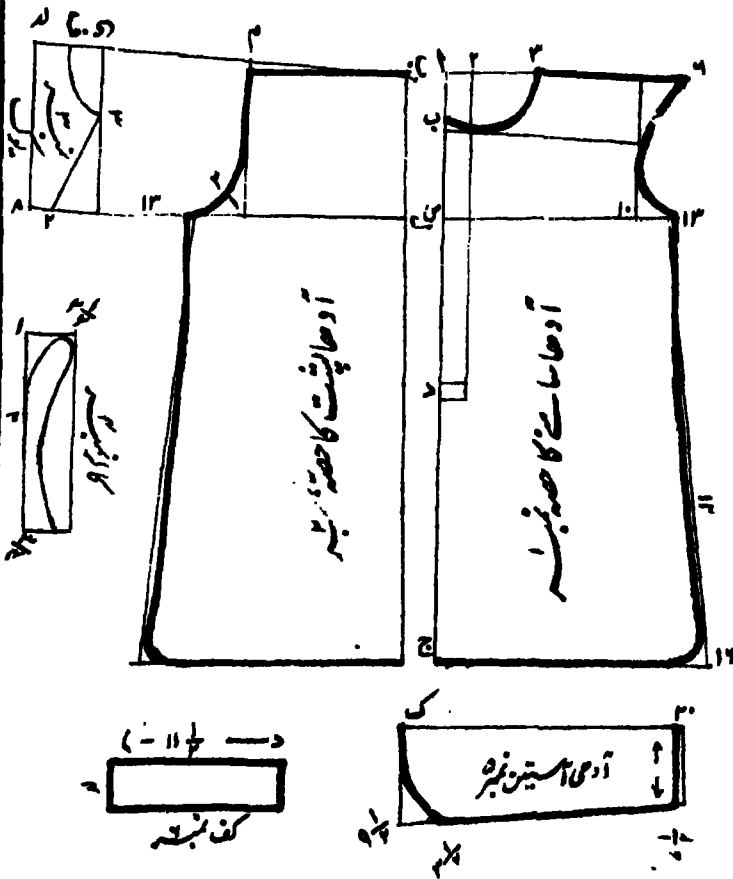
قمیص کے کاٹنے کے وقت کپڑے کو بیچ سے دہرا کرکے برابر تہ کرلو اور پہلے ایک تختے کاغذ پر ڈرائنگ کرکے اُسکو کاٹ کر بہت آسانی سے اُسی کو کپڑے پر رکھکر کاٹ سکتے ہو۔

کاٹنے کا طریقہ

سامنے کا حصہ نمبر ۱

۱ سے ج۔ تک ایک سیدھی لکیر کھینچو جو کہ پوری لمبائی ہے (۳۶) انچ

۱ سے ب۔ تک بارھواں حصہ سینہ کا یعنی ۳ انچ

۱ سے د۔ تک ہمیشہ (۱۶) انچ

۱ سے س۔ تک چوتھائی سینہ سے آدھا انچ کم

اب چوڑائی میں اسکو ہر رکھکر مربع حصہ میں ایک لکیر کھینچو ۱۔ ۵ تک

۱۔ سے دو انچ واسطے سامنے کی لپیٹ کے

۲۔ سے ۳ تک۔ بارھواں حصہ سینہ کا گردن کا گلا بنانے کے واسطے

۳۔ سے ۴ تک ۶ انچ کندھا چھٹا حصہ سینہ کا

۵۔ سے ۶۔ ایک انچ

س سے ۱۰۔ چوتھائی سینہ کا اور ایک انچ زیادہ دس انچ۔

س سے ۱۳۔ تہائی سینہ سے ایک انچ زیادہ تیرہ انچ۔

ج سے ۱۶۔ ۲ انچ دامن کے واسطے۔

۱۶ سے ۱۲ انچ واسطے چاک کے۔

اب ۱۳ سے ۶ تک ایک سیدھی لکیر کھینچو اور درمیان سے ½ انچ کم کردو اور ۱۳ سے ۹ تک مونڈھے کا حصہ مثل ڈرائنگ کے بنا دو جہاں سے آستین جوڑی جاویگی۔

نمبر ۲۔ پشت کا حصہ ۱۳ سے نیچے کا حصہ تو مثل سامنے کے رہے گا اس واسطے اُسکو لکھنا فضول خیال کیا جاتا ہے۔ ہاں ۱۳ سے اوپر کا حصہ سمجھایا جاتا ہے۔

ب سے ل تک ½ ۸ انچ مثل سامنے کے۔

ب سے ۱۱۔ گیارہ انچ تیسرے حصہ سینہ سے ایک انچ کم۔

۴ سے ۱۱۔ ایک انچ نیچے

ل سے ۱۳۔ ۱۳ انچ مثل سامنے کے۔

یوک نمبر ۳

ی سے ۴۔ ۴ انچ

ی سے ف ½۱ انچ

ی سے ۳-۳ انچ بارھواں حصہ سینہ کا

ہ سے ۸-۸ انچ آدھی پشت کی ناپ

ہ سے ۲-۲ انچ

کالر نمبر ۴

ا سے ۸-۸ انچ

ا سے ½۲-½۲ انچ

کالر کے سامنے کا حصہ ایک انچ سے ½ کم

پشت کا حصہ ½۱ انچ

تین ڈرائنگ کے قسم کی کاٹ لو

آستین نمبر ۵

ک سے ۲-۲ یوک اور کف کی چوڑائی

آستین میں سے کم کرکے ۲۰ انچ

۲۰ سے ½۷-½۷ انچ

ک سے ½۹-½۹ انچ چوتھائی سینہ اور آدھا انچ

ا سے ½۳-½۳ انچ

کف نمبر ۶

ک سے ½۱۱-½۱۱ انچ لمبا اور چار انچ چوڑا یا جیسا تم پسند کرو۔

اگر پشت کا دامن بڑا مطلوب ہو تو تین انچ پشت کا دامن نیچے سے زیادہ کردو۔

محمڈن یونیورسٹی اور خواتین کی توجہ

مقابلہ تو بہت ناتوان کرتے ہیں		شکست و فتح نصیبوں سے ہے گر اسوقت

اگرچہ عام طور پر اس گرمجوشی و سرعت کے ساتھ مجھے امداد نہیں ملی

جسکی کہ میں تعلیم یافتہ بہنوں کی طرف سے متوقع تھی۔ تاہم یہ میری ناشکر گذاری ہوگی اگر میں اُن چند ہمدردِ قوم بہنوں کا احسان نہ مانوں۔ جو میری تحریر سے فراہمی چندے میں مصروف ہیں۔ میں نے اخبارات میں اپیل کرنے سے پیشتر چند جگہ خطوط لکھے تھے۔ جن کے جواب میں ان روشن خیال بہنوں نے خاکسار سے رسید بہیاں طلب کرکے کام شروع کر دیا ہے۔

رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ کی میں بے حد شکر گذار ہوں۔ جنہوں نے میرے پہلے خط کے جواب اپنے صوبے کی سکرٹری کا کام منظور کیا۔ چنانچہ اُن کو سکرٹری مقرر کرکے باقاعدہ کارروائی شروع کر دی گئی مطبوعہ اپیل و چٹھی (جس میں خواتین کو مخاطب کیا گیا) ضلع وار سیکرٹری و گھروں میں بھیجدی گئی ہے۔ جو تقریباً پڑھے لکھے اور بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے ہیں۔ ہر ایک گھر سے مدد کی اُمید ہے۔ کوشش کرنا سکرٹری صاحبہ کا کام ہے۔ اور کامیابی دوسری بہنوں کے ہاتھ۔

رضیہ بیگم صاحبہ کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ وہ ابھی نئی دُلہن گھونگٹ میں ہیں۔ پابندی رسم کے مطابق نئی دلہن کو اچھی طرح دیکھنے یا بات چیت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ لیکن آفریں ہے اُس دلہن کے حوصلے پر کہ انہیں دنوں ایک بڑے کام کی ذمہ داری لی۔ یہ نتیجہ ہے اعلیٰ تعلیم کا۔ خوش قسمت ہے وہ گھر جس میں ایسی بہو آئے اور مبارک ہے وہ دلہن جو تبدیل زندگی کی ابتدا ہی میں کوئی نیک کام کرے۔ دوسری دُلہنوں کو ان کی تقلید کرنی چاہیئے۔

میں لفظوں میں شکریہ ادا نہیں کرسکتی اپنی پیاری بہن بنت سید امداد حسین صاحبہ کا کہ باوجود نہایت مغموم و پریشان ہونیکے اُنہوں نے

میرے کہنے کو نہ ٹالا - اور جیسے بھی ہو سکا پژمردہ دل و ناتواں ہاتھوں
سے کام شروع کر دیا - اس حالت میں کہ وہ لکھتی ہیں کہ بوجہ پلیگ کے
جمپور اجاڑ پڑا ہے - اور جن سے مدد کی امید تھی وہ سب باہر گئے
ہوئے ہیں - خدا میری شکستہ دل بہن کو صبر و اطمینان عطا فرمائے -
اور اس نیک کام میں کامیاب کرے -

اسیطرح دوسری رنجیدہ و پژمردہ دل بہن ہمشیرہ محمد مسعو صاحبہ
نے بھی نہایت حوصلے سے کام لیکر رسید بھی مجھ سے منگا لی ہے - اور
بدایوں میں کام کرنے والی ہیں - ہمشیرہ مسعود صاحبہ پر اگر سخت صدمہ
ہونہار بہن طیبہ کی دائمی جدائی کا نہ گذر چکا ہوتا - تو وہ بہت کچھ کر دیتیں
اب بھی خدا اُن کی کوشش میں برکت دے -

روشن خیال بنت حفیظ اللہ صاحبہ وہ بہن ہیں جنہوں نے سب اپیل
شایع ہوئے جبکہ تہذیب نسواں میں اس فنڈ کا چرچا بھی نہ ہوا تھا -
میرے پہلے ہی خط کے جواب میں امرتسر کا کام اپنے ذمہ لینا منظور کیا
(بعض بہنیں ایسی بھی ہیں جو پانچ پانچ چھ چھ خطونکا جواب نہیں دیتیں)
اور رسید بہیاں پہنچنے سے پیشتر ہی اُنہوں نے کچھ چندہ جمع کر لیا تھا -
جہاں میں اپنی بہنوں کی شاکی ہوں کہ عرضداشت پڑھکر بھی اپنے
شہر میں کام کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا - وہیں - سمجھدار و روشن خیال
بہن جناب سید بیگم صاحبہ جلال آباد کی تہ دل سے شکر گذار بھی ہوں -
سید بیگم صاحبہ بھی وہ ایک بہن ہیں جنہوں نے صرف اخبارات دیکھکر ہی
مجھ سے رسید بھی طلب کی - اُنکو میرا کوئی خط نہ گیا تھا - حالانکہ وہ ایک
ایسی جگہ ہیں جہاں اونہیں کامیابی کی ذرا بھی اُمید نہیں - خدا ان کی

کوشش کو کامیاب کرے۔

جناب بنت سید محمد شاہ صاحبہ سکرٹری انجمن خاتونان اسلام لاہور بھی مجھے بڑی مدد دینے کا وعدہ کرتی ہیں۔ علاوہ خود چندہ دینے کے خواتین لاہور سے وصول کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ان بہن صاحبہ کی طرف سے کافی مدد ملنے کی امید ہے۔ کیونکہ بوجہ سکرٹری انجمن ہونیکے مسلمان خواتین لاہور کا ایک گروہ ان کے زیر اثر ہے۔

بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ دہلی بھی رسید بھی منگا کر فراہمی چندہ میں مصروف ہیں۔ چونکہ اُنہیں دہلی گئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے اسلیئے زیادہ واقفیت نہیں رکھتیں۔ وہاں کی روشن خیال مقامی بہنوں کو اُن کی مدد کرنی چاہیئے۔ مجھے اُمید ہے کہ بہن انجمن آرا بیگم صاحبہؓ ہاں خاص کوشش کریں گی۔

شریف النساء عبداللطیف صاحبہ جالندھر تو نہایت ہی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اُنہوں نے جو حالات وہاں کے اپنے خط میں لکھے ہیں۔ وہ معلوم کرکے مجھے سخت افسوس ہوا۔ وہ لکھتی ہیں کہ "جالندھر سے چونکہ یونیورسٹی کے لئے چندہ جا چکا ہے اب جس گھر میں فہرست واپس بھیجی جاتی ہے وہاں سے یہی جواب ملتا ہے کہ ہمارے مرد دے چکے ہیں۔ اب ہم دوبارہ کیوں دیں اور کہاں سے دیں" اسکا مجھے پہلے ہی خیال تھا کہ ایسا کہا جائیگا۔ افسوس ہے بیبیاں یہ نہیں سوچتیں کہ ہر روز ہم ایسے ایسے اخراجات برداشت کرتے رہتے ہیں اسوقت بھی ذرا حوصلہ کرلیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ عید کے دوسرے روز لڑکا پیدا ہوا اور ملازمین وغیرہ کو دوبارہ انعام دیا جائے اور

کنبہ برادری میں شیرینی تقسیم کی جائے۔ اُسوقت یہ کوئی بی بی نہیں
کہہ سکتیں کہ کل ہی تو عید کا انعام دیا جا چکا ہے آج تم کو کیوں دیں
یا کل ہی برادری میں وہ دے چکے ہیں آج دوبارہ کہاں سے دیں
بیبیو کیا ایسا کہہ سکتی ہو؟ ہرگز نہیں۔ بھلا اتنا حوصلہ کہاں۔ تو
پھر کیوں ہمیں یہ جواب ملتا ہے۔ کہ "مرد دے چکے ہیں"۔ وہ دے چکے
ہیں۔ اپنے پاس سے۔ آپ سے مانگا جاتا ہے آپ کے خانگی اخراجات
وجیب خرچ سے۔ پس یہ عذر کسی طرح مناسب نہیں "کہ ہمارے مرد دے
چکے ہیں"۔ بہت نہیں تو تھوڑا دو روپے نہیں آنے دو۔ مگر خالی جواب
نہ دو۔

بعض شریف النساء لکھتی ہیں کہ بعض کم سمجھ گھروں سے تو یہ سننا
پڑتا ہے "کہ علیگڈھ کے لئے تو مرد چندہ جمع کر چکے ہیں۔ اب تم اپنے لئے
کر رہی ہو"۔ خیر بہن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایسے کام کرنے والوں کو
اس سے بڑھکر بُرا بھلا سننا پڑتا ہے۔ ان باتوں کی پرواہ نہ کرکے
استقلال و حوصلہ سے کام لینا چاہیئے۔ خدا کرے ہر ایک جگہہ سے
بھتیاں پُر ہو کر آئیں۔

یہ تو تھے دوسری جگہوں کے قصے۔ اب کہوں کچھ اپنی نسبت
گو ناکامیابی کی ڈراؤنی صورت پیش نظر تھی۔ کیونکہ اول تو یہاں
کی حالت دگرگوں۔ دوسرے یہ رکاوٹ کہ حال ہی میں انجمن اسلامیہ
کوہاٹ کے ہمدرد قوم روشن خیال سکرٹری جناب سید محمد اشرف صاحب
اسلامیہ اسکول (جسکی بنیاد پڑ رہی ہے) کوہاٹ کیلئے یہاں سے چندہ
وصول کر چکے تھے (شاید پانچ ہزار) یہ بھی خوبی قسمت تھی کہ کوہاٹ سے

ابھی تک یونیورسٹی کے لئے چندہ نہ ہوا تھا تو مقامی اسکول کے لئے ہو گیا۔ اب اتنی تو یہاں کس کو سمجھ ہے کہ وہ چندہ کس کام کے لئے تھا اور یہ کس کام کے لئے ہے۔ اُن کے پاس سے تو ایک رقم نکل چکی اب دوبارہ دیں تو کیسے ؟ اور دقت یہ کہ کسی بی بی کے نام چٹھی لکھنی غضب۔ خواہ بیبیاں ان پڑھی ہوں۔ لیکن زنانہ کام میں تو مستورات ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی گناہ۔ لکھی پڑھی بی بی کے نام کسی دوسری بی بی کا خط جانے کی بھی سخت بندش۔

مجھے دو تین معزز گھروں کی بیگمات کی بابت معلوم تھا کہ وہ نوشت و خواند کی قابلیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ اُن کے نام چٹھیاں بھیجی گئیں۔ جو مع فہرست کے بند واپس آئیں۔ اس جواب کے ساتھ کہ "ہم بیگم کے نام کا خط نہیں لے سکتے۔ اسکو بہت بُرا خیال کرتے ہیں"۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوا اپنی اس کارروائی پر کہ میں نے خط بھیجکر چندہ بھی کھویا۔ اگر چٹھی نہ جاتی تو ضرور کچھ ملجاتا۔ پھر خط لکھنے بند کئے اور صرف فہرست ہی بھیجنے لگی۔ جس پر چند سطور ہیں کسی کو مخاطب کئے بغیر اظہار مطلب کر دیا گیا۔ اور ساتھ ہی پن سے فارم اپیل ٹانک دیا تھا۔ اس طرح بے لفافے کی اپیل و فہرست قبول ہو جاتی تھی۔

تین چار روز بعد جس عرصہ میں کہ میرا ملازم دس دس بار پھرا آتا تھا۔ چندہ وصول ہونے لگا۔ میں شکریہ ادا کرتی ہوں جناب مسز عبداللطیف صاحبہ معلمہ گرل اسکول کا کہ انہوں نے بھی میرے کام میں بہت کوشش کی۔ جن گھروں میں اُن کی آمد و رفت تھی۔ وہاں فنڈ کا چرچا کیا۔ وہ خود بھی پیر جماعت علی شاہ صاحب کو چندہ

دے چکی ہیں۔ مجھے یہاں سے جس قدر بھی وصول ہوا ہے وہ پنجابی اصحاب کے گھروں سے ملا ہے۔ جو یہاں ملازمت پر مقیم ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کے لوگ بوجہ تنگدلی کے نہیں دیکھتے۔ نہیں دیکھتے ہیں۔ اور نہایت فراخ دل ہیں۔ صرف سمجھ کی کمی ہے۔ بہ سبب کم علمی کے ضروریات قومی کا احساس نہیں رکھتے۔

عوام تو کیا بڑے بڑے معززین بھی اسوقت تک مجوزہ یونیورسٹی سے بیخبر ہیں ورنہ اگر یہاں بھی کمیٹی تکمیل قایم کر کے باقاعدہ کارروائی کی جاتی تو ایک ہی جلسے میں اُمید ہے کہ ہزاروں وصول ہو جاتے۔ مگر یہاں چونکہ اسلامیہ اسکول قایم ہو رہا ہے۔ جو چند کام کرنیوالے روشن خیال صحاب ہیں وہ اُس طرف مصروف ہیں۔

جو کچھ یہاں سے وصول ہو چکا ہے اُس کا حساب لکھا جاتا ہے ابھی چند گھروں سے اور وصول کرنا باقی ہے وہ دوسری فہرست میں لکھوں گی۔ افسوس ہی کہ باہر سے چندہ بہت کم آتا ہے۔ دو ماہ گذرے ہزار تو کیا پانچسو تک بھی ہمارے چندے کی تعداد نہیں پہنچی سب سے زیادہ امداد فنڈ کو معلمات اسکول سے ملسکتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شاگرد لڑکیوں اور اُنکے گھروں سے وصول کر سکتی ہیں۔ ہماری محترمہ سیدہ جناب عمدہ بیگم صاحبہ معلمہ وکٹوریہ گرل سکول لاہور ضرور مدد کریں گی۔ مسز ملک زماں مہدی صاحبہ کی خاموشی قابل افسوس و تعجب ہی۔ اب اخیر میں پھر معزز سمجھدار خواتین سے التجا ہی۔ کہ جلدی اس طرف متوجہ ہوں۔ کام بہت ہی اور وقت کم۔ اس سال کا پانچواں مہینہ گذر رہا ہی۔

ہمارے فنڈ کے حساب کی میزان دیکھکر ضرور آپ کو افسوس ہوگا پس اس رنج کی تلافی اس طرح ہوسکتی ہے کہ آپ سب فراہمی چندے میں کوشاں ہوں۔

رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ کی والدہ مسز لئیق احمد نے اپنا چندہ بیس۲۰ روپیہ رضیہ بیگم صاحبہ کو دیدیا ہے۔ اور رضیہ بیگم صاحبہ نے اپنی طرف سے چالیس۴۰ روپیہ علیحدہ کئے تھے۔ جن میں سے بیس۲۰ روپیہ اُنکو اخراجات کے لئے دیدئے گئے اور بیس۲۰ روپیہ اُنہوں نے فنڈ میں ڈالکر درج بھی کر دئے ہیں۔ وہ اپیل وچٹھیاں چھپوا کر تقسیم کر رہی ہیں۔ علاوہ ازیں بیسیوں خطوط روزانہ پوسٹ کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم دونوں بہنوں کی طرف سے پچاس۵۰ روپیہ کی حقیر رقم فنڈ کیلئے تھی جسمیں سے بیس۲۰ روپیہ اخراجات کے لئے رکھ لئے اور باقی داخل فنڈ کر کے درج فہرست ہیں۔ اور آیندہ ان اخراجات کے لئے فنڈ سے نہ لیا جائیگا۔ یعنی روانگی پیکٹ کاغذات وخطوط کتابت اپنے خرچ سے کی جاویگی۔ مگر یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ سب کام کرنے والی بہنیں اپنے خرچ سے کریں۔ ہمیں اسوقت روپوں سے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے ہماری مدد کو بہنیں تیار ہوں۔ ٹکٹ وکاغذ وغیرہ کا خرچ اُنکو بھیجدیا جائیگا

فہرست حساب درج ذیل ہے

جناب بیگم صاحبہ منشی عزیزالدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بمقام جٹ پٹ (بلوچستان) .... عـــہ

جناب بیگم صاحبہ سید محمد اشرف صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ پلیڈر

چیف کورٹ پنجاب - کوہاٹ .... للعہ ۴۰
جناب بیگم صاحبہ لئیق احمد صاحب بی - اے - ایل - ایل - بی پلیڈر، سنبھل ضلع مراد آباد .... عنہ ۲۰ *
جناب بیگم مسعود الحسن صاحب بیرسٹرایٹ لا سول لائن مراد آباد - عنہ ۲۰
جناب اڈیٹر صاحبہ رسالہ شریف بی بی لاہور .... عنہ ۲۰
جناب بنت سید محمد شاہ صاحبہ سکرٹری انجمن خاتونان اسلام لاہور عنہ ۱۰
جناب نواب بیگم صاحبہ آف محمود پور .... عنہ ۱۰
جناب ایم - جے - الیاس بمبئی .... صر
جناب بیگم شیخ نظیر الدین صاحب نعمانی رودلی .... عا
جناب بیگم سید محمد موسن صاحب جنرل کنٹریکٹر کوہاٹ .... صعہ
جناب بنت غلام محمد صاحب انسپکٹر آف ورکس ریلوے کوہاٹ ... سعہ
جناب بیگم سید سردار حسین صاحب ریڈر کوہاٹ .... صر
جناب بیگم عبداللہ خاں صاحب اکاؤنٹنٹ کوہاٹ .... صر
جناب بیگم ولی محمد صاحب سپروائزر کوہاٹ .... صر
جناب بیگم سید محمد صاحب ٹیلیگراف ماسٹر کوہاٹ .... صر
جناب بیگم غلام حسن صاحب انسپکٹر آف سکولز کوہاٹ .... صر
جناب بیگم عبدالرحمٰن صاحب سٹوڈنٹ علیگڑھ کالج کوہاٹ .... صر
جناب بیگم محمد موسیٰ صاحب ہیڈ کلرک کوہاٹ .... سے
جناب بیگم رحمت اللہ صاحب سب اورسیر ریلوے .... للعہ

* رقم رضیہ بیگم صاحبہ سکرٹری کے پاس مراد آباد ہی میں ہے۔

اندرون خانہ جناب خان صاحب خان خوشدل خانصاحب رئیس اعظم و پریسیڈنٹ انجمن اسلامیہ کوہاٹ .... سے

اندرون خانہ جناب خان تاج محمد خانصاحب سب جج جالندھر رئیس کوہاٹ عہ

اندرون خانہ جناب خان پردل خانصاحب رئیس کوہاٹ .... عہ

اندرون خانہ جناب پیر مخدوم شاہ صاحب جیلانی و رئیس جنگل خیل کوہاٹ .... عہ

اہل خانہ جناب خان طلس خانصاحب کوہاٹ .... عہ

اہلخانہ جناب خان جعفر خانصاحب کلرک ڈپٹی کمشنر کوہاٹ .... ثا

اہلخانہ جناب خان شیر زماں خانصاحب رئیس جنگل خیل کوہاٹ ... عہ

اہل خانہ جناب رستم خاں صاحب نقشہ نویس کوہاٹ .... عہ

اہل خانہ جناب محمد صدیق خانصاحب کوہاٹ .... عہ

اہلخانہ میر اسلم مالی کمپنی باغ کوہاٹ ۴ر

اہل خانہ حسن پشاوری میوہ فروش کوہاٹ ۴ر

کابلی ٹرنک فروش کوہاٹ ۷ر

مراد بی بی ملازمہ کوہاٹ ۲ر

ایک غریب بی بی کوہاٹ ۲ر

دوسری غریب بی بی کوہاٹ ۰ر

تائی حاجن صاحبہ کوہاٹ ۰ر

ثروت آرا بنت نذر الباقر کوہاٹ .... عہ

بنت نذر الباقر کوہاٹ .... عہ

میزان ۱۱۱ لعہ ۲۸۹

بذریعہ پھول وصول ہوئے لوٹ ۳۹ ۱ ر

میزانکل سامنے عـہ ۳۲۸ ۹ ر

خاکسار

بنت نذرالباقر

سرسید کا خط آغا خاں کے نام

راحت منزل جنت الفردوس

سفیدی صبح کی یہلی شب غم کٹنے والی ہے
ہماری آہ سے مشرق کی چھاتی پھٹنے والی ہے

میرے عزیز سردار قوم

اسوقت جبکہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک ملک میں بڑے زور شور سے پھیل رہی ہے اور اسکے متعلق ایک دلی جوش پھیلا ہوا ہے جس نے مسلمانوں کی زندگی خاص و عام پر واضح کردی ہے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اپنے دلی خیالات کو خط کے ذریعہ سے آپ پر واضح کردوں

جو دلسوزی آپ کے دل میں مسلمانوں کی طرف پیدا ہوئی ہے اور جس ایثار و خلوص سے آپ خدمت قوم پر کمربستہ ہیں اس کی نظیر ملنی محال ہے۔ میں اس کو سپرد قلم کرتے ہوئے باغ باغ ہوتا ہوں کہ میری مردے از غیب بروں آید و کارے بکند والی پیشین گوئی جو نہایت درد بھرے دل سے نکلی تھی آپکے ہاتھوں پوری ہوئی۔ آپ کی دلسوزی نہایت درجہ کی عرق ریزی سچا اسلامی جوش اس قابل ہے کہ آپکے

نام کا وظیفہ پڑھا جائے۔

میرے عزیز میں گلزار خلد میں رہتا ہوں محسن الملک جیسے رفیق میرے ہمراہ ہیں۔ دنیا کے رہنے والے دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ تفرح گاہ کو بہشت سے تشبیہ دیا کرتے ہیں خیال کرو جو جگہہ خود بہشت ہو اس کے آرام اسکی آرایش اسکے سامان راحت کا کیا ٹھکانا ہی یہاں کی بہار دیکھکر ہندوستان کے شیکسپیر مرزا غالب کا مضمون صفحۂ دل سے حرف غلط کیطرح کاٹنا پڑتا ہی جسے انہوں نے اپنی غزل کے مقطع میں اس طرح لکھا تھا۔

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہی

لیکن ایسی پُر فضا جگہہ میں بھی میرا خیال اپنی قوم کی جانب لگا رہتا ہے اسی قوم کی جانب جس نے مجھے کرسٹان کا خطاب دیا تھا اور جسنے میرے لئے فتوائے کفر مرتب کرکے تک سے مہریں کروائیں تہیں جسیے میں اپنی زندگی میں قوم کے الفاظ کے جواب میں ٹھنڈے دل سے "بدم گفتی و خورسندم" کہتا رہا یا دلسوزی کے ساتھ فتوائے کفر کی تردید میں فقط یہ شعر پڑھتا رہا۔

خدا دارم دلِ بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

اسی طرح اب بھی میرے دل میں ان کی طرف سے کوئی کاوش نہیں میری روح اسی طرح قومی ترقی کی شیفتہ ہی جس طرح میرا پیکر فانی شیدا تھا کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ میری قوم نے جو کچھ کیا اس کی اسے مطلق خبر نہ تھی کہ کیا کرتی ہی۔

مجھے اس بات سے بڑھکر اور کسی بات میں اتنی خوشی نہ تھی کہ میں بہشتی

زندگی کے بجائے خدمت قومی میں رہوں اور بجائے اسکے کہ بہشت کے
دل افزا نظارے میری طبیعت کے بہلاؤ ثابت ہوں قومی گلزار کے
سجانے میں اپنے جسم فانی کی طرح اپنی لازوال روح کو وقف کردوں لیکن
نظام قدرت کے اصولوں کو توڑنا کسی کے برتے کا کام ہوتا تو ابتک
وہ روحیں جنھیں اپنے پس ماندگان کی محبت گرشتہ تربت میں بھی چین نہیں
لینے دیتی کبھی کی بیقرار ہو کر عالم ہستی کو مرقع عدم بنا دیتیں۔
میری جانب سے یہ پیغام میری قوم کو پہنچا دینا کہ میں بڑی دلچسپی کے
ساتھ تمام معاملات کو سنتا رہتا ہوں جو میری قوم کے متعلق دنیا میں
پیش آتے رہتے ہیں اور ان دنوں یہ خیال غایت درجہ کی مسرت
پہنچاتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی جسکے لئے میں تمام عمر محنت اور جانفشانی میں
رہا بننے کو طیار ہے اور اے میرے عزیز ہز ہائینس سر آغاں آپ ایسے
جلیل القدر اسکے لیڈر ہیں۔
اسوقت تک ہماری قوم کی تعلیم بالکل ایسی ہے جیسے کوئی کاہل شخص
محنت کرنے سے جی چرا کے جو اسے اپنی روزی مہیا کرنے کے لئے کرنی
پڑیگی جھوٹے ٹکڑوں پر قناعت کرے لیکن جب یونیورسٹی کا چارٹر مل جائیگا
اسوقت ہماری قوم کی تعلیم خود اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ فلسفہ داہنی طرف
ہوگا سائنس بائیں طرف اور

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ

کا تاج سر پر جس سے قوم کے بچے پاکیزہ خیالات اعلیٰ تعلیم سچا اسلامی
جوش حاصل کر کے اسلام کو ایسی صورت میں ظاہر کرینگے۔ جیسے ایک نورانی
فرشتہ جسنے اپنے نورانی پروں کی سفیدی میں رحمۃ اللعلمین کا جلوہ دکھا دیا ہو

سر آغا خان! خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے اور قوم مرحومہ کو امید کے مطابق یونیورسٹی کا چارٹر دلوانے میں آپ کامیاب ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ وقت آگیا ہی جس کی دھن میں میں تمام عمر رہا اور اب تک ہوں کیونکہ کوئی غیب کی آواز میرے کان میں کہہ رہی ہی۔

نصر من اللہ وفتح قریب

فدائے قوم سید احمد

سر سید مرحوم کے نصب العین مسلم یونیورسٹی کے متعلق اگرچہ بہت سی تحریریں چھپ چکی ہیں لیکن انکی یہہ چٹھی جس کی نقل ایک ذریعہ سے جو میں بتانا نہیں چاہتی چونکہ مجھے مل گئی ہے اسلئے میں خواتین قوم کے لئے خاتون میں چھپوانی پسند کرتی ہوں تاکہ سید مرحوم کے خیالات سے میری ہمجنس بہنیں آگاہ ہوں اور یونیورسٹی کی مدد کے لئے آمادہ۔

راقمہ بنت حفیظ اللہ امرتسر

اڈیٹوریل

ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال۔ حضور نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال جو گذشتہ مہینے میں شرکت دربار کی غرض سے ولایت کو روانہ ہوئی تھیں لندن پہنچ گئیں۔ وہاں ہر ہائینس خاص اعزاز وامتیاز کی نظروں سے دیکھی گئیں۔ ایک اخبار لکھتا ہی کہ ولایت کے نسوانی فرقہ میں بیگم صاحبہ بمنزلہ زیور کے سمجھی جاتی ہیں۔ اسوجہ سے نہیں کہ اسوقت تمام دنیا میں شاید

بیگم صاحبہ بھوپال ہی ایک خود مختار حکمران عورت ہیں۔ بلکہ انکی ذاتی لیاقت اور وجاہت ایسی زبردست ہی جسکی وجہ سے حقیقت میں وہ تمام دنیا کی عورتوں کیلئے مایۂ ناز ہیں ۹ مئی کو اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم اور ملکہ معظمہ سے ملاقات کی اور اسکے دو روز کے بعد علیا حضرت قیصرہ الیگزینڈرا سے ملیں۔

ولایت کے کئی سربرآوردہ اخباروں نے ہر ہائینس کیخدمت میں اپنے زنانہ نامہ نگاروں کو بھیجا اور جو کچھ گفتگو ہوئی اسکو اپنے اخباروں میں بڑی شوق سے چھاپا

ہر ہائینس چونکہ نہایت اعلیٰ درجہ کی روشن خیال اور تعلیم یافتہ رئیسہ ہیں اسلئے امید ہی کہ دوران قیام ولایت میں ہندوستانی عورتوں کی بابت ایک نہایت عمدہ نقش وہاں کے لوگوں کے دلونمیں قایم کرینگے۔ اور آپکی بدولت ہندوستان کی خواتین کا ایک اعزاز وہاں کے لوگوں میں پیدا ہوگا۔

پردہ پارٹی۔ ایس بی بنت سید محمد شاہ وکیل نے مسز میاں شاہنواز صاحبہ کو انکی شادی کی خوشی میں انجمن خاتونان اسلام کے جلسہ کے بعد ۵ مئی کو ایک پارٹی دی

مسز آنریبل میاں محمد شفیع صاحب نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی خوشی میں انجمن مذکور کو پچاس روپئے عطا فرمائے اور پھر کہا کہ اگر سب بہنیں جو یہاں موجود ہیں ایک ایک روپیہ دیں تو میں ایک اشرفی اور دیتی ہوں۔ چنانچہ موقع پر پندرہ سولہ روپئے اور جمع ہو گئے۔

پارٹی بہت مکلف تھی۔ میزبانہ نے مسز محمد شفیع صاحبہ کو انکی صاحبزادی کی شادی پر مختصر الفاظ میں مبارکباد دی۔ اور مسز شاہنواز صاحبہ کیلئے دعائے خیر مانگی۔

اہلیہ شیخ محمد یعقوب صاحب نے سو روپئے اور اہلیہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب نے پچاس روپیہ نقد انجمن کو دئے انجمن کی اس کامیابی پر اسکے کارکن مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اعلیٰ تعلیم - انجمن ترقی تعلیم سائنس و حرفت کلکتہ کی جانب سے ایک گریجویٹ خاتون سائنس و حرفت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے وظیفہ دیکر ولایت کو روانہ کیگئی ہے جو ۹ مئی کو بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئی۔

اعلان چندہ - اسماء گرامی چندہ دہندگان بمد مدرسہ نسواں علیگڈھ نہایت شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

	پائی	آنہ	روپیہ
۱ - عطیہ ریاست ٹونک از جولائی ۱۹۱۰ء لغایتہ مارچ ۱۹۱۱ء	۔۰	۔۰	۴۵۰
۲ - مرسلہ سید خورشید علی صاحب حیدرآباد دکن	۔۰	۔۱۴	۱۶
۳ - زبیدہ بی بیگم صاحبہ سکرٹری انجمن معاون نسواں	۔۰	۔۰	۱۰
۴ - عطیہ گورنمنٹ از جولائی ۱۹۱۰ء لغایتہ فروری ۱۹۱۱ء	۔۱	۔۸	۸۱۵
۵ - مرسلہ بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ حیدرآباد دکن	۔۰	۔۰	۲۴
۶ - عطیہ ریاست خیرپور (میرس) بابتہ ۱۹۱۱ء	۔۰	۔۰	۶۰۰

میزانکل ۱ - ۶ - ۱۹۱۶ روپیہ

بمد وظائف فنڈ

۱ - مسز حشمت اللہ صاحبہ از گوالیار اسٹیٹ .... عہ/
۲ - مسز عبد الکریم خاں صاحبہ از گوالیار اسٹیٹ ۵عہ
۳ - مسز حشمت اللہ صاحبہ از گوالیار اسٹیٹ .... عہ/

۵عہ

وفات حسرت آیات۔ شمس العلماء خان بہادر ڈاکٹر سید علی بلگرامی بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ڈاکٹر آف لٹریچر (کلکتہ یونیورسٹی) رائل انجینیر (برطانیہ) ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی و رائل سوسائٹی آف آرٹس وغیرہ نے ۲ مئی کو اپنے وطن ضلع ہردوئی میں قلب کی حرکت یکایک بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔

مرحوم کے انتقال سے ایک ایسا جلیل القدر فاضل اور لاثانی ادیب مسلمانان ہند سے کم ہو گیا جسکا تبحر علمی و مہارت السنہ سارے ملک کے لئے ذریعہ افتخار و مایۂ ناز تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے بے وقت انتقال سے مسلمانوں کو ایک ناقابل تلافی قومی صدمہ پہنچا ہے۔انتقال سے پہلے مرحوم مسلم یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کے کام میں بحیثیت سکرٹری بڑی توجہ کے ساتھ مصروف تھے یونیورسٹی ایکٹ اور اسکے متعلق قواعد کا ابتدائی مسودہ انہیں کے ہاتھ کا ہے۔

گذشتہ ایسٹر کی تعطیلوں میں جو جلسہ کانسٹی ٹیوشن کا علیگڑھ میں ہوا اس میں مرحوم نے جس خوبی سے کمیٹی کو اپنی وسعت معلومات سے مدد دی اس سے قریب قریب سب لوگوں کی یہ خواہشیں تھیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف علیگڑھ میں آکر قیام فرمائیں اور آیندہ یونیورسٹی کے سب سے پہلے وائس چانسلر وہی مقرر ہوں۔مگر اس حاکم کو جس کے تحت ہیں ہمارے جسم و جان میں یہ منظور نہ تھا۔مرحوم کو

زنانہ حاضر جوابیاں

اس عنوان سے تین مضمون خاتون میں ابتک نکلے ہیں۔ ز۔خ۔ش صاحبہ نے
جنکا دو ایک مہینہ ہوا اسی عنوان سے خاتون میں مضمون نکلا ہے یہ تجویز
پیش کی ہے کہ دوسری بہنیں بھی زنانہ حاضر جوابیوں کی مثالیں جس قدر
انکو معلوم ہیں خاتون میں لکھ بھیجیں۔ بعد میں یہ تمام مثالیں ایک مجموعہ میں الگ
چھپوا دی جائیں۔

ز۔خ۔ش صاحبہ کی تجویز بہت معقول ہے۔ اور ہم ہر طرح پر تیار ہیں
کہ اگر کافی مثالیں بہم پہنچ جائیں تو رسالہ کی شکل میں انکو چھپوا دیں۔ بہن موصوفہ
کی تحریک کا یہ نمایاں اثر ہوا کہ لائقہ و فاضلہ بہن سہروردیہ خاتون نے
چند مثالیں زنانہ حاضر جوابیوں کی خاتون کے لئے بھیجیں۔ جو ذیل میں درج
کی جاتی ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ اور بہنیں بھی اس عنوان پر لکھیں گی۔
اور چند نمبروں کے بعد ہم اس قابل ہو جائینگے کہ ان کا ایک مجموعہ جو نسوانی ذہانت

اور طباعی کا بہترین نمونہ اور نہایت دلچسپ اور دلکش رسالہ ہوگا شایع کرسکیں

اڈیٹر

جب سے زنانہ حاضر جوابی کے عنوان سے خاتون میں پہلا مضمون نکلا مجھکو خیال تھا کہ میں بھی اس عنوان پر کچھ لکھونگی - مگر میرے عالم خیال سے نکلکر زبان قلم تک آتے آتے بہنوں نے پیش قدمی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسکے تین نمبر نکل گئے اور میرے لئے ہنوز روز اول ہی رہا - اب بہن - ز - خ - ش صاحبہ نے جو میرا نام لکھا تو چونک اوٹھی کچھ تو اُنکی خاطر سے کچھ اپنی طبیعت کے میلان سے قلم ہاتھ میں لینے کو تو لے لیا مگر سوچ رہی ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں جتنی معروف زنانہ حاضر جوابیاں میرے علم میں تھیں ان تین نمبروں میں تقریبًا ساری چھپ چکیں - اب میرے لئے بہنوں نے چھوڑا ہی کیا ہوگا -

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

بہرحال یہ کئی اشعار لکھ رہی ہوں مگر مجھے خوف ہی کہ کہیں کوئی لطیفہ مکرر نہو جائے کیونکہ میرے پاس خاتون کی اگلی جلدیں اسوقت موجود نہیں کہ مقابلہ کروں - پھر میں پہلے سے اسکا اعتراف بھی کئے لیتی ہوں جو کچھ میں لکھ رہی ہوں نہ میں نے کسی مستند کتاب میں دیکھا ہی نہ کتب سیرو تواریخ میں اسکا وجود ہے بلکہ سُنی سُنائی سرسری طور سے مجھے معلوم ہوئیں میرے خیال میں بہن بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ اس کام کو مجھسے بہتر انجام دیسکتی ہیں - کیونکہ ان ہی کے گھر کی باتیں ہیں - اور میرے لئے تو زیرہ بکرماں فرستن یا لعل بہ بدخشاں -

(۱) ایک مرتبہ جہانگیر نے چشم ابروئے غضب سے نورجہاں کی طرف دیکھا نورجہاں نے آزردہ ہو کر یہ جواب دیا۔

ما تنگ ظرفاں حریف ایں قدر سختی نئیم
دانۂ اشکیم و مارا گردش چشم آسیاست

(۲) میرے پاس بھی ایک نقل ممتاز محل اور شاہ جہاں کی ہے کہ دونوں لب دریا سیر کر رہے تھے دریا بہاؤ پر تھا اُس کی طغیانی پر اشارہ کرکے شاہجہاں نے کہا۔ ع۔ سیل را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست ممتاز محل نے کہا۔
ع۔ پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ ایست۔

(۳) کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ دہلی میں تھے۔ نوربائی نام ایک طوائف کا مجرا انکو بہت پسند آیا۔ اور اسکو ایران ساتھ لے چلنے کا ارادہ کیا (بھلا اسکو اپنی جان بھاری تھی کہ اُس سفاک بادشاہ کے تلطف کی اُمید موہوم پر اپنے وطن مالوف کو چھوڑے) بیچاری نوربائی دل میں بہت ہراساں ہوئی مگر انکار کی تاب اُس میں کہاں تھی لیکن وہ پرلے سرے کی ذہین اور حاضر جواب تھی۔ فوراً یہ اشعار اپنے حسب حال موزوں کر لئے اور سر تسلیم خم کرکے ستار چھیڑا اور دلکش آواز میں گانا شروع کیا۔

من شمع جاں گدازم تو صبح دلکشائی	سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی
نزدیکت ایں چنینم دور آنچناں کہ گفتم	نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

بادشاہ اُس کے مطلب کو سمجھ گئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے۔

(۴) ایک مرتبہ ایک بادشاہ بیگم (غالباً نورجہاں ہوگی) ایک گلدستہ لئے ہوئے بیٹھی تھی کہ بادشاہ کا سامنے سے گذر ہوا ملکہ نے اُٹھکر وہ گلدستہ پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا۔

بگوے عاشق صادق چرا گلدستہ آوردی
دل بلبل شکستی غنچہ را سر بستہ آوردی

بیگم نے جواب دیا۔

نہ بہر زیب دستی تو من ایں گلدستہ آوردم	به خوبی لاف میزد گل به پشت بستہ آوردم

(۵) ایک مرتبہ ایک امیرزادے نے اپنی بیوی کے دونوں ابروؤں کے بیچ میں مصنوعی خال دیکھکر کہا ع۔ خالے کہ درمیان دو ابرو فتادہ است۔ مصرعۂ ثانی ان سے موزوں نہو سکا بیوی سے کہا انہوں نے فوراً کہا۔
ع زاغے نشستہ بیں کہ دو بازو کشادہ است۔

(۶) زیب النساء کے مزاج میں سادگی بہت تھی اور زینت و تکلف کو کم دخل تھا۔ کسی نے کنایتہً اسکو یہ نصیحت کی کہ بادشاہ کی اولاد کو شایان شان شاہنشہی کر و فر کا خیال رکھنا چاہیئے اُس نے نہایت بے اعتنائی سے جواب دیا۔

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء است

(۷) جہانگیر نے ایک مرتبہ عید کا چاند دیکھکر کہا ع ہلال عید براوج فلک ہویدا شد۔ نورجہاں پیچھے کھڑی ہوئی تھی اُس نے فوراً مصرعہ موزوں کیا
ع۔ کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد۔

(۸) ایک بادشاہ نے (جسکا نام تحقیق طور سے معلوم نہیں) ایک مرتبہ اپنی بیگم سے اُس کی بے اعتنائی اور سرد مہری کی شکایت کی۔ بیگم نہایت سنجیدہ مزاج تھی اُس نے اپنے حسب حال ایک شعر پڑھا جو اسوقت یاد نہیں مگر اُس کا مطلب یہ تھا کہ "میں وہ نہیں ہوں کہ وقت ناوقت نعرہ بلند کروں۔ میں مثل

بلبل بے زبان کیطرح ہوں میرا حال دل کسی پر نہیں کھلتا، بادشاہ نے جواب میں یہ شعر موزوں کیا۔

بلبل نیم کہ شور کنم درد سر دہم
پروانہ ام کہ سوزم و دم بر نیاورم

بیگم نے بھی شعر میں جواب دیا اور خوب جواب دیا۔

پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جاں دہم
شمعم کہ شب بسوزم و دم بر نیاورم

(۹) مخفی تخلص زیب النساء کا مشہور ہے مگر محققوں نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے خیر یہ تخلص جسکا ہو مخفی کے متعلق ایک نقل یہ ہے کہ کسی شاعر نے اُس کو چار مصرے لکھ بھیجے جس کے دو مصرے اسوقت یاد نہیں اخیر دو مصرے یہ تھے۔

خودنمائی میکنی اے شمع محفل خوب نیست | من ہمی خواہم کہ روزے در چمن بینم ترا

اُس کے جواب میں مخفی نے لکھ بھیجا۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن مخفی شدم چون بوئے گل در برگ گل
میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

خاکسار۔ سہروردیہ

تاریخ قدیم کا ایک دلچسپ واقعہ

ذیل کا مضمون اگرچہ کسی علمی پہلو پر مبنی نہیں لیکن قدیم ہندوستان کی تاریخ کا

ایک دلچسپ اور سچا واقعہ ہے۔ جنوبی ہندوستان کا گذشتہ کرو فر خاندیس کے زمینداروں کی دولت اور چوپایوں کی تعداد، عورت کا رحم، اور خاوند کا اس کی تقریر سے نصیحت حاصل کرکے اپنے شقی القلب دل کو موم کرنا ایسے واقعات ہیں جن کی واقفیت مردوں کے لئے عموماً اور خواتین کے لئے خصوصاً مفید ہی۔

نویں صدی (ہجری) کے وسط میں ہندوستان کا جنوبی حصہ اگرچہ دکن کی موجودہ حالت کے لحاظ سے زیادہ دولتمند نہیں کہا جاسکتا پھر بھی خاندیس اور مالوہ کے قدیم زمیندار کچھ بھوکے ننگے نہ تھے۔ ایک امیر زمیندار جس کا نام آسا تھا کہیں کا راجا تھا نہ بادشاہ لیکن علاوہ نقد روپیہ اور سرسبز و شاداب زراعت کی پانچ ہزار بھینس، بیس ہزار بکریاں اور ایکہزار گھوڑوں کا یکہ و تنہا مالک بتایا جاتا ہے۔ سیکڑوں اہالی موالی اُس کے تحت میں کام کرتے اور فصل کٹنے پر غلہ کے دو دو ہزار انبار لگائے جاتے تھے

آسا کی فارغ البالی کے زمانہ میں اضلاع برآر۔ خاندیس اور مالوہ کو قحط نے ایسا ستایا کہ ہزاروں گھر تباہ ہوگئے۔ خلق خدا ہلاک ہونے لگی، جدہر دیکھو فاقہ مستوں کے گروہ نفسی نفسی کرتے پھر رہے تھے۔ وہ اُمرا جو باسمتی چاول اور اُڑد مونگ کی چھٹی دال کھانے کے عادی تھے کھرنی کی چھال اور چنے کے دانوں کو من و سلویٰ سمجھ کر کھا رہے تھے۔ نہ بیٹے کو باپ کی خبر تھی نہ خاوند کو بیوی کی فکر سمجھتے تھے کہ اس قہر خدا کے مقابلہ میں دوسروں کی امداد تو کیا اپنی ہی جان بچانی مشکل ہے۔

آسا کی بیوی[۱] بڑی نیک نہاد اور دانشمند عورت تھی، کچھ دنوں تو اُس نے

[۱] ہمنے اس کوشش میں کئی کتابیں دیکھیں لیکن افسوس کہ اس رحم کی دیوی کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اختر

خاوندکو ان غریب قحط زدوں سے (غلہ کے عوض) دُگنے تگنے دام وصول کرنے دئے۔ آخر کب تک، نہ رہا گیا۔ اور خاوند کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے زیریں حصہ میں لے گئی۔ روپیہ اور اشرفیوں سے بھرے ہوئے صندوقوں کو کھولا اور اُس کی تمام زمین۔ جانور گنوانے کے بعد اس طرح مخاطب ہوئی۔

پیارے شوہر! الیتوُر (خدا) نے ہمکو اپنی دیا اور کرپا (دین اور بخشش) سے اتنا مال دیا ہو کہ اب ہمکو کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان مصیبت زدوں کے ہاتھ غلہ بیچنا بند کر دیں۔

آسا۔ یہ بھی تمنے اچھی کہی، اس سے عمدہ اور کونسا موقع ہوگا جب ہم اپنے غلہ کو زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر سکیں گے۔

بیوی۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تم اس کثیر التعداد غلہ کو کسی آیندہ اُمید پر رکھو، یا کھتوں میں بند کر کے گلنے اور سڑنے کے لئے ڈالدو بلکہ اس کو کسی ایسے کام میں لگاؤ جس سے ہماری دنیا اور دین دونوں درست ہوجائیں۔

آسا۔ وہ کونسا کام ہے، جس سے ہماری دین دنیا درست ہوجانے کی اُمید ہے۔

بیوی۔ ہم جابجا لنگرخانے جاری کریں اور حتی المقدور ان بیچارے قحط زدوں کو فاقہ کی موت سے بچانے کی کشش کریں۔

آسا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اپنا کثیر التعداد غلہ جس سے تگنے چوگنے منافع کی اُمید ہو مفت برباد کر دوں۔ میرے پاس بہت روپیہ ہے، ہزاروں من غلہ ہے، لاکھوں ڈھور ڈنگر (چوپائے) ہیں لیکن محض میری آسایش اور عزت کے لئے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنی آسایش میں فرق ڈالوں اور دوسروں کی امداد کر کے اپنا سرمایہ کم کروں۔

بیوی۔ پیارے خاوند، جس کا نام موت ہے اُس کی آمد کا نہ کوئی دن مقرر ہے نہ کوئی ساعت، نہ معلوم کس وقت خدا کے حضور میں (اپنی گناہوں کی جوابدہی کے لئے) حاضر ہونے کی طلبی آجائے اور یہ کروفر یہ دولت و حشمت سب دھری کی دھری رہجائے۔

آسا۔ یہ سچ ہے کہ موت ہر شخص کے لئے مقدم ہے اور دنیا کی تمام کائنات فانی ہے، لیکن یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ موت سے ڈر کر یا اعمالوں کا خیال کرکے دس نہ بیس ہزاروں روپیہ کے نفع کو خاک میں ملا دیا جائے۔

بیوی۔ سب سے بڑی دولت دھرم (ایمان) ہے اور سب سے بہتر سرمایہ اعمالوں کی نیکیاں پیارے خاوند ہم کو رحم کرنا چاہیئے ہزاروں یتیم بچے، سیکڑوں بیوہ عورتیں، بیسوں آپاہج بڈھے ہمارے دروازہ پر پڑے ہیں اور اس بات کے آرزومند ہیں کہ ہماری جان کے صدقہ میں اُنہیں بھی کچھ مل جائے۔ بڑے شرم کی بات ہے، تمہاری آنکھیں نفع کے لالچ میں ان بیکسوں کی تکلیفیں دیکھ رہی ہیں، تمہارے کان دولت کی طمع سے بھرے ہوئے ہیں اور تمہاری آنکھیں روپیہ کو دیکھ دیکھ کر عاقبت کا دن بھولی جاتی ہیں۔ اب بھی سوچو، اور خدا کے لئے نہیں تو ان بیکسوں کی ظاہری حالت ہی دیکھ کر ان کی دستگیری کرو۔

یہ فلسفیانہ تقریر سنکر آسا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اس کی آنکھوں میں عقبیٰ کی ایک خیالی تصویر آبیٹھی جس نے اس بات پر مجبور کیا کہ "بیوی جو کچھ کہ رہی ہے وہ سچ ہے اور اُس کی ہدایت دین کی مضبوطی کا پہلا پتھر ہے" اُس نے ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ بیوی کی پیشانی کا بوسہ لیا، اس کے ہاتھوں کو چوما اور خاندیس مالوہ وغیرہ میں جہاں جہاں قحط کی

شکایت بھی متعدد لنگر خانے قایم کرکے (قحط زدوں کو) پکا پکایا کھانا دینا شروع کردیا۔

سید مظہر حسین اختر
(میرٹھی)

مصری یونیورسٹی کا شعبہ تعلیم نسواں

میری محترم بہن سیدہ موسیٰ بنویہ نے تعلیم نسواں کے بارہ میں اپنے لکچر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ مگر مجھے یہ معلوم کرکے بنہایت ہی سخت رنج ہوا ہے۔ کہ ہمشیرہ موصوف نے پردہ کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے کلام پاک تک کو نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں کا دین وایمان و عمل ہمیشہ قرآن شریف اور حدیث شریف کے مطابق رہا ہے۔ اور حضور انور نے کم از کم بنیل حدیثوں میں پردہ کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ قرآن شریف میں خود خدائے پاک نے پردہ کے بارے میں کئی ایک جگہہ تاکیدی احکام نازل فرمائے ہیں۔ بلکہ پردہ کی تعریف کی ہے۔ اور خداوند کریم کو اسقدر حضور انور کی خاطر اور پردہ داری منظور تھی۔ کہ جب سرور کائنات کی رحلت کا وقت قریب آیا۔ تو حضرت عزرائیل جیسے مقرب بارگاہ ایزدی حضور انور کے در دولت پر بشکل اعرابی حاضر ہوئے۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ تو حضرت مائی فاطمہ نے فرمایا۔ کہ اے بھائی اعرابی رسول اکرم اسوقت حالت غشی میں ہیں اور کسی سے نہیں مل سکتے۔ اس پہ اعرابی نے دوبارہ اندر آنے کی اجازت چاہی۔ تو سرور کائنات (ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں) ہوش میں آئے تو سیدہ صاحبہ نے عرض کی

یا ابا جان ایک اعرابی دروازہ پر کھڑا ہے۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ ہرچند منع کرتی ہوں۔ اور حضور کی بیماری کا عذر کرتی ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔ اور باصرار اجازت طلب کرتا ہے۔ آپنے فرمایا بیٹی یہ وہ ہے جو لڑکوں کو یتیم عورتوں کو بیوہ کرتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے۔ جو بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کرتا ہے۔ اور اللہ پاک کو آپکا پردہ مرغوب تھا۔ اسلیئے حکم اجازت اسکو ہوا۔

اسکے علاوہ خدائے پاک نے جہاں کہیں جنت کی حوروں کی تعریف فرمائی۔ اُنکے پردہ اور حیا کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ مجھے تعجب ہوا ہے۔ کہ بہن سیدہ موسیٰ بنو یہ جیسی فاضلہ عورت احکام الٰہی کے متعلق ایسی فاش غلطی کرے۔ آپ مجھے معاف فرمائیگا۔ اگر میں یہ کہنے کی جراءت کروں کہ مسلمان بہنوں کے تنزل کا باعث خالی مسلمان مرد ہی نہیں ہیں۔ بلکہ احکام دین سے لاپرواہی اور شرح شریفہ کی حدود کا توڑنا ہے۔ اور کوئی مسلمان بھائی یا مسلمان بہن تب تک ہرگز ترقی نہیں کرسکتی۔ جب تک وہ خدا اور رسول کے احکام کی پابندی نہ کرتی ہو۔

میری عزیزہ بہن سیدہ موسیٰ بنو یہ نے یورپ کی عورتوں کی تعریف اور توصیف کرتے ہوئے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ تصویر کا روشن پہلو ہی دکھایا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ یورپ کی تہذیب کو پردہ کہ نہونے سے کتنا نقصان پہنچا ہے۔ غرناطہ اور قرطبہ کی تباہی جب ہی وقوع میں آئی جب مسلمان عیش وعشرت میں چور ہوگئے۔ احکام الٰہی سے غفلت کی اور پردہ کو مذموم سمجھکر عورتوں کو بیجا حد سے زیادہ آزادی دیدی۔ ہماری ترقی اور تنزل سب کچھ اسلام پر منحصر ہے۔ جب تک مسلمان اسلام کے پابند رہے

حکومت انکی لونڈی بنی رہی اقبال انکا غلام رہا۔ مسلمانوں نے اسلام کو
چھوڑا۔ دولت حکومت جاہ وحشمت وعزت نے اُن سے مُنہ موڑا میں
اخیر میں اپنی پیاری بہنوں کو نہایت ادب سے یقین دلاتی ہوں کہ جبتک
وہ اسلام کی پابند نہ ہونگی اپنی اور اپنی اولاد کی فلاح اور بہبودی کی
ہرگز امید نہ رکھیں۔ تعلیم ایک ابر رحمت ہے۔ اور اسلام ہی ایک ایسا
مذہب ہے۔ جس نے اسکو عام کیا واقعی اسلام تعلیم نسواں کا بڑا حامی اور حقوق
نسواں کا مددگار بلکہ بانی مبانی ہے۔ مگر تعلیم وہ جو دین اسلام کے بموجب ہو
جیسا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اَلعِلمُ فَرِیضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ"

یعنی تعلیم تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے واسطے فرض ہے
مگر علم کی تشریح اس طرح پر کی ہے۔ کہ پہلے علم دین پھر علم جسم۔ مگر ساتھ ہی
غیر زبانوں کا سیکھنا بھی مفید قرار دیا۔ یہ پاک اسلام ہی تھا۔ جس نے دنیا کو
جہالت کی تاریکی سے پاک کیا۔ مسلمان بزرگوں نے غیر زبانوں میں جو
مفید کتابیں ملیں۔ انکے اُردو فارسی اور عربی میں ترجمہ کئے۔ درسگاہیں جاری
کیں اور اس میں کسی ذات پات کی تمیز نہ رکھی۔ علم کا پیاسہ جہاں سے بھی
آیا۔ اونکے چشمہ فیض سے سراب ہو کر گیا۔ مگر علم کے ساتھ اخلاق کی بھی تعلیم
دی اور بتایا۔ کہ علم بغیر اخلاق کے اس طرح ہے۔ جیسے جسم بغیر روح یا تلوار
بغیر قبضہ کے۔ کیونکہ وہ بجائے دشمن کو ہلاک کرنے کے اُلٹا پکڑنے والے کو ہی
بوجہ نہ ہونے قبضہ کے زخمی کرے گی۔ ع

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے

علم بغیر اخلاق کے ایک ایسا مُہلک آلہ ہے۔ جو نہ فقط جسم روح بلکہ ہزار ہا

مخلوق خدا کی تباہی کا باعث ہوا ہے۔ میں اپنی بہنوں کو با وثوق یقین دلاتی ہوں کہ انہیں علم ہرگز کچھ فائدہ نہیں دیگا۔ جب تک کہ انکے اخلاق درست نہ ہوں۔ اور اخلاق ہرگز درست نہیں ہو سکتے جب تک وہ صوم صلوٰۃ کی پابند نہوں۔ اخلاق کو اگر جسم تصور کیجئے۔ تو شرع محمدیؐ کی رو سے پردہ اسکی روح ہے۔ چند دن ہوئے میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ کوئی ترکی خاتون قسطنطنیہ میں سربازار اپنا فوٹو (تصویر) کھچوا رہی تھی۔ سلطانی پولیس افسر نے اُسکا بدینوجہ چالان کیا۔ کہ یہ شعار اسلام کے خلاف تھا۔

آپ سب نے رسالہ خاتون ماہ مئی کے اخیر میں جنابہ مخدومہ بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے پروگرام میں پڑھا ہوگا۔ کہ حضور یہ تمام سفر پردہ میں یعنی بُرقعہ اوڑھ کر کرینگی۔ الحمد للہ آخیر میں میں اتنا اور عرض کرنے کے لئے معافی چاہتی ہوں۔ کہ اگر ہمارے محترم لیڈران اسلام کو ہماری موجودہ طرز پردہ ناگوار یا اصلاح طلب معلوم ہوتی ہے۔ تو وہ اس میں اصلاح فرماویں مگر یہ تو میرے خیال میں بالکل ناممکن بات ہوگی۔ کہ وہ ہمیں کھلے بندوں جانے کی اجازت دیں۔ کیونکہ یہ سراسر خلاف شان و احکام اسلام ہونیکے علاوہ انکی غیرت کب ایسی بیہودہ بات کی اجازت دیگی مجھے بذات خود پردہ تو درکنار لفظ پردہ سے الفت ہے۔ اور میری دعا ہے کہ خداوند کریم میری تمام بہنوں کو اسکی توفیق دے۔ اللہ انکو نیک ہدایت دیوے۔ تاکہ وہ صوم صلوٰۃ کی پابند ہوکر اپنے اپنے اخلاق کو درست کریں۔ علم حاصل کرکے اپنے قوم کی نسل کی درستی کا باعث ہوں اور اپنے خاندان اور اسلام کا فخر ہوں۔ آمین ثم آمین۔ (خاکسار محبوب ہیڈ مسٹریس ماڈل گرلز سکول علیگڑھ)

— ❊ —

جلسہ تقسیم انعامات نیوز تانہ اسکول

۱۱ر مارچ بروز شنبہ نیوز نانہ اسکول میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا جب سے یہ مدرسہ قایم ہوا ہے۔ اسوقت سے یہ دوسرا پرائز ڈسٹری بیوشن تھا۔ جو بہت عمدگی اور انتظام کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ پروگرام جو ایک نہایت چوڑے چکلے اور عمدہ کاغذ پر چھپا ہوا تھا۔ حسب ذیل تھا۔

(۱)	قرآن شریف۔ از جماعت ابتدائی وسوم	(۲)	فارسی نظم۔ (حکایت منظومہ سعدی)
(۳)	کونرڈ۔	(۴)	پیانو۔
(۵)	حمد۔ (میر حسنؔ دہلوی)	(۶)	اُردو نظم۔ (خطاب بہ خاتونانِ ہند) جماعت سوم
(۷)	بلی کے دو ننھے ننھے بچے۔	(۸)	گانا۔ چوتھی اور تیسری جماعت۔
(۹)	اُردو نظم۔ (ترکیب بند حالی) جماعت چہارم	(۱۰)	پیانو۔
(۱۱)	اُردو نظم۔ (ایک نخلستان کی صبح میرانیس لکھنوی)	(۱۲)	مسٹر نوبڈی۔
(۱۳)	ہیریٹ۔ جماعت سوم۔	(۱۴)	اُردو نظم۔ (صفائی) جماعت دوم۔
(۱۵)	پیانو ڈیوٹ۔	(۱۶)	اُردو نظم۔ (میری پیاری اماں) جماعت ابتدائی
(۱۷)	جمیما۔ ایک حصہ جماعت سوم کا	(۱۸)	پیانو۔
(۱۹)	نرسری رائمز۔ جماعت ابتدائی۔	(۲۰)	گانا۔ جماعت دوم اور ایک حصہ جماعت ابتدائی کا
(۲۱)	اُردو جواب مضمون۔ "حب وطن"۔	(۲۲)	غلیظ جم۔
(۲۳)	پلنگ پوش کا ملک۔	(۲۴)	اُردو نظم۔ (کیا فضول ہے)
(۲۵)	قومی غزل۔	(۲۶)	دیوانی ٹی پارٹی۔
(۲۷)	رپورٹ مدرسہ۔	(۲۸)	تقسیم انعامات۔
(۲۹)	سویڈش ڈرل۔ چوتھی و تیسری جماعت۔		

ساڑھے چار بجے سب بیگمات اور انگلش لیڈیز آگئیں سب کے آنے کے بعد چاءنوشی ہوئی۔ خود اسکول کی لڑکیوں نے تمام مہمانوں کی تواضع کی۔ چاء نوشی کے بعد سب لوگ دوسرے کمرے میں جہاں جلسہ کی کارروائی اور انعامات تقسیم ہونے والے تھے گئے۔ تمام لڑکیاں اس مقام پر جو انکے لئے مقرر تھا بنچوں اور کرسیوں پر بہت ہی قاعدے سے بیٹھ گئیں۔ بڑی لڑکیاں بنچوں پر بیٹھیں اور چھوٹی لڑکیاں ان چھوٹی کرسیوں پر بیٹھیں جو اسکول میں خاص طور سے انکے لئے تیار کرائی گئی ہیں۔ اب جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی سب سے پہلے تین لڑکیوں نے نہایت صاف اور بلند آواز سے قرآن شریف سُنایا۔ انکی عمریں ۷۔ ۸۔ اور ۱۰۔ برس سے زیادہ کی نہ تھیں۔ اسوقت سب لوگ ادب کے لئے سرو قد کھڑے ہوئے تھے۔ درحقیقت یہ عجیب بارعب و وقعت نظارہ تھا۔ اسکے بعد پروگرام کے بموجب لڑکیاں یکے بعد دیگرے عمدہ ترتیب سے آتی گئیں۔ اور انگریزی اُردو۔ فارسی نظمیں سناتی گئیں۔ اثنا رنظم میں لڑکیاں مضمون نظم کے موافق بعض موزوں و لطیف اشارات کرتی تھیں۔ مثلاً سب سے بڑی جماعت نے ترکیب بند حالی جب سُنایا تو سب سے آخری بند پر لیلا حیدری نے صف میں سے ایک قدم آگے بڑھکر حاضرات کی طرف دیکھا۔ کمر اور گردن کو گونہ خم کیا۔ اور نہایت ادب و متانت کے لہجہ میں کہا۔

خدمت میں انکے حالی کہتا ہے یہ ادب سے
اسوقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں

دوسرا مصرعہ کہتے وقت گردن کو ہلکی سی جنبش دیکر تمام حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور پھر آگے کے مصرعے نہایت درد اور دلسوزی کی آواز میں پڑھے

اسوقت سب پر ایک سناٹا چھا یا ہوا تھا۔ گو یا حضرت حالی خود سننے والوں کو آنے والے خطرہ سے آگاہ فرما رہے تھے۔ طیبہ حیدری نے جس کی عمر اور عمر کے ساتھ جثہ بھی بہت ہی چھوٹا سا ہے۔ جسوقت قومی غزل سنائی اور ہر شعر پر اسکے مناسب حال لہجہ بدلتا ہے۔ تو اسوقت بھی عجیب کیفیت تھی۔ خصوصاً جبکہ اس نے مقطع پڑھا۔ "نفیس اپنی تو گزری جس طرح گزری۔ دعا یہ ہے۔ فدائے قوم کہلائیں یہ سب بچے نوجواں ہو کر" تو اسوقت ہاتھ اُٹھا کر اسکول کے تمام بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ واقعی لوگ ان اشارات سے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ تیسری جماعت نے جب خطاب بہ خاتونان ہند کا عنوان پڑھا تو سب بیویاں ہمہ تن گوش ہو گئیں اور پھر جب ساری نظم پڑھی گئی (اس نظم کے کچھ منتخب اشعار لڑکیوں نے پڑھے) تو بہت ہی کان کھڑے ہوئے۔ خصوصاً ایک کم سن بچی نے جب یہ بند پڑھا۔

صرف شیخی میں اور بڑائی میں		رہ گئے ہیں کبھی کڑھائی میں
روپئے بندوں کا خرچ بانوں میں		صرفہ سارا مگر پڑھائی میں!!
	چاہیئے انفعال خاتونوں!!	

تو سب کے چہروں پر انفعال آمیز ہنسی تھی۔

تمام انگریزی نظمیں لڑکیوں نے نہایت آب وتاب سے پڑھیں۔ تلفظ اور لہجہ سب اچھا تھا۔ اور لوگوں کو بہت پسند آیا۔ چھوٹے بچوں نے بعض نظموں میں نہایت خوبصورت اشارات کئے۔ بعضوں نے نظم کے موافق کپڑے پہن کر گویا ایک قسم کا ایکٹ کیا سب میں چھوٹی جماعت جسمیں چار چار پانچ پانچ برس سے ۷-۸- برس تک کے بچے ہیں اور تیسری جماعت نے تو سب کو پھڑکا پھڑکا دیا۔

باقی اور نظمیں بھی لڑکیوں نے اس خوبی سے پڑھیں کہ سماں کھینچ کھینچ دیا
مثلاً لیئق ممتاز یاور رابد ولے نے ایک نخلستان کی صبح کے عنوان سے میرانیس
کے دو بند چھپنا وہ ماہتاب کا الخ۔ اس طرح پڑھا کہ وہ منظر سامنے آگیا۔
فورتھ کی دو لڑکیوں نے رایت دپردہ کا مناظرہ فارسی میں اس طرح پڑھا
کہ گویا ایک اس وقت رایت بنی ہوئی تھی۔ اور ایک پردہ۔ مریم حیدری
نے جس وقت "کیا فضول ہے" کے ہیڈنگ سے قومی نظم سنائی ہے۔
تو کمرہ پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری تھی۔

بڑی لڑکیوں نے تمام نظمیں اپنے لئے خود چنی تھیں۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ ان میں خود ایک قسم کی سمجھ جو تعلیم کا نتیجہ ہے پیدا ہوتی جاتی
ہے۔ سب سے بڑی جماعت کی لڑکیوں میں سے خورشید سربلند جنگ نے حبِ
وطن پر ایک مختصر مضمون جو خاص اسی موقع کیلئے لکھا تھا سنایا۔ مضمون کے
بعد دیوانی ٹی پارٹی ہوئی۔ جس میں چار لڑکیوں نے انہی لباسوں میں
جو انکے لئے مقرر ہو چکے تھے۔ نہایت خوبصورتی سے ایکٹ کیا۔ یعنی دیوانی
دعوت کا نقشہ سامنے کھینچ دیا۔ اور ذرا شرمائیں یا ہنسیں نہیں۔ اسکے بعد
انعام تقسیم ہوا۔ کئی ایک لڑکیوں کو اول درجے کے انعام ملے اور کئی کو
دوسرے درجے کے۔ اسکے بعد جناب مس وائلڈ صاحبہ کی خواہش سے
جناب مس نصیر الدین حیدر صاحبہ نے اردو میں رپورٹ پڑھکر سنائی۔

کارروائی ختم ہونے کے بعد سب لوگ بڈمنٹن کورٹ پر گئے۔ جہاں
دو طرفہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور قندیلوں و کونڈوں کی آراستگی
تھی۔ بیچ میں چوتھی اور تیسری جماعت نے سویڈش ڈرل کی۔ یہ ڈرل
مس ایلڈ پرنسپل صاحبہ نے خود کرائی۔ ڈرل کے بعد سب لوگ میز کے

پاس گئے۔ اور مٹھائی وغیرہ کھائی۔ وہ مٹھائی خود سکول کی لڑکیوں نے بنائی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اسکی تعریف کی۔ تھوڑی دیر کے بعد مہمان رخصت ہونے شروع ہوئے۔ بہت ہی انتظام اور قاعدے کے ساتھ گاڑیاں آئیں۔ اور خاموشی سے سب لوگ سوار ہو گئے۔

حقیقت میں ہمارا اسکول اعلیحضرت حضور پُر نور کی شاہانہ نوازشوں میں سے ایک اعلیٰ نوازش کا نمونہ ہے۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ اس بے بہا عنایت سے فائدہ نہ لیں۔ تو سخت بدقسمتی ہے۔ اس اسکول کی سب لڑکیاں اسکو دل سے پسند کرتی ہیں۔ اور چھوٹی لڑکیاں بھی اسکول آنے سے جی نہیں چراتیں۔ کیونکہ ہمارے اسکول میں دوسرے اسکولوں کی طرح نہ مارپیٹ ہے۔ اور نہ بیجا سختی۔ اس سبب سے بچے خوشی خوشی آتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے اسکول میں بہت کم لڑکیاں تھیں۔ کیونکہ قایم ہوئے چند ہی سال ہوئے ہیں۔ مگر اب خدا کے فضل سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ اور انشا اللہ تعالےٰ اسی طرح روز بروز ترقی کرتا جائیگا۔

رپورٹ

جو مس نصیر الدین حیدر صاحبہ نے سُنائی

چونکہ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں مدرسہ ہذا کا انگریزی سٹاف بالکل بدلا گیا تھا اور موجودہ انگلش معلمات مع پرنسپل نئی آئی ہوئی تھیں۔ اسلئے سال گذشتہ تقسیم انعامات کا کوئی جلسہ نہو سکا۔

اس اسکول کا بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ بچوں کو اس طرح تعلیم دی جائے جس سے

زمانہ تعلیم میں بذات خود وہ علم کے شوقین ہو جائیں۔ اور سکول چھوڑنے کے بعد علمی اشغال میں دلچسپی لئے بغیر اُن کو چین نہ آئے۔ نیز زبانہائے اُردو۔ فارسی اور انگریزی اس عنوان اور ایسے پیمانہ پر سکھائی جائیں کہ نہ صرف وہ ان زبانوں کو سمجھ سکیں بلکہ ان کو انکے لٹریچر سے پورا لگاؤ ہو جائے۔

طلباء کو علاوہ مروجہ مدارس مضامین کے سوزن کاری۔ سیاست مدن (جسکے ضمن میں آجکل کھانا پکانے کی عملی تعلیم ہو رہی ہے) ڈرائنگ اور فن موسیقی بھی سکھایا جاتا ہے۔ آخر الذکر دونوں مضامین لڑکیوں کے والدین کی خوشی پر منحصر ہیں۔ چاہیں لیں چاہیں نہ لیں۔ ساتھ ہی اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ فن سوزن کاری کے لئے بڑی لڑکیوں کو زیادہ وقت دیا جائے۔ تاکہ وہ کچھ نفیس اور خوبصورت کام جیسے بیلیں اور کوریں وغیرہ بنا نی سکیں۔

بڑی لڑکیاں سوئیڈش ڈرل اسی اصول پر سیکھ رہی ہیں جیسا کہ فی زمانا تمام انگریزی لڑکیوں کو سکولوں میں سکھائی جارہی ہے۔ اس سے مفاد اور غرض یہ ہے کہ اُن کو درستگی وعمدگی سے کھڑا رہنا۔ چلنا پھرنا۔ اور بیٹھنا آجائے۔ اور جسمانی اعضا میں ترقی ونشوونما ہو۔ موسم گرما کے بعد انشاءاللہ چھوٹی لڑکیوں کو بھی ڈرل شروع کرائی جائیگی۔

موجودہ طلباء میں کم سن بچیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسی واسطے ابھی صرف چند لڑکیاں ایسی ہیں جو بیرونی امتحانات کے قابل ہیں۔ بڑے بچوں کی امتحانات کی تیاری کے پیچھے سکول کے دوسرے مفید اور ضروری کاموں (کی قربانی) کو فراموش کر دینا کسی طرح مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اگر ایسا

کیا جاتا تو گو اسی سال کچھ لڑکیاں امتحانات کے لئے تیار ہو جاتیں۔ مگر اوسط لیاقت کی لڑکیاں۔ اور چھوٹے بچے جو ابھی بالکل کم استعداد ہیں گو بلا کھتے میں پڑ جاتے۔ اور یہ سکول کی اصلی بہبودی کے بالکل منافی ہے۔ امتحانات معمولی نصاب میں انہیں جماعت چہارم میں سے کچھ لڑکیاں سال آیندہ امتحانات میں شریک ہونے کی کوشش کر سکیں گی۔ امتحانات معمولی نصاب دلوائے جائیں گے۔ اور وہی لڑکیاں شریک امتحان کرائی جائیں گی جنکے والدین کی خوشی ہوگی۔

دو لڑکیاں اس سال ٹرینیٹی کولج میوزک کے امتحان میں شریک ہوئیں ایک انٹرمیڈیٹ میں۔ اور دوسری جونیر کے درجہ میں۔ دونوں کامیاب ہوئیں۔

فی الحال سکول میں چار جماعتیں ہیں۔ جن میں سے چوتھی جماعت مڈل سکول کا نصاب پڑھ رہی ہے۔ ابتدائی جماعت میں اب لڑکیوں کی اتنی زیادتی ہو گئی ہے کہ عنقریب ایک نئی جماعت اور بڑھائی جائیگی۔ جدید سٹاف کے آنے سے پہلے لڑکیوں کی تعداد ۲۲ تھی۔ اور اب ۴۲ ہے۔

سوائے دو بڑے کمروں کے سکول کے باقی کمرے جماعتوں کیلئے کفتی نہیں ہیں۔ اسی سبب سے پہلی اور دوسری جماعتیں بالفعل محض عارضی طور سے نیچے کے کمروں میں رکھی گئی ہیں۔ تجاویز زیر غور ہیں۔ اُمید ہے کہ جتنا جلد ممکن ہوگا یہ دقت رفع کی جائیگی۔

حاضری کا اوسط بحیثیت مجموعی گذشتہ مہینوں میں بہت بہتر رہا ہے جماعت چہارم تو مخصوص طور سے اسباب میں قابل تعریف رہی ہے۔ گذشتہ سال میں جماعت بھر کی کل پندرہ غیر حاضریاں ہیں۔ اور رفعت النسا حبیب الدین

اور پدمجا نائیڈو نے تو ایک دن بھی ناغہ نہیں کیا۔ تیسری جماعت دو ایک لڑکیوں کے سبب سے جو اکثر غیر حاضر رہتی ہیں۔ اس تخصیص کے حاصل کرنے سے محروم رہی۔ جماعت دوم کی حاضری تو غنیمت ہے۔ مگر وقت کی پابندی اچھی نہیں رہی۔ یعنی وقت معینہ پر لڑکیاں نہیں آتیں جماعت ابتدائی نے بھی تھوڑے دنوں سے حاضری میں بہت ترقی کی ہے طلباء کی باقاعدہ حاضرباشی درحقیقت تمام سکول کی کامیابی کا ایک بڑا راز ہے۔ اگر والدین اس گر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اور ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھیں کہ غیر حاضری اور ٹھیک وقت پر نہ آنا حاضر و غیر حاضر دونوں قسم کے طلبا پر کیسا زبردست خراب اثر ڈالتا ہے۔ اور دونوں کے کام کو یکساں ستیاناس کرتا ہے تو اُمید ہے کہ وہ آپ اس نقص کے دور کرنے کی بالکلیہ کوشش کرینگے۔ بچّے بھی خود اس کی اہمیت اور ضرورت کو اب سمجھنے لگے ہیں۔

اُن بچّوں کو چھوڑ کر جو ہنوز کنڈرگارٹن کی تعلیم پا رہے ہیں۔ ایک سخت مشکل زبان کی پیش آ رہی ہے۔ یعنی جن بچّوں کی استعداد اُردو میں ذرا بہتر ہوتی ہے اُن کو انگریزی اُسکے ہم پلہ نہیں آتی۔ اور جنکو انگریزی علم میں کچھ دخل ہوتا ہے اُنکی اُردو کمزور ہوتی ہے۔ اور بعض دونوں میں صفر ہوتی ہیں۔ یہ مختلف الاستعدادی جماعت بندی میں سخت حارج ہوتی ہے۔ تاہم جو جو مدت گزرتی جائیگی۔ سکول کی یہ مشکل بھی آسان ہوتی جائیگی۔ بچوں کو بالکل چھوٹی عمر میں داخل کر دینا بہت اچھا ہے۔ اسمیں وہ ہر چیز ابتدا سے شروع کرینگے اور سکول کے معمولی نصاب میں پوری پوری تعلیم پائیں گے۔

بڑے بچوں کی دلچسپی کے لئے ایک کتب خانہ بھی سکول میں موجود ہے جو ابھی بہت چھوٹے پیمانہ پر ہے۔ انشا اللہ عنقریب وسیع کیا جائیگا۔

خورشید سربلند جنگ نے مندرجہ ذیل مضمون لکھا تھا

حُبّ وطن

حب وطن ایک ایسی چیز ہے۔ جو تقریباً ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ بلکہ بعض حیوانات تک بھی اس سے خالی نہیں۔

دیکھو چیونٹی جو جانوروں میں کچھ بھی بساط نہیں رکھتی۔ اپنی جگہ سے اسکو کس قدر محبت ہوتی ہے۔ کہ جب اپنا کام ختم کر چکتی ہے تو ٹھکانے ہی پر خواہ وہ کتنی ہی دور کیوں نہو واپس آ جاتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو اسکو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے! وہ حب وطن ہے!

حب وطن ایمان اور عقل کی نشانی ہے۔ درحقیقت یہ ایک قدرتی جذبہ ہے۔ جس سے شاید ہی کوئی خالی ہوگا۔

جس شخص کو حب وطن نہیں۔ وہ جانور سے بد تر ہے۔ ایسے آدمی کے خیالات میں کچھ وسعت و عمدگی نہیں ہوتی۔ وہ سوائے اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے اپنے وطن اور اہل وطن کی بھلائی کی فکر سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ ایسے خود غرض کا دنیا میں رہنا اور نہ رہنا برابر ہے۔ نہ زندگی میں اسکی اصلی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ اور نہ بعد فنا کوئی اسے یاد کرتا ہے۔

حب وطن کیا ہے؟ کیا حب وطن اسکا نام ہے۔ کہ طرح طرح کی تکلیفیں

سہیں۔ ذلت و خواری اُٹھائیں۔ جاہل و نادان رہیں۔ اور اپنے درجے سے گرتے گرتے سب سے ادنیٰ حالت میں آجائیں۔ مگر وطن سے قدم باہر نہ نکالیں۔ وہ لوگ جو اس قسم کی محبت کا نام حب وطن رکھتے ہیں وہ سخت نادان ہیں سعدی علیہ الرحمتہ نے یہ رباعی بطور طنز غالباً ایسے ہی لوگوں کے حق میں فرمائی ہے۔

حب وطن از ملک سلیماں خوش تر		خار وطن از سنبل و ریحاں خوش تر
یوسف کہ بمصر بادشاہی میداشت		میگفت گدا بودنِ کنعاں خوش تر

ہمارے اسی زبردست حکیم و مصلح نے حب وطن کا صحیح خاکہ ایک دوسرے شعر میں کھینچا ہے۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح	
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم	

حب وطن درحقیقت اس کا نام ہے۔ کہ انسان خواہ وطن میں ہو خواہ وطن سے باہر ہمیشہ اسی خیال میں لگا رہے۔ کہ کسی طرح میرے وطن اور اہل وطن کو فائدہ پہنچے۔ وہ سرسبز و شاداب رہے۔ جو نئی بات ہو پہلے وہاں ایجاد ہو۔ عمدہ اور مفید چیزوں کو اس میں رواج دیا جائے۔ فضول اور تباہ کن رسموں کا خاتمہ کیا جائے۔ اور انکی جگہ اصلاح تمدن کو پھیلایا جائے۔ غرض اس کا جان۔ مال۔ علم۔ رسوخ عقل۔ دماغ سب کچھ وطن کی بھلائی میں صرف ہو۔

جو لوگ سچے دل سے وطن کو چاہتے ہیں۔ وہ وطن سے باہر نکلکر بھی اس کو نہیں بھولتے۔ دوسرے اہل وطن کے ساتھ ملکر۔ اس کی بھلائی کے کاموں میں چندے دیتے ہیں۔ یتیم خانے۔ محتاج خانے۔

شفاخانے بناتے ہیں۔ تجارتی کوٹھیاں کھولتے ہیں۔ مدرسے۔ کالج اور یونیورسٹیاں قایم کرنے میں اپنے بھائیوں کا پورا ہاتھ بٹاتے ہیں اور ایسی تحریکوں میں سب سے پہلے شریک ہوتے ہیں۔ جلسے کرکے سبکو اپنا ہم رائے بناتے ہیں۔ روپیہ جمع کرتے ہیں۔ آپ چندے دیتے ہیں۔ اخباروں میں موافقت کے مضامین لکھتے ہیں۔ غرض بہرصورت اس مفید تجویز کو پورا کرکے رہتے ہیں۔

ایسے ہی لوگ دنیا میں بھی عزت حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنی ذات سے زیادہ وطن کی محبت ہوتی ہے۔ اور اپنے نفع سے زیادہ وطن کا نفع عزیز ہوتا ہے۔

کاش ہمارا وطن ہندوستان بھی سمجھے کہ ملک سے باہر نہ نکلنے اور لکیر کا فقیر بننے کا نام حب وطن نہیں ہے۔ بلکہ حب وطن نام ہے۔ ملک کی بہتری میں وقت۔ روپیہ اور جان کھپانے کا۔ اور اسکی کسی بہتری کی تدبیر میں سچے دل سے شریک ہونے کا۔

رقیمہ مس حبیب الدین
یکے از طالبات مدرسہ مذکور

مصیبت پر مصیبت

ہماری نہایت لایقہ و روشن خیال بہن رابعہ سلطان بیگم صاحبہ جنکے بہت سے مضامین خاتون میں شایع ہوتے رہے ہیں نہایت افسوس ہے کہ ایسا روح فرسا اور جانکاہ صدمہ بیوقت انپر پڑا جس سے بڑا اور کوئی صدمہ اس دنیا میں کسی عورت کیلئے نہیں ہوسکتا۔ یعنی ابھی ایک سال کا زمانہ گذرا کہ انکی شادی میر

تہنیت علی خاں صاحب سکرٹری جنیول اسٹیٹ کے ساتھ ہوئی تھی کس کو
معلوم تھا کہ یہ خوشی چند روزہ ہے۔ افسوس میر تہنیت علی خاں نے ۲ تیر
سنہ ۱۳۲۰ف کو چار بجے شام کے انتقال فرمایا۔ انکا انتقال دوشنبہ کے دن
ہوا جو ہمارے پیغمبر کی وفات کا دن ہے۔

میر تہنیت علی خاں مرحوم ہمہ صفت موصوف اور لائق آدمی تھے اسکے
بوقت انتقال کا یوں تو سبکو رنج اور صدمہ ہے لیکن رابعہ سلطان بیگم
کے صدمہ کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

گر پیر تو دست لہ بمیرد عجبے نیست
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ہمکو اپنی مصیبت نہ دو بہن کے صدمہ سے دلی ہمدردی ہے۔ انکی اس
مصیبت پر ہمارا دل رو رہا ہے اور ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالےٰ
مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ اور انکے خاندان اور پس ماندوں کو
صبر عطا فرمائے۔ خاصکر رابعہ سلطان بیگم کے دل میں غیب سے ایسا صبر انڈیل
دے کہ اس ناقابل برداشت غیبی افتاد کو وہ برداشت کرسکیں۔

عباسی بیگم صاحبہ کی فرمایش ہے کہ ناظرین وناظرات خاتون میں سے جو
قطعہ تاریخ لکھ سکتے ہیں وہ ازراہ ہمدردی فارسی یا اردو میں جس زبان میں
ہوسکے لکھدیں ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے ناظرین وناظرات اس استدعا
کی طرف توجہ فرمائینگے۔ جب لکھیں تو اسکو ہمارے پاس بھیجدیں ہم خاتون
میں شایع کردینگے یا عباسی بیگم صاحبہ کے پاس بھیجدینگے۔ سنہ تاریخ کیلئے
فصلی کے بجائے ہجری یا عیسوی سنہ زیادہ موزوں ہوگا۔

اڈیٹر

آہ عورت کے لئے اس کمبخت بیوہ ظالم سنگدل دنیا میں کونسا صدمہ سخت ہے جسکو صدمہ جانکاہ حادثہ روح فرسا کہتے ہیں اور وہ کس طرح کا صدمہ ہوگا ؟ ماں کے لئے اپنی اولاد کا اور اولاد کے لئے اپنے والدین کا بہن کے لئے بھائی کا بھائی کے لئے بہن کا غرضکہ سبھی کو جدائی کا صدمہ ہوگا یہہ تو فطرتی بات ہے مگر آہ ان سب سے زیادہ سخت عورت کے لئے کون سا صدمہ ہوسکتا ہے وہ عورت کے لئے بیوگی کا ہاں ہاں بیوگی سے بدتر کوئی بڑی بلا عورت کے لئے ہو ہی نہیں سکتی۔ سر کا تاج مکان کا مالک عورت کے سہاگ کا باعث صرف وہی شوہر ہوسکتا ہے عورت کی دلی خوشی دنیا میں کیا ہوسکتی ہے ؟ اسکا سہاگن بنا رہنا عورت سب سے زیادہ کس کو خوش نصیب تصور کرتی ہے جس کا کہ سہاگ بہاگ قایم ہو جسکے دل کی کلی مسرت کی ٹھنڈی ٹھنڈی باد نسیم کے جھونکوں سے کھلی ہو عورت دنیا میں کب تک خوش رہ سکتی ہے ؟ جبتک کہ وہ سہاگن کہلاتی ہے عورت کے لئے دنیا بہشت کس وقت معلوم دیگی ؟ اسی وقت جبکہ شوہر کا ساتھ ہو عورت بے غم کب کہلائے جانے کی مستحق ہوسکتی ہے ؟ جب تک اسکا شوہر زندہ سلامت ہو آہ عورت کو آزادی کب نصیب ہوتی ہے جب تک کہ وہ شوہر کے گھر رہے یعنی جبکہ وہ اپنے قدموں سے شوہر کے گھر کو آباد کرے افسوس عورت بیکس مجبور غمگین کب ہوسکتی ہے ؟ جبکہ اس کے ساتھی اسکے رنج و راحت کے شریک نے دائمی مفارقت اختیار کی ہو عورت اصلی سوگ نشین سوگوار کب ہوتی ہے ؟ جبکہ بدنصیبی سے اسکا سہاگ تاراج برباد ہو گیا ہو۔ دنیا عورت کیلئے دوزخ کب بنیگی ؟ اسی وقت۔ اسی لحظہ سے جبکہ عورت کی

شومی قسمت سے شوہر کی آنکھ بند ہو گئی آہ آہ کیا دنیا میں اس سے زیادہ
سخت پُردرد صدمہ بھی عورت کے لئے اور ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں - اسکی
اصلی خوشی نابود دلی راحت مفقود آرام وچین کا فور ایک دم کے ہونے
سے اسکی دنیا ہی تباہ آہ میں کس دل کس جگر کس قلم سے لکھوں کہ جو کچھ
میں نے تفصیل کی ہے جس بدنصیب عورت کو بیوہ کے نام سے مخاطب
کیا ہے - عورت کے لئے جو صدمہ جانکاہ ہو سکتا ہے اسی مصیبت اسی کھانی
مصیبت میں میری غمزدہ غمگین ہمشیر رابعہ سلطان مبتلا ہو گئیں ایک مہینہ
ہوا کہ وہ خود بیمار ہو کر چیچک سے آئی نہیں ابھی میں خواب دیکھ رہی
ہوں یا خیال آہ میرا جگر چاک دل ٹکڑے ہو کر بہا جارہا ہے آہ اجل
اجل او ظالم سنگدل اجل تو نے ان دنوں ہم لوگوں پر سخت مصیبتیں نازل
کی ہیں آہ ظالم ظالم کیا تجھے ہم سے جناب سید علی بلگرامی کا سایہ اُٹھا کر
ان سے دائمی مفارقت اختیار کروا کے ابھی چین نہ آیا تھا ؟ کہ میری ہمشیرہ
چھوٹی رابعہ سلطان کو بیوہ کر کے ہم پر ظلم سخت ظلم ڈھایا - ہائے او ظالم
پُر جفا - ! !

سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا ظالم نے بھی جاتے جاتے

او بیدرد کیا تجھے اس کمسن بیوہ پر رحم نہیں آیا ؟ کیا تیری خواہش یہی تھی
کہ وہ اس قدر جلد صرف ایک سال میں بیوہ ہو جائے آہ آہ ایک ایسی
مصیبت ہمارے خاندان پر آئی تھی کہ جناب سید علی بلگرامی سے جدائی
ہو گئی آہ اس صدمہ سے جانبر ہونا مدتوں تک تو کیا عمر بھر کو ممکن نہ تھا یہی
صدمہ ہمکو مار ڈالنے کے لئے کیا کم تھا کہ دوسری بلا نازل ہوئی اُف اُف

رابعہ سلطان کا تڑپنا بلکنا بہت جگرخراش جانگداز سماں ہے آہ اسکے کان۔ ہاتھ جب ننگے دیکھتی ہوں تو جگر کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں الٰہی تیرا شکر جو تو نے مناسب سمجھا وہی تو نے کیا میں اپنے خاتون کے نامہ نگار بہنوں بھائیوں سے ملتجی ہوں کہ وہ اس غمزدہ کے غمگین اور ہمارے بیقرار دلوں کو صبر اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں جن صاحبوں نے وقتاً فوقتاً ہمارے ناچیز مضامین اخبار میں دیکھے ہیں آپ سے وہ غالباً ناواقف نہیں اسی عالم تحریر کی یگانگت کے لحاظ سے ملتجی ہوں کہ خواہ فارسی یا اُردو کوئی تاریخی قطعہ کہدیں جو مناسب اور پسندیدہ ہوگا وہ منتخب کر دیا جائیگا اور ہم نہایت مشکور ہونگے۔ دلگیر جہاں بیگم۔

"وضو"

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور سر کا مسح۔ اور پیر ٹخنوں تک۔

ترتیب آیت قرآنی سے معترض کہہ سکتا ہے کہ اول منہ دھونا چاہیئے پھر ہاتھ لیکن چونکہ قبل ہاتھ دھونے کے منہ کے دھونے میں اندیشہ ہاتھوں کی نجاست کا ہے اس لئے مقدم ہاتھوں کا دھونا کیا گیا۔ اور اسی لئے کہ ترتیب قرآنی میں فرق نہ پڑے بعد منہ دھونے کے کہنیوں کا دھونا مقرر کیا گیا۔ احکام قرآنی چونکہ بمنزلہ فرض ہیں اسی لئے وضو کے بھی چار فرض کئے گئے جنکا ذکر آیت قرآنی میں ہے باقی واجب ہیں یا سُنت و مستحب۔

صفائی جسم اور حفظان صحت کے فوائد پر اگر نظر کی جائے تو یہ مضمون نہایت طویل ہو جائے گا لیکن چونکہ ہمیں بعض وہ مسائل اور طریقے بیان کرنے ہیں جس سے (شاید) ہماری بہنیں اب تک نا واقف ہیں ظاہری منافع بیان کرنا نہیں چاہتے۔ احکامات شرعی تمام و کمال حکمت پر مبنی ہیں جسکو غیر مسلم طبقہ بھی مان چکا ہے اسلئے اور زیادہ ہم وضو کی فلاسفی بیان کرنے سے مستغنی ہو گئے ہیں اگر کبھی موقع ہوا تو اس کے تمام و کمال ظاہری فوائد پر بھی بحث کی جائیگی فی الحال تو مذہبًا جس قدر اس مفید فعل سے ہمیں نفع پہونچتا اُس کو بیان کئے دیتے ہیں۔

قبل اسکے کہ وضو کے فوائد و مسائل پر نظر ڈالی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض چھوٹے چھوٹے مسئلے پانی کے متعلق لکھدیں جن سے آگاہی دینی ضروری ہے۔

(۱) اکثر اوقات گھڑے مٹکے پانی سے بھرے ہوئے باہر رکھے رہتے ہیں دھوپ کے اثر سے پانی گرم ہو جاتا ہے۔ ٹھنڈا پانی موجود نہ ہونے کی حالت میں یا اس خیال سے کہ ٹھنڈا پانی پینے کے کام آئے گا اُس دھوپ کے گرم ہوئے پانی سے وضو کر لیتے ہیں۔ اس سے وضو (وغسل) مکروہ ہے (شامی صفحہ ۳۴)

(۲) مستعمل پانی کا پینا اور کھانے کی چیزوں میں استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اور وضو (وغسل) درست نہیں (شامی صفحہ ۴۷)

(۳) جس پانی کے ناپاک ہونے کا شک ہو یقین نہ ہو اُس سے بھی وضو مکروہ ہے اکثر اوقات بچے پانی میں ہاتھ ڈالدیتے ہیں اُنکے ہاتھوں کے پاک ناپاک ہونے میں شک ہوتا ہے اُسکو استعمال کر لیا جاتا ہی حالانکہ یہ نہ چاہیئے۔

(۴) عورت کے وضو اور غسل سے بچے ہوئے پانی سے جس طرح مرد کو وضو کرنا مکروہ ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کے وضو اور غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو مکروہ ہے۔

(۵) وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔

(۶) مکانوں کے رہنے والے جانور۔ بلی۔ چوہا۔ سانپ۔ اسی طرح اور حرام پرند یا حلال جانور جو چھوٹے ہوئے پھرتے ہیں جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں جس چیز میں چاہتے ہیں منہ ڈالدیتے ہیں انکا جوٹا مکروہ تنزیہی ہے۔

(۷) جن جانوروں کا جوٹا پاک ہے اگر وہ ناپاک چیز کھا کر فوراً پانی پئیں تو ناپاک ہے کچھ دیر کے بعد مضایقہ نہیں۔

ان مسائل کے بیان کرنے کے بعد اُن احادیث سے آگاہی دیجاتی ہے جو مختلف مواقع پر وضو کے متعلق کتب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

رسول اکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کو (جس کا ایک فرد وضو ہے) نصف ایمان فرمایا ہے (ترمذی)

جناب سرور کائنات نے ارشاد فرمایا کہ وضو کرنے سے انسان صغیرہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے اور آخرت میں اُس کو بڑے مرتبے ملتے ہیں تمام بدن کے گناہ وضو کرنے سے نکل جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے جنت کے آٹھ دروازے ہیں جو شخص مجھ جیسے طریقہ پر وضو کرتا ہے اُس کے لئے آٹھوں دروازہ کھُل جاتے ہیں جس دروازہ سے چاہے داخل ہو۔ (مسلم شریف)

جو اعضا وضو سے فیض یاب ہوتے ہیں وہ قیامت میں روشن ہونگے۔ (بخاری ومسلم)

بعض احادیث میں یوں آیا ہے کہ مُنہ دھونے سے مُنہ کے گناہ اور ہاتھ کے

دھونے سے ہاتھ کے آنکھوں سے آنکھوں کے غرضکہ جن جن اعضا پر پانی پہونچتا ہے اُن سب کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جو اعضا وضو سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اُنہیں کے لئے یہ تخصیص ہے نہیں بلکہ تمام جسم کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں کیونکہ بعض احادیث میں لفظ بدن آیا ہے جس سے کلیتًا تمام جسم انسانی مراد ہے۔

روحی فداہ سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ میں اپنی اُمت کو قیامت میں تمام مجمع سے منتخب کرلوں گا سوال کیا گیا کہ اتنے انبوہ کثیر میں کیا شناخت ہوگی فرمایا وضو کی وجہ سے اُنکے چہرے چمکتے ہوں گے۔

بہنو!۔اس حدیث کو غور سے دیکھو۔جو نماز سے غافل ہیں اور جن کو وضو جیسی مفید شے سے کوئی واسطہ نہیں اُن کو آنجناب سرور کائنات بھی نہ پہچان سکینگے جو لوگ ہر وقت باوضو رہتے ہیں شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں (حدیث) ان تمام احادیث سے یہ نہ سمجھ لیجیئے کہ صرف وضو ہی ان تمام برکات کا باعث ہوسکتا ہے فقط وضو کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں جب تک کہ نماز نہ پڑھی جائے

کامل اور صحیح وضو کس حالت میں ہوتا ہے } وضو اُسوقت صحیح ہوگا جبکہ تمام اعضا پر پانی پہونچ جائے کوئی عضو بال برابر بھی خشک نہ رہجائے اگر بال برابر کوئی جگہہ خشک رہ جائیگی وضو درست نہ ہوگا۔

اکثر بہنیں کام کی وجہ سے جلد جلد وضو کرکے بلا اس کے کہ تمام اعضا کو اچھی طرح دیکھ لیں نماز کے لئے کھڑی ہوجاتے ہیں جس سے اکثر اوقات نماز بیکار ہوجاتی ہے اس لئے لازم ہے کہ وضو نہایت احتیاط سے کریں۔

اگر انگلی میں تنگ انگوٹھی چھلا وغیرہ ہو تو اُس کو پھرا کر پانی پہونچانا چاہیئے۔

وضو کن حالتوں میں فرض ہے } نماز سجدہ تلاوت دونوں کے لئے وضو فرض ہے نماز خواہ نفل ہو یا فرض واجب ہو یا سنت۔ نماز جنازہ ہو ہر حالت میں وضو کرنا فرض ہے۔

کن صورتوں میں واجب ہے } بیت اللہ کے طواف اور قرآن چھوتے وقت۔

سنت ہے } سوتے وقت نہانے سے پہلے۔

مستحب ہے } اذان تکبیر کے وقت۔ خطبہ پڑھتے وقت (جمعہ کا ہو یا نکاح کا) حدیث کی تعلیم دیتے وقت اور حدیث کی کتابیں چھونے کے لئے۔ سو کر اٹھنے کے بعد۔ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد۔ مردے کو نہلانے کے بعد۔ جنازہ اٹھانے کے لئے۔ ہر وقت باوضو رہنا۔ زیارت جناب سرور کائنات کرنے کے لئے عرفات کے قیام پر۔ صفا مروہ دوڑتے وقت۔

وضو کا وہ مسنون طریقہ جسکے فضائل کتب احادیث سے منتخب کر کے بیان کئے گئے۔ } اس بات کے جاننے کے بعد کہ وضو سے کس قدر فائدے ہیں ضرورت اس امر کی معلوم ہوتی ہے کہ وضو کا وہ خاص طریقہ بتایا جائے جس کے لئے احادیث وارد ہوئی ہیں اور جس کے فضائل سطور بالا میں تم نے پڑھ لئے۔ یعنی وہ طریقہ جس طرح رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وضو فرماتے تھے۔

مٹی کے برتن میں پانی لیکر کسی اونچے مقام پر قبلہ رو بیٹھے۔ اور دل میں ارادہ کرے کہ میں یہ وضو خاص اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہوں (فقط زبان سے ہی ان الفاظ کے ادا کرنے سے مقصود حاصل نہ ہوگا بلکہ دلی نیت بھی یہی ہو) بدن کا صاف کرنا یا منہ دھونا میرا مقصود نہیں (اسی طور سے تمام اعضا کے دھوتے وقت خیال رکھے) پھر بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ پڑھ کر داہنے چلو میں پانی لے اور دونوں ہاتھوں کو

گٹوں تک مل مل کر دھونے کے بعد داہنے ہاتھ کے چلو میں پانی لیکر کلی کرے اور مسواک کو داہنے ہاتھ میں اس طرح پکڑے کہ چھوٹی اونگلی مسواک کے ایک سرے پر اور انگوٹھا دوسرے سرے کے قریب اور باقی اونگلیاں مسواک کے اوپر ہوں اوپر کے دانتوں کو طول میں داہنی طرف سے ملتے ہوئے بائیں طرف لائے اور مسواک کو نچوڑ دے پھر مسواک کو دھوئے اور دوبارہ اسی طور سے عمل کرے تیسری مرتبہ بھی اسی طرح مسواک کو دھو کر عمل کرے (مسواک علاوہ دانتوں کی مضبوطی اور صفائی کے مسنون ہے) بعدہٗ دو کلیاں اور کرے تاکہ تین کلیاں پوری ہو جائیں (تین کلیوں سے زیادہ نہ ہونی چاہئیں) کلی اس طرح کرے کہ پانی حلق تک پہونچ جائے (جسکو اصطلاح میں غرارہ کہتے ہیں) اگر روزہ دار ہو تو پانی حلق تک نہ پہونچایا جائے۔ کلی کرتے وقت بسم اللہ و کلمہ شہادت پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ ناک میں پانی لیتے وقت بعد بسم اللہ اور کلمہ شہادت کے یہ دعا پڑھے۔ اللّٰھُمَّ ارحنی رائحۃ الجنۃ ولا ترحنی رائحۃ النار۔ پھر داہنے ہاتھ کے چلو میں پانی لیکر (بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو) ناک میں اس طرح لے کہ نتھنوں کی جڑ تک پہونچ جائے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے تین مرتبہ اسی طور سے (ہر بار) نئے پانی کے ساتھ عمل کرے پھر تمام مُنہ کو مل کر دھوئے۔ مُنہ دھوتے وقت بعد بسم اللہ اور کلمہ شہادت کے پڑھے۔ اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ ونسودٗ وجوہ پھر اپنے چلو میں پانی لیکر کہنیوں تک بہاوے اور ملکر اس طرح دھوئے کہ بال برابر بھی خشک نہ رہے۔ چھلے آرسی کنگن چوڑی وغیرہ کو حرکت دیکر پانی پہونچائے اسی طرح بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ کو دھوتے وقت پڑھے۔ اللھم اعطنی

کتابی بیمینی وحاسبنی حسابًا یسیراہ بایاں ہاتھ دھوتے وقت پڑھے اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظہری پھر دونوں ہاتھ کو تر کرکے اس طرح پورے سر کا مسح کرے کہ دونوں اونگلیوں سمیت سر کے آگے حصہ پر رکھ کر آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کو لے آئے اور انہیں ہاتھوں سے (اگر خشک نہوے ہوں اور اگر خشک ہوگئے ہوں تو تر کرکے) کانوں کا مسح کرے اس صورت سے کہ چھوٹی اونگلی کان کے سوراخ میں ڈالے سر کے مسح کرتے وقت بعد بسم اللہ وکلمہ شہادت کے یہ دعا پڑھے۔ اللھم اظلنی تحت عرشك یوم لا ظل الا ظل عرشك کانوں کے مسح کرتے وقت بعد بسم اللہ وکلمہ شہادت کے پڑھے۔ اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ پھر داہنے ہاتھ میں لوٹا لیکر بائیں ہاتھ سے داہنا پیر تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اونگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی اونگلی سے کرتا جائے اسی طرح بایاں پیر بھی دھوئے داہنے پیر کے دھوتے وقت یہ دعا پڑھے۔ اللھم ثبت قدمی علی صراط المستقیم۔ (داہنے پیر کا خلال چھوٹی اونگلی سے شروع کرے اور بائیں کا انگوٹھے سے) بایاں پیر دھوتے وقت بسم اللہ اور کلمہ شہادت پڑھ کر یہ دعا پڑھتا جائے۔ اللھم اجعل دینی مغفورًا وسعیی مشکورًا وتجارتی لن تبورًا۔ حتی الامکان ہمیشہ بلا امداد غیر وضو کرے۔

نوٹ۔ ایک عضو دھونے کے بعد دوسرا عضو فوراً دھو ڈالے تاکہ دوسرا عضو خشک نہ ہونے پائے وضو کا پانی بچا ہوا کھڑے ہو کر پی لے اور کلمہ شہادت پڑھکر سورۂ انا انزلنا اور یہ دعا جو لکھی جاتی ہے پڑھکر اٹھ کھڑا ہو۔ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر کوئی میرے ایسا وضو کرے (یہ الفاظ مکرر) تو اُس کے اگلے گناہ بخشد سے جائینگے۔ (بخاری شریف)

مقبول احمد نظامی سیوہاروی

نواب وقار الملک بہادر کا خط

خدا کا شکر ہے کہ مسلمان مستورات ہند بھی قومی ضروریات کو محسوس کرنے لگی ہیں اور تعلیم بھی دن بدن ترقی پر ہے۔ محمڈن یونیورسٹی کا غلغلہ تمام ہندوستان میں ہر کس و ناکس کے کان تک پہنچ گیا ہے اور اسلئے روزافزوں جوش کی وجہ سے امید پڑتی ہے کہ بہت جلد ایک کروڑ روپیہ جمع ہوجائے گا یہ عین قومی بیداری کی علامت ہے کہ مسلمان خواتین ہند جو کبھی ایسے معاملات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئیں وہ اب حضیض جہالت سے نکلیں اور عظیم الشان قومی کارناموں میں بھی حصہ لینے لگی ہیں۔ مارچ کے خاتون میں "محمڈن یونیورسٹی اور ہمارا فرض" کے عنوان سے جناب بنت سید نذر الباقر صاحبہ کا اعلیٰ ترین مضمون نظر سے گذرا۔ موصوفہ جس سرگرمی کے ساتھ اس قومی کام میں کوشش کر رہی ہیں وہ نہایت قابل قدر ہے۔ میں بھی اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے ہر طرح بہن موصوف کی امداد کرنے کو تیار ہوں۔ اس مبارک فنڈ کے لئے میرٹھ کی مسلمان مستورات میں سب سے پہلا چندہ بیگم صاحبہ جناب قاضی نجم الدین احمد صاحب رئیس میرٹھ کا ہے قاضی صاحب موصوف "کمیٹی تکمیل محمڈن یونیورسٹی" کے سکرٹری ہیں آپ بڑی سرگرمی سے اپنے کام کو انجام دے رہے ہیں یہ انہیں کی اعلیٰ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ میرٹھ جیسے شہر سے جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے، ۳۰ ہزار روپیہ جمع ہو گیا اور ابھی بہت

بھی امید ہے۔ میں اپنے معزز ناظرین اور ناظرات کی دلچسپی کے لئے ذیل میں وہ چٹھی درج کرتی ہوں جو بیگم صاحبہ قاضی صاحب کے نام نواب وقار الملک بہادر نے ارسال فرمائی ہے:۔

جناب مخدومہ مکرمہ بیگم صاحبہ قاضی نجم الدین احمد صاحب سلامت السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ بہ مجرد اسکے کہ میں معہ دیگر ممبر صاحبان ڈیپوٹیشن میرٹھ پہنچا آپ کا عنایت نامہ معہ مبلغ ۵۰۰ روپیہ عطیہ آن محترمہ بد تکمیل مسلم یونیورسٹی فنڈ مجھکو ملا اور میں نے اسی وقت اسکا شکریہ کہلا بھیجا اور دوسرے دن جلسہ عام میں جو نوچندی میں ہوا تھا آپ کے اس عطیہ کا اعلان کیا جو اناث کے گروہ میں وہاں سب سے پہلا چندہ تھا۔ اُمید ہے کہ رسید باضابطہ مقامی کمیٹی کی طرف سے آپ کی خدمت میں پہنچی ہو گی۔ اسبار فراہمی چندہ کو یونیورسٹی کی بابت ملک میں جو تحریک ہو رہی ہے اسکا سب سے زیادہ ممتاز پہلو یہ ہے کہ ہماری معزز خواتین نے اس تعلیمی تحریک میں گہری دلچسپی ظاہر فرمائی ہے ماہرین تعلیم کی رائے ہے کہ جس قوم اور طبقہ کی مستورات میں تعلیم نہ ہو وہ گروہ اور طبقہ تعلیم یافتہ کے اصلی معنوں میں نہیں کہا جاسکتا اسی لحاظ سے آپ ایسی معزز خواتین کا اس تحریک کی طرف متوجہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ہماری قوم میں تعلیم ہونے کے آثار ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ توقع بھی ہے کہ جس قسم کی تعلیم کی ہم مسلمانوں کو ضرورت ہے اسکو مسلم یونیورسٹی کا وجود پورا کرے گا۔

آپ نے اس موقع پر جس قومی ہمدردی اور ایثار کو کام فرمایا اسکا شکر اپنی طرف سے اور نیز قوم کی طرف سے ادا کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ کی مثال طبقہ خواتین میں حسب دلخواہ اثر پیدا کرے گی۔ اور جب اس پر خیال

کیا جاتا ہے کہ آپ کے عزیز شوہر قاضی نجم الدین احمد صاحب نے عدیم النظیر جوش کے ساتھ اس موقعہ پر قومی خدمات کو انجام دیا ہے اور خود آپ کے دل میں قوم کی کس قدر ہمدردی ہے تو ہماری یہ مسرت جو آپ کے چندہ سے ہے اور بھی دونی اور چوگنی ہو جاتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدا ہر مسلمان کے گھر کو ایسا گھر بناوے جس میں بی بی اور میاں ایسے روشن خیال اور قوم کے ہمدرد ہوں جیسا کہ خدا نے آپ دونوں کو بنایا ہے اور اللہ تعالے آپ دونوں کی عمر و دولت و صحت و اقبال میں ہمیشہ ترقی بخشے اور آپ کو خوش و خرم رکھے والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین

آنریری سکرٹری

میرا خیال تھا کہ میرٹھ میں جہاں تعلیم کا گویا رواج ہی نہیں مسلمان مستورات کو اس طرف بہت کم توجہ ہوگی لیکن بیگم صاحبہ موصوف کی اس فراخ حوصلگی سے مدد کرنی اور بعد ازاں دیگر روشن خیال بہنوں کا اس طرف متوجہ ہونا ہمارے حوصلوں کو بڑھاتا ہے۔

میرٹھ میں اس تحریک کی امداد کے لئے ہماری نظریں بیگم صاحب عالیجناب خان بہادر شیخ وحید الدین صاحب رئیس لال کرتی کی طرف لگی ہوئی ہیں اور ہمیں پوری امید ہے کہ بیگم صاحبہ موصوف کی طرف سے ہماری صدا کا امید افزا جواب دیا جائیگا۔

مسز آفسہ میرٹھی

—•••— ✻ —•••—

تحفۃ النساء

یہ ایک اسم بامسمیٰ کتاب ہے جسکو ڈاکٹر ح - س - حسین صاحبہ نے ہندوستانی عورتوں کے لئے تصنیف کرکے طبع کرایا ہے اس میں حمل - ولادت وغیرہ اور انکے متعلق ہر قسم کی بیماریوں کی تشریح انکے اسباب اور نسخے لکھے گئے ہیں بچوں کی پرورش انکی غذا اور لباس کے متعلق ڈاکٹری اصول کے مطابق ہدایات ہیں یہ کتاب جدید اصول فن ڈاکٹری کے مطابق تصنیف کی گئی ہے اور معتبر معلوم ہوتی ہے - ہر قسم کی شکایتیں اور عوارض جو عورتوں کو لاحق ہوجایا کرتے ہیں انکے اسباب علامات اور معالجات نہایت تفصیل کے ساتھ ہیں - چھوٹی تقطیع پر ۲۴۰ صفحوں کی کتاب ہے - چھپائی لکھائی اور کاغذ وغیرہ معمولی ہے - قیمت عہ - ڈاکٹر صاحبہ موصوفہ سے امرتسر سے مل سکتی ہے - اسکی عبارت اور طرز بیان کے نمونہ کے لئے ہم اسکا ایک باب اس میں سے نقل کرتے ہیں جس کے لئے مصنفہ نے براہ عنایت ہمکو اجازت عطا فرمائی ہے -

اڈیٹر

شیرخواری میں نمو اور غذا

پورے دنوں کا تندرست بچہ ساڑھے تین سیر وزن میں اور تقریبًا اٹھارہ انچ لمبائی میں ہوتا ہے - بعد پیدائش تین چار دن میں آدھ پاؤ کے قریب وزن میں کم ہوجاتا ہے - گوشت - پوست - ہڈی وغیرہ جسم کی تمام ساختیں جلد جلد بڑھتی ہیں جسکا انحصار غذا پر ہے - اور ایک سال کا بچہ

نو سیر سے گیارہ سیر تک وزن میں ہوتا ہے۔ آیندہ عمر میں بچہ اول سال کی طرح جلد نہیں بڑھتا۔ اور اسی نمو کو مدنظر رکھکر ہم غذا کا اندازہ کر سکتے ہیں جس تناسب سے بچہ شیر خواری کے زمانہ میں بڑھتا ہے۔ مندرجۂ ذیل نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عمر		وزنمیں زیادتی		کل وزن			
۱	ماہ	۱۳	آونس	۸	پونڈ		
۲	"	۳۰	"	۹	"	۱۴	آونس
۳	"	۲۷	"	۱۱	"	۹	"
۴	"	۲۶	"	۱۳	"	۳	"
۵	"	۲۱	"	۱۴	"	۸	"
۶	"	۲۰	"	۱۵	"	۱۲	"
۷	"	۱۶	"	۱۶	"	۱۳	"
۸	"	۲۳	"	۱۸	"	۴	"
۹	"	۲۲	"	۱۹	"	۱۰	"
۱۰	"	۲۰	"	۲۰	"	۱۴	"
۱۱	"	۱۱	"	۲۱	"	۹	"
۱۲	"	۷	"	۲۲	"		

اگر ماں اور انّا کا دودھ بچے کو نصیب نہ ہو تو ظاہر ہے کہ بہترین غذا بچے کی کسی اور جانور کا دودھ ہوگا۔ اس صورت میں گائے۔ بھینس۔ بکری۔ اور گدھی کے دودھ میں سے انتخاب کرنا ہوگا۔ اگرچہ بکری اور گدھی کا دودھ

اجزا کے تناسب کے لحاظ سے عورت کے دودھ سے زیادہ ملتا جلتا ہے لیکن اول تو ان جانوروں کی غذا اور چارہ ایسا مختلف ہے کہ دودھ کے اجزا کا تناسب یکساں رہنا مشکل ہے۔ دوسرے دونوں کے دودھ سے ایک قسم کی بدبو اور مہک آتی ہے۔ بھینس کا دودھ بہ سبب ہونے زیادہ چکنائی کے ایسا گاڑھا ہوتا ہے جو انسان کا بچہ ہضم نہیں کر سکتا۔

تین صورتوں میں بچے کے لئے مصنوعی غذا کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اوّل۔ اُن بچوں کے لئے جو پیدائش کے بعد مصنوعی غذا سے پلنے شروع ہوتے ہیں۔

دوسرے۔ وہ بچے جنکا قبل از وقت دودھ چھڑایا جاتا ہے۔

تیسرے۔ وہ بچے جو معمولی دودھ چھڑانے کے وقت چھاتی سے الگ کئے جاتے ہیں۔

ہرسہ مذکورۂ بالا صورتوں میں پانی ملا ہوا گائے کا دودھ بہترین غذا ہے۔ جس گائے کا دودھ پلایا جائے وہ مرض خنازیر سے بیمار نہو۔ نیز ایک گائے کے دودھ سے بہتر ہے۔ کہ گایوں کے گلہ کے ملے ہوئے دودھ میں سے لیکر بچے کو پلایا جاوے۔ یعنی ایک سے زیادہ گایوں کا دودھ ملا لیا جاوے۔ دودھ کو نہایت صاف برتن میں ڈھانپ کر رکھا جائے تاکہ گرد و غبار اور مکھیوں سے محفوظ رہے۔ ورنہ یہ مکھیاں جو میلی کچیلی جگہوں سے آکر دودھ پر بیٹھتی ہیں مختلف قسم بیماری کے جراثیم لاتی ہیں جو بچوں میں اسہال و پیچش و مختلف امراض کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ بچہ ایام شیر خواری میں۔ خالص گائے کے دودھ کو ہضم کرنے کے قابل نہیں اسلئے پانی ملا کر پتلا کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ پانی ہمیشہ اوبال کر ٹھنڈا کر لینا چاہیئے

اور گائے کے دودھ کو علیحدہ اوبال کر سرد کر لیا جائے۔ اور ہر دفعہ کی غذا کے لئے پانی اور دودھ کو اُسیوقت ملایا جاوے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ ایک ہی دفعہ دودھ میں پانی ملا کر رکھ دیا جائے۔

بچے کی عمر کے مطابق تناسب ذیل سے پانی ملایا جاوے۔

	گائے کا دودھ		پانی	
بچے کی پیدائش کے اول ہفتہ میں	۳/۴	حصہ	۲ ۲/۴	حصہ
" " دوسرے ہفتہ میں	۱	"	۲ ۱/۲	"
" " چوتھے ہفتہ میں	۱ ۱/۲	"	۳ ۱/۲	"
" " چھٹے ہفتہ میں	۲	"	۴	"
" " دوسرے ماہ میں	۲ ۱/۲	"	۴ ۳/۴	"
" " تیسرے ماہ میں	۴	"	۴	"
" " چوتھے ماہ میں	۵ ۱/۲	"	۴	"
" " پانچویں ماہ میں	۵ ۳/۴	"	۴ ۱/۴	"
" " چھٹے ماہ میں	۶ ۱/۲	"	۲ ۱/۲	"

دودھ پلانیکا طریقہ

پانی ملے ہوئے دودھ کو شیشی میں ڈالکر پلانا چاہیئے یہ شیشیاں مختلف قسم کی بازاروںمیں فروخت ہوتی ہیں ربڑ کی لمبی نالی دار شیشیاں کسی حالت میں جائز نہیں کیونکہ انکو صاف رکھنا محال ہے۔ شیشی نہایت سادہ اور کم خمدار ہونی چاہیئے۔ تاکہ آسانی سے صاف ہوسکے۔ کشتی نما شیشی سب سے بہتر ہے شیشی کے اوپر کا منھ یا چوسنی بازاروںمیں نہایت ارزاں قیمت پر

پر فروخت ہوتی ہیں اور کبھی خرید کر رکھنے میں کفایت ہوتی ہے شیشی اور ربڑ کے منہ کو گرم پانی اور بازاری سوڈا سے ہر دفعہ دودھ پلانے کے بعد دھونا لازم ہے۔ اور ہر روز ایک مرتبہ شیشی کو کھولتے ہوئے پانی سے دھونا اور ربڑ کی چوسنی کو بدل دینا چاہیئے۔

شیر خوار بچے کی غذا کے اوقات

یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ جب بچہ رویا۔ ماں نے تب ہی غذا دیدی بلکہ بچے کو اوقات مقررہ پر غذا کا عادی کرنا چاہیئے۔ رات کو بھی حتی المقدور غذا کی عادت کم ہونی چاہیئے۔ اور اس امر کی عادت بھی اچھی نہیں کہ جب تک بچے کے منہ میں غذا نہ ہو تب تک وہ نہ سوئے۔

دودھ یا غذا کے اوقات کا نقشہ

پہلا ہفتہ	۲ سے ۴ ہفتہ	۲ ماہ	۳ سے ۴ ماہ	۵ ماہ	۶ سے ۹ ماہ	۱۰ ماہ
۶ بجے صبح	۶ بجے صبح	۱½ بجے صبح	۶½ بجے صبح	۷ بجے صبح	۷ بجے صبح	۷ بجے صبح
۸ 〃 〃	۸ 〃 〃	۸ 〃 〃	۹ 〃 〃	۹½ 〃 〃	۱۰ 〃 〃	۱۰ 〃 〃
۱۰ 〃 〃	۱۰ 〃 〃	۱۰½ 〃 〃	۱۱½ 〃 〃	۱۲ 〃 〃	۱۰ بجے شام	۱ بجے شام
۱۲ 〃 〃	۱۲ 〃 〃	۱۲½ بجے شام	۲ بجے شام	۲½ بجے شام	۱ 〃 〃	۴ 〃 〃
۲ بجے شام	۲ بجے شام	۲½ 〃 〃	۴½ 〃 〃	۵ 〃 〃	۴ 〃 〃	۷½ 〃 〃
۴ 〃 〃	۴ 〃 〃	۴½ 〃 〃	۶ 〃 〃	۷½ 〃 〃	۷ 〃 〃	
۶ 〃 〃	۶ 〃 〃	۶ 〃 〃	۹½ 〃 〃	۱۰ 〃 〃	۱۰ 〃 〃	
۸ 〃 〃	〃 〃	۱۰ 〃 〃	۱۱ 〃 〃			
۱۰ 〃 〃	۱۰ 〃 〃	½ بجے صبح				
۲ بجے صبح	½ بجے صبح					

بچے کو اگر پاخانہ پتلا آئے یا دست شروع ہوجائیں تو بجائے پانی کے چونہ کا پانی دودھ میں ملا دینا چاہیئے یہ چونہ کا پانی انگریزی دوا فروشوں کی دُکانوں پر سستی قیمت پر فروخت ہوتا ہے گھر میں بھی بن سکتا ہے جس کی ترکیب یہ ہے کہ آدھی چھٹانک بجھے ہوئے چونہ کو دو سیر پانی میں کسی مٹی کے کورے باسن یا لوہے کی بالٹی میں بھگو کر اور ڈھانپ کر رکھ دیا جاوے بارہ گھنٹے بعد شفاف پانی کو نتار لیا جائے۔ لیکن احتیاط رہے کہ چونہ جو نیچے بیٹھا ہوا ہے ہلنے نہ پائے ورنہ پانی گدلا ہوکر بیکار ہو جائے گا۔ اگر بچے کو قبض ہوجائے تو دودھ میں آش جو ملا کر دیں جب بچے کو پیاس لگے خصوصاً موسم گرما میں تو پانی دینا ضروری ہے۔ کبھی کبھی تازہ پھلوں مثلاً۔ پختہ سنگترہ اور انگور کا رس بھی مناسب مقدار میں دیا جائے بچوں کو مصری یا کھانڈ کا شربت دینا مضر ہے۔

جب تک بچے کے دانت نہ نکل آئیں سخت غذا نہ دینی چاہیئے۔ نیز بچے کا معدہ نشاستہ دار غذاؤں کے ہضم کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ ضرورت ہو تو بچے کو ارا روٹ۔ یا اوٹ میل دودھ میں پکا کر چٹائیں بازاروں میں جو اشتہاری دیسی یا ولایتی غذائیں فروخت ہوتی ہیں اُن میں عموماً نشاستہ دار چیزیں ہوتی ہیں اور اُن سے ارا روٹ یا اوٹ میل بدرجہا بہتر ہیں۔

اڈیٹوریل

غالباً اکثر ناظرات نے اخبار البشیر اٹاوہ میں مولوی بشیرالدین صاحب کی

صاحبزادی کے انتقال پُرملال کا حال سُنا ہوگا۔ یوں تو جو پیدا ہوا ہی وہ مرے گا اور جو مرتے ہیں اُنکے لئے عزیز و اقارب۔ دوست و احباب اور جان پہچان والے رنج و ماتم کیا ہی کرتے ہیں۔ مگر بعض انسانوں کی موت بمنزلہ شہادت کے ہوتی ہے اور ایسے انسانوں کی موت صرف عزیز و اقارب ہی کیلئے باعث رنج و ماتم نہیں ہوتی بلکہ عام سوسائٹی کے لئے رنج و ملال کا باعث ہوتی ہے ہم اس بات کو بار بار ظاہر کرچکے ہیں کہ ہمارے مردوں کے بعض حرکات ایسے ہیں کہ اُنکی وجہ سے عورتوں پر بڑے ظلم و تشدد ہوتے ہیں۔ منجملہ اُنکے ایک حرکت متعدد شادیاں کرنے کی ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے حامی ہیں وہ ہمکو بتائیں کہ آیا ایک شخص جسکے گھر میں ایک نوجوان شریف شکل صورت کی اچھی بیوی موجود ہے اُسکو بلا وجہ دوسری شادی کرنے کا اختیار ہی یا نہیں اگر ہے۔ تو کیوں چند سال ہوئے کہ ہمنے رسالہ خاتون میں اصغری کی سرگذشت کے نام سے ایک مضمون شایع کیا تھا اور اُس میں ہمنے ایک مظلومہ کی حالت کا پورا خاکہ کھینچ کر ناظرین و ناظرات کے سامنے پیش کیا تھا اور سوسائٹی کو اس بات کا موقعہ دیا تھا کہ وہ غور کرے کہ جو سختی اور ظلم اصغری پر ہوا تھا آیندہ اُسکو سوسائٹی جائز رکھنا چاہتی ہے یا نہیں۔ اُسکے بعد زنانہ رسالوں میں اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ کیگئی اور اکثر مضامین ہمارے نظر سے گذرے ہیں کہ جنمیں کثیر التعداد شادیوں کی مخالفت کی گئی ہی۔ مگر یہ مخالفت صرف مضامین تک ہی محدود معلوم ہوتی ہی عملًا اسوقت تک اس مخالفت نے کچھ نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ اور اصغری مظلومہ جیسی اور بہت سی بیویاں موجود ہیں جن پر اسی قسم کے ظلم کئے جاتے ہیں جنکا ذکر ہمنے اصغری کے مضمون میں کیا ہی۔ جتنی بیویاں مردوں کے ظلم سے اصغری کی طرح جل جل کر دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اُنکا حق ہی کہ ہم اُن کو شہادت کا درجہ دیں اور سب ملکر

اُنکا ماتم کریں اور جبتک آیندہ اُنکے حقوق کی حفاظت نہو اور جبتک اُنکو مردوں کی اس قسم کی ظالمانہ باتوں سے نجات نہ ملے ہم اُنکا برابر ماتم کئے جاینگے - ہمارے مخدوم دوست مولوی بشیرالدین صاحب کی صاحبزادی بھی اسی قسم کے ظلم وتشدد کی شکار ہوئی ہیں اُس نے بھی سال ڈیڑھ سال تک اپنے نامہربان شوہر اور اُسکے عزیزوں کے ہاتھ سے سخت صدمے سہے اور آخر کو دنیا سے رخصت ہوئی - انا للہ وانا الیہ راجعون - خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرماوے اور جنہوں نے اُسپر ظلم کئے اُنکو عقل سلیم عطا کرے کہ وہ آیندہ کجروی سے باز رہیں -

---

ناظرین و ناظرات کو بعد بڑے انتظار کے ہم مژدہ سناتے ہیں کہ آخر کار بڑی کوشش اور جد وجہد کے بعد ۸ جون ۱۹۱۱ء کو بذریعہ کلکٹر صاحب کے اراضی زنانہ اسکول کے اوپر ہمکو قبضہ ملگیا - بعض ہمارے حامیوں کو اس بات کا شبہہ تھا کہ آیا کبھی ہمیں اس اراضی پر قبضہ ملیگا بھی یا نہیں کبھی عمارت شروع ہو گی بھی یا نہیں - مگر ہمنے ہمیشہ یہی کہا کہ حصول آراضیات میں بہت سے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں - چند مرتبہ درخواستیں مختلف قسم کی گورنمنٹ میں جاتی ہیں وہاں سے منظوریاں ہوتی ہیں پھر معاوضہ کی تحقیقات ہوتی ہے اور اُسکے بعد آراضی ملتی ہے - اب بھی گو کلکٹر صاحب کی طرف سے معاوضہ طے ہو گیا ہے مگر مقدمہ جج صاحب کی عدالت میں دائر ہے اور احتمال ہے کہ ہائیکورٹ تک جاویگا - مگر قبل قطعی فیصلہ معاوضہ کے کلکٹر صاحب کو اختیار تھا کہ وہ ہمکو قبضہ دیدیتے اونہوں نے مہربانی سے ہمکو قبضہ دلادیا اب صرف معاوضہ کی کمی وبیشی کی بحث ہے - ہمنے ایک منٹ بھی بعد ملنے قبضہ کے ضائع نہیں کیا بلکہ ۹ تاریخ کی شام کو انتظامی کمیٹی کا جلسہ منعقد کر کے عمارات کی تعمیر کی منظوری حاصل کی اور مصالحہ وغیرہ جمع کرنیکا حکم جاری کر دیا - چنانچہ اس دوران میں متعدد مرتبہ آراضی پر جا کر موقع دیکھے گئے کہ کہاں پر اسکول

بنے اور کہاں پر بورڈنگ ہوس بنیں اور کہاں پر دیگر عمارات بنیں۔ چنانچہ ۱۱ر جون ۱۹۱۱ء کی شام کو نواب وقارالملک بہادر اور صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب و حاجی موسیٰ خانصاحب اور دیگر کل لوکل ممبران موقع پر گئے اور جاکر آراضی کا معائنہ کیا اور اپنی قطعی رائے قایم کرنیکے لئے انجینیر صاحب کو مزید نقشہ پیش کرنے کی ہدایت کی جو تیار ہو رہے ہیں ہمنے چاہا تھا کہ جولائی کے شروع میں سنگ بنیاد رکہدیا جاوے اور جناب شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے دست مبارک سے یہ رسم ادا کی جاوے مگر افسوس ہیکہ مولانا بوجہ علالت طبع کے تشریف نہیں لا سکتے اسلئے اب یہ معاملہ پیش نظر ہے اور غور کیا جا رہا ہے کہ کس موقع پر سنگ بنیاد رکہا جائے اور کس کے ہاتھ سے۔ برسات کا زمانہ آگیا ہی۔ اس زمانہ میں عمارات کا کام شروع نہیں ہو سکتا مگر مصالح برابر جمع ہوتا رہیگا اور ۱۵ر نومبر یا شروع اکتوبر سے عمارات کا کام شروع کیا جاویگا اور جس قدر عجلت ممکن ہوگی کر کے ضروری عمارات تیار کرائی جاوینگی۔ مگر ناظرین و ناظرات کو ایک بات ذہن نشین رہی کہ اس وقت عمارات کیلئے ہمارے پاس صرف تیس ہزار روپیہ ہے اب اس مدرسہ کے کامیاب بنانے میں قوم کی توجہ کی ضرورت ہی اور جہاں مردوں کی تعلیم کیلئے لاکھوں روپیہ قوم دے رہی وہاں عورتوں کی تعلیم کیلئے سیکڑوں کا استحقاق تسلیم کرنا قرین انصاف ہی۔ چونکہ اسوقت تک آراضی پر قبضہ نہیں ملا تھا اسلئے ہمنے چندہ کیلئے کوئی اپیل نہیں کیا۔ اب ہمنے اپنی ضرورت ظاہر کر دی ہی اور عنقریب اپیل کرینگے۔ انتظامی کمیٹی کی روئداد ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

روئداد جلسہ کمیٹی مدرسہ نسواں علیگڑھ

منعقدہ ۷ر جون ۱۹۱۱ء

حاضرین جلسہ عالیجناب نواب وقارالملک بہادر (پریسیڈنٹ) حاجی محمد موسیٰ

خانصاحب، مولوی حبیب الرحمن خانصاحب، محمد سرفراز خانصاحب، سید بنیاد حسین صاحب، سید عبدالباقی صاحب رجسٹرار، میر ولایت حسین صاحب، مسٹر عبدالحی صاحب انجینیر، اور آنریری سکرٹری شیخ محمد عبداللہ صاحب۔

کارروائی جلسہ

۱۔ آنریری سکرٹری نے اطلاع دی کہ ۵ رجون ۱۹۱۱ء کو آراضیات زنانہ نارمل اسکول و آراضیات متعلق کالج و بنگلہ رام دیال فلر (جو گورنمنٹ کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہیں) اُن پر بذریعہ تحصیلدار صاحب کے باضابطہ قبضہ مل گیا ہے، اور میں نے دخل نامہ لکھکر پیش کر دیا ہے۔ اب عمارت کیلئے انتظام ہونا چاہیئے۔ اور فیمیل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی ایک سب کمیٹی "بلڈنگ سب کمیٹی" کے نام سے مقرر ہونی چاہیئے۔

۲۔ قرار پایا کہ حسب ذیل ممبران بلڈنگ سب کمیٹی کے لئے منتخب کئے جائیں۔

(۱) آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب، (۲) مسٹر عبدالحی صاحب انجینیر (۳) محمد سرفراز خانصاحب، (۴) خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خانصاحب، (۵) حاجی محمد موسیٰ خانصاحب، (۶) حاجی محمد صالح خانصاحب، (۷) عامر مصطفیٰ خانصاحب۔ اور سکرٹری کو اختیار دیا گیا کہ ممبران ایسوسی ایشن یا دوسرے اصحاب کو (جو تعلیم نسواں سے ہمدردی رکھتے ہیں) بلڈنگ سب کمیٹی کی ممبری کیلئے نامزد کریں، یا جس جلسہ میں چاہیں انکو بلالیں، اور ممبران موجودہ علی گڑھ کو ہر جلسہ میں ضرور بلالیا کریں۔

۳۔ قرار پایا کہ ۱۱ رجون ۱۹۱۱ء کو ممبران سب کمیٹی موقع پر جاکر یہ دیکھیں کہ اسکول و بورڈنگ ہاؤس و مکانات کہاں کہاں بنائے جائیں گے۔

اسوقت تک آنریری سکرٹری اراضیات کی حدود پر جھنڈیاں لگوانے کا انتظام کر دیں، تاکہ ممبران کو دیکھتے ہی فوراً معلوم ہو جاوے کہ آراضیات کہاں سے کہاں تک ہیں اور مختلف قطعات کہاں کہاں واقع ہیں اور کیا کیا اُن کی شکل ہے۔

۴- بورڈنگ ہوس کا نقشہ و اسٹیمیٹ مسٹر عبدالحق صاحب انجینیر کالج ایک ہفتہ کے اندر تیار کر کے آنریری سکرٹری کے پاس بھیجدیں اور آنریری سکرٹری اُسکے بعد جلسہ کر کے نقشہ و اسٹیمیٹ منظور کرا کر اُسکی ایک نقل ڈائرکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجدیں۔

۵- قرار پایا کہ ایک سب اوورسیر چالیس روپیہ ماہوار تنخواہ تک کا زنانہ اسکول کی عمارات کی نگرانی کے لئے مقرر کیا جاوے۔

۶- قرار پایا کہ اسکول کیلئے ایک پانچویں اُستانی اور (مشاہرہ پچیس روپیہ ماہوار) بلائی جاوے۔

۷- قرار پایا کہ بلحاظ ضرورت اُن لڑکیوں کی تعلیم کے (جو کالج کے احاطہ میں رہتی ہیں اور جو شہر کے زنانہ مدرسہ میں جا کر تعلیم نہیں حاصل کر سکتیں) ایک برانچ اسکول کالج کے کسی پردہ کے مکان میں کھول دیا جاوے۔ اور مدرسے ایک اُستانی یہاں بھیجدی جاوے اس پر نواب فارالملک بہادر نے بڑی مہربانی سے فرمایا کہ میں اپنی کوٹھی کا ایک حصہ اس مدرسہ کیلئے مخصوص کر دونگا اور جو اُستانی یہاں بھیجی جاوے گی وہ بھی میرے مکان میں رہ سکتی ہو۔ اُس کے لئے کسی علیحدہ انتظام کی ضرورت نہ ہوگی۔

۸- قرار پایا کہ مذکورہ بالا برانچ اسکول اس وقت تک جاری رہیگا جبتک کہ اسکول کا بورڈنگ ہاؤس اور دیگر عمارات تیار نہ ہو جاویں۔ جب وہ تیار ہو جاوینگی تو پھر اس اسکول کی کچھ ضرورت نہ رہیگی۔

۹- آنریری سکرٹری نے کہا کہ اب کسی یورپین ہیڈ مسٹریس کا ہونا نہایت ضروری ہی۔ بعد غور کے قرار پایا کہ جدید مکانات و بورڈنگ ہوس کی تعمیر تک یورپین ہیڈ مسٹریس کا ہونا ملتوی کیا جاوے۔

۱۰- آنریری سکرٹری نے اطلاع دی کہ مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس میرٹھ (جنکو اسکول کی ریڈریں بنانے میں خاص ملکہ اور تجربہ ہے) اُن سے درخواست کیگئی تھی کہ وہ زنانہ نصاب تیار کریں چنانچہ وہ نصاب تیار کر رہے ہیں اور اونہوں نے یہ بھی اپنا

ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ کچھ دن کے لئے علی گڑھ ہی میں آکر رہیں گے۔

۱۱- کمیٹی نے آنریری سکرٹری کو اختیار دیا کہ وہ اسکول کی عمارات کے لئے اینٹیں، مصالح وغیرہ فوراً منگانا شروع کر دیں۔

اسکے بعد پریسیڈنٹ صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست کیا گیا۔

بیگم صاحبہ بھوپال

ہر ہائینس بیگم صاحبہ والیہ بھوپال جسوقت مارسیلز میں پہونچیں تو وہاں فرانسیسی قوم بڑی کثرت کے ساتھ مشرقی شاہزادی کے جادوجلال کا تماشا دیکھنے کیلئے موجود تھی۔ حضور بیگم صاحبہ کے جہاز کیلیٹ بنیا کے اردگرد بیسیوں فوٹوگرافر اور رپورٹر موجود تھے۔ تاکہ وہ انکی کیفیت مع تصاویر کے اپنے اخباروں میں شایع کریں۔

مگر انکو اسوقت سخت مایوسی ہوئی جبکہ انگریزی افسروں نے جو بیگم صاحبہ کے ہمراہ ہیں انکو یک لخت ہٹ جانے اور راستہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

یہی معاملہ خاص پیرس میں بھی پیش آیا۔ ہر ہائینس بیگم صاحبہ جس ہوٹل میں ٹہیرنے والی تہیں انکے پہونچنے سے پہلے ہی پچاسوں اخباروں کے نامہ نگار۔ فوٹوگرافر۔ سینومیٹو گرافر یعنی متحرک تصویریں کھینچنے والے وہاں موجود تھے اور ہر طرف سے ہوٹل کی سڑک اور اسکے دروازہ کو گھیر رکھا تھا تاکہ آتے ہی مشرقی ملکہ کی تصویریں لیں۔ لیکن انگریزی افسروں نے جو ہمرکاب تھے نہایت دانائی اور احتیاط کے ساتھ اپنی حکمت عملی سے بیگم صاحبہ موصوفہ کو انکے قیام گاہ کے کمروں میں پہنچا دیا۔ اور یہ لوگ سوائے برقعوں کے اور کچھ نہ دیکھ سکے اب فرانس والوں کا اشتیاق اور بھی سخت بڑھ گیا۔ وہ اس نامور ملکہ کے حالات کی سرگرمی سے جستجو میں پڑے کہ جسکی سلامی میں ۱۹ ضرب توپ کی شلک سر ہوتی ہے اور جسکے قبضہ میں ایک وسیع ریاست ہے۔

امام بخاریؒ

قرآن شریف کے بعد حدیث مسلمانوں کا دین و ایمان ہے۔ محدثوں کی جماعت جنہوں نے نہایت کوشش اور محنت سے اس فن شریف کو جمع کیا اور صحت کے ساتھ ہم تک پہونچایا بڑی مقدس جماعت ہے۔ کیا بلحاظ زہد وتقوے کے کیا بلحاظ علم وصداقت کے انکی زندگیاں ہمارے لئے شمع ہدایت ہیں۔ اور کوئی قوم بجز ہمارے ایسے عظیم الشان اسلاف نہیں دکھلا سکتی۔

محدثین کی جماعت میں بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں۔ لیکن ان سب میں امام بخاری اس خصوصیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان کی کتاب صحیح بخاری فن حدیث کی تمام کتابوں میں زیادہ صحیح تسلیم کی گئی۔ اسلئے جی چاہتا ہے کہ اپنی بہنوں کو ایسے عظیم الشان علمی محسن کا کچھ حال سنائیں جس کی کتاب کی بدولت ہم مسلمان اپنے ہادی برحق کے راستہ قایم رہے اور انشاءاللہ رہینگے چونکہ رسالہ خاتون انکے علمی کارناموں کے بیان کو نہیں برداشت کرسکتا

اسلئے نہایت مختصر طور پر اسکے معمولی حالات بیان کرتے ہیں۔

نام ونسب۔ امام بخاری کا نام محمدؒ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ اسکے والد کا نام اسمٰعیل تھا وہ بھی بڑے پایہ کے محدث تھے۔ امام بخاری کی ولادت بخارا میں ۱۳ رشوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کی نماز کے بعد ہوئی۔

اسکے والد ان کے بچپن ہی کے زمانہ میں جبکہ یہ اپنی ماں کے گود میں تھے انتقال کر گئے۔ انکی والدہ جو کہ بڑی عابدہ اور فرشتہ صفت عورت تھیں انکی اور اسکے بڑے بھائی احمدؒ کی تربیت کرتی تھیں۔

اسکے والد بہت مال چھوڑ مرے تھے۔ مرتے وقت انہوں نے فرمایا تھا کہ میں جس قدر مال چھوڑے جاتا ہوں اس میں جہانتک جانتا ہوں کوئی کوڑی حرام کی نہیں ہے۔

امام بخاری بڑے ذہین تھے۔ بچپن ہی سے اسکے اندر آثار نمایاں تھے کہ کسی بڑی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ انکی والدہ اسی وجہ سے اسے بہت زیادہ الفت کرتی تھیں۔ اور انکی تعلیم میں کوشش فرماتی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد مکہ شریف حج کے لئے تشریف لیچلیں۔ اپنے دونوں بچوں کو بھی ساتھ لے لیا۔

امام بخاری کی آنکھوں میں کوئی ایسا مرض ہوا کہ یہ معلوم ہوا کہ دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ محبت بھری ماں کا دل اس رنج سے خون ہو گیا اور مکہ میں رات رات بھر دربار الٰہی میں انہوں نے دعائیں مانگیں۔

ماں کی دعا اولاد کے حق میں اللہ تعالےٰ کب رد کرتا ہے۔ ایک دن خواب میں انہون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ کو دیکھا جو فرماتے ہیں کہ اسے اپنے یتیم بچہ کے لئے رب کو پکارنے والی تیری دعا مقبول

ہوئی۔ اور اللہ نے تیرے بیٹے کی آنکھیں واپس کیں۔ وہ اسیوقت اٹھیں
اور آکر دیکھا کہ بیٹے کی آنکھیں درست ہیں۔ اللہ کا شکر کیا اور غریبوں کو خیرات بانٹی
تعلیم۔ ابتدا میں انکی والدہ نے ان کو قرآن شریف حفظ کرایا۔ اسکے بعد
علم حدیث پڑھانا شروع کیا۔ جب ان کی والدہ مکہ میں حج کے لئے ان کو
لائیں تو انکے بڑے بھائی کچھ دنوں کے بعد بخارا چلے آئے اور انتقال
کر گئے لیکن یہ وہیں ملک عرب کے محدثوں کے پاس چھ سال تک حدیث
پڑھا کئے پھر شام۔ مصر اور الجزائر تک گئے اور جہاں جہاں جس جس کے پاس
علم حدیث پایا حاصل کر لیا۔ عراق میں یعنی بصرہ۔ کوفہ اور بغداد میں تو انکے
بیسوں دورے ہوئے۔ اس طرح پر گھوم پھر کے سارا ذخیرہ علم حدیث کا ازبر کرلیا
جب اٹھارہ سال کا سن ہوا تو کتاب قضایا لکھی جس میں صحابہ اور تابعین کے
زمانہ میں قاضیوں کے جس قدر فیصلے تھے وہ سب جمع کر دئے۔ پھر مدینہ میں
جاکر روضہ انور نبوی کے مجاور بنگئے انھوں نے اپنی کتاب التاریخ لکھی انکا
علم اس قدر وسیع تھا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب میں جس قدر نام آئے
ہیں کوئی نام ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق مجھکو دو چار قصے یا باتیں معلوم
نہ ہوں لیکن بخوف طوالت ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔ یہ کتاب انھوں نے
چاندنی راتوں میں بیٹھکر لکھی۔ دن کو یا چراغ کی روشنی میں نہیں لکھتے تھے
آخر عمر میں انھوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری ترتیب دی۔ یہ کتاب بھی
مدینہ شریف میں روضہ مقدس پر جاکر لکھی۔ اس میں صحت حدیث کا نہایت درجہ
خیال رکھا بہت سی شرطیں لگائیں کہ جو حدیثیں ان شرطوں کے مطابق ہونگی
وہی میں درج کرونگا۔ چنانچہ ان کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اس میں سے صرف
چھ ہزار حدیثیں یعنی فیصدی ایک اس شرط کے مطابق اتریں۔ وہی چھ ہزار

حدیثیں انہوں نے اپنی کتاب میں جمع کر دیں۔

اس سے یہ نہ سمجھئے کہ اور باقی حدیثیں جو انکے پاس تھیں وہ صحیح نہ تھیں نہیں بلکہ ان میں کا زیادہ حصہ صحیح تھا لیکن وہ اس شرط کے مطابق نہ تھا جو انہوں نے مقرر کی تھیں۔ اسلئے ان کو درج نہیں کیا۔ شرطیں انہوں نے ایسی مقرر کی تھیں کہ اسکے مطابق جو حدیثیں ہیں انکی صحت میں شبہہ ہی نہیں ہوسکتا

اس احتیاط اور خوف الٰہی کے ساتھ انہوں نے یہ کتاب لکھی تھی کہ ایک حدیث جب کتاب میں لکھنی ہوتی تو پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیتے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگتے کہ اے رب میں تیرے اس مقدس نبی کا کلام جمع کرتا ہوں مجھے غلطی اور لغزش سے محفوظ رکھنا۔ اسکے بعد حدیث کتاب میں لکھتے

اسطرح پر جب یہ کتاب مکمل ہوگئی تو انہوں نے فن حدیث کے جو لوگ امام تھے مثلاً امام علی ابن مدینی امام یحیٰی بن معین امام احمدؒ بن حنبل وغیرہ کے پاس اسکو بھیجا کہ وہ دیکھیں اور اگر کوئی غلطی ہو تو ظاہر کریں سب نے اسکی صحت کو تسلیم کیا اور کہیں اُنگلی رکھنے کی جگہہ نہ پائی۔ امام یحیٰی نے صرف چار حدیثوں کے متعلق اعتراض کیا کہ یہ قرارداد شرط کے مطابق نہیں ہیں لیکن جب اماموں کی بحث میں یہ اعتراضات پیش ہوئے تو معلوم ہوا کہ امام بخاری سے لغزش نہیں ہوئی ہے۔

اسی زمانہ سے کتاب بخاری تمام مسلمانوں کے نزدیک بالکل صحیح قرار پاگئی۔ اور امام بخاری کا یہ احسان ہمیشہ کے لئے اُمت پر ہوا کہ انہوں نے صحیح ترین مجموعہ حضرت رسالت پناہ کی احادیث کا جمع کیا ؎

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبتِ آخر بہ بخارا زدند

امام بخاری کی کل تصنیفات فن حدیث و تفسیر و تاریخ میں بیس سے زیادہ ہیں
زہد و تقویٰ - امام بخاری کے والد بہت دولت چھوڑ مرے تھے۔ یہ شرکت پر کارخانہ والوں کو دیدیتے - ایک دفعہ ایک شریک نے پچیس ہزار درہم کی رقم ہضم کر لی - یہ خاموش ہو گئے لوگوں نے کہا کہ حاکم سے مدد لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ دنیاوی نقصان تو ہوا ہے اب رشوت وغیرہ دیکر میں اپنی آخرت بھی بگاڑ دوں - میں ہرگز ایسا نہ کرونگا - چنانچہ کچھ نہ کیا - خود اس شخص نے جسنے روپیہ ہضم کر لیا تھا آکر یہ عہد کیا کہ ہر ماہ دس درہم کی قسط سے ادا کرونگا انہوں نے منظور کر لیا۔

امام بخاری اس قدر محتاط تھے کہ بازار میں خود کسی چیز کی خرید و فروخت سے بہت گریز کرتے تھے کیونکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ خرید و فروخت میں جو زق رق - بق بق کرنی پڑتی ہے میرے نامہ اعمال میں لکھی جائے - ان کاموں کے لئے ہمیشہ نوکر رکھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ انکے یہاں کوئی تجارت کا مال تھا - شام کے وقت شہر کے دو ایک تاجر آئے انہوں نے ایسے بھاؤ سے خریدنا چاہا جس سے انکو پانچ ہزار نفع ملتا تھا - انہوں نے کہا کہ اچھا میں اسکا جواب صبح کو دونگا - صبح کو دوسرے تاجر پہونچے انہوں نے دس ہزار نفع دیکر خریدنا چاہا - لیکن امام نے کہا کہ رات کو میں نے اپنے دل میں نیت کر لی ہے کہ میں اُس قیمت پر جو رات مجھسے کہی گئی تھی یہ مال انہیں لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دونگا - اسلئے اگرچہ تم مجھے زیادہ نفع دیتے ہو لیکن میں اپنی نیت کو نہیں بدلنا چاہتا - چنانچہ اپنی نیت ہی کے مطابق بیچا۔

انکی آمدنی پانچسو درہم ماہوار سے زیادہ تھی لیکن سب علم اور غرباء کی

مد دمیں صرف ہوجاتی تھی۔

ایک دن وہ دالان میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں انکے گھر سے ایک لونڈی نکلی اسکے پاؤں سے دوات میں ٹھوکر لگی روشنائی گر گئی۔ امام نے کہا کہ کس طرح چلتی ہے۔ اس نے کہا کہ جب راستہ نہو تو کسطرح چلوں۔ امام نے کہا کہ اچھا جا میں نے تجھکو آزاد کیا۔ لوگوں نے کہا کہ شاید اس نے آپ کو غصہ دلایا۔ انھوں نے کہا لیکن میں نے اس کو آزاد کر کے اپنے غصہ کو فرو کر دیا۔

انکے کاتب امام فربری بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری فربر میں تھے۔ تفسیر کی تصنیف میں دن بھر محنت شاقہ برداشت کی تھی شام کو خلاف عادت لیٹ گئے۔ میں نے کہا کہ آپ کا قول ہے کہ آپ کوئی کام بلاوجہ نہیں کرتے اسوقت لیٹنے کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ آج دن بھر ہمنے محنت کی ہی۔ اسلئے اسوقت لیٹ جانا مناسب معلوم ہوا تاکہ رات کو زیادہ سونے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ یہ سرحدی مقام ہے اگر دشمن رات کو اچانک آپڑیں تو اسکے لئے دن ہی سے تیار رہنا چاہیئے۔

امام فربری ہی کا بیان ہی کہ امام بخاری اکثر میدان میں جاکر تیراندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ میں اتنی مدت تک انکے ساتھ رہا لیکن بجز دو مرتبہ کے کبھی میں نہیں دیکھا کہ انھوں نے نشانہ خطا کیا ہو۔ ایک دفعہ ہم تیر بازی کے لئے نکلے ایک رئیس حمید الاخضر نے ایک پل بنوایا تھا اتفاق سے امام بخاری کا تیر اسکی کھونٹی میں جا کر لگا جس سے وہ پھٹ گئی اسیوقت انھوں نے تیراندازی موقوف کی اور مجھے پل کے مالک کے پاس بھیجا کہ ہم سے اس قسم کا تمہارا نقصان ہوگیا۔ اسکا تاوان لے لو اور معاف کرو حمید الاخضر سے جب

میں نے کہا تو انہوں نے کہا کہ امام بخاری پر میرا تمام مال قربان ہے میں نے
انکو معاف کیا۔ جب یہ خبر میں نے پہونچائی تو خوش ہو گئے اور اس خوشی
میں واپس آکر پانچسو غریبوں کو کھانا کھلایا۔ اور تین سو درہم خیرات کئے۔

امام بخاری فرماتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے اسوقت سے
میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں میرا کوئی دشمن نہوگا
کیونکہ نہ میں نے کسی کے ساتھ کبھی کوئی بدی کی نہ کسی کی بدگوئی میں پڑا۔

ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے ایک بھڑ کرتے کے اندر گھس گئی اور ڈنک
مارنے شرع کئے۔ جب نماز ختم کر چکے تو کہا کہ دیکھو تو کوئی چیز مجھے کاٹ رہی
ہے لوگوں نے جلدی سے دیکھا تو بھڑ ہے۔ اور جا بجا اس کے ڈنک مارنے
کی وجہ سے ورم ہو رہا ہے۔

بخارا میں ایک لنگر خانہ بنوا رہے تھے۔ تمام مسلمان اس میں کام کرتے
تھے۔ وہ خود بھی اینٹیں ڈھوتے تھے۔ امام فربری کہتے ہیں کہ میں ان سے
بار بار کہتا تھا کہ بہت سے لوگ کام کرنے والے ہیں آپ کیوں تکلیف فرماتے
ہیں۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ نہیں یہ بہت مفید کام ہے۔ ایک گائے ذبح کر کے
اس کا گوشت پکوایا۔ تقریباً سو آدمی کام کر رہے تھے سب کو کھانے کے
لئے بلایا۔ روٹی کے لئے تین درہم عطا فرمائے میں جا کر بازار سے روٹی
لایا۔ اسوقت ایک درہم کی ڈہائی سیر روٹیاں ملتی تھیں۔ اللہ کی شان تین
درہم کی روٹی اور سو سے زیادہ کھانیوالے مگر پھر بھی چند روٹیاں باقی بچ گئیں۔

امام بخاری بہت کم خوراک تھے۔ کبھی کسی وقت کھا لیتے نہیں تو نہیں
شکر کو پسند کرتے تھے۔

رمضان کے مہینہ میں رات کے پچھلے پہر قرآن شریف سناتے ہر تیسرے

دن ایک قرآن ختم کرتے۔ بہت لوگ سننے کے لئے جمع ہوتے تھے تہجد ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ اور تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جس میں سے ایک وتر کی ہوتی تھی امام فربری کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضر میں برابر انکے ساتھ رہا کرتا تھا۔ انکی یہ کیفیت تھی کہ علم کے ذوق میں سرشار رہا کرتے تھے۔ رات کو دس دس میں بیس دفعہ اٹھ اٹھ کر چراغ جلاتے اور کتاب نکال کے کچھ دیکھتے کبھی کچھ لکھتے جب میری نیند ٹوٹ جاتی تو میں کہتا کہ آپ مجھے کیوں نہیں جگا دیا کرتے خود چراغ جلانے اور آگ پھونکنے کی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تم جوان ہو میں تمہاری نیند میں خلل ڈالنا پسند نہیں کرتا۔

وسعت علم اور لوگوں کی تعریف۔ امام بخاری کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہن اور حافظہ عطا فرمایا تھا کہ جو چیز ایک دفعہ انکے کان میں پڑتی یا نظر سے گذرجاتی پھر نہیں بھولتے تھے۔ پوری کتاب ایک نظر دیکھ جاتے تھے اور زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ انکے علم کا جب تمام دنیا میں چرچا پھیلا تو ایک مرتبہ بغداد والوں نے انکا امتحان کرنا چاہا۔ ان لوگوں نے سو حدیثیں لیکر انکے راویوں کو الٹ پلٹ کر دس آدمیوں کو دس دس حدیثیں یاد کرا دیں امام بخاری جب بغداد میں تشریف لیگئے تو وہاں کے تمام علماء اور محدثین جمع ہوئے فارس اور خراسان تک کے لوگ موجود تھے۔ اس جلسہ عام میں وہ دسوں آدمی آئے اور انھوں نے وہ حدیثیں سنائیں گویا امام بخاری سے انکی تصدیق چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا اسی طرح ان تمام احادیث کے متعلق آخر تک انکار کرتے چلے گئے۔ جب سنا چکے تو وہ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم نے جو پہلے حدیث اس طرح پر سنائی ہے وہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے اور صحیح کر کے اسکو بتایا۔ اسی طرح اسکی دسوں حدیثوں کی تصحیح کی۔ بعد ازاں

دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے اسکی حدیثوں کو صحیح کیا۔ علیٰ ہذا دسوں کی غلط حدیثوں کو درست کر کے سنایا۔ بغداد والے یہ جودت اور حافظہ دیکھکر اچھل پڑے۔ اور قدم چومے۔

بصرہ اور کوفہ نیز مصر الجزائر شام اور عرب تمام مقامات کے محدثوں نے امام بخاری کو اپنا سرتاج بنایا۔ اور بالاتفاق یہ اس زمانہ کے تمام محدثین میں بے مثل تسلیم کیے گئے۔ جس شہر میں اور جہاں جاتے ان کا شاہانہ استقبال ہوتا۔

ترک بخارا اور وفات ۔ امام بخاری تحصیل علم اور اس قدر شہرت پیدا کر کے جب بخارا میں آئے تو بخارا والوں نے شہر سے تین میل کے فاصلہ پر خیمے وغیرہ لگائے اور بڑی دھوم دھام سے اپنے ہم وطن امام کے استقبال کو نکلے جس وقت وہاں امام بخاری پہونچے تو انکے اوپر درہم اور دینار نثار کیے گئے اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ وہ شہر میں لائے گئے۔

یہاں آکر انھوں نے اپنا علمی فیض جاری کیا۔ ہزاروں آدمی دور دراز سے آکر ان سے حدیثیں اور تفسیر سنتے۔ اسی زمانہ میں والی بخارا خالد بن احمدؒ نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنی کتاب صحیح بخاری اور تاریخ مجھکو اور میرے لڑکوں کو آکر پڑھا یا کریں۔ امام نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں علم کو ذلیل نہیں نہیں کرونگا کہ اسکو دربدر لئے پھروں اگر تم لوگوں کو شوق ہے تو خود میرے حلقہ درس میں آکر شریک ہو اور پڑھو۔

امیر خالد کو یہ امر ناگوار گذرا وہ امام بخاری کا دشمن ہوگیا۔ چنانچہ شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ امام بخاریؒ نے گھر سے نکلتے وقت یہ بد دعا دی کہ یارب جس نے مجھپر ظلم کیا اسکی آنکھوں کے سامنے آئے۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ خالد بادشاہی حکم سے گدھے پر سوار کر کے قید خانہ میں بھیجدیا گیا۔

امام بخاری نے بخارا سے نکلکر ایک گانوں خرتنگ میں جہاں انکے اقربا تھے قیام کیا۔ سمرقند والوں نے خطوط بھیجے کہ آپ یہاں تشریف لائیں چنانچہ سواری کسی گئی کہ سمرقند روانہ ہوں۔ جب سواری پر سوار ہونیکے لئے لوگوں نے تھاما تو فرمایا کہ ذرا مجھکو چھوڑ دو مجھپر ضعف غالب آتا جاتا ہے۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئے پھر لیٹ گئے۔ کچھ دعائیں مانگیں اور اسیوقت انتقال فرما گئے۔ اس اچانک موت پر لوگوں کو تعجب و سخت صدمہ ہوا۔ وہیں دفن کیا۔ انکی قبر سے خوشبو آتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ اسکی مٹی لینے کے لئے آتے تھے۔ آخر اسکی حفاظت کے لئے اسکے اردگرد کٹہرا لگا دیا گیا۔

انکی وفات سنیچر کی رات کو جو عید الفطر کی رات تھی ۲۵۶ھ میں ہوئی۔

ا۔ ج

ذاکیہ کی زندگی

اشرف آباد ایک پرانی بستی تھی جہاں آج کل سوائے چند مفلوک الحال لوگوں اور پرانے کھنڈروں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ آج سے کچھ ہی دنوں قبل جب اشرف آباد آباد تھا تو یہاں علی العموم زمیندار بستے تھے جنکی مرفہ الحالی انکی راحت آثار و خاموش زندگیونکی حامی تھی۔ اُسی زمانہ میں اس قصبہ میں مسلمانوں کے بھی دو خاندان گذرے ہیں جنکا تمول تو قابل مثال نہیں البتہ اُنکی اولو العزمیاں یادگار اور قابل مثال کہی جا سکتی ہیں ان خاندانوں میں چھ چھ پشت عروج کا دور دورا رہا لیکن آخر میں خود خریدہ بربادیوں سے آج انہیں خاندانونکی نسلیں بھیک مانگ رہی ہیں اور اسی دوران تباہی میں ذاکیہ کی پُر درد زندگی اور ان خاندانونکی بربادی کی الم انگیز کہانیاں قابل الذکر ہیں۔ قبل اسکے کہ ہم واقعات شروع کریں

یہ کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک خاندان اس میں سے سرکار کہلاتا تھا اور دوسرا دربار۔ خاندان سرکار اشرف آباد کی مشرقی وسیع الشان سلسلۂ عمارت کا مالک تھا اور مغربی جانب کی فلک رفعت و وسیع المنزلت عمارت جنکے کھنڈروں میں آجکل اُلّو بول رہے ہیں خاندان دربار آباد تھا۔

خاندان سرکار۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد کسی بادشاہ کی فوجی ملازمت میں ہندستان آئے انکا پہلا قیام پشاور اور دوسرا بلندشہر تیسرا دہلی اور چوتھا اشرف آباد میں ہوا یہاں انھوں نے شادی کے بعد سسرا کی جائداد میں مواضعات علاوہ نقدی و زیور کے پائے اُس زمین میں انکو مواضعات کی آمد گو بہت نہ تھی لیکن رفتہ رفتہ انکی نسل کے لئے وہ علاقہ اکسیر ثابت ہوا جس میں ۱۸ ہزار روپیہ سال کی بچت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ملک میں ارزانی تھی تو یہ ۱۸ ہزار سال کی بچت کس درجہ نہ قابل قدر ہو گی۔ اسی خاندان سر زمانہ شاہی میں ایک شخص گذرے ہیں سرکار نامی مرحوم بڑے منتظم اور کفایت شعار تھے انہوں نے روپیہ خوب جمع کیا اور مرگئے اور انہیں کی وجہ سے یہ خاندان سرکار کے نام سے مشہور ہوا انکے انتقال کے بعد انکے بیٹے شاہ صدیق بہت کم دنوں بقید حیات رہے جنکے بعد احمد میاں وارث تعلقہ ہوئے یہ اپنے تمام خاندان سے زیادہ مخیر ثابت ہوئے اور اتفاق سے انکے زمانہ میں خاندان دربار سے معاصرانہ و مخاصمانہ چوٹیں زیادہ چلیں "یعنی کہ دعوت ناچ رنگ بھنگ میں روپیہ زیادہ اُڑ گیا۔ اور بے محل خیرات میں" لیکن جب تک لالہ شیو چرن لعل زندہ رہے احمد میاں کے گھر کا انتظام صاف ستھرا رہا لالہ صاحب نیک نیت اور سرکار کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ شیو چرن کی نمک حلالی کی تعریف نہیں کی جا سکتی انکو احمد میاں اور احمد میاں کے بیٹے تسلیم سے سچی محبت تھی۔ یہ لالہ ہی کی روشن دماغی کا صدقہ تھا کہ

احمدؔ میاں کے اکلوتے بیٹے سلیم کچھ پڑھ گئے ورنہ نازنعم میں پلتے اور جاہل رہتے افسوس کہ لالہ شیوچرن لعل کو احمدؔ میاں کی زندگی تک تو ضرور جینا تھا کیونکہ وہ ایک بھولے بھالے۔ سیدھے سادے رئیس تھے مشہور ہے کہ انہوں نے کبھی روپیہ ہاتھ سے نہیں چھوا اور ہمیشہ دس اور دس پانچ سمجھا کئے۔ احمدؔ میاں نے لالہ شیوچرن کے انتقال کے بعد امام خاں کو مختار عام مقرر کیا انکی مختاری کی قدر نہ صرف روپیہ پیسہ اور جائداد ہی تک رہی بلکہ احمدؔ میاں کی جان تک کے بھی مالک تھے اسلئے کہ پکے خائن۔ پلے سرے کے دغاباز۔ اور برباد کن اپنا پیٹ بھرنے والے نمکحرام تھے عام قاعدہ ہے کہ جب ایسے مختاروں کو سیدھے سادھے رئیس ملجاتے ہیں تو وہ انہیں خوب بیوقوف بناتے اور بظاہر خیرخواہ بنکر خوب لوٹتے کھاتے ہیں چنانچہ امام خاں نے مختاری کے پورے پورے فرائض ادا کئے اور احمدؔ میاں چار ہی برس کے اندر چالیس ہزار کے قرضدار ہوگئے۔ کیا اسی پر اکتفا ہوئی ؟ نہیں۔ دربار میں ایک شادی ہوئی جس میں دس ہزار روپیہ کے قریب صرف ہوا۔ امام خاں کیا مالک کی توہین گوارا کرسکتے تھے ؟ کیا مجال۔ آخر نیک نیتی سے احمد میاں کو راسے دیکر سلیم کی شادی میں پچاس ہزار روپیہ صرف کروا دئے۔ یہ روپیہ خود امام خاں نے ۱۲ ار سیکڑہ سود پر احمد میاں کو قرض دیا تھا اور یہ کہکر کہ غلام کا مال کس دن کام آئیگا۔ سود تو دکھانے کو داخل دستاویز ہے۔ دیجئے گا چاہے ایک ہبہ نہیں۔ میعاد ادائے قرض صرف آٹھ برس لکھوائی تھی اور احمدؔ میاں کو سمجھا دیا کہ جسوقت آپنے دو موضع فروخت کردئے قرض ادا ہوگیا۔ احمدؔ میاں اس درجہ عقلمند تھے کہ نہ کبھی اونہوں نے یہ غور کیا کہ امام خاں جو انکے یہاں کا خانہ زاد تھا روپیہ کہاں سے لایا اور نہ یہ سوچے کہ جتنا میں نے قرض لیا ہے اس قدر قیمت دو موضعوں کی ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ مگر اس غور کی ضرورت یوں نہ تھی کہ کیا امام خاں بے ایمان ہے اور وہ بھی نہیں

آخر قرض معہ سود تعلقہ کی اصل قیمت سے زیادہ ہو گیا اور پانچ برس میں اور بھی جدید قرض امام خاں ہی نے دیا غرضکہ احمد میاں ایک غیر قابل ادا بار قرض چھوڑ کر دنیا سے اُٹھے۔ امام خاں کی آخری دستاویز میں یہ شرط بھی تھی کہ "اگر قرض لینے والا درمیان میعاد مرجائے تو ورثا ایک ہی سال میں زر قرض ادا کریں ورنہ علاقہ پر قرضخواہ کا قبضہ ہو جائیگا بھلا میاں سلیم ایک سال میں دو لاکھ روپیہ کہاں سے لاتے وہ مکان کو تو قرض کے بار سے بچا ہی نہ سکے۔ ایک سال کے بعد امام خاں قابض تعلقہ ہوئے اور سلیم سے کہدیا کہ چھ مہینہ کی مدت اور دی جاتی ہے اسکے بعد کھڑے کھڑے مکان خالی کرا لیا جائیگا۔

میاں سلیم باغیرت آدمی تھے انھوں نے اپنے زمانہ عسرت میں نہ تو کسی سے مدد لی اور نہ وہ مکان سے باہر نکلے گھر کا اثاث البیت اور بیوی کا قیمتی زیور کوڑیوں کے مول بیچ بیچ کر کھایا کئے چاہئے تھا کہ زیور رکیشت بیچکر تجارت کر لیتے لیکن ادبار جب آتا ہے انسان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اس کلیہ سے احمد میاں مستثنیٰ نہ تھے۔

سلیم کی ضعیفہ ماں ایک مدت سے بیمار تھیں کل رات بھر اُن پر مرض کا تعب رہا پوری رات غریبوں نے جاگ کر بسر کی اور مریضہ نے کراہ کر صبح ہوتے ہی اُدھر تو دروازہ سے امام خاں نے صدا دی کہ "مکان خالی کرو" اور ادھر سلیم نے اپنی ماں کی نبض دیکھی تو معلوم ہوا کہ سایہ اشفاق مادری سر سے اُٹھ گیا سلیم نے اپنی مصیبتوں پر آنسو بہانا شروع کئے اور سلیم کی بیوی اور چار برس کی بچی نے بھی چیخ چیخ کر رونا شروع کیا۔ ادھر امام خاں نے دوبارہ آواز دی۔ "رونے دھونے سے کچھ نہ ہوگا مکان خالی ہی کرنا پڑے گا۔ آج سے تمہارا مکان میرا ہے" سلیم دروازہ پر گیا اور نہایت عاجزی و لجاجت سے اپنی ماں کی موت کا حال بیان کیا

اور کہا کہ دو تین دن کی اور مہلت دو مکان خالی کر دیا جائیگا لیکن امام خاں یہ کہکر چلا گیا کہ اپنی ماں کا جلد غسل و کفن کرو اور انکے جنازہ کے ساتھ تم بھی مکان چھوڑو امام خاں کے ساتھی اسکی اس شقاوت و زیادتی سے سخت متنفر ہوئے مگر کیا کر سکتے تھے یاد رکھنا چاہیئے کہ اکثر دیسی تعلقہ داروں کے مختار جنکے دلوں میں ابتدا ہی سے مالکوں کے لئے سچی خیر خواہی کا خیال نہیں ہوتا جب وہ لوٹ میں کامیاب ہوتے ہیں تو ان تمام راحتوں اور حکومتوں پر جلد تر قبضہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو انکے مالکوں کو حاصل تھی اور اس اضطرابی میں وہ اپنے آقازادوں کے لئے امام خاں سے زیادہ بیرحم اور نمک حرام بنجاتے ہیں۔ امام خاں کا قصہ تو پارینہ ہے اللہ بخشے منشی جیون کو جو کل شام تک دنیا میں تھے جب اودہ کے ایک قصبہ کے چھوٹے سے رئیس کو تباہ کر کے حج کرنے چلے تو آرزو ظاہر کی کہ یہ مکان کھنڈر ہوتے دیکھتا تو آنکھوں میں ٹھنڈک ہوتی۔ لیکن منشی جیون مرحوم عجب مرد منطقی تھے کہتے تھے کہ ہمارا مال حرام کا نہیں کیونکہ ہمنے عقلمند سے عقلمند رئیسوں کو بیوقوف بنانے میں سخت دقتیں اُٹھائی ہیں ورنہ پہلی گاڑھے کی لنگوٹی لنکلاٹ کے پائجامہ سے کیسے بدلتے۔ اور منشی جیون کی وکالت سے امام خاں بھی گنہگار نہیں ہو سکتے۔

سلیم کے پاس اسوقت کیا تھا جو ماں کی تجہیز و تدفین کی فکر کرتا؟ کچھ نہیں کل سے گھر کا گھر بھوکا بیٹھا تھا اور آج یہ آفت نازل ہوئی آخر سلیم کی بیوی نے اپنی معصوم بچی ذاکیہ کے کانوں سے بُندے اُتارے اور میاں کو دئے۔ سلیم نے کفن و دفن کا سامان کیا۔ قصبہ کا کوئی بڑا آدمی مفلوک الحال بیٹے کی ماں کے جنازہ کیساتھ نہ تھا چند معمولی مسلمان جمع ہوگئے اور سلیم شام ہوتے ہوتے اپنے پالنے والی کو دفن کر آیا اور مکان کی ڈیوڑھی پر کھڑے ہوکر نہایت بے کسی سے ڈاڑھیں مار مار کر رویا۔ ابھی اسکے دل کا غبار آنسو نہیں دھو چکے تھے کہ امام خاں معہ چند سرکاری

سپاہیوں کے پہونچا سلیم گھر میں گیا ہائے وہ بیوی سے کیسے کہتا کہ بس تم محمل پر
چل چکیں۔ اب پیادہ سفر کرنا پڑیگا امام خاں نے دروازہ سے آواز دی کہ مکان
اگر خالی نہیں ہوتا ہی تو ہم معہ سپاہیوں کے اندر آتے ہیں آخر سلیم کی بیوی نے چادر
لپیٹی چار برس کی ذاکیہ کو سلیم نے گود میں لیا اور یہ فلک ستائے چلنے کو تیار ہوئے
کنیزہ نے مچلنا شروع کیا "ہمارے مٹھو کا پنجرا چھوٹا جاتا ہی" سلیم نے معصوم بچی کو فوری
چپ کرنے کے لئے پنجرا اوٹھا لیا اور بروٹھے کے دروازہ پر پہنچکر اپنے مکان پر آخری
حسرت آلود نگاہیں ڈالیں اور آنسو بہنا شروع ہوئے مگر کنیزہ کی وجہ سے رو بھی نہ سکا
اور آگے قدم بڑھایا۔ ہائے کیا سلیم اسوقت نہ سوچتا ہوگا کہ ایک وہ دن تھا کہ
جب میں گھر سے باہر قدم رکھتا تھا تو ماں کلیجہ پکڑ کر کہتی تھی "بیٹا سلیم پیٹ دکھاتے ہو تو
صورت دکھانا بھی نصیب ہو سلیم وہی مچھلی کا شگون" لیکن آج وہ ضعیفہ بھی نہیں اور
نہ سلیم کے دروازہ پر ہاتھی اور گھوڑے ہیں جو آج سلیم کی سواری کے لئے آتے
ہائے وہ زرین میانہ کہاں جو سلیم کی بیوی کو لے چلے۔ دونوں گھر سے نکلے اور
نہایت بیکسی کے ساتھ۔ امام خاں نے طوطے کا پنجرا بھی یہ کہکر چھین لیا کہ قرضہ لیتے
وقت ایک کوڑی نہ چھوڑی اسوقت پنجرا کہاں لیچلے کنیزہ نے دو تین مرتبہ تتلا تتلا
کر سٹھو (مٹھو) مٹھو کہا مگر مٹھو بھی کنیزہ سے جدا ہو گئے۔ معصوم بچی اسوقت کیوں
نہ روئی اسلئے کہ امام خاں کی پُر قہر آنکھوں سے ڈر گئی تھی۔

سلیم کے باپ کے زمانہ کا ایک بڈھا ٹھاکر رگھوبنس سنگھ سلیم کے بہت کام آگیا۔ جو
ایک کرایہ کا یکہ کرکے میاں بیویوں کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں سے سلیم کو معہ انکی
بیوی کے سسرال پہونچا دیا سلیم نے آنسو ٹپکاتے ہوئے اپنے مکان کو چھوڑا تھا
خجالت زدہ اپنے بے اعتنا بے پرواہ اور بے مروت سالوں کے مکان پر پہنچا۔
بھلا وہ انکی ایسی حالت میں جبکہ وہ مفلس ہو رہے تھے کیا دلجوئی کرتے آخر سلیم سے

وہاں نہ رہا گیا اور تلاش ملازمت میں سلیم پردیسی ہوا۔

حال ہی حال میں انگریزی ہوئی تھی ملازمت کے لئے شرفا کی تلاش تھی احمد میاں کو گرد و پیش کے انگریز حکام جانتے تھے سلیم فرینکل صاحب سے شریف پرور انگریز سے ملا جس نے سلیم کو بلند شہر میں ڈپٹی کلکٹری دلوا دی۔ اور سلیم نے اپنی پہلی تنخواہ اپنے مکان چھڑانے میں کیونکہ وہ داخل دستاویز نہ تھی صرف کی اور اس میں اس کو خاصی کامیابی وا امام خاں کو ذلت ہوئی کیونکہ فرینکل صاحب کے حکم سے امام خاں اس مکان سے جوتے کھاتا ہوا نکالا گیا۔

سلیم کے مکان کے متعدد قطعات تھے جن میں سے ایک قطعہ سلیم نے ہٹا کر رگھوبنس کے نام ہبہ کر دیا اور اپنی بیوی اور چہیتی بچی ذاکیہ کو لے کر بلند شہر چلدیا۔ سلیم ذاکیہ سے محبت کرتا تھا اس نے اپنی بیٹی کو پڑھانا شروع کیا اور ماں (جو ایک سلیقہ شعار ہنرمند بیوی تھی) نے کاڑھنا۔ سینا۔ پرونا بتلانا شروع کر دیا۔ ہنوز ذاکیہ کی تعلیم ناکمل تھی کہ سلیم نے ہیضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور وہ یتیم ہو گئی۔

سلیم کی موت نے ان ماں بیٹیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اسکا اندازہ مشکل ہی افسوس اب غریبوں کا کون پرسان حال تھا۔ آخر ذاکیہ کی ماں اشرف آباد میں آکر اپنے سسرالی مکان میں رہنے لگی۔ سلیم نے اپنی حالت چھ برس کی ملازمت میں اتنی سنبھال لی تھی کہ پانچ ہزار روپیہ کا بیوی اور بیٹیوں کے جسم پر زیور چھوڑ گیا۔ ذاکیہ کی ماں سعیدہ نے زیور میں تو ہاتھ نہ لگایا لیکن روپیہ بنک میں جمع کر کے پچیس روپیہ ماہانہ لینا شروع کیا کیونکہ اس طریقہ سے ماں بیٹیاں چند برسوں پیٹ پال سکتی تھیں۔ ذاکیہ اور ذاکیہ کی ماں پر سلیم کی موت کا اثر تو تاکی زندگی کے ساتھ تھا مگر ذاکیہ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اسکی ماں نے نہ چھوڑا اور کچھ دنوں میں ذاکیہ ایک سنجیدہ اور صاحب سلیقہ بھولی بھالی لڑکی ہو گئی اور مفلسی کی زندگی خاموشی اور راحت سے کاٹنے لگی۔

دربار۔ یہ خاندان اُن انصاریوں میں سے کسی کی نسل سے ہے جو راجپوتانہ کے ریگستانوں میں محمود غزنوی کی مدد کرتے ہوئے ملے تھے یہ خاندان تلواروں کے سایہ میں بڑا اور نامدار ہوا شاہ ابدالی نے کسی جنگی کارنامہ کے صلہ میں انہیں سولہ ہزار منافع کی جاگیر دی تھی جو آج تک نسل وار چلی آتی ہے سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں یہ خاندان دربار نشین رہا اسلئے اشرف آباد والے اس خاندان کو درباری کہتے تھے جس زمانہ کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں اس زمانہ میں احسن اللہ خاں اور احسان اللہ خاں جاگیر کے وارث تھے

احسن اللہ باہمہ صفات موصوف متقی عبادت گذار باحوصلہ بزرگ تھے اور انہوں ہی نے احسان اللہ خاں کو اولاد کی طرح پالا تھا اپنے چھوٹے بھائی سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اسپر اپنے بیٹوں کو نثار کرنا اُن کے نزدیک ایک آسان امر تھا۔ احسان ذکی الطبع خراج نوجوان تھا۔ احسن نے سخت غلطی کی کہ بچپنے ہی سے احسان کو جاگیر کے سیاہ و سفید کا مالک کر دیا۔ جوانی و ناتجربہ کاری۔ زرداری و آزادی بدروش احباب کی صحبت اور خودمختاری اِن تمام صورتوں نے احسان کو تکمیل تحصیل علم سے محروم رکھا اور اسکے اندرونی عادات پر بھی اسبات کا اچھا اثر نہ پڑا یہی وجہ تھی کہ احسان بڑا مسرف نکلا اُسکے نزدیک قرض بڑھجانا کوئی بات ہی نہ تھی احسن اللہ کے دو مشغلے تھے عبادت و کتب بینی احسان کے دو مشغلے تھے بہولے سے کبھی سبق یاد کرنا ورنہ دن بھر ہُو حق۔ تعلقہ کا اللہ مالک تھا بڑی خوش قسمتی تو یہ تھی کہ ان دونوں بھائیوں کو صلاحکار و کارندے اسکے خیرخواہ و نیک نیت ملے ورنہ تعلقہ تو احسان ہی کی فضول خرچیوں سے تباہ ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہونے پایا۔ بلکہ تعلقہ کی بربادی کے کچھ اور ہی اسباب پیدا ہوگئے ہم دنیا میں روز دیکھتے ہیں جو بڑا وہ ضرور گھٹا اس میں شک نہیں کہ تنزلی ضرور اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اسباب تباہی کچھ ایسے جمع ہو جاتے ہیں کہ ہم فیصلہ نہیں کرسکتے کہ دنیا کے اُلٹ پھیر کی نسبت کیا حکم لگانا چاہیئے۔

احسن اللہ کی بیوی کا دفعتاً انتقال ہوگیا۔ اب احسن اللہ کی دوسری شادی کی فکر ہوئی اشرف آبادہی کے قریب ایک قصبہ تھا میرانپور یہاں کے بھی ایک مسلمان رئیس تھے۔ جنکے گھر کی علی العلوم عورتیں بدزبان۔ لڑانکا۔ بدطینت اور حاسد ہوا کرتی تھیں دوسرے رئیس میرانپور سے اور انصاریوں سے قرابت بھی تھی لیکن حسد ورشک کی وجہ سے وہ لوگ ہمیشہ انصاریوں کے درپئے آزار رہتے تھے اور ان دونوں بھائیوں کے باپ کو تو دباکر کچھ جائداد بھی لے لی تھی اور اب بھی وہ کچھ نہ کچھ نقصان پہونچانا احسن و احسان اللہ کو ضروری سمجھتے اور کامیاب ہوتے تھے احسن اللہ کے مشیروں نے اسلئے کہ رفع شر ہوجائیگا احسن اللہ کی وہیں شادی کرادی لیکن نتیجہ برعکس نکلا اور اسی شادی کے پیش آیند مہلک نتائج سے یہ خاندان برباد ہوا

احسن اللہ کی نئی بیوی احسنی بیگم اپنے خاندانی عورات کے اوصاف سے کچھ زیادہ صفات رکھتی تھیں چنانچہ وہ اپنے ظاہری جہیز میں اپنی طبیعت کے یہ اوصاف بھی ساتھ لائیں تھیں۔ حسد۔ بدطینتی۔ نخوت۔ خوشامدپسندی۔ لڑانکاپن۔ زباندرازی معہ اسباب بدزبانی۔ غیبت۔ مکر۔ ریا۔ پھوہڑپن۔ بدنظمی۔ بی احسنی بیگم نے آتے ہی اپنی نندوں سے فرمایشی لڑائی لڑی۔ اور جملہ مذکورہ آلات جلالت آثار سے سسرے سے میکے تک ایسا رُعب پھیلا دیا کہ یہاں نندیں اور تمام برادری کے لوگ میکے میں بھائی بھاوج اور تمام اعزا احسنی بیگم کی زبان سے پناہ مانگتے اور انکے نام سے کانپ اُٹھتے تھے۔ انہوں نے احسان پر بھی ان جملہ محاسن کے ذریعہ سے اثر قایم کرنا چاہا لیکن وہ لونڈا تھا آزاد اُدھر دوسرے بھائی کا چہیتا تمام سیاہ وسفید کا مالک اسلئے احسنی بیگم کی اور تو کچھ نہ چلی مگر ہاں درپردہ احسان کی موت کی منتیں مانگنا اور اپنی اولاد اور گرد کے لوگوں کو احسان کا دشمن بنانا فرض سمجھتی تھیں۔ احسن پر بھی انکا جادو نہ چلا کیونکہ لاکھ احسن اللہ سیدھے سہی مگر وہ مستقل الخیال آدمی تھے اور سمجھتے تھے کہ بیوی اولاد مل سکتی ہے

لیکن بھائی کا ملنا پھر دنیا میں ممکن نہیں اسلئے نہ انہوں نے بیوی کو منہ لگایا اور نہ
اُن کی باتوں پر کبھی یقین کیا مگر احسنی بیگم نے اپنی اولاد کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ چچا
تمہارا دشمن ہے۔ احسان نے احسنی بیگم کو اپنا بزرگ سمجھکر اس قدر احسنی بیگم کی خدمت کی
اور اپنے بھتیجی بھتیجوں سے اس درجہ محبت کی کہ لوگ کہتے تھے احسان اپنے بھائی
کی اولاد کی کھلائی اور بھابی کا غلام ہے۔ احسنی بیگم نے احسان کے اس احسان کا
جواب ریائی محبت سے دیا اور یہی تعلیم اپنی اولاد کو بھی دیتی رہی۔

احسان جوان ہو چکا تھا بھائی کو اسکی شادی کی فکر تھی احسنی نے جہاں چاہا
وہاں تو شادی نہ ہوئی بلکہ دوسری جگہہ نسبت ٹھیری چونکہ یہ بات احسنی کے خلاف
مزاج تھی اسلئے اُس نے احسان کی منگیتر کی پہلے ہی سے بُرائیاں شروع کیں اور جب
وہ بیاہ کر آئی تو غریب پر طرح طرح کے الزام لگانا بہتان باندھنا۔ پھبتیاں تراشنا
اور اُسے کوسنا اپنا شعار سمجھا اسی کے ساتھ روز لڑائی اور جُدائی کی فکریں کیا کرتی
تھی چونکہ احسانی بیگم نئی دُلہن ہونے کی وجہ سے کچھ بول نہ سکتی تھی اسلئے احسنی جو بات
اسکے نسبت کہتی وہ جم ہی کر رہتی۔ احسانی بیگم سسرال میں آکر خاطر و مدارات کی منتظر
تھی مگر یہاں یہ بدسلوکیاں ہوتے دیکھکر پہلے تو وہ ملول رہا کرتی اور جب اس نے بھی
زبان کھولی تو پانچ ہاتھ کی نکلی۔ لیکن احسانی تھی عقلمند وہ بھلا کاہے کو گرمیونکی چیل
ہونے لگی۔ اس نے پہلے اپنے میاں پر قبضہ کیا اور جب اپنی کوششوں میں کامیاب
ہو چکی تو احسنی اور اُسکے بچوں کی تمام دشمنی کی باتیں بیان کر دیں۔ احسان اپنی بھابی کو
پہلے ہی سے جانتا تھا آخر وہ اپنی بھابی اور بھائی کی اولاد سے بد دل ہو گیا اور کھلے
خزانہ خاصکر اسلئے کہ اسکی مخلصانہ خدمت و محبت کا یہ صلہ تھا۔ احسان کو چاہیئے تھا کہ
احسن کی اولاد سے بد دلی نہ کرتا بلکہ انکی اصلاح کرتا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا اور احسن یہ
سوچکر کہ احسانی کے کہنے سے احسان میرے بچوں سے نفرت کرنے لگا بہت ملول

ہوئے اور وہ بھی اس ملال کو نہ چھپا سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ احسان سمجھ گیا کہ بھائی صاحب اب بیجا اپنی بیوی کی طرفداری کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں غلطی پر تھے اور ان دونوں کی غلطیوں کی وجہ سے آپس میں دونوں دل میلے ہو گئے۔ بیشک احسان اتنا مستقل نہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کی لگائی بجھائی سے کچھ اثر نہ لیتا اسلئے ضرور وہ کچھ آمادہ سا ہو گیا کہ بیٹا جیسا ناخلف ہونا چاہیے لیکن حسن اللہ ابتدا ہی سے برباد عمل و سلامت رو واقع ہوئے تھے۔ پس انہوں نے صاف طرح کہدیا کہ جسپر وزر ایسا ہو اسمجھ لینا کہ حسن اشرف آباد میں نہیں۔ مگر حسنی کی بدزبانی اور احسانی کے پُرخطر خیالات سے کشاکش بڑہتی جاتی تھی اور معاملہ سنگین ہوتا جاتا تھا گھر کا انتظام پہلے ہی سے بہت خراب تھا جو باعث دقت تھا اور ابتو اور بھی بحث اور ضد سے ابتر ہو رہا تھا۔

ذاکیہ کی شامت اور نعیم کی شادی۔ سرکار کے خاندان کے لوگ اب بھی بہی خواہ تھے اور انکی یہ رائے صائب اور بہت مفید نتیجہ پیدا کرتی کہ ذاکیہ کی شادی حسن کے بڑے بیٹے نعیم سے ہو جائے۔ اور ایسا ہو بھی گیا لیکن کوئی فائدہ اسلئے نہ ہوا کہ نہ حسنی کی طبیعت بدل سکتی تھی اور نہ نعیم میں عقل آسکتی تھی۔

پہلے تو کم لیکن جب سے حسنی بیگم کے قدوم میمنت لزوم دربار میں گئے تھے تو اس گھر میں بھی آپ کی تاثیر صحبت سے عورات میں غیبت کرنا۔ عیب جوئی حسد اور جھوٹ کی خصلتیں بکثرت پیدا ہو گئیں تھیں اور انہیں عورتوں کی گودیوں اور صحبتوں میں حسن کے بچے ۸ یا نو برس تک پرورش و تربیت پاتے تھے جس سے علی العموم اُن کی طبیعت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے تھی۔ نعیم کچھ زیادہ کھائے پڑہائے گئے اور مدرسہ میں بیٹھے مگر خوش قسمتی سے یہ اپنے ننہال بھی زیادہ آئے گئے جس سے یہ ساری عمدہ تعلیم خاک میں مل گئی نعیم لاکھ انکار کرے مگر اسکے دلپر عورات کی باتوں کا اثر بہت بجلی سے پڑتا تھا اسکے ایک دوست نے جو اسکے گھر کا رازدار تھا سمجھایا کہ سنبھلو مگر

وہ کب چونکنے والے تھے۔ اسلئے کہ ماما خیراتن اور بوا شبراتن کیا جھوٹی ہیں؟ یہ دس برس سے یہاں روٹیاں پکاتی ہیں انہوں نے ۱۵ برس مجھکو اپنے ساتھ سُلایا دونوں بڑی خیر خواہ البتہ ہماری بُوا شبراتن تو نہیں مگر خیراتن نیفے میں گھی چرا کر لے جاتی ہیں اگر اب کی میں نے دیکھ لیا تو سات ہی برس کو جیل بھیجوں گا۔ یہ میاں نعیم کا جواب تھا اور ایسے خیالات۔ ذاکیہ کی شامت آئی اور بُری طرح۔

ذاکیہ کے ساتھ برتاؤ۔ ذاکیہ ادھر تو میانہ سے اُتری حال ہی کی دُلہن مائکہ سے ابھی ابھی رخصت ہو کر آئی تھی۔ چاروں طرف ہجوم تھا شادی کا گھر عورتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا احسانی نے بھتیج بہو کا مُنہ دیکھا رونمائی دی چڑ چڑ بلائیں لیں اور خوش ہو کر بہو کی تعریفیں کیں۔ قاعدہ تھا کہ احسانی جو بات کہے احسنی بیگم اسکے ضرور خلاف کہتی تھیں آپ نے بھی بہو کا منہ دیکھا اور اس طرح گہر فشاں ہوئیں " اوئی بی احسانی بیگم کے منہ پر آنکھیں نہیں ذرا اس دُلہن کا چہرہ تو دیکھو ٹھیکرے برس رہے ہیں چہرہ پر گوشت کا نام نہیں۔ موئی قحط زدی معلوم ہوتی ہے ایک تو نگوڑے کان یونہی بُوچے بُوچے معلوم ہوتے تھے دوسرے کچھ زیور نہ ہونے کی وجہ سے اور بھی کنکٹی ہو گئی ہے بالیوں انیتوں اور بجلی کے سوا کیا ہے ماں کو تا نبے ہی کے زیور پہنا دینا تھی پیر دیکھو تو سونا ایسے رکھے ہیں چاندی کا بھی پورا زیور نہیں۔ سرکار کے خاندان کا نام تو بہت سنتے تھے لیکن اس نحوست زدہ نے کچھ رکھا ہی نہیں۔ بی بی سبز قدم بھی ہیں کل سے دیکھو میرا فہیم (احسن کا چھوٹا لڑکا) کچھ سست معلوم ہوتا ہے۔ جو تھیا رائیں تو موئی بلا کو بہت دنوں کے لئے بٹھا دوں "عورتیں علحدہ متعجب تھیں اور ذاکیہ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ گھونگھٹ کے اندر آنسو بہاتی ضبط کرتی تھی آخر اسکی عادی بھی ہو گئی کیونکہ روز اسکی خبر لیجاتی تھی اور وہ ضبط کرتی ذاکیہ اگر نعیم سے اُنکی ماں کی شکایت کر دیتی تو میاں نعیم عمر بھر ماں سے فرنٹ رہتے۔ اسلئے ذاکیہ نے شکایت

نہیں کی تو میاں نعیم سمجھتے تھے کہ جو کچھ انکے ماں کے خیالات ہیں وہ صحیح ہیں ذاکیہ
جامۂ انسانیت میں قدسیہ خصلت لڑکی تھی اور اسپر تعلیم کا پورا اثر پڑا تھا۔ وہ ضبط تحمل
اور خوش نیتی اپنا شعار سمجھتی تھی کہ میری راستی و نیک نیتی کبھی نہ کبھی احسنی بیگم کو رام ہی
کرلے گی۔ لیکن اُسکا خیال صحیح نہ تھا۔ کیونکہ احسنی ایک تو فطرتاً ناگوار عادات سے
مناسبت لیکر پیدا ہوئی تھیں دوسرے انکی ممانی کی تعلیم نے کریلے کو نیب پر چڑھا
دیا تھا۔ پس ذاکیہ جوں جوں دبتی جاتی تھی احسنی بیگم کے برتاؤں میں سختی آتی جاتی
تھی اور اسکی کئی وجوہ تھے احسنی چاہتی تھی کہ جس طرح اور تمام عورتیں احسانی یا احسانی
غیبت میں ہاں میں ہاں ملاتی ہیں یہ بھی ملائے لیکن ذاکیہ کی طبیعت سے یہ بات مستبعد
تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ذاکیہ احسانی سے لڑے مگر ذاکیہ بھلا یہ مادہ کہاں سے لاتی ذاکیہ
کی ماں بھی جب یہاں آتی احسانی ہی کے پاس آکر بیٹھتی اسلئے کہ احسانی ایک صاحب
سلیقہ عورت تھی اور خوش مزاج احسنی بلاتی وہ اگر کچھ باتیں کرتی تو بد نخوت یا احسانی
کی غیبت اور اگر کچھ کسی کی سنتی تو اپنی خوشامد یا احسان اللہ کی بُرائی غرضکہ نہیں تمام
وجوہ سے احسنی ذاکیہ اور ذاکیہ کی ماں کی دشمن ہوگئی تھی۔ ذاکیہ کی ماں اپنی بیٹی پر
سختیاں دیکھکر آٹھ آٹھ آنسو روتی اور اگر چاہتی کہ اپنے گھر لیجا کر رکھے تو احسنی ذاکیہ
کو جانے نہ دیتی۔ اور ذاکیہ کے خواہ جیسے ہی مستحسن افعال ہوتے وہ انہیں بُرائی
ہی پر محمول کرتی مثلاً۔

ذاکیہ شرم کی وجہ سے گھونگھٹ نکال کر چلتی یا بیٹھتی تو آپ فرماتیں کہ شرم کو
آگ لگاؤ گھر کا کام کرو اور جب اس نے گھونگھٹ نکالنا چھوڑ دیا تو ارشاد ہوا کہ
"موئی طباق سا چہرہ کھولے رہتی ہے" ذاکیہ تھی مہذب سامس جس پلنگ پر بیٹھی ہوتی
وہ اسپر پائنتی بیٹھتی تو احسنی کہتی کہ دُکتے کی دم بارا برس گاڑی تب ہی وہ ٹیڑھی ہی
موئی لونڈیوں کی خصلت کبھی جاتی ہی نہیں جب یہ بیٹھے گی تو پائنتی" ذاکیہ تو تہذیب کو

سلام کیا اور سرہانے بیٹھنے لگی تو کہا گیا تو وُہ نی یہ نحوست زدہ تو سر پر چڑھی آتی ہے کلیجہ پر
پیر رکھے دیتی ہے موئی خدا جانے کہاں کی بدتمیز پیدا ہوئی ہے" جب وہ درمیان پلنگ پر
بیٹھتی تو احسنی بیگم جھنجھتیں کہ کیا پاندان تیرے سر پر رکھا جائے اور جب علحدہ بیٹھتی تو اپنے
بیٹے سے کہتیں کہ یہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ذاکیہ کے سپرد باورچی خانہ کا انتظام ہوا
ظاہر ہے کہ گھر میں جبلی یوں تذلیل کی جائے اسکی لونڈی باندیاں بھی ذلت کرینگی مامائیں
احسنی بیگم کے مزاج سے ڈرتیں اور جلد کھانا پکاتی تہیں لیکن ذاکیہ لاکہہ کہتی وہ کام ہی نہ کرتیں
کھانا پکنے میں دیر ہوتی تو گھر بھر میں لے دے مچتی۔ آخر غریب نے چار بجے صبح سی اٹھکر
خود تمام باورچی خانہ کا کام شروع کیا تو لکڑی زیادہ جلانے پر احسنی چلائیں مامائیں
جنس چراتیں اور ذاکیہ پر یہ الزام ہوتا کہ وہ اپنی ماں کو بھیجدیتی ہے۔ اگر وہ نگرانی
میں سختی کرتی تو مامائیں غراتیں اور احسنی اُن کی طرف سے جھگڑا کرتی۔ اس دہندے سے
فرصت ملتی تو اسے نہانا نصیب ہوتا آخر نعیم صاحب نے بنگلو کہنا شروع کیا نہانے بیٹھتی تو
کھانا پکنے میں دیر ہوتی اور صلواتیں سننے کو ملتیں روز نہاتی اور یہ چاہتی کہ جلد جلد
نہانے سے بدن صاف رہیگا اور وقت بھی کم لگے گا۔ تو احسنی کہتیں کہ شاہزادی
کے بدلنے کے لئے روز خلعت کہاں سے آئے وہ اگر بعد نماز دعائیں پڑھتی تو
احسنی کہتی کہ مجھے اور میرے بچوں کو کوستی ہے بیچاری نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھ سکتی
تہی۔ غرضکہ ذاکیہ کی زندگی وبال تھی اسی درمیان میں اسکے دو لڑکے بھی ہوئے جس سے
اور بھی مصیبت ہو گئی۔ احسنی بیگم کا یہ ظلم ہرگز نہیں بھلایا جا سکتا کہ ذاکیہ کی ماں دفعتاً
بیمار ہوئی تو اس نے عیادت کو بھی نہ جانے دیا غریب ذاکیہ کی ماں کو غم بیوگی الگ
تھا بیٹی کی جانب سے کوفت بالائے الم تہی اور مفلسی علالت سخت مصیبت آخر غریب
مرتے ہوئے بیٹی کے لئے ترستی دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اور ادہر ذاکیہ تڑپا کی۔
جب ذاکیہ کو ماں کی موت کی خبر پہونچی تو اس نے تڑپ تڑپ کر رونا شروع کیا۔

چاہئے تھا کہ اسکے ساتھ ہمدردی کی جاتی مگر نہیں ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ احسنی بیگم نے کہا کہ ہمارے گھر میں مرے کو رو کر نحوست نہ پھیلاؤ۔ ذاکیہ تمام باتوں میں اطاعت کرسکتی تھی لیکن یہ حکم کیسے مانتی اور پھر جب اسکے آنسو تھمیں احسنی نے چند مرتبہ منع کیا اور ذاکیہ نہ مانی پلنگ سے اتر کر غریب کو تین چار دھکے رسید کئے۔ ہاں چپ کرنیکا یہی طریقہ تھا۔ ذاکیہ تیماں کو دیکھ کر چپ ہو گئی اور مرحومہ ماں سے اس طرح مخاطب ہوئی "اماں جان آپ مجھے دنیا میں کیا اسلئے چھوڑ گئیں" احسنی کے اس ظلم پر تمام گھر نے دانتوں میں انگلی دبائی اور احسانی فوراً اسکو لے کر اسکے مائکہ چلی گئی اور ذاکیہ کی ماں کی غمی میں شریک ہوئی۔ احسانی تو اُسی روز پلٹ آئی مگر ذاکیہ بھی ساس کے خیال سے سوم کے بعد نہ ٹھہر سکی اور جب سسرال پہونچی تو احسنی کی فرمایشی صلواتیں سنیں ذاکیہ کی ماں کا کچھ رعب تھا تو وہ بھی اب گیا اور ذاکیہ سے بالکل لونڈیوں کی طرح خدمت لی جانے لگی مگر میاں نعیم ابھی تک اپنے اسی فیصلہ پر قایم تھے کہ اگر ذاکیہ ایسی نہ ہوتی تو کیا مجھ سے شکایت نہ کرتی۔ بُوا شبراتن کی بھی تو رائے تھی کہ مجھے دوسری شادی کرنا چاہیئے" آخر ان تمام باتوں کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا ہو

ایک روز دروازہ پر مالی پھول لیکر آیا بہت سی لونڈیاں بیٹھی تھیں لیکن اُن کی طرف سے مُنہ پھیر کر احسنی ذاکیہ کی طرف مخاطب ہوئیں کہ جا پھول لے آ۔ ذاکیہ نے کہا کہ اب آپ کو میری بے پردگی کا بھی خیال نہیں مگر احسنی نے گھُڑک کر کہا "وہ بڑی پردہ والی مالی ہاتھ بڑھا کر پھول دیدیگا تو دیوار کی آڑ سے لے لینا" ذاکیہ ڈری کہ کہیں سلیپر نہ چلنے لگے یہ سوچکر اُٹھی کہ وہاں گوشہ میں پوشیدہ ہو کر چلی آؤنگی اور کہدونگی کہ مالی نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ ذاکیہ بردے کیطرف جا رہی تھی کہ اودھر سے آ پڑے میاں نعیم بردے کی طرف بیوی کو جاتے ہوئے دیکھکر غیرت آئی اور سخت۔ ذاکیہ میاں کے تیور تاڑ کر خوشی خوشی لوٹی اور نعیم یہ کہتا ہوا کہ وہ کیا اب بردے پر جانیوالا کوئی نہیں رہا" احسنی تو ایسے موقع کی منتظر ہی رہتی تھی نہایت

سنجیدگی سے بولی بیٹا ایک نہیں بیس ماما ئیں ہیں لیکن تیری بی بی تو احسانی کے کہنے
میں ہے اس نے کہا اور یہ پھول لینے دوڑی گئی میرا کام منع کرنا ہے سو اسکا بھی
پھل پا لیا" نعیم صاحب تاؤ بدلتے اپنی چچی کے پاس گئے غریب احسانی بیگم کو کیا خبر
اس نے واقعہ ہی سے لاعلمی ظاہر کی نعیم اپنی چچی کو جھوٹا سمجھا اور بلا تحقیق بی بی کو
اس امر کا مرتکب سمجھ لیا باہر گئے میانہ منگوایا ذاکیہ کو معہ اسکے لڑکوں کے گھر
بھیجدیا۔ احسانی کو جو تمام واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے ثابت کرنا شروع کیا کہ میری
زبان پانچ ہاتھ کی ہے اور حسنی کو خوب ہی خوب جھاڑا آخر دونوں میں ایسی لڑائی
ہوئی کہ اسی وقت چولہا۔ ہنڈیا الگ ہوگئی۔ احسان اللہ خاں تو اپنی بیوی کے
طرفدار تھے ہی مگر احسن اللہ خاں نے بھی یہ غلطی کی کہ اصل واقعہ کی تحقیق نہ کی اور
انہوں نے بوریا بجز باندھا مکہ مدینے چلدئے اور حاکم ضلع سے کہہ گئے کہ مجھسے اور
علاقہ سے کوئی سروکار نہیں نعیم جانیں اور احسان اللہ۔ احسن اللہ نے تو تارک الدنیا
ہو کر غریب الوطنی اختیار کی ادھر نعیم میں اور احسن اللہ میں بٹوارے کیلئے مقدمہ
بازی شروع ہوئی ڈیڑھ برس کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ قرض حد سے متجاوز ہو گیا اور
آخر میں جب بٹوارہ ہوا تو مہاجنوں نے دعوی کرنا شروع کر دیا چچا بھتیجوں نے
علحدہ علحدہ اس میں اور روپیہ قرض لے لیکر صرف کیا اس مدت میں نعیم کا چھوٹا
بھائی علیم بھی جوان ہوا اس نے اپنے حصہ کا علحدہ نوٹس دیا اور قرض کا ذمہ دار
بھائی کو قرار دیکر اپنا حصہ بھی علحدہ کر لیا لیکن مہاجنوں کے حملہ سے تینوں کے پاس
سوائے دو سو روپیہ منافع کی سیر کے اور کچھ نہ رہا اور اُسپر بھی قرض شروع ہو گیا
ذاکیہ کا نتیجہ۔ ذاکیہ کو نعیم نے میانہ میں بٹھالا وہ بیٹھی اور اپنے گھر چلی آئی۔ گھر میں
جو اُتری تو ڈیڑھ برس کا لڑکا گود میں تھا اور چھ برس کا اُنگلی پکڑے ہوئے
ذاکیہ کو بالکل پرواہ نہ تھی کہ وہ اپنی سسرال سے نکالی گئی جب تک میانہ گھر

پہونچے وہ راستہ بھر اپنے مرحوم والدین کی یاد میں بیقرار رہی اور جب گھر میں داخل ہوئی تو دیوانہ وار کونوں کونوں اپنی ماں کو تلاش کرنا شروع کیا اسوقت بالکل ذاکیہ حواس میں نہ تھی جہاں جہاں ذاکیہ کی ماں بیٹھا کرتی تھی وہاں وہاں وہ جاتی اور درد انگیز آواز سے کہتی "اماں جان ذاکیہ حاضر ہے۔ تم کہا کرتی تھیں کہ ذاکیہ جب سے سسرال گئی گھر نہیں آئی۔ اماں جان تمکو ذاکیہ کو پاس رکھنے کی تمنا تھی۔ ذاکیہ یہ باتیں کرتی ہوئی رو رہی تھی۔

جس مکان کا یہ دردناک منظر ابھی ناظرین کے سامنے ہے اسی مکان کے صحن میں ایک کنواں بھی ہر چار بجے اسی کنوئیں سے ٹھاکر رگھوبنس کی ٹھکرائن پانی بھرنے آتی تھی چنانچہ آج بھی وہ حسب معمول آئی رونے کی آوازوں نے اُسے دالان کی طرف بھی مخاطب کیا۔ ٹھکرائن سمجھ گئی کہ ہو نہو ذاکیہ ہی ہوگی ٹھکرائن کو ذاکیہ اور ذاکیہ کی ماں سے دلی محبت تھی اسکو ذاکیہ کے خیال نے بیچین کر دیا۔ دوڑی ہوئی دالان میں گئی کچھ دیر تو خود بھی ذاکیہ کے حال پر رویا کی پھر ذاکیہ کا منہ ہاتھ دُھلایا جب وہ ہوش میں آئی تو احمد کو چپ کیا سعید کو جو روتے روتے تھک کر چپ ہو رہا تھا گود میں اُٹھا لیا ذاکیہ کو تسلّی و تشفی دی کئی مرتبہ بیٹی کی طرح کلیجہ سے لگایا اور بچوں کو پیار کیا۔ ذاکیہ ٹھکرائن کو خالہ کہا کرتی تھی اور وہ بھی ذاکیہ کو اپنی اولاد سے کم نہ سمجھتی تھی آخر ذاکیہ ٹھکرائن کے تشفی آمیز جملوں سے کچھ حواس میں آئی اور احمد کو بسورتے دیکھکر سخت ضبط سے کام لیا تاکہ آنسو نہ ٹپکے۔ احمد نے آج صبح سے کچھ نہ کھایا تھا چہرہ کملایا جاتا تھا ٹھکرائن سمجھ گئی دوڑ کر گھر سے کچھ روٹیاں اور کچھ مٹھائی لے آئی اور احمد کے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر کھلانا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد ٹھکرائن کی لڑکی بھی آگئی کھانا کھانے کے بعد احمد اسکے ساتھ کھیلنے لگا اور بچہ کی طبیعت بہل گئی۔

ذاکیہ دو تین دن تو اپنی خالہ ٹھکرائن کی مہمان رہی مگر ذاکیہ خود جانتی تھی کہ

ٹھاکر رگھوبنس کے سر نہ مجھے پڑنا چاہیئے اور نہ اُس میں یہ حالت ہے، کہ وہ میرا بار اُٹھا سکے اسلئے اُس نے ٹھکرائن سے کہا کہ اس مکان کے بیرونی قطعات میں کچھ کرایہ داروں کو بسوا دو اور یہ انتظام کردو کہ جو کچھ میں کاڑھا کروں اُسکو کوئی بیچ آیا کرے تو میری گذر بخوبی ہو جائیگی ٹھکرائن نے پہلے تو بہت کہا کہ جیسی رادہا (ٹھکرائن کی لڑکی) ویسی ہی تم ضرورت نہیں کہ تم اپنے کہانے کا علحدہ انتظام کرو مگر ذاکیہ نے بہت اصرار کیا چنانچہ ٹھاکر رگھوبنس سنے مکان کے اُن بیرونی قطعات میں جسکا سلسلہ زمانہ قطعہ سے دور تھا۔ سات روپیہ ماہوار پر دو کرایہ دار بسوا دئے اور کرایہ پیشگی لیکر ذاکیہ کو بھجوا دیا اور یہ بات خود گوارا کی کہ وہ اپنی بساط خانہ کی دوکان ہی میں ذاکیہ کی کاڑہی ہوئی چیزیں بھی رکھلے اور تمام سودا سلف کر دیا کرے۔ ذکیہ نے کچھ کاڑھنے کا سامان منگا کر ٹوپی کے پلے بنانا شروع کئے یا چکن کاڑھنے لگی اس طرح پر دس بارہ روپیہ کی آمدنی ہو گئی جو ذاکیہ اور اُسکے بچوں کی گذر کے لئے تنگی سے کافی تھے۔

ذاکیہ نے اپنی سُسرال کے متعلق نہ کبھی کچھ نیک و بد خیال کیا اور نہ اُسکو پرواہ تھی اُسکی زندگی ان اشغال میں کٹنے لگی۔ والدین کا غم کرنا احمدؔ کو پڑہانا۔ رادہا کو کاڑہنا سکھانا اور ہنڈیا چولھا کرنا۔ یا عبادت خدا۔ رادہا ذاکیہ کی ماں سے ہی سینا پرونا سیکھا کرتی تہی اور اُس سے ذاکیہ کی ماں بہی محبت کرتی تھی اور ذاکیہ بہی اس لڑکی سے محبت رکھتی تھی۔ رادہا دن و رات ذاکیہ ہی کے پاس رہتی تھی اور ٹھکرائن بہی اپنی فرصت کا وقت یہیں صرف کرتی۔ غرضکہ سال بھر ذاکیہ کی زندگی یونہی بسر ہوئی ٹھکرائن تعجب کیا کرتی تہی کہ کس بلا کی عورت ہے جس نے کبھی نہ اپنی سُسرال کی شکایت کی نہ وہاں کا کبھی کسی قسم کا ذکر کیا۔ بلکہ وہ انداز سے ثابت کر رہی تہی کہ اسکی زندگی میں وہ مصائب ہی نہیں گذرے جو اُسے سُسرال

میں پہونچے ہاں اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتی تھی۔

رادہا کا سن دس برس کا ہوچکا تھا ٹھکرائن نے ایک شریف ٹھاکر کے لڑکے کے ساتھ اُسکی شادی کردی رادہا کے ساتھ جہیز تو کم گیا لیکن اُسکی ہنرمندی کے کمال نے اُسے سسرال میں بہت نیک نام کیا ٹھکرائن اور ذاکیہ اسبات سے تو ضرور خوش تھیں لیکن رادہا کی جدائی سے بے چین رہتی تھیں۔

موسم کا تغیر ہو رہا تھا۔ آب و ہوا میں فصلی بخار کا مادّہ بکثرت تھا اور علی العموم بخار و چیچک کی شکایت تھی۔ رادہا کی سسرال سے خط آیا کہ وہ بہت بیمار ہے اس خبر سے ٹھکرائن کو وہاں جانا پڑا۔ اودہر ٹھکرائن رادہا کے دیکھنے کو گئی ادہر ٹھاکر رگھوبنس کو بخار آنا شروع ہوا اور اس شدت کا بخار کہ ٹھاکر کو دو ہی دن میں نقل و حرکت دشوار ہوگئی مکانات کا کرایہ بھی نہ وصول ہوا تھا اور نہ اس طرف چکن و پلتے بکتے تھے جس سے ذاکیہ کا ہاتھ بالکل خالی تھا مفلسی اور آ ٹا گیلا سعید کو چیچک نکل آئی غریب ذاکیہ سعید کو سنبھالے یا چکن کاڑھے یا احمد کے لئے کچھ پکانے پانی بھرے غرضکہ کیا کیا کرے متردد اور کشمکش میں تھی سعید کا بخار بڑھتا جاتا تھا ذاکیہ نے دن بھر فاقہ کیا رات کے ۸ بجے ذاکیہ کچھ پکانے اُٹھی ہی تھی کہ بیمار تین برس کے معصوم بچے سعید نے دفعتاً ایک طرح کی غیر معمولی جنبش کی اور ماں کو داغ مفارقت دیا ذاکیہ کی زندگی انہیں دونوں بچوں کے بھروسہ پر تھی۔ ماں نے جونہی سعید کو بیجان دیکھا لاش کو گلے سے لگایا بہت پیار کیا احمد کی طرف دیکھا جو بھوک کی وجہسے سوکھا جاتا تھا۔ ذاکیہ سمجھدار تھی (اسلئے کہ احمد نہ کہیں رونے لگے) رونا مناسب نہ سمجھکر دل کو بہت سوسا۔ لیکن آنسوؤں کے ساتھ یہ الفاظ بھی نکل پڑے "اے ننھی سی جان ماں کو چھوڑ کر بڑے سفر کا ارادہ کیا اچھا اللہ کو سونپا" پھر لاش کو پیار کیا اور پلنگ پر چادر اوڑہا کر لٹا دیا۔

دنیا میں کسی ماں پر ایسی مصیبت نہیں پڑی کہ ایک بیٹے کی لاش سامنے پڑی ہو۔ دوسرے کو روٹی کھلانے کی فکر ہو۔ گھر میں ڈھونڈا تو ایک ٹکڑا بھی روٹی کے نام سے نہ تھا کچھ آٹا پڑا ہوا تھا۔ خدا جانے ذاکیہ نے کیا سوچکر غسل کیا آگ سلگائی دو پھلکے ڈالے احمد کے سامنے لاکر رکھے رات کے بارہ بج چکے ہونگے لیکن احمد بھوک کی وجہ سے جاگ رہا تھا۔ ماں نے بیٹے کا بھولا بھولا مُنہ چوما اور کہا روٹی کھالو احمد نے کہا کہ اماں جان تم بھی کھاؤ اور سعید کو بھی جگالو۔ اس فقرہ نے ماں کے کلیجے کے ٹکڑے اُڑا دیئے لیکن اُس نے ایسا ضبط کیا جو کسی ماں سے ممکن نہ تھا اور بولی "احمد سعید تو سو رہے وہ ہم سے خفا ہیں تم روٹی کھالو" احمد اُٹھا کہ سعید کو جاکر منائے ماں نے ہاتھ پکڑ کر کہا بیٹا سعید کو نہ جگاؤ اسے تکلیف ہوگی اچھا آؤ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاتی ہوں۔ ماں نے احمد کے دکھلانیکو منہ میں ایک نوالہ رکھا مگر اُگل پڑا آخر جیسے تیسے کرکے احمد کو روٹی کھلا کر اُسے علحدہ لیکر لیٹی احمد تو سو گیا مگر ذاکیہ مشوش تھی کہ سعید کو کیسے اکیلا چھوڑے آخر وہ وہاں سے اوٹھی چراغ سعید کے چہرہ کے پاس رکھا اور بلائیں لیکر پھر آنسو بہانے لگی غرضکہ پوری رات اسی طرح گذری۔ علی الصباح ہٹا کر گھومنس نے خیریت پوچھنے کیلئے احمد کو آواز دی ذاکیہ سمجھتی تھی کہ احمد جو نکلتے ہی سعید کو پوچھنا شروع کرے گا اسلئے وہ خود دروازہ پر گئی اور دیوار کی آڑ سے اپنا حال زار بیان کیا گھومنس روتا ہوا بازار گیا بچے کے لئے کفن لایا دو تین آدمیوں کو بھی بلوا لیا ایک مزدورنی کو بھی اندر آنے جانے کے لئے لیتا آیا احمد کو بہلا کر محلہ کے بچوں کے ساتھ کردیا سعید کا غسل وکفن ماں ہی نے کیا وہ مرنے کے بعد بھی نہ چاہتی تھی کہ کہ سعید کو گود سے جدا کرے لیکن احمد کا خیال تھا جب غسل وکفن کر چکی تو بیٹے کی شان دیکھی بہت پیار آیا بلائیں لیں اور سینہ پر صبر کی سل رکھکر کہا "جاؤ دواری

رخصت" وہی عورت ننھے سے بچہ کو ہاتھوں پر باہر لے چلی جنازہ جب باہر نکلنے لگا تو ماں نے پھر پکار کر کہا "سعید تمکو اللہ کی امان میں سونپا"

ادہر بیٹے کا جنازہ باہر نکلا ادھر ماں بیہوش ہو کر گری ادہر احمد گھر میں داخل ہوا ماں کی حالت دیکھکر چیخ چیخ کر رونے لگا ذاکیہ کو ہوش آیا احمد کو کلیجہ سے لگایا سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ میرے پیارے تم سبق یاد کرو ہم تمہارے لئے روٹی پکاتے ہیں۔ آدہ پاؤ کے قریب جوار کا آٹا اُسوقت بھی جھاڑے جھوڑنے نکل آیا ذاکیہ نے آگ سُلگائی روٹی پکائی جب روٹی پکا چکی تو اُس نے دیکھا کہ احمد کونے کونے کچھ ڈہونڈہتا پھرتا ہے جب ماں کو اپنی طرف مخاطب دیکھا تو احمد نے پوچھا "اماں جان سعید کہاں ہے" ذاکیہ قریب تھا کہ رووے مگر پھر اُس نے کہا کہ بیٹا ٹھاکر جی اُسے اسپتال لے گئے ہیں۔

احمد۔ اسپتال کیوں لے گئے ہیں"

ماں۔ وہیں سعید کی دوا ملے گی"

احمد "اماں ہمتو آج بغیر سعید کے روٹی نہ کھائینگے اور نہ پڑہینگے" ذاکیہ سے اب ضبط مشکل تھا وہ رو کر بولی بیٹا سعید دنیا سے سدہارے"

احمد۔ تو کب تک آئینگے"

ماں۔ اب کبھی نہ آئینگے"

بچہ ہرگز ان الفاظ سے نہ سمجھ سکتا تھا کہ سعید مرگیا ہوگا اس نے پھر اپنی ماں سے کہا "اماں سعید کو ہمیں دکھا دو" ماں نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر دوبارہ گری ذاکیہ کے سر میں اس مرتبہ سخت چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ احمد نے پھر رونا شروع کیا آخر ذاکیہ پھر ہوش میں آئی مگر یہ کہکر پلنگ پر منہ ڈہانپ کر لیٹ رہی "احمد ہم سے اسوقت باتیں نکرو اچھا آؤ ہمارے پیر تو دابو ہمیں بخار سا آچلا ہے

احمد ننھے ننھے ہاتھوں سے ماں کے پیر دابنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد واقعی ذاکیہ کو بخار بڑی شدت سے ہوآیا حتیٰ کہ احمد کے ہاتھوں تک گرمی پہونچی احمد نے ماں کو دو تین مرتبہ آواز دی ذاکیہ بولی تو لیکن بخار کی شدت۔ سعید کی موت اور احمد کی باتوں سے وہ بالکل بدحواس تھی ۶ برس کا معصوم بچہ احمد کیا کر سکتا تھا۔ وہ یہ سوچکر کہ "سعید اسپتال گیا ہے وہیں سے ہم اپنی ماں کے لئے بھی دوا لے آئیں" باہر نکلا معصوم بچہ احمد اشرف آباد کی گلیوں سے ناواقف وہ کہاں جا رہا ہے؟ اسپتال کیا وہ ٹھیک راستہ پر ہے؟ نہیں اُسکے دل میں ماں کی محبت کا وفور ہے اور جو اسکو مل جاتا ہے اس سے تتلا کر کہتا ہے "ہمالی (ہماری) اماں بیمار ہیں انکے لئے دوا لادو۔ احمد گھر سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اسکا بھولا بھولا اور پیارا چہرہ دیکھکر ہر شخص اس سے متوجہ ہو جاتا ہے مگر احمد دوا کے تقاضہ کے سوا اور کچھ منہ سے نہیں کہتا۔

جس سڑک پر احمد جا رہا تھا اُسی سڑک پر ایک گداز بدن گندم گوں پریشان حال نوجوان ملا اس شخص کے جسم پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا اور بغل میں کچھ کاغذات دبے ہوئے تھے۔ احمد نے اُس سے بھی دوا کا تقاضہ کیا اُس شخص نے بچہ کو دیکھا اور نہایت محبت آمیز انداز میں زبان سے نکل گیا "احمد" احمد نے سر اُٹھا کر دیکھا اور اُس کے منہ سے بھی نکل گیا "ابا جان" اسوقت جو شخص احمد سے مخاطب ہے یہ نعیم ہے احمد کا باپ کچہری سے آرہا ہے بغل میں مقدمات کے کاغذات دبے ہوئے ہیں۔ نعیم کبھی بغیر سواری کے باہر نہ نکلتا تھا انقلاب نعیم نے ہر چند چاہا کہ احمد کو اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ محبت پدری اُسکے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی مگر احمد مچل گیا اور نہ گیا آخر اُس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس بچہ کو سرکار والی حویلی میں پہونچا دو اور احمد سے کہا کہ تم جاؤ ہم دوا لاتے ہیں۔

آج نعیم کی نگاہوں میں بیوی کی شکل پھرنے لگی اُس نے تمام گذشتہ واقعات کو عالم خیال میں دہرایا۔ وہ وقت بھی پیش نظر تھا جب اس نے میانہ منگا کر اپنی بیوی کو نکالا تھا اور ذاکیہ خدا حافظ کہکر اور یہ سُنا کر میں بے گناہ ہوں میانہ میں سوار ہوگئی تھی۔ نعیم اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اُسکا چھوٹا بھائی کلیم اسی کی ماں کے اشتعال دینے سے اس سے لڑا آج نعیم نے اور بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ واقعی اسکی ماں کی وجہ سے یہ تمام تباہی آئی۔ وہ گھر گیا اس نیت سے کہ طبیب کو لانا چاہیئے اور بی بی سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

احمد گھر پہونچا ذاکیہ کو اُسی طرح بخار تھا مگر بدحواسی کم تھی احمد نے ماں کو آواز دی ماں نے آنکھیں کھولیں احمد بولا "ہم تمہارے لئے دوا لینے گئے تھے ابا جان ملے اُنہوں نے کہا ہم دوا لیکر آتے ہیں تم چلو" ذاکیہ بیٹے کی بھولی بھولی باتوں پر مُسکرائی اور اُٹھکر اُسکا منہ چوم لیا اور کہا کہ بیٹا پانی پلا دو۔ احمد نے پانی پلایا پھر دوبارہ تشنگی معلوم ہوئی پھر اس نے ماں کو پانی پلایا۔ ذاکیہ پھر شدت بخار سے آہ سرد بھر کر بیہوش ہو گئی احمد سمجھا کہ پھر پانی مانگا گھڑوں میں پانی نہ تھا کیونکہ کل سے بھرے نہ گئے تھے اور بھرتا کون جب لوٹوں میں بھی پانی نہ نظر آیا تو احمد کنوئیں پر گیا اور رسّی میں لوٹا پھانس کر کنوئیں ڈالا۔ لوٹا بڑا تھا جب اُس میں پانی بھرا اور احمد نے کھینچنا چاہا تو معصوم وکمزور بچہ جھونک میں نہ سنبھل سکا و فعتًا کنوئیں میں گر پڑا۔ ادھر احمد کنوئیں میں گرا اور ادھر ٹھکرائن مکان میں معہ رادہا کے داخل ہوئی دونوں ماں بیٹیاں ابھی ابھی پہونچی تھیں اور مکان میں اسباب رکھکر ادھر چلی آئیں۔ ٹھکرائن نے کنوئیں میں گرتے احمد کو دیکھ لیا تھا۔ بیچاری بدحواس ہو گئی اور رادہا رونے لگی ٹھکرائن نے باہر جا کر آدمیوں کو پکارنا شروع کیا اور رادہا نے اُس کمرہ کے دروازے بے پردگی ہونے کی وجہ سے بند کر دیئے جس میں ذاکیہ

بیمار پڑی تھی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ نعیم بھی ایک طبیب کو حسبِ وعدہ لیکر پہونچا بچہ کو فوراً کنوئیں سے نکالنے کی کوششیں کی گئیں ہائے احمد اگر سیدھا پانی میں گرتا تو وہ بچ سکتا تھا مگر افسوس اُسکے سر نے کنوئیں سے کئی ٹکریں کھائیں تھیں جس سے سر بالکل ہی شگافتہ ہو گیا اور خون بہت نکل چکا تھا احمد نے کنوئیں سے باہر نکل کر ٹھنڈی سانس لی اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

خدایا ذاکیہ کو ہوش نہ آئے تو بہت اچھا ہے۔ ہائے وہ احمد کی لاش دیکھے ہی بغیر دنیا سے اُٹھے تو مناسب ہے، وہ سسرال کے ظلم یتیمی کی غمی مفلسی کی تکالیف ان تمام باتوں کو محض اس امید پر کہ ان دونوں سے آخری زندگی میں راحت پہونچے گی بھول گئی تھی۔ اور سعید کے لئے یہ سوچکر نہ روتی تھی کہ احمد کہیں رنجیدہ نہو اسکی زندگی کے دو سہارے تھے۔ ایک تو پہلے ہی مٹ چکا اب دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔ ذاکیہ کو احمد کی موت ہی کا صرف صدمہ نہو گا بلکہ تمام گذشتہ مصائب کا بھی۔ کاش حسنیٰ بیگم کی ذاکیہ بہو نہ ہوتی تو آج ایسا نہ ہوتا کاش حسنیٰ بیگم احسن اللہ خاں کی بیوی نہ بنتی تو ذاکیہ کا حسن انتظام اور قابلیت انصاریوں کے خاندان کو معراج کمال پر پہونچا دیتی کاش احسن اللہ کا شادی ہونے سے قبل یہ خیال ہوتا کہ لڑانکا اور بدطینت عورت سے کبھی گھر درست نہیں ہو سکتا تو آج یہ نتائج نہ ہوتے۔ کاش ذاکیہ کے دادا فضول خرچیوں میں اپنی جائداد تباہ نہ کرتے تو آج یہ واقعات نہوتے کاش نعیم جسوقت اپنی بیوی کو نکال رہا تھا ذرا بھی یہ سوچتا کہ واقعہ کی تحقیق کرنا چاہیئے تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ دونوں خاندانوں کی تباہی اور ان بیکسوں کی موتوں کی حسنیٰ بیگم اور ذاکیہ کے دادا مواخذہ دار ہیں۔ نعیم بھی سخت بازپرس میں مبتلا ہو گا۔

گھر میں شور و ہنگامہ جو مچا تو ذاکیہ کو ہوش آیا راداہا اسکے پاس کھڑی ہوئی رو رہی تھی۔ راداہا کو تو دیکھکر وہ خوش ہوئی لیکن اسکے رونیکا سبب معلوم کرکے

اُس نے پلنگ کی پٹی پر اپنا سر پٹک دیا۔ ذاکیہ کے سر میں زیادہ شگاف ہو گیا۔
ذاکیہ کو اسوقت پردے کا بالکل خیال نہ تھا وہ باہر نکلنا چاہتی تھی کہ احمد کی لاش
نعیم اور نعیم روتے ہوئے کمرے میں لائے لوگ باہر چلے گئے۔ بیٹے کے سر کا
گھاؤ دیکھکر ذاکیہ کا کلیجہ پھٹ گیا۔ احمد کی لاش دیکھکر اسکے دل کے پرخچے اڑ گئے
نعیم کو دیکھکر اسے یقین ہوا کہ احمد ہی اسے بلا کر لایا تھا اور وہ واقعی دوا لینے گیا تھا
ذاکیہ کے آنسو خشک تھے اور دیوانہ وار لاش کو دیکھ رہی تھی اور سب سے سوال کرتی
تھی "لوگو کیا میرا احمد زندہ نہیں ہے یہ تو ماں کا بڑا خدمتی بیٹا ہے ہرگز یہ ماں کا ساتھ
نہ چھوڑے گا۔ احمد اے احمد اُٹھو تمہاری ماں کو اب بخار نہیں ہائے کمبخت ماں کو اب
پیاس بھی نہیں جس کے لئے تمنے جان دی۔ احمد کیا ماں کے لئے دوا لینے گئے ہو۔ احمد
تمہاری ماں کی دوا موت ہی احمد تم مجھسے سعید کو پوچھتے تھے اگر اسلئے روٹھے ہو تو
بتاؤ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو تم سے کیسے ملا دوں ہائے احمد اُٹھو ہائے تم تو
ابھی ماں سے بھولی بھولی باتیں کر رہے تھے" ذاکیہ یہ کہتی جاتی تھی اور بیٹے کے منہ کو
بار بار چومتی جاتی تھی احمد کے سر سے خون ابھی تک بہ رہا تھا یہ خون نہ تھا ذاکیہ کا
دودھ ذاکیہ کی مصیبتوں اور محنتوں کا نتیجہ تھا۔ ذاکیہ خون دیکھکر بیہوش ہو گئی۔ ذاکیہ
کو فوراً سرسام ہوا ذاکیہ نے دو تین مرتبہ احمد احمد کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئی۔ نعیم نے
بیوی کا شانہ ہلا کر اپنے گناہ کی معافی چاہی اگر ذاکیہ زندہ ہوتی تو وہ ضرور بخشدیتی
ذاکیہ عقلمند صابر اور نہایت متحمل لڑکی تھی اسپر قرآنی تعلیم کا پورا اثر ہوا تھا وہ ہمیشہ
سمجھتی تھی کہ شوہر کی اطاعت فرض ہے۔ اُس نے اپنے شوہر کا نام سُنکر جو روح پرور
تبسم کیا تھا وہی نعیم کے تمام عمر کے نیک اعمالوں سے افضل تر تھا۔

نعیم بیوی کے جنازہ پر کھڑا رو رہا تھا اور اپنی گذشتہ خطاؤں پر نادم تھا۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا		کی مرے قتل کے بعد اسنے جفا سے توبہ

سات بجے شام تک ماں بیٹوں کا جنازہ گورستان پہونچا اور آجتک فوا کے کے فسانہ پر لوگ آنسو بہاتے ہیں۔

یہ دردناک واقعہ ۱۸۶۸ء مئی کا ہے بعض وجوہ سے نام و پتہ میں تغیر کر دیا گیا ہے لیکن پلاٹ کو اسی طرح لکھا جس طرح مستند ذریعہ سے سُنا تھا۔

حسن

مس نذر الباقر صاحبہ ملاحظہ فرمائیں

آہ! گلسا نگ پریشاں میزنم	نالۂ در عندلیباں میزنم
حجلۂ گل بہر من بستندومن	سر بدیوار گلستاں میزنم

میں نہیں چاہتی تھی کہ اپنی ضعف و نالی سے ناظرات خاتون کے کان پریشان کروں۔ مجھ میں خود اُسکی تاب و تواں نہیں۔ جو کچھ گذری اور گذر رہی ہے "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" پر غور کرکے اُسکی ظاہری و باطنی سیر میں مبتلا ہوں۔ مگر محترمہ بہن مس نذر الباقر صاحبہ کا مضمون مارچ کے خاتون میں دیکھ کر جس میں میرا بھی نام لیا ہے مہر سکوت کو توڑنا پڑا۔ ناچار اظہار حال کے طور پر کچھ لکھتی ہوں۔ بہن صاحبہ آپ میرے والدین کی علالت کو میری عدیم الفرصتی کا سبب سمجھے ہوئے ہیں۔ اس چکر میں تو میں آٹھ برس سے بلافصل مبتلا ہوں۔ جسکا حال آپ کو بھی معلوم ہے۔ مگر اللہ نے ابتلا کا ایک تازہ باب میری زندگی کی کتاب میں کھولا۔ جس سے شیرازۂ دل ایسا پریشان ہوا ہے کہ اب شاید ہی اجتماع نصیب ہو۔ ؎

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار	اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں ہزار
اے ہوس خوں ہو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار	یہ شرارہ کا تبسم۔ یہ خس آتش سوار

یہ قمر جو ناظم عالم کا اک اعجاز ہے
چرخ بے انجم کی وحشتناک وسعت میں مگر
اک ذرا سا ابر کا ٹکڑا ہے جو مہتاب تھا
پہنے سونے کی قبا محو خرام ناز ہو
بیکسی اسکی کوئی دیکھے ذرا وقت سحر
آخری آنسو ٹپک جانے میں ہے جسکی فنا"

شاید آپ کو معلوم ہو کہ میرے بڑے بھائی (سلمہ اللہ تعالیٰ) اور میری بڑی بہن مرحومہ کی نسل کی دو لڑکیاں (ایک اُن کی اور ایک ان کی) بے مادری کے سبب سے میرے والدین کے آغوش شفقت میں پل رہی تھیں۔ اُن کی پرورش میں ماں باپ، کا ہاتھ بٹانا میرا بھی فرض تھا۔ قدرتی تعلقات اور ہر وقت کی صحبت نے مجھکو اُنکا اور اُن کو میرا سچا رفیق۔ دلی شیدائی۔ اور سفر زندگی کا ساتھی بنا دیا تھا۔ جب اُن کی پرورش کی منزل طے ہوئی۔ اور تعلیم و تربیت کا مستقل زمانہ آیا تو چونکہ میں علم کی تھوڑی بہت لذت گیر تھی۔ اور شعور بھی پورا آگیا تھا جس جنون میں خود مبتلا تھی اُن کی بھی اُسی طرف رہبری کی۔ میرا اگر تعلیم نسواں میں اپنے خاندان میں مشہور بلکہ مطعون ہے۔ اور اسی ملامت آمیز شہرت نے مجھے بہت سے مفید علوم و فنون کے اکتساب سے محروم رکھا۔ اُن کی تعلیم و تربیت کے مرحلے میں میری تازہ ہمت اور تشنۂ علوم و فنون دل نے بہت سی پچھلی بیہودہ بندشوں کو توڑ دیا۔ اور اپنے خیال میں بیوقوف معترضوں سے قطع نظر کر کے جو فنون لطیفہ و علوم مروجہ خود نہ سیکھ سکی سینہ سپر ہو کر اُن کے نصاب تعلیم میں وہ بھی داخل کر ہی دئے میرے سرپرست بزرگوں نے میری ہمت افزائی کا پورا حق ادا کیا۔ چنانچہ میرے والد نے دینیات کی تعلیم کا بندوبست جب کسی طرح حسب دلخواہ پورا ہوتا ہوا نہ دیکھا تو ایک نود سالہ دکھنی بزرگ کو جو درحقیقت اعمال و برتاؤ میں اپنے وقت کے ولی تھے بڑی تلاش کے بعد حاصل کیا۔ اور لڑکیوں کے

انضباط اوقات کے نقشہ میں دو گھنٹے روزنحتی کے ساتھ مقرر کئے کہ آنکے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہوں۔ اسی طرح جدید زنانہ اسکول میں داخل ہونے سے پہلے انگریزی زبان کی تحصیل کے لئے جب کوئی معتبر انگریزی اُستانی میسّر نہ آئی اور اعلیٰ درجہ کی معلمہ حاصل کرنے کی اپنے میں استطاعت نہ پائی تو بجائے مشنریوں سے پڑھوانے کے ایک بڈھے کھوسٹ ہندو ماسٹر کو پردے کے پیچھے سے پڑھنے کے لئے مقرر کیا۔ شمس العلما مولانا حالی جب چند سال پہلے حیدر آباد آئے تھے۔ اور میرے والد سے ملنے کے لئے کلبۂ احزان میں تشریف لائے تو اُسوقت ماسٹر بیٹھا پڑھا رہا تھا۔ میرے والد نے تعلیمی دقت بیان کرکے اپنے بند وبست کی نسبت مولانا موصوف کی رائے دریافت کی تو آپ نے پسند فرمایا۔ اور اآجان کے خیال کی تائید کی کہ ایسا آدمی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اُن کو خدا نے ایسا جو ہر قابل پیدا کیا کہ پھل ڈالی کی طرح جدھر جھکایا جھک گئیں۔ اور میرے تمام علمی ارمانوں کے پورا کرنے کی ٹھیکہ دار بن گئیں۔

یہ لڑکیاں بے ماں کی ہونے کے سبب سے بہت رعایت و دلداری کے ساتھ پل رہی تھیں۔ ایک حد تک اُن کی طبیعتیں خوشی خواں کی عادی ہو چلی تھیں۔ جہانتک ہوسکا بغیر کسی سختی کے جو آن کے حق میں کسی کو گوارا نہ تھی صحبت کے نامعلوم اثر سے اُنکی رفتار طبیعت کا رُخ بدلا۔ اور خود انہیں کو علم و ہنر کا گرویدہ اور عمدہ تعلیم و تربیت کا قدرشناس بنا دیا۔ آخر رفتہ رفتہ شوق علم۔ اشتیاق ہنر۔ حسن طبیعت۔ پاکیزگی مذاق۔ علو حوصلگی اور بلند نظری اُنکا خاصہ طبیعت ہو گیا۔ ہر کام نہایت آب و تاب سے کرنے لگیں اور ہر ایک کو اپنے سے خوش رکھنے لگیں۔ اُسکے ساتھ ہی جس چیز کا

شوق حد غلو تک پہونچتا ہوا دیکھا مشفقانہ بلکہ ہنستے ہوئے دوستانہ اور پیار آمیز مشورہ سے وہیں اعتدال کا بند لگا دیا۔ یہاں تک کہ اُن کے جذبات وخیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھلنے لگے۔۔ مگر مشیت یہ ہو چکی تھی کہ ہمارے تراشے ہوئے ہیرے دنیا میں قیمت پانے کے بدلے ہزاروں من مٹی کے نیچے دبیں۔ یہ گدڑی کے لال کفن میں لپیٹ کر قبر کی نذر ہوں۔ ایک کوچہ چھوٹی تھی۔ اور علوم وفنون مروجہ میں اچھی مہارت پیدا کر رہی تھی (ادب تاریخ اور آرٹ میں موسیقی اور ڈرائینگ کی دلدادہ تھی جسکے خیالات کا ایک ادنی نمونہ اس کم سنی میں یہ تھا کہ مدرسہ میں جب ایک مضمون اُس کو لباس پر لکھنے کے لئے کہا گیا تو اُس نے یہ فقرہ لکھا "لباس میں ہمیشہ سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اُس سے جو وقت بچے وہ پڑھنے میں صرف کرنا چاہیئے۔ بیوقوف فوق البھڑک لباس پرخش ہوتے ہیں۔ اور اپنے ضروری کاموں کا وقت اُس میں ضایع کرتے ہیں") عنفوان شباب کی ابتدائی منزلیں بھی طے نہ کرنے پائی تھی کہ ٹائیفائڈ فیور عارض ہوا۔ اور مہینہ بھر کے بعد اپنے ساتھ اُسکی زندگی کا بھی خاتمہ کر گیا۔ یہ قوم میں ایک نمونہ تیار ہو رہا تھا۔ جو تین چار برس کے بعد مسلمانوں میں بہترین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اور اپنے خاندان میں فرد ہوتی۔ آہ تمام مقابلوں اور حوصلوں کا ایک آن کی آن میں فیصلہ ہو گیا۔ ؎

موج ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

گذشتہ ستمبر کے وسط۔ رمضان کی اٹھارہویں کو یہ واقعہ ہوا۔ آجتک دل کا زخم ہرا ہے۔ اور اُسکے اندمال کی کوئی اُمید نہیں۔ دل زخم کہنہ

اور آنکھیں ناسور ہیں ۔ زندگی میں مجھے آج تک کوئی ایسا صدمہ نہیں پہنچا تھا ۔ کیا ایسے واقعات ہوتے نہیں آئے ۔ یہ موت نرالی نہیں ۔ مگر خون کے جوش اور دلی تعلق کے قطع نظر اُسکی ستو دہ صفاتی اور خوش اخلاقی ہروقت کلیجہ پر سانپ کی طرح لوٹتی ہے ۔ کیا یہ رونا کچھ کم ہے کہ جس برگشتہ بخت خاندان (تیموریہ خاندان) کے مردوں میں علم کا ایسا کال ہو کہ ابتک صرف ایک بی اے ہوسکے اُس میں سے ایسی شایق علم و ہنر لڑکی ۔ حسن صورت و حسن سیرت کی پتلی یوں بے وقت موت کے حوالے ہو جائے ۔ اگر اُسکی عمر وفا کرتی تو علاوہ ایک پاکیزہ اور تعلیم یافتہ نسل کا اضافہ ہونے کے خاندان بلکہ قوم کو صرف اُسکی مثال سے بہت سے بیش قیمت فائدہ پہونچتے ۔ در حقیقت یہ لڑکی ہمارے سارے گھر اور خصوصًا میری زندگی کا ماحصل اور میری دماغی کوشش کا ایک نمونہ تھی ۔ خیر

	"لو جرا ما جرا علی سیلے ما جرا ما جرا فان جمدا"	

مرحومہ کی مفصل تعلیمی کیفیت لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ شاید تعلیم نسواں پر اس سے کچھ روشنی پڑے ۔ وہ نہ رہی ۔ کاش اُسکی مثال ہی سے قوم کچھ فائدہ لے

دوسری بیچاری تپ کہنہ میں مبتلا ہے ۔ شش خراب ہوگئے ہیں ۔ ڈاکٹری ۔ یونانی ۔ مصری سب علاج ہوئے ۔ اور ہو رہے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں ۔ میری عزیز بہن (مس نذر الباقر صاحبہ) بس اب آپ کو میری پوری حالت کا اندازہ ہو گیا ہوگا ۔ مضمون نگاری کروں ۔ یا قومی ہمدردی ۔ دل ستمزدہ کی استمالت اور سینہ فگار کی مرہم پٹی کروں یا ایک زار و نزار بیمار کی (جو ساتھ ہی بیمار غم بھی ہے) تیمار داری میں مصروف ہوں ۔ مجھے تو

فرصت غم بھی عنایت نہوئی۔ اس سارے سال میں ایک رات یا ایک دن بھی
مجھے ایسا یاد نہیں کہ نیند بھر کر سونا یا بے فکری سے دن گذارنا نصیب ہوا ہو۔ ہر
شام شام غریباں ہے اور ہر صبح صبح نامرادی۔ دن گزرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے
کہ جہاز ہستی نے حوادثات کا ایک پورا سمندر سطے کیا۔ اور رات ختم ہوتی ہے
تو سمجھا جاتا ہے کہ زندگی کی ریل ایک بلا کے پہاڑ سے نکلی۔ الحمد للہ علی کل حال
اخبارات کے دیکھنے کی فرصت اور دل و دماغ کہاں۔ یونیورسٹی کا غلغلہ
زبانوں سے کانوں میں پہنچا۔ دل کو ایک ٹھیس لگی۔ اپنی تو یوں گذر رہی تھی
اور رہی۔ اس سے بہتر اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ صادق و بے ریا
دوست مس حیدری صاحبہ نے کام شروع کرنے کا تہیہ ابتدا سے کر لیا تھا
اپنی لنگڑی اور برائے نام کوشش بھی اُنکے ساتھ شریک کر دی۔ اور خود کیا
کر دی انہوں نے ہی مار کوٹ کر محبت سے ملامت سے ہر طرح کسی قدر درست کیا
اور اپنے ساتھ لپیٹ لیا۔ وہ باوجود چند در چند پریشانیوں یعنی بچوں کی علالت
میں (ایک بچہ تو ایسا بیمار ہے کہ خدا بچائے) سرگردان ہونے کے وصولی
چندہ میں پوری کوشش کر رہی ہیں۔ بس اس عاجزہ ناکارہ کی خدمات بھی انہیں
کے ساتھ شامل سمجھنی چاہئیں۔ بہت سے لوگوں سے تحریک کی ہے۔ حتی المقدور
وہاں تک آواز و استدعا بلکہ اپنے تئیں پہنچایا ہے۔ جہاں تحریک پہنچنی ناممکن
کے قریب تھی۔ بعض جگہہ سے وعدے ہوئے ہیں۔ لیکن نقد ابھی کسی سے وصول
نہیں ہوا۔ خدا نے چاہا تو یہ بھی ہو جائیگا۔ جنابہ موصوفہ کام بالکل باقاعدہ
کر رہی ہیں۔ جسکو یہاں کی لوکل کمیٹی خوب جانتی ہے۔ اور جناب نواب وقار الملک بہادر
بھی اُس سے واقف ہو گئے ہیں۔ حساب کتاب رسیدات و دستخط وغیرہ سب
ٹھکانے سے ہو رہے ہیں جسمیں کسی قسم کی ابتری کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

میں نے اپنا چندہ مس حیدری صاحبہ کی کتاب میں لکھ دیا ہے جو بالاقساط ادا کر رہی ہوں۔

حیدرآباد میں مس حیدری کے علاوہ مس کریم خاں صاحبہ بھی یونیورسٹی کیلئے چندہ جمع کر رہی ہیں۔ ایک جلسہ بھی کیا تھا جسمیں مجھے بھی بلایا تھا۔ مگر میں ایک تو خود علیل تھی دوسرے مریضہ لڑکی کی حالت اُس ہفتہ میں زیادہ نازک ہو گئی تھی اسلئے نہ جا سکی۔ بہرحال اپنا اپنا حق سب ادا کر رہے ہیں۔ خدا سب کی کوشش کو مشکور کرے۔

میری عدیم الفرصتی دارستگی طبیعت اور پریشان حالی کا اندازہ اس سے کیجے کہ آپکا مضمون خاتون میں دیکھتے ہی یہ جواب لکھنا شروع کیا تھا۔ آج ۱۰۔ جون کو ختم کر کے بھیجنے کی نوبت آئی ہے۔

بنت نصیرالدین حیدر

ڈلمؤ کی پوربی زبان

میری معزز بہنوں کو ایسی پرلطف گفتگو سننے کا بہت کم اتفاق ہوا ہوگا جیسی کہ میں ذیل میں بیان کرنیوالی ہوں شاید بہنوں کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ڈلمؤ ایک بہت پرانا قصبہ ہے اسمیں بہت کم آبادی ہے یہ دریائے گنگا پر آباد ہے ملک اودھ اور کمشنری لکھنؤ ضلع رائے بریلی میں ہے یہاں کی گفتگو پوربی زبان میں ہے میں یہاں قریبًا ایک سال سے مقیم ہوں آب و ہوا بمقابلہ اور قصبوں کے کچھ اچھی ہے چونکہ مجھے کبھی ایسی گفتگو سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اسلئے یہ مجھکو عجائب معلوم ہوئیں ہیں اور بے تحاشا ہنسی آتی ہے سنو سنو بہنوں اب میں شروع کرتی ہوں۔ دھوپ کو گھام۔ ہوا کو بردیا۔ زمین کو بھئی سورج غروب کو سورج بوڑگوسے۔ جھاڑو کو بڑہنی۔ گھڑے کو گگرا یا گگری۔ درخت کو چاہے کسی چیز کا ہو بروا۔ گول کدو کو کمڑا۔ مرد کو منسی یا منسوا۔ عورت کو مہریا دلہن کو دُلہین استعمال کرتے ہیں حجام کو ناؤ اور نائین کو نائین۔ بوڑھے کو بڑھوا۔

بڑھیا کو بوڑہا دھاگے کو ٹھرا۔ تارکول کو ڈامر اور ناموں کے آخیر کے حرفوں میں و اڑہا دیتے ہیں مثلاً بدہو کو بُدّہو انصیر کو نصروا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں نے اپنی ماما کو پکارا جو یہاں نوکر رکھ لی گئی ہے۔ میں بڑھیا بڑھیا کا۔ میں بڑھیا کیا تم آدمی سے کو ابن گیئں دیکھو سنو اشراف آدمیوں کے پاس نوکر ہو تو جب ہم تمکو پکارا کریں تو تم جی کہا کرو۔ بڑھیا پر بی بی کا کری ہمری بولی تو ایسن ہے بہت بیدگیئی تہوڑی اور رہی ہے وہ بہی بیدجائی۔ میں تو بڑھیا یہ ضروری بات نہیں ہے کہ بہت سی تو بری گذری اس تہوڑی سی کو برا گزارو۔ بڑھیا ہے۔ بی بی سنے ہم تمری سی بولی بولب تو ہمرے ٹولے والے ہکو ہنسیں اور کہیں ہلے اب تو سراجن فارسی بولت ہے۔ میں تو بڑھیا ٹولے والوں سے بہت ڈرتی ہو۔ بڑھیا ہائے بپیا کا ہے نہیں

۲/۱ قمہ

مسسز امجد علی شاہ تحصیلدار ڈلمؤ۔

”مناجات بدرگاہ رب الحاجات“

اے خدا اے جہان کے مالک
اے خدا اے زمین کے مالک
اے خدا اے امیر کے آقا
دونوں عالم میں ہے ظہور ترا
ہے ہر اک باغ میں لہک تری
منہ پہ بلبل کے ہے کلام ترا
عام پر تیرا فیض جاری ہے
وہ جو پتھر میں ایک کیڑا ہے

عرش اور لامکان کے مالک
اے مکاں اور مکین کے مالک
اے خدا اے فقیر کے آقا
ہر جگہہ دیکھتے ہیں نور ترا
اور ہر اک گل میں ہے مہک تری
اور قمری کے لب پہ نام ترا
سب پہ بخشش تری نیاری ہے
تو اُسے بھی تو رزق دیتا ہے

سب کا مالک ہے سب کا داتا ہے — تجھ سے جو مانگتا ہے پاتا ہے
تو ہی دونوں جہاں کا والی ہے — تیری رحمت کی شان عالی ہے
لا دوا درد کا ہے درماں تو — مشکلیں کرنے والا آساں تو
تو شکستہ دلوں کا پرساں ہے — تو ہی راحت کا اپنی ساماں ہے
نوح کا ناخدا خدا تو تھا — اور آفت میں رہنما تو تھا
نار میں تو خلیل کا والی — چہ میں یوسف کا تو ہی رکھوالی
تیرے شیدا ہیں سالک و مجذوب — میکدے والوں کو ہے تو مرغوب
تیرے عاشق ہیں معرفت والے — ہیں غرض سب ہی تیرے متوالے
اپنے پیارے نبی کے صدقہ میں — اپنے نیارے نبی کے صدقہ میں
ہو کرم بیکسوں غریبوں پر — کر عنایت الم نصیبوں پر
دور کر دل سے کلفت دنیا — نہیں منظور الفت دنیا
اپنے محبوب کی محبت دے — دوے کھو دے شراب وحدت دے
جس کی جو آرزو ہو پوری کر — دُر مقصد سے سب کا دامن بھر
ہم سیہ کار تیرے بندے ہیں — ہیں گنہگار تیرے بندے ہیں
حشر کے دن نجات کر دیجو — بالا بندوں کی بات کر دیجو
یا خدا صدقہ احمدؐ مخدوم — یا خدا صدقہ سید معصوم
دن قیامت کے مغفرت کیجو — اور کسی کو ملول مت کیجو
سب کی پوری مراد ہو آمین — اور معقول داد ہو آمین

میرے مولا مری دُعا ہو قبول
مسز افسر کا مدعا ہو حصول

مسز افسر میرٹھی

اڈیٹوریل

یہ مژدہ جانفزا غالباً بہت مسرت کے ساتھ سُنا جائیگا کہ آنریبل نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی سابق ممبر انڈیا کونسل کی فخر قوم صاحبزادی طیبہ بیگم بلگرامی مسیز خدیو جنگ نے اس سال مدراس یونیورسٹی کے امتحان انٹرمیڈیٹ میں بڑی سرخ روئی کے ساتھ اول درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ اور یونیورسٹیوں کا حال تو معلوم نہیں مگر مدراس یونیورسٹی کو پہلی مرتبہ یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے ایک مسلمان خاتون کو انڈر گریجویٹ بنایا۔ ہندوستان کے مسلمان اس خوشخبری پر جہانتک خوشی منائیں بجا ہے۔ وہ لوگ جو اعلیٰ تعلیم کو فرایض خانہ داری اور فرایض خانہ داری کو اعلیٰ تعلیم کا مخل سمجھتے ہیں اور محض اسی بناء پر تعلیم نسواں جیسی مفید ملک و ملت چیز کے مخالف ہیں مسیز خدیو جنگ کی اس مثال سے اُمید ہے کہ سبق حاصل کرینگے۔

روئداد ابتدائے زنانہ سنٹرل کمیٹی متعلق فراہمی چندہ یونیورسٹی

جبسے یونیورسٹی کے لئے فراہمی چندہ کی تحریک شروع ہوئی ہے مختلف مقامات پر مختلف طور پر بیبیاں بھی چندہ جمع کرنیکی فکر میں ہیں۔ اور چندہ جمع کر رہی ہیں۔ بالخصوص ہماری معزز بہن بنت نذر الباقر صاحبہ تو بڑے جوش سے اس کام میں مشغول ہیں اور انہوں نے نہ صرف اپنے شہر میں بلکہ دیگر مقامات میں بھی اسکی تحریک کی ہے۔ اسی طور سے مسیز مسعود الحسن صاحبہ بھی مراد آباد میں کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی حالت کو دیکھکر علیگڑھ میں بعض خاتونوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جیسے علیگڑھ میں مردوں کی ایک سنٹرل کمیٹی قایم ہوئی ہے اُسی طور پر بیبیوں کی بھی ایک کمیٹی قایم ہو جائے تو باقاعدہ طور پر تمام ہندوستان میں فراہمی چندہ کے متعلق کوشش میں آسانی ہوگی۔ خیال کو عملی صورت میں لانیکے لئے ۱۸ جولائی ۱۹۱۱ء کو بوقت چھ بجے شام محمود بیگم صاحبہ کی کوٹھی پر ایک ابتدائی جلسہ منعقد ہوا جسمیں چیدہ چیدہ خاتونوں کو مدعو کیا گیا چنانچہ وقت مقررہ پر جن بیبیوں کو مدعو کیا گیا تھا اُن میں سے ۱۵ بیبیاں تشریف لائیں

اور بصدارت محمود بیگم صاحبہ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اس ابتدائی جلسہ میں حسب ذیل رزولیوشن پاس ہوئے۔

نمبر ۱ - یہ جلسہ علیگڑھ میں ایک زنانہ سنٹرل کمیٹی بتکمیل یونیورسٹی کا قایم ہونا ضروری خیال کرتا ہے

نمبر ۲ - زنانہ سنٹرل کمیٹی علی گڑھ کے حسب ذیل عہدہ داران قرار پائے۔ محمود بیگم صاحبہ پریسیڈنٹ بیگمصاحبہ نواب وقارالملک بہادر وائس پریسیڈنٹ و والدہ صاحبہ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب وبیگم صاحبہ حاجی مصطفےٰ خانصاحب۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی قرار پایا کہ مختلف صوبے اور شہروں کے سربرآوردہ متعدد اور خاتونوں سے خواہش کی جائے کہ وہ بھی وائس پریسیڈنٹی کا عہدہ قبول فرمائیں۔ جنکی فہرست آیندہ شایع کی جائیگی۔ عبداللہ بیگمصاحبہ سکرٹری مقرر ہوئیں۔ اور بنت حاجی موسیٰ خاں صاحب و نور بیگم صاحبہ جائنٹ سکرٹری قرار پائیں۔ اور یہ قرار پایا کہ حاضرین جلسہ کی جتنی بیبیاں ہیں وہ اس کمیٹی کی ممبر ہوں۔ اور ضلع علیگڑھ اور علی گڑھ شہر کی اور دیگر مقامات کی اور بیبیوں سے بھی خواہش کی جائے کہ وہ ممبری قبول کریں۔

نمبر ۳ - قرار پایا کہ ہر ایک صوبہ میں ایک ایک بی بی جنرل سکرٹری مقرر کی جائیں جو اپنے صوبہ میں لوکل کمیٹی قایم کرکے فراہمی چندہ کی کوشش کریں اور بنت نذر الباقر صاحبہ سے خواہش کیجائے وہ صوبہ پنجاب کے لئے جنرل سکرٹری کا عہدہ قبول فرمائیں۔ اور نیز ہماری سنٹرل کمیٹی کی وائس پریسیڈنٹی کا عہدہ قبول کریں۔

نمبر ۴ - قرار پایا کہ ایک اپیل بہت جلد تیار کرکے سنٹرل کمیٹی کی طرف سے شایع کی جائے۔

نمبر ۵ - قرار پایا کہ جس قدر چندہ اسوقت تک بیبیوں کی طرف سے ہو چکا ہو یا آیندہ ہو وہ سب زنانہ چندہ میں علحدہ دکھایا جائے اور سنٹرل کمیٹی انکی ایک فہرست مرتب

کرکے وقتاً فوقتاً شایع کرے۔

نمبر ۶ قرار پایا کہ جس قدر روپیہ سنٹرل کمیٹی کے عہدہ داروں کو یا لوکل کمیٹی کے عہدہ داروں کو وصول ہو وہ ایم اے او کالج کے رجسٹرار صاحب کے پاس بھیجا جائے

نمبر ۷ قرار پایا کہ علیگڈہ میں بہت جلد ایک زنانہ بڑا جلسہ منعقد کیا جاوے او طبقہ نسواں کے عام و خاص میں فراہمی چندہ کے جو کچھ بہترین طریقے ہوں وہ کام میں لائے جاویں۔

نمبر ۸ قرار پایا کہ آیندہ کی کارروائی کی سہولیت کے لئے ایک پریسیڈنٹ سکرٹری۔ بیگمصاحبہ حاجی مصطفےٰ خانصاحب وائس پریسیڈنٹ بیگمصاحبہ نواب وقارالملک بہادر وائس پریسیڈنٹ اور بیگم صاحبہ حاجی موسیٰ خانصاحب اور سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور بیگم صاحبہ آفتاب احمد خاں صاحب فی الحال سنٹرل کمیٹی کی انتظامی کمیٹی سمجھی جاویگی جلسہ میں قریب ایک ہزار روپیہ کے چندہ کا اعلان ہوا۔ جس کی فہرست آیندہ شایع کی جائے گی۔

پریسیڈنٹ صاحبہ کے شکریہ کے ساتھ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا

خاکسار

سکرٹری

تحفظ حقوق نسواں ۔ اخبار البشیر اٹاوہ اپنی ۱۱ رجولائی کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ شیخ عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے جنکو مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور انکی بہبودی کا خاص خیال ہے اور جن کی زندگی کا مقصد یہ ہو کہ مسلمان مستورات کی حالت زیادہ بہتر اور زیادہ عمدہ ہو جائے اور جن مصائب میں بہت سی شریف مستورات مبتلا ہیں ان سے اُن کو نجات ملے ایک مسودہ کابین نامہ کا تیار کرکے بھیجا ہے اور اور انھوں نے پرائیوٹ خط میں ہمکو لکھا ہو کہ اس مسئلہ میں پورے طور سے بحث ہو کر

مسلمانوں کی تمام شریف برادریوں میں اس قسم کے کابین نامہ کی تحریر کو رواج دیا جائے۔ انکی یہ رائے ہے کہ اس قسم کے کابین نامہ کا رجسٹری ہونا اور کاغذ پر اس کا تحریر کیا جانا ضروری ہے بہرحال انہوں نے جو مسودہ تیار کرکے ہمکو بھیجا ہے ہم اسکو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

...... منکہ ...... ابن ...... قوم ...... ساکن ...... کا ہوں جو کہ آج کی تاریخ مسماۃ ...... بنت ...... کو بعوض مہر معجل یعنی عندالطلب تعدادی مبلغ ...... کہ نصف جسکے مبلغ ...... کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور حسب ذیل شرائط قبول و منظور کرکے اقرارنامہ بحق مسماۃ ...... تحریر و تکمیل کرکے حوالہ مسماۃ کے کرتا ہوں۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱) بہ پابندی مذہب اسلام و از روئے رواج عام برادری کے مسماۃ مذکورہ کے ساتھ بحسن سلوک پیش آؤنگا اور اسکے نان و نفقہ و دیگر ضروریات وجبی کا کفیل رہونگا۔ اور اسکے جملہ حقوق شرعی و قانونی کو ادا کرتا رہونگا۔

(۲) اگر شرط نمبر ۱ میں سے کوئی شرط پوری نہ کروں یا مسماۃ مذکورہ کو اذیت روحانی یا جسمانی پہنچاؤں یا مسماۃ مذکورہ کا کوئی حق جو بروئے قانون یا شرع اسلام کے اسکو حاصل ہے زائل کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ وہ بہ چارہ جوئی عدالت بہ ذریعہ حکم امتناعی یا ڈگری کے مجھکو اپنے حقوق کے زائل کرنے سے روکے یا اپنا کوئی خاص حق میرے مقابل میں قایم کرائے۔ یا بذریعہ ڈگری کے مقابل میرے نصف آمدنی یا تنخواہ کے اپنا حق نان و نفقہ قایم کرائے یا بذریعہ ڈگری کے علحدہ سکونت کا استحقاق قایم کرائے۔

(۳) باہمی رضامندی سے مجھکو اور میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ جسقدر آمدنی کل یا جز اسکو دوں خوشی سے منظور کرے مگر بحالت کشیدگی تعلقات کے مسماۃ کو ہر حالت میں میری

نصف آمدنی یا تنخواہ مجسے وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) اگر مساۃ مذکورہ میرے مقابل میں واسطے اپنے نان ونفقہ یا کسی اور امر کی چارہ جوئی کرے توجمکو تاقیام نکاح یہ اختیار نہوگا کہ میں کوئی جھوٹی جوابدہی کرکے مساۃ مذکو پر جھوٹا الزام لگاکر اسکے دعوے نان ونفقہ یا دیگر دعادی سے بریت حاصل کروں۔

(۵) جمکو تاقیام نکاح اختیار نہ ہوگا کہ میں بلا ان خاص ضرورتوں کے جنکو شرع نے جائز رکھا ہے اور بلا استطاعت اس باتکے کہ میں اپنی متعدد بیبوں سے عدل کے ساتھ پیش آسکوں دوسرا نکاح کروں۔ اور اگر کسی حالت میں دوسرا نکاح کروں توجمکو واجب ہوگا کہ قبل نکاح کے مساۃ مذکورہ کو مہر معجل مذکورہ بالا دامے درمے ادا کردوں اور آیندہ اسکے نان ونفقہ و دیگر ضروریات کا کافی اطمینان کردوں۔

(۶) کوئی اقرار من جانب مساۃ بابت ادائے مہر یا معافی قانوناً جائز نہ ہوگا جبتک کوئی تحریر معقدمہ رجسٹری مساۃ مذکور کی نہ پیش ہو۔ اور اس تحریر پر مساۃ کے قریبی رشتہ داروں مثلاً باپ۔ بھائی۔ چچا۔ ماموں وغیرہ کی گواہی نہ ہو۔

(۷) مساۃ کی کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ جو اسوقت مساۃ مذکورہ کے قبضہ میں ہے یا آیندہ بعد شادی اسکو بذریعہ وراثت یا اور طریقہ سے ملجائے جمکو اختیار نہ ہوگا کہ میں اس جائداد کو تلف کروں۔ اور اگر مساۃ مذکورہ اپنی خوشی سے کوئی جائداد میرے حق میں فروخت کرے یا میرے کسی وارث کے حق میں فروخت کرے تو دستاویز بیعنامہ یا انتقال نامہ پر بھی رشتہ داران مذکورہ بالا کی گواہی لازمی ہوگی۔

ریویو

مشورہ - یہ ایک اُردو کا ماہواری رسالہ ہے جو جبلپور سے زیر اڈیٹری سید یعقوب الحسن صاحب حسن شائع ہوتا ہے کراؤن سائز کی تقطیع پر کم وبیش پچاس صفحہ کا ہر مہینے میں ہوتا ہے۔

لڑکیاں اور انگریزی تعلیم

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

انقلاب زمانہ بھی ایک عجیب چیز ہے۔ سدا ہر چیز ایک حالت میں نہیں رہتی۔ بلندی و پستی کمال و زوال ہر شے کے لئے لازم و ملزوم ہے انسان کے خیالات بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ رائے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے جس بات کو ہم ایک روز اچھا تصور کرتے ہیں دوسرے روز معلوم ہوتا ہے کہ غلطی پر تھے لیکن جب چند لوگ غور و خوض کو کام میں لاتے ہیں عقل سلیم سے مشورہ لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی و تعصب کو سات سلام کہتے ہیں تو وہی چیز جسکے مفاد و مقاصد سے نا آشنا ہو کر لوگ باہمی مخالفت

کرتے تھے اب مفید ثابت ہوتی ہے - ابھی ایک چوتھائی صدی سے زائد بھی نہیں گذری کہ لوگوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا تغیر پیدا ہوا جب سے سلطنت مغلیہ کی صبح اقبال شام ادبار سے مبدل ہوئی اور دولت انگلشیہ کا آفتاب عالمتاب خاور ہندوستان پر درخشاں ہوا اُسیوقت سے ہندوستان کی زبان پر عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا - فارسی کا تو یہ زور تھا کہ مراسلات شاہی میں رائج الوقت تھی عربی بھی ایسی ضروری سمجھی جاتی تھی جیسے دال میں نمک کہاں اب وہ وقت ہی کہ لوگ اس کہاوت کے مصداق ہیں "نہ عربی نہ فارسی میاں جی بنارسی" فارسی نے ساتھ چھوڑا عربی نے مُنہ موڑا - ایک بیچاری اُردو ہی تھی چونکہ یہ نیک نہاد صلح کل آشتی جو ہے یہ زمانہ کی کشمکش سے نہ گھبرائی اور جد و جہد کو ہاتھ سے جانے نہ دیا چونکہ ہمہ گیری کے صفت سے متصف ہی اسلئے انگریزی کے نوزاد شیر خوار بچہ کو اپنے آغوش شفقت میں لے لینے کے لئے مستعد ہوئی یہی وجہ ہے کہ اُردو میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں جیسے ریل - سٹیشن - رجسٹری اپیل - ڈسمس - سکول - ماسٹر وغیرہ وغیرہ - رفتہ رفتہ اس بچہ نے اس قدر نشو و نما پائی کہ اسکا عالم شباب آیا اسکے حسن روز افزوں پر لوگ اسقدر والہ و شیفتہ ہوئے کہ اوسکے حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا نتیجہ اُسکا یہ ہوا کہ فارسی کو جواب ملا اور تمام سرکاری دفاتر میں انگریزی کو جگہہ دی گئی - اب کیا تھا اسکے گرویدگان کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا اور سب سے پہلے بنگالیوں نے اپنا قدم جمایا - انکی دیکھا دیکھی دوسری اقوام نے بھی جد و جہد شروع کی سب سے پیچھے جو قوم اس میدان کے سیر کی مشتاق ہوئی وہ مسلمانان کی

تھی انکے پسنڈی ہونے کی کئی وجہیں ہیں اول خلقت تو مسلمان فطرتی طور پر ایسی واقع ہوئی ہیں اور اپنر ایسا ادبار چھایا ہوا ہے کہ جمہور حصہ خواب غفلت میں پڑا رہتا ہے انکو دنیا ومافیہا کی خبر بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ از خود معلومات وتحقیقات میں اضافہ کرنا۔ دویم اگر کوئی بندہ خدا کسی اچھے اور کارآمد کام کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کرتا ہے تو یہ ذات شریف ایسے گنوں کے پورے ہیں کہ بجاے اسکے کہ اُسکی تجویز پر عملدرآمد کریں اور متمتع ہوں اوسکی انگشت نمائی اور بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ تمثیل کے لئے سر سید کی مثال اظہر من الشمس ہے۔ سر سید مرحوم نے جب زمانہ کا رنگ بدلتا دیکھا وہ فوراً اس مسلہ پر کاربند ہوے اگر زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز اور یہ بات لوگوں کو سمجھانے لگے کہ جب تک مسلمان انگریزی کی تعلیم نہیں حاصل کرینگے وہ ترقی کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے اُنکو اپنی تحریک کو عملی صورت میں لانے میں اور مدرسۃ العلوم علیگڈہ کو قایم کرنے میں جو جو مصیبتیں اُٹھانی پڑیں وہ سب پر عیاں ہیں لیکن تمام ساعی جمیلہ کی داد اونہیں کیا ملتی تھی یہ بھی لوگوں پر ہویدا ہے کوئی اونہیں کافر کے لقب سے ملقب کرتا تھا کوئی نیچریہ کہتا تھا کوئی دہریہ و مرتد کہکے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا تھا ہمیں ان انقلاب سے کوئی بحث نہیں ہے اسلئے کہ انکا تعلق صرف ذات واحد سے وابستہ ہے لیکن ہمیں شکایت ہے تو اس بات کی کہ بعض بزرگان قوم خدا اُنہیں بخشے اپنی بڑہیں آگر اس حد تک تجاوز کر گئے کہ اونہوں نے علیگڈہ کے تعلیم یافتوں پر بھی کفر و الحاد کا بدنما دہبہ لگانے سے دریغ نہیں کیا۔

سوم ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں کیا تمام دنیا میں مسلمانونکی

قوم سب سے مفلس ہے لیکن تحصیل علوم وفنون کے لئے محض افلاس کا بہانہ کرنا انگریزی مثل کے موافق عذر لنگ پیش کرنا اور فارسی کی دیرینہ ضرب المثل کا جھٹلانا ہے۔ ؎

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست

الحمد للہ کہ اب وہ زمانہ نہ گیا جب لوگ بچوں کو انگریزی پڑھانا معیوب سمجھتے تھے جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ ہر سال سیکڑوں مسلمان گریجوایٹ تمام ہندوستان سے نکلتے ہیں اور قریب قریب کوئی گھر ایسا نہیں جہانکہ دو چار انگریزی خواں نہ نکلیں لیکن اب بھی اعلیٰ تعلیم یافتوں کی بیحد کمی ہے گورنمنٹ سے جب استدعا کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اُنکی تعداد کی نسبت سے جگہہ دیجائے تو اُسپر یہی جواب ملتا ہے کہ تمہارے ہاں تعلیم یافتونکی قلت ہی جگہیں نالائقوں سے نہیں بھری جاسکتیں۔ حقیقتاً بات یہی ہے اور ہمیں اپنا سامُنہ لیکر رہ جانا پڑتا ہے لیکن اللہ کا ہزار ہزار شکر ہی کہ بانیان کالج علیگڈھ نے اپنی بیدار مغزی اور بلند حوصلگی سے کام لیکر ہر صوبہ میں بہت بڑی کمی کو پوری کیا ہی اور کر رہے ہیں (ہماری یہی دعا ہی کہ خدا اونکی محنت کا ثمرہ دے آمین) لیکن یہ کمی جس تیزی و سرعت سے کہ ہمیں ضرورت ہی پوری نہیں ہوتی اور اُسکی خاص وجہ یہ ہے کہ ابھی تک صرف لڑکوں کی تعلیم کا لحاظ کیا گیا ہے اور لڑکیاں نظر انداز کی گئیں۔ انگریزی کے ایک قول کا مفہوم یہ ہی کہ لڑکے ہی سے انسان بڑا آدمی ہوتا ہے اوسی طرح یہ بھی صادق ہی کہ لڑکیوں سے مائیں ہوتی ہیں۔ پس جب مائیں ناقابل ہوں گی تو اُنکے لڑکوں کو کسی کمال کے حصول میں کتنی دشواریاں سدراہ ہوں گی۔ یہ بات ہر ملک میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً پایہ تسلیم کو

پہونچ چکی ہے اور انگریزی مشہور مصنف اسما، ملز نے ہر جگہہ ثابت کیا ہے کہ
دنیا میں جتنے صاحب کمال لوگ ہو گذرے ہیں اُنکی مائیں بھی ضرور باکمال
تھیں۔ اگر آپ بابا فرید الدین شکر گنج کی مشہور روایت صحیح تصور کرتے ہیں
تو ظاہر ہے کہ بابا فرید کی ماں باکمال تھیں اسلئے بیٹے کو بھی جو کچھ نصیب ہوا
وہ ماں کی بدولت۔ دور کیوں جائیے اور اقالیم دیگر کی ٹھوکریں کیوں
کھائیے نزدیک بنگالیوں ہی کو دیکھہ لیجئے کہ انہوں نے تعلیم میں کتنی ترقی
کی ہے۔ عموماً انکے ہاں کے لڑکے سولہ برس کے بھی نہیں ہونے پاتے
کہ مٹریکولیشن پاس کر لیتے ہیں۔ یہ اس قدر تیزی کے ساتھ طے منازل
و قطع مراحل کرتے ہوئے انٹرنس تک تیرہ چودہ برس کی چھوٹی عمر میں
پہونچتے تھے کہ گورنمنٹ کو مجبوراً سولہ سال کی قید داخلہ امتحان کے لئے
لگانی پڑی برخلاف اسکے مسلمانوں کی اوسط عمر ایسے امتحانوں میں ہم تخمیناً
بیس برس کی پاتے ہیں جس میں زیادہ ایسے ہیں کہ اپنی اصلی عمر سے دو تین
برس کم لکھاتے ہیں۔ عقلا و فضلا نے جب خوض و تعمق سے کام لیا او نہوں نے
بالاتفاق یہ نتیجہ نکالا کہ صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور صغر سنی میں
لڑکوں کا بہت بڑا اور بیش بہا حصہ عمر ماؤں کے ظل عاطفت میں صرف
ہوتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اُنکے دل و دماغ آئینہ وار ہوتے
ہیں کہ جسطرح کا عکس اونمیں ڈالا جائے فوراً قبول کر لیتے ہیں چونکہ بنگالی
عورتیں انگریزی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اسلئے وہ اپنے بچوں کی تعلیم چار ہی
پانچ برس کی عمر سے شروع کر دیتی ہیں طریقہ تعلیم اونکا ایسا دلکش ہوتا ہے
کہ بچوں کے لئے کھیل کا کھیل اور تعلیم کی تعلیم۔ کبھی اونہوں نے روپئے پیسوں
سے گنتی گنوائی کبھی کتے بلی کی تصویر دکھا کر اونکو اُنکی انگریزی بتائی۔

پیار ہی پیار میں بچوں کے تمام اعضا پر ہاتھ رکھکر اونکو انگریزی نام یاد کرلیتے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایسے بچے اپنی ماؤں سے برس ہی دو برس میں وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جنہیں اوستاد تین چار برس میں بھی نہیں دیسکتا اوستادوں کو بچوں کی اوائل عمر میں تعلیم و تربیت میں بڑی دشواریونکا سامنا کرنا پڑتا ہے اول تو بچے بوجہ کم فہمی میاں جی سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے چوہا بلاؤسے یا افیونی ناؤسے۔ بھلائے پھسلائے مٹھائی کے لالچ سے پڑہنے بیٹھے جب تک مولوی صاحب نے تنبیہ نہیں کی اُسوقت تک تو خیر صلاح ہے لیکن جہاں ذرا آنکھہ دکھائی بس فوراً شامت آئی یہ جا وہ جا غائب غلا پانی کا بلا۔ سیکڑوں کنوئیں جھنکوائے تب بھی اُنکا پتہ نہ پائے۔ جہاں مکتب کا وقت قریب آیا میاں صاحبزادے کو سوہضم کا بہانہ یاد آیا۔ برخلاف اسکے ماؤں کی تعلیم میں ایسی باتیں کوسوں دور قدرتاً بچوں کی خلقت ایسی ہے کہ اگر کسی وقت ماں جھڑک دیتی ہے یا مار بیٹھتی ہے تو بھی بجائے اسکے کہ وہ کسی اور کے پاس جائیں اُسی ماں ہی سے فریادرس ہوتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ لڑکوں کی تعلیم کے لئے لڑکیوں کی تعلیم ویسی ہی اشد ضروری ہے جیسا کہ مریض کے لئے طبیب حاذق کی تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانان اپنے حسب معمول خواب غفلت میں پڑے رہیں اور تعلیم نسواں کے ایسے اہم مسلہ پر غور نہ کریں چونکہ قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے اسلئے مسلمان اگر من حیث القوم چاہتے ہیں کہ ایام ترقی پر جلوہ افروز نظر آئیں تو ہر فرد کو چاہیئے کہ اپنے گھر میں عورتوں کو تعلیم دے خدا کا شکر ہے کہ شریف گھرانوں میں زیادہ تر عورتیں اُردو فارسی لکھی پڑھی ہوئی ہیں اسوقت سب سے زیادہ ضرورت

اونکو انگریزی تعلیم دینے کی ہے۔ کہاں۔ کس قدر۔ اور کس پیمانہ پر تعلیم دی جائے میں اپنے لایق بزرگونپر چھوڑتا ہوں۔

انگریزی تعلیم عورتوں کے حق میں کس قدر مفید ثابت ہوگی اور آیندہ اونپر کیسا اثر پڑیگا محتاج بیان نہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں عام طور پر میاں بیوی کے تعلقات ناگفتہ بہ ہیں۔ میاں کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہو اپنی بیوی کی بوجہ اسکے کہ وہ آیا بالکل یا خاطرخواہ پڑھی لکھی نہیں ہے اس سے زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ وہ بچہ پیدا کرنے والی ایک مشین ہے یا چلتی پھرتی ذی روح کٹ پتلی ہے جس کی تخلیق محض امورات خانہ داری کو انجام دینے کے لئے کیگئی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسکی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر جب وہ تھکا ماندہ گھر واپس آتا ہی تو کھانے پینے کے بعد اگر بولنے بات کرنے کو جی چاہا تو بیچارہ افسردہ دلی کے ساتھ معلوم کرتا ہے کہ بیوی صاحبہ کے پاس گفتگو کے لئے سوائے اسکے اور کوئی مضمون نہیں کہ ساس نے مجھے یوں سخت و سُست کہا نند نے اس طرح طعنہ مارا۔ اب میرا ایسے گھر میں گذارا نہیں۔ اگر مجھے چاہتے ہو تو جس طرح بنے میکے میں پہونچا دو اگر اتفاق سے ایسا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا تو دوسرا قصہ لے بیٹھیں آج گیہوں ختم ہوگیا کل کیلئے دال وچاول نہیں ہے لکڑی جو خریدی گئی نہایت گیلی اور موٹی ہے ماما نگوڑی کا پھونکتے پھونکتے دم گھٹتا ہی۔ اگر بالفرض نون تیل لکڑی کے قضیہ سے بھی نجات ملی تو فرمایش ہوئی کہ کان کی بالیاں گھس گئی ہیں اس میں اور سونا پڑنا چاہیئے بہن کی شادی میں میں نے فلاں بی بی کا جو جھومر دیکھا نہایت خوشنما تھا میرے

لئے بھی ایسا ہی بننا چاہیئے۔ جو ہے دتی انتخاب ہو ہزاروں میں لاجواب ہو
غرض کہ اسیطرح کے واقعات مابین درپیش رہا کرتے ہیں جس سے بیچارہ
شوہر اس قدر اُکتا جاتا ہے کہ ہمیشہ باہر کا رہنا اختیار کرتا ہے اگر گھر میں بالفرض
کسی وقت آیا بھی تو بضرورت اور تھوڑی دیر کے لئے برخلاف اس کے
انگریزوں میں کیا تمام یورپ کے مہذب قوموں میں میاں بیوی اس قدر
شیر و شکر رہتے ہیں کہ صل و جل۔ اسکی کیا وجہ ہے محض یہ کہ اُنکی عورتیں ایسے
زیور سے آراستہ ہیں کہ وہ مردوں کی ہمنشینی کے قابل ہیں اور اپنی
حسن و لیاقت سے اپنے مردوں کی فرایض منصبی میں ہاتھ بٹاتی ہیں انگلستان
میں تو عورتوں نے اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ گورنمنٹ سے اپنے حقوق
نیابت کی خواستگار ہیں۔ ہمارے یہاں فرقہ اناث کو ناقص العقل کے
خطاب سے ملقب کیا جاتا ہے لیکن یورپ میں وہ نہایت زود فہم ذکی
اور دانشمند سمجھا جاتا ہے۔ کتنے بڑے تاسف کا مقام ہے کہ ایک گروہ ایک ہی
خدا کی خلقت کہیں وہ زیور علم سے آراستہ ہو کر زمرہ اناثان میں شامل ہوتا
ہے اور کہیں وہی علوم و فنون سے عاری ہو کر ناقص العقلی کا دھبہ اپنے سر
لگاتا ہے۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ بزرگان قوم کی توجہ جب اس طرف مبذول
کرائی جاتی ہے تو بعض اونمیں سے ایسے لکیر کے فقیر ہوتے ہیں کہ بلا سوچے
سمجھے کہہ اوٹھتے ہیں کہ کیا ہمیں لڑکیوں کو پڑھا کر کچہری دربار میں بھیجنا ہے۔
یہ صحیح ہے کہ کچہری دربار میں لڑکیوں کو بھیجنا مقصود نہیں ہے لیکن
اس میں بھی کلام نہیں کہ وہاں کے کام آئے دن اٹکے رہتے ہیں کبھی
رجسٹری کے محکمہ کے لئے دستخط کی ضرورت ہوتی ہے کبھی مختار عام کی کاغذات
جانچنے ہوتے ہیں جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی معلوم ہو جاتا ہے

انگریزی دانی کی ضرورت سب سے زیادہ ارسال خطوط میں محسوس ہوتی ہے دور و دراز مقامات جیسے کہ انگلستان جہاں کہ اکثر لوگ بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں یا ہندوستان ہی میں بنگال و مدراس و بمبئی میں چند ایسے مقامات ہیں کہ انگریزی میں پتہ لکھکر بھیجا جائے تو منزل مقصود کو پہونچ جاتا ہے ورنہ کتنا ہی نستعلیق کیوں نہ لکھا جائے لیکن اسکے پہونچنے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ریل کے سفر میں بھی ایسی ہی ضرورت آن پڑتی ہے۔ ریل کے آمد و رفت کے اوقات بذریعۂ ٹائم ٹیبل جو کہ عام طور پر زبان انگریزی ہی میں شایع ہوتی ہیں بخوبی معلوم ہوسکتے ہیں۔ زنانہ ڈبہ بھی ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں جیسا کہ ان دنوں بروقت شادی یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ لڑکی سینے پرونے کھانا پکانے کے علاوہ کچھ اُردو لکھنا پڑھنا بھی جانتی ہیں یا نہیں اوسیطرح اب بہت جلد ایسا دن آنے والا ہے کہ جب یہ دریافت کیا جائے گا کہ لڑکی اچھی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ قاصر ہوئی تو اوسمیں اتنا ہی بڑا عیب سمجھا جائیگا جیسا کہ کسی کانی کتری لنگڑی لولی لڑکی میں۔ ایسی حالت میں ہر والدین کا فرض ہے کہ وہ لڑکیوں کی بہبودی مدنظر رکھکر انگریزی کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کریں۔

	من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم تو خواہی از سخنم پند گیر خواہ ملال	

اظہرالدین بی اے (علیگ)

نصاب تعلیم نسواں

نصاب کا مسئلہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جسپر قوم کی آیندہ تمام ترقی کا دارو مدار ہے۔ اور اس اہم مسئلہ کا طے کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو ملک کے لائق ترین لوگ اور روشن خیال اور فن تعلیم میں ماہر ہیں ہم عام رایوں کو بھی رسالہ میں درج کرنا اسلئے مناسب سمجھتے ہیں کہ پبلک کا رجحان طبع معلوم ہو۔ چنانچہ نصاب کے متعلق ہمارے دوست قیصر نے جو رسالہ احجاب بھوپال کے اڈیٹر ہیں اور ایک گونہ انکو تعلیم نسواں سے دلچسپی ہے مندرجۂ ذیل مضمون ہمارے پاس بھیجا ہے اور آیندہ اور بھی اسکے متعلق وہ لکھنے کا وعدہ کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ تعلیم نسواں اور خاصکر مسئلہ نصاب سے دلچسپی رکھنے والے احباب اسکو غور سے دیکھینگے

اڈیٹر

نصاب تعلیم

یہ بات تو جاہل آدمی تک مان گئے۔ کہ عورتوں کو تعلیم دینا چاہیئے اور ضرور دینا چاہیئے۔ ان بزرگوں کے قدم دھو دھو کر پینا چاہیئے۔ جنہوں نے اس پُرانی یاد کو پھر تازہ کیا۔ مگر سب سے پیچیدہ اور مشکل سوال یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے نصاب تعلیم کیا رکھا جائے۔ گو بعض لوگوں کے نزدیک یہ مسئلہ حل شدہ ہے مگر اپنا خیال ہے کہ ابھی اسپر اچھی طرح روشنی ہی نہیں ڈالی گئی۔

عورتوں میں تعلیم کی روح پھونکتے تو زمانہ گزر گیا۔ مگر اسوقت تک یہ نہیں ہوا کہ مسلمان خواتین کے لئے نصاب مقرر کیا جاتا یا تعلیم کو پھیلاتے وقت نصاب کی طرف بھی توجہ کی جاتی۔ تاکہ جس وقت عورتوں مردوں کو ایسی تعلیم کا

احساس ہو جاتا - تو اُن کے سامنے مکمل کورس رکھا ہوتا - یہی خرابی ہے کہ
ہندوستان میں جہاں جہاں زنانہ مدارس ہیں - اونہوں نے بطور خود ادہر
اودہر کی کتابیں جمع کر کے اپنے مدرسہ کا نصاب مقرر کر دیا ہے - بعض مدارس میں
اسمٰعیل ریڈریں پڑہائی جاتی ہیں - بعض جگہ منشی نول کشور کے یہاں کی مرتبہ
ریڈریں درس میں ہیں - اکثر جگہہ مسز خاموش صاحبہ کی مصنفہ کتابیں زیر سبق ہیں
نصاب تعلیم میں دو چیزیں قابل غور ہیں -

(۱) زبان

(۲) مضمون

یہ دیکھا جائے کہ ہندوستانی آبادی اور خاصکر مسلمانوں کی آبادی
کس زبان کو اپنی ملکی اور مادری زبان جانتی ہے - اور اون کا مذاق سلیم
کس زبان کی طرف زیادہ ہے - جہاں تک میرا خیال ہے اُردو زبان بقول
ہندو بھائیوں کے مسلمانوں کی زبان ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں -

نصاب تعلیم جہاں مقرر ہو وہاں کی مادری زبان میں رکھا جائے - اسمیں
بہت سے فائدے ہیں اوّل تو یہ کہ اوس زبان کی وسعت ہوتی ہے - روز بروز
اوس میں ترقی ہوتی ہے - دوسرے یہ کہ اُس میں مختلف علوم کا ترجمہ ہو جاتا ہے
کتابیں تصنیف ہو جاتی ہیں - اور اس صورت سے وہ زبان تمام علوم پر
پھیلتی جاتی ہے - تیسرے یہ کہ جس قدر آسانی اور سہولیت کے ساتھ اوسمیں
تعلیم دی جاتی ہے - کسی اور زبان میں نہیں دی جا سکتی - کیونکہ وہ اونکی مادری
زبان ہے - جس قدر جلدی وہ اپنی اس زبان کو سمجھنے اور جاننے لگیں گے دوسری
زبان میں یہ بات بہت دشواری سے پیدا ہو گی -

تو یہ مسئلہ بالکل صاف ہے - کہ دنیا میں جو نصاب تعلیم بھی مقرر ہو وہ ملکی

زبان میں ہو - اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمان طبقے کے بعض روشن خیال افراد اس کو مان گئے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ وہ حتی المقدور نصاب کو خاص زبان میں رکھنے کی کوشش کریں گے۔

جن حضرات کو اس زبان پر یہ اعتراض ہی۔ کہ اس میں کوئی علم نہیں ہے اور نہ اُس میں یہ طاقت ہی کہ وہ کسی علم کو اور اُسکے اصطلاحات ومحاورات کو خوبصورتی کے ساتھ اپنا بنالے۔ تو نقص تو یہ قریب قریب ہر زبان کی ابتدائی حالت میں واقع ہوا ہی۔ مگر وہاں کے لوگوں نے بجائے اعتراض کرنے کے اُسکے اس نقص مٹانے کی کوشش کی اور آج اُس زبان کو علمی زبانوں کی مجلس میں لا بٹھالا اگر ابتدا ہی سے اُردو کے ساتھ یہ کوشش کی جاتی تو آج اسکو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوتا کاش اب بھی توجہ کی جائے۔ اور اسی بہانے سے اسکو وسعت دی جائے۔

دوسرا قابل مسئلہ جس پر نصاب تعلیم کا دارومدار ہے وہ "مضمون" ہی اور یہ کہ نصاب میں کون سے مضمون رکھے جائیں۔

عموماً نصاب کے تحتانی درجوں میں ایسے مضمون رکھے جاتے ہیں۔ کہ جس سے بچے کا دل بہل جائے۔ اور وہ پڑھنے میں گھبرا نجائے۔ اور یہی وجہ ہی کہ صاف اور ستھرے لفظوں میں دلچسپ قصے کہانیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ بچے خوش ہو کر پڑھیں اور یاد رکھیں۔ اور واضعان نصاب نے بڑے تجربہ کے بعد یہ طریقہ جاری کیا ہی مگر جہاں تک دیکھا گیا ہے۔ اُردو کی ریڈروں میں سوائے دلچسپ قصوں اور کہانیوں کے کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو آگے چل کر بچہ کے واسطے مفید ہو۔ کیونکہ اُردو کی ابتدائی کتابوں میں سوائے اسکے کچھ نہیں ہوتا۔ اسمٰعیل ریڈرس میں بھی یہ نقص رہگیا ہی کہ اب جو ریڈریں تیار کی جائیں۔ اُس میں انہیں قصے کہانیوں کے پیرایہ میں تاریخ، تمدن، اسباب معاشرت۔ جغرافیہ،

فلسفہ، قواعد، کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ ابتدا ہی سے یہ باتیں بچوں کے دل پر رقم ہو جائیں۔ یہ مضمون نہایت سلیس اور صاف اُردو میں دلچسپ کہانیوں کے طرز پر لکھی جائیں۔

ممالک متحدہ کے زنانہ مدارس میں علی العموم جُدا جُدا نصاب ہیں جو بطور خود مقرر کر لئے ہیں۔ اور کوئی ایسے نصاب کا انتخاب اس وقت نہیں ہوا ہے جس سے اس صوبہ کی پیاس بجھے۔

مولوی شیخ عبداللہ صاحب کی نگرانی میں کوئی زنانہ نصاب تیار ہو رہا تھا اور مولوی سید احمد صاحب دہلوی سے لکھایا جا رہا تھا نہ معلوم اُس کا کیا حشر ہوا۔ عورتوں کے واسطے نصاب قایم کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ تجویز کر لینا کہ صرف امور خانہ داری، سلائی، پسائی، پکائی، اور اسباب معاشرت تدبیر منزل، کا وہ حصہ جس کا تعلق عورتوں سے ہی۔ اس بنیاد پر قایم کیا جائے۔ اور وہ تمام علوم متعارفہ جس کا جاننا ازبس ضروری ہے اُس کو علحدہ کر دینا میرے خیال میں ایک کمزور تجویز ہے اور جس بنیاد پر یہ دیوار قایم کی جائگی۔ ممکن ہی کہ وہ جلدی گر جائے۔

اس امر کی تمہید اوٹھانا کہ عورتوں کے واسطے کون سی کتابیں نصاب میں ہوں اور کیوں ہوں۔ میں کسی اور وقت کیواسطے اوٹھائے رکھتا ہوں اور دریافت کرنے پر بھی شاید لکھ سکوں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ مردوں کا جو نصاب تعلیم ہے۔ اُس میں صرف تھوڑا سا تغیر و تبدل کر دیا جائے۔ یعنی وہ مضامین جن کا تعلق خاص مردوں کی ذات سے ہی علحدہ کر دئے جائیں۔ اور کچھ حصہ بڑھا کر اُن کو عورتوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

مردوں کے نصاب میں سے مندرجۂ ذیل مضامین عورتوں کیواسطے نکال لینا چاہیئے۔

عقلی علوم،	علم الانسان، علم نباتات، فلسفۂ طبیعیہ، تشریح ابدان، علم الادویہ، علم فن ولادت وغیرہ۔
مذاہب	علم المذاہب، تفسیر، حدیث
فنون	فنون لطیفہ، موسیقی، شاعری
تاریخ	علم الآثار، تاریخ انگلستان، تاریخ ہند، تاریخ قدیم
ادب	بلاغت، انشا پردازی

سوانح عمریاں

علم ہندسہ

سفرنامے

فن حفظان صحت

مختلف فنون

اور کچھ اپنی طرف سے بڑہا دیا جائے مثلاً

امور خانہ داری

کشیدہ کاری

اسباب معاشرت

تدبیر تنزل

نشست وبرخاست

سلیقہ داری۔

یہ علوم ابتدائی کتابوں سے لیکر انتہائی کتابوں تک یعنی درجہ تحتانی سے

درجہ فوقانی تک تمام و کمال پڑھا دیئے جائیں۔ عقلی علوم میں صرف فلسفہ طبعیہ تشریح ابدان۔ فن ولادت کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ مگر وہ سہل الحصول نہیں ہے۔ اسلئے علم الانسان، علم نباتات، علم الادویہ کے ساتھ ہی ساتھ ہی اسکو اُردو میں نہایت سلیس اور عام فہم لفظوں میں اس طریقہ سے رکھا جائے کہ اس کا ابتدائی حصہ کہانیوں اور قصوں کے ذریعہ سے نصاب کے ابتدائی حصہ میں آجائے اور بتدریج ترقی کرکے صرف اس قدر کہ عورتیں معمولی واقفیت حاصل کریں ختم کردیا جائے۔

تفسیر و حدیث اور علم المذاہب کی پہلا پہل چنداں ضرورت ہے۔ اس کی کتابیں نہایت سلیس اُردو میں ڈپٹی نذیر احمدؒ صاحب سلمہٗ اور مولانا اشرف علی صاحب قبلہ نے لکھی ہیں ان کتابوں کو دوسرے تیسرے سال پڑھایا جائے۔

تاریخ میں صرف جغرافیہ۔ تاریخ انگلستان اور ہندوستان کا اُردو ترجمہ ہے۔ بقیہ کتابوں کے ضروری مضمون اخذ کرنے کے ساتھ ہی ان کو بھی زیادہ سلیس کیا جائے فنون لطیفہ کا جاننا عورتوں کو ازبس ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اُردو میں اسکی کوئی تصنیف اور ترجمہ اسوقت تک نہیں ہے۔ اور ایسے ہی موسیقی اور شاعری کی بھی کوئی ایسی کتاب اُردو میں نہیں ہے جو کم از کم معمولی قابلیت پیدا کرسکے۔ فنون لطیفہ کا تو تذکرہ ہی نہیں۔

ادب، سوانح عمریاں، سفرنامے۔ فن حفظان صحت، ان کے ترجمے مل جائیں گے۔ مگر ان سے کچھ کام نکلتا نظر نہیں آتا۔ جبتک ازسرنو اسکو تیار نہ کیا جائے۔ اور یہ مشکل بات نہیں ہے۔

باقی آئندہ

قیصر۔ از بھوپال

جاپان

نواں باب

روزانہ کاروبار

اب ہم پھر جاپانی صاحبہ خانہ کے روزانہ فرایض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پچھلے باب میں ہم نے خاوند کو رخصت کرکے کاروبار پر روانہ کرنے تک کے فرایض بیان کئے تھے۔ اسکے بعد وہ تمام کاغذی پردوں اور اوٹوں کو نکلواتی ہے تاکہ سارا مکان ایک بڑے ہوادار کمرہ کی صورت اختیار کرے بچھونے لپیٹ دئے جاتے ہیں اور ان کو کونوں میں رکھدیا جاتا ہی اور مکان کے چوبی حصوں کو بڑی احتیاط سے رگڑا اور صاف کیا جاتا ہی۔ مرجھائے ہوئے گلدستوں کو علیحدہ کرکے تازہ پھولوں کو جو اسی وقت باغوں سے منگائے جاتے ہیں بڑی خوش اسلوبی سے جمایا جاتا ہی۔

پکوان کو فرایض خانہ داری میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ اگر چانول کا صندوق بھرا ہوا ہی۔ چاء کی کافی مقدار گھر میں موجود ہے۔ اچار چٹنی اور ترکاریوں کی قلت نہیں ہی تو پھر گھروالی کو کسی فکر کی ضرورت ہی نہیں۔ چانول جاپان والوں کی اصل غذا ہی۔ ہر درجہ اور ہر رتبہ کا جاپانی ہر کھانے میں چانول ہی کھاتا ہی۔ غرض جاپانیوں کی غذا کا جزو اعظم چانول ہی ہے۔ چانول کی بہت اعلیٰ اور عمدہ قسمیں استعمال کی جاتی ہیں اور کھانے کیوقت بڑے ہی خوش نما چھوٹے چھوٹے کٹوروں میں جو اسی غرض کے لئے

مخصوص اور بے انتہا صاف ہوتے ہیں ان کو نکالا جاتا ہے۔ اگرچہ اسوقت
چانول بہت گرم ہوتے ہیں اور ان میں سے دھواں نکلتا رہتا ہے مگر جاپانی
اسی حالت میں مزے کے ساتھ ان کو کھانے لگتے ہیں۔ جاپان میں ادنیٰ
درجہ کا کھانا بہت سلیقہ سے جوڑا جاتا ہے۔ چانول کے ساتھ عموماً سوکھی
مچھلی مختلف قسم کی مزیدار چٹنیاں وغیرہ جن سے بھوک پیدا ہو ضرور کھائی
جاتی ہیں۔ کھانے کے اوپر بغیر شکر کی چاء پی جاتی ہے۔ درمیان میں
"ھُبا چی" یعنی آگ کی انگیٹھی رکھی جاتی ہے۔ اس انگیٹھی پر ہمیشہ چاء کی
کیتلی رکھی ہوتی ہے جس میں چاء اُبلتی رہتی ہے۔

جب جاپانی ماما بازار جاتی ہے تو چانول فروش کی دوکان سے
اس کا رخ مچھلی اور ترکاری کی دوکانوں کی طرف پلٹتا ہے۔ مچھلی کی
دوکان میں سمندر سے نکلی ہوئی کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی جاتی۔ اس
دوکان سے نہ صرف مچھلی ہی خریدی جاتی ہے بلکہ دریائی نباتات کو بھی
خریدا جاتا ہے جو جاپان کی ایک عام غذا ہے۔ دریائی نباتات عموماً خام
کھائی جاتی ہے۔ اس کو اُبال کر بھی کھاتے ہیں۔ اسکی چٹنی بھی ڈالی جاتی
ہے۔ اسکو تلا بھی جاتا ہے اور اس کا شوربا بھی تیار ہوتا ہے۔ گھونگھے
وغیرہ جو چیزیں ہماری نظر میں بالکل نکمی اور مُردار ہیں جاپانی ان سب کو
بڑے ہی شوق و رغبت سے خوب مزے لیکر کھاتے ہیں۔

ترکاری کی دوکان میں بھی انواع واقسام کی چیزیں فروخت ہوتی
ہیں جیسے لوبیا، سیم، مٹر، آلو، جوار، موٹے گیہوں، گاجر، کاہو، شلجم،
پھوٹ، سردہ، خربزہ، تربز، ککڑی، پالک، السن، پیاز، پیاز کی پتی،
لال مرچ، بیگن، کنول کے پھول، کنول کے بیج، گل داؤدی، کنول کی جڑیں

وغیرہ ایسی ہی بیسیوں چیزیں- نباتات کی قسم سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ سب جاپان والے برابر کھاتے ہیں۔

اہل یورپ اور دوسرے ممالک کے باشندے جاپانی ترکاریوں کو بہت بدمزہ سمجھتے ہیں اور خصوصاً وہ چیزیں جو جاپانی نہایت شوق و رغبت سے استعمال کرتے ہیں ان کو تو بڑی نفرت و کراہیت سے دیکھا جاتا ہے- جاپان میں جو چیز جتنی مزیدار سمجھی جاتی ہے اس کو غیر ممالک میں ویسی ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- اس ضمن میں جاپان کی عجیب غریب مولی "ڈائکن" کے نام سے موسوم ہے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے- جاپان کے غیر مرفہ الحال طبقہ میں اسکی بڑی قدر کی جاتی ہے اور بڑے شوق سے اسے کھایا جاتا ہے مگر اسی قدر غیر ممالک کے باشندے اس سے نفرت کرتے ہیں- یہ مولی بہت بڑی ہوتی ہے اور آدمی کے بازو کے برابر موٹی ہوتی ہے- تازگی میں تو یہ کوئی ایسی بڑی نہیں ہوتی مگر اس کا اچار بہت بے ڈھب ہوتا ہے- جاپانی اسکا اچار ہی زیادہ تر پسند کرتے ہیں- مسز بشپ کا بیان ہے کہ:-

"اس مولی کو کسی قدر سکھانے کے بعد نمکین پانی میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس میں چانول کا بھوسہ شریک کیا جاتا ہے- تین مہینوں تک اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس عرصہ میں خوب اچھی طرح تمام مصالحہ وغیرہ اس میں جذب ہو جاتا ہے- اس کے بعد ایک ایسی بدبو اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ جس مکان میں یہ اچار کھایا جاتا ہو وہاں ٹھیرنا مشکل ہو جاتا ہے- اس سے زیادہ خراب بو میں نے نہیں دیکھی- ایک دوسری چیز "سکنک" کا بھی جو جاپان میں بہت مرغوب ہے یہی حال ہے"

اچار فروش کی دوکان بھی ایک ضروری چیز ہے- جاپانی اپنے کھانوں کو

انواع و اقسام کے بے شمار اچار اور چٹنیوں کے ذریعہ لذیذ بنانے کے عادی ہوتے ہیں۔ بغیر چٹنی اور اچار کے جاپانیوں کو کھانے کا لطف نہیں آتا۔ سب سے زیادہ مشہور اور مرغوب چٹنی "ساٹے" ہے۔ یہ چٹنی اُبلے ہوئے گیہوں اور لوبئے یا سیم کی بنائی جاتی ہے جس میں نمک اور سرکہ کے علاوہ بعض اوقات اسکو زیادہ مزیدار بنانے کے لئے "ساکی" بھی شریک کی جاتی ہے۔ اکثر کھانوں کے ساتھ اس چٹنی کو ضرور شریک کیا جاتا ہے اور مچھلی بھی اکثر اسی میں پکائی جاتی ہے۔

جاپان میں صدر ملازمہ جب سودا لیکر گھر واپس ہوتی ہے تو اس وقت دوسری خادمائیں اپنے تمام فرائض ادا کر چکی ہوتی ہیں۔ دوسرے ممالک کے باشندوں کو تعجب ہوتا ہے کہ جاپانی مکانات میں ان بڑی تعداد کے ملازموں کی کیا ضرورت ہے اور ان کے کرنے کے کون سے کام ہیں۔ نہ تو باورچیخانہ کا کوئی ایسا کام ہوتا ہے۔ نہ کوچ کرسیاں وغیرہ ہوتی ہیں جن کو صاف کرنا پڑے۔ نہ قالین اور شطرنجیاں ہوتی ہیں جو جھاڑ کی محتاج ہوں۔ نہ کپڑے وغیرہ دھونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے جاپانی نوکروں کا تمام تر وقت محض فضول ضایع ہوتا ہے۔ آپس میں وہ باتیں کرتے رہتے ہیں یا نیئے "کی مونو" سیتے ہیں یا شطرنج کھیل کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ جاپان میں یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ضرورت اور کام سے بڑھکر ملازم رکھے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ نوکر بہت ہی سستے میسر ہو جاتے ہیں۔ جاپان میں اکثر غریب لڑکیاں محض کھانے اور کپڑے پر بڑی خوشی کے ساتھ نوکری کر لیتی ہیں۔ صدر ملازموں کو البتہ ماہواری دینی پڑتی ہے جس کی مقدار پانچ چھ روپیہ سے کم نہیں ہوتی۔

اگر کوئی ماما اپنی ملازمت سے علٰحدہ ہونی چاہے تو وہ اپنی مالکہ کو صاف صاف اسکی اطلاع نہیں کرتی۔ یہ بہت بڑی گستاخی و بداخلاقی اور سخت

گنوار پن خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی علیحدگی کا خیال ظاہر کرنے کے عوض وہ اپنے
گھر جانے کی اجازت طلب کرتی ہے یا کسی بیمار رشتہ دار کی تیمار داری کے
لئے جانے کی ضرورت ظاہر کرتی ہے یا کوئی ایسی ہی بات کہہ کے جاتی ہے
واپسی کا جو روز ہوتا ہے اُس دن ایک طول طویل معذرت نامہ بھیجدیا جاتا ہے
جس میں بڑے ہی افسوس کے ساتھ ضرورت کے ابھی تک باقی رہنے اور اس
وجہ سے حاضر نہ ہوسکنے کی معذوری کا حال لکھا ہوتا ہے۔ اس سے سمجھہ لیا جاتا
ہے کہ اس نے ملازمت ترک کردی۔

اسی طرح جاپان میں یہ قاعدہ بھی ہے کہ کوئی مالکہ اپنی ماما یا نوکر کو اس کے
منہ پر جواب نہیں دیتی۔ بلکہ بہت نرم الفاظ میں ایک تیسرے شخص کے ذریعہ
اس کو کھلایا جاتا ہے کہ اب اسکی خدمات کی ضرورت نہیں رہی۔

شام کے وقت گھر کے تمام لوگ جن میں ملازم بھی شامل ہوتے ہیں بڑے
کمرہ میں جمع ہوتے ہیں۔ مالک اور مالکہ "ھی باچی" (آتشدان) کے پاس
"این ڈن" (کاغذی چراغ) کے قریب بیٹھتے ہیں۔ مامائیں کسی قدر فاصلہ
سے وہیں بیٹھ جاتی ہیں اور بعض دفعہ کچھ سلائی کا کام کرتی رہتی ہیں۔ ان سب
میں کبھی کچھ گفتگو ہوتی ہے یا کبھی صاحب خانہ کسی تاریخ یا قصہ کہانی کی کتاب کو
بلند آواز سے پڑھکر سُناتا ہے۔ یہ خادمائیں بے تکلف سب کے ساتھ ان کہانیوں کی
باتوں پر ہنسی دل لگی کرتی ہیں اور خوب جی کھول کر بات چیت کرتی رہتی ہیں۔

جب سونے کا وقت آتا ہے تو توشکیں نکالی جاتی ہیں اور ان کے بچھانے
میں یہ احتیاط ضروری سمجھی جاتی ہے کہ ان کا سرہانا شمال کی جانب نہ ہونے
پائے۔ جاپان میں مردوں کو دفن کرتے وقت اُن کے سر شمال کی طرف
رکھے جاتے ہیں اور اسلئے زندہ آدمیوں کا شمال کی جانب سر کرنا بہت بدشگونی

کی بات خیال کی جاتی ہے۔ تو شکون کے سرہانے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے تکئے رکھے جاتے ہیں اور جاپانی اسی قسم کے بچھونوں پر سوتے ہیں۔

جاپانیوں کے روزانہ مشاغل بس اسی قدر ہیں اور ان ہی کاروبار میں ان کا پورا دن بسر ہو جاتا ہے۔

سید خورشید علی

حیدر آباد دکن

خاتون

مہر عالم۔ ہائے اس لڑکی کو کیا ہو گیا اس کا تو سوائے کتاب کے اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ہے۔

کریما۔ اے ہاں بیوی جب ہی تو کوئی لڑکیوں کو نہیں پڑھاتا۔

مہر عالم۔ اچھا جا بلا تو لا صبح سے میرے پاس آئی ہی نہیں۔

کریما۔ بہت اچھا (جاتی ہے)

کریما۔ (خاتون سے) اے بیوی چلو اماں جان بلاتی ہیں۔

خاتون۔ کیا اماں جان نے یاد فرمایا ہے اچھا کہو کہ ابھی حاضر ہوتی ہوں ذرا ایک صفحہ اور دیکھ لوں۔

کریما۔ اے آگ لگے ایسے پڑھنے کو۔

خاتون۔ کیوں خیر تو ہے۔ جلد کہو۔

کریما۔ خیر تو ہے بی بی مگر پڑھنا کیا ہو گیا وبال جان ہو گیا۔

خاتون۔ اچھا چلو چلتی ہوں۔

خاتون۔ (مہر عالم سے) خادمہ سلام عرض کرتی ہے۔

مہرعالم۔ زندگی دراز ہو۔ بیٹھو۔ آج تم صبح سے کیا کر رہی تھیں۔
خاتون۔ میں تذکرۃ الانبیا ایک کتاب ہی اُسکو دیکھ رہی تھی۔
مہرعالم۔ تم تو اسی میں رہیں۔ بیٹی کہیں پاگل نہ ہو جانا۔
خاتون۔ امّاجان آپ کے خیالات کس قسم کے ہیں بھلا کوئی پڑھنے سے بھی پاگل ہوتا ہی۔
خاتون۔ اور پاگل کس کو کہتے ہیں بھلا یہ بھی عقل کی بات ہی کہ صبح سے ابتک کتاب کا کیڑہ بن گئیں۔
خاتون۔ امّاجان پڑھنے سے تو عقل تیز ہوتی ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز اسی بدولت ہی۔
مہرعالم۔ پڑھی عورتیں کس کام کی کیا اُن کو نوکری کرنا ہوتی ہے بھلا یہ بھی کوئی عورتوں کے طریقہ ہیں۔
خاتون۔ امّاجان گستاخی معاف آپ جو فرماتی ہیں گویا میرے اوپر الزام لگاتی ہیں۔ بھلا کس کی عقل اس بات کو گوارا کر سکتی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ انسان جانتا ہو کہ یہ زہر ہے اور یہ شربت اور پھر زہر کا پیالہ پی لے اور شربت کے پیالے میں ٹھوکر مار دے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ نادانگی میں ایسا کر بیٹھے اور لیکن جب کہ علم صاف صاف اچھے بُرے کی پہچان بتا رہا ہی تو پھر کون بیوقوف ہوگا جو اچھا چھوڑ بُرا اختیار کریگا۔
مہرعالم۔ میں ہزار گنا سکتی ہوں۔
خاتون۔ بیشک آپکا خیال ٹھیک ہے میں بھی تصدیق کرتی ہوں۔ اور میں خوب سمجھ گئی کہ آپ نے پڑھی ہوئی خواتین کو کیوں بدنام کیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کے شوق نے لڑکیوں کو تنبیہ سے پڑھایا لیکن تھوڑے

عرصہ میں ماں باپ کا شوق پورا ہوگیا۔ پھر اُنہیں اسبات کی پروا نہیں رہی کہ آیا ان کی تعلیم مکمل ہوگئی یا نہیں اور جب لڑکیاں کچھ پڑھنے لگیں تو اُنہیں ناول دیکھنے کا شوق ہوا زیادہ کہنا بیحیائی ہے آپ خود سمجھ سکتی ہیں۔ اور یہ اسواسطے ہوا کہ تعلیم کا انپر پورا اثر نہیں ہوا تھا۔ بہن یہ مثل صادق آئی۔ نیم ملا خطرۂ ایمان۔ اگر اُنسے کوئی فحش خطا سرزد ہو تو اُسکا الزام پڑھی ہوئی خواتین پر نہیں آسکتا

مہر عالم۔ (غصہ ہوکر) بس رہنے دو میں تمہارے پڑھانے کی نہیں ہوں۔ تمام عورتوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ گھر گرستی کے کام میں مشغول ہوتی ہیں۔ نیک لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں اور گھر میں بیٹھی پڑھتی رہتی ہیں یہانتک کہ کوئی رشتہ دار بھی اُن کی آواز نہیں سُنتا۔

خاتون۔ بیشک آپکا فرمانا بجا ہے۔ لیکن معاف کیجئے اب وہ زمانہ نہیں ہے اب جہالت کی تاریکی دور ہوگئی ہے اور آیندہ آپ دیکھیں گی کہ عورتیں بذات خود مرد میدان ہونگی اور معلوم ہوگا کہ ترقی کا زمانہ جب تھا یا اب ہے۔

مہر عالم۔ بہن یہی تو قیامت کے آثار ہیں۔

خاتون۔ اماجان خطا معاف۔ بھلا عورتوں نے ایسا کونسا قصور کیا ہے کہ قیامت کی باعث ہونگی کیا آپنے عرب کی عورتوں کا حال نہیں سُنا افغانستان کی تواریخ نہیں پڑھی۔ اگر آپ پڑھتیں تو ضرور کہہ اٹھتیں کہ ہندوستان کی کمزوری کا باعث صرف عورتوں کی جہالت ہے۔

مہر عالم۔ کیا عرب کی عورتیں پڑھتی اور باہر نکلتی ہیں۔

خاتون۔ اوہو۔ آپ بالکل ناواقف ہیں۔ عرب کی عورتیں باہر نکلتیں ہیں۔

وقت پر لڑائیاں لڑتی ہیں۔ لڑائی کے وقت مریضوں کی تیمارداری کرتی ہیں اور وہ وہ کام کرتی ہیں کہ ایک وقت میں مرد نہیں کر سکتا

مہرعالم۔ خوب۔

خاتون۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ بھی ہماری طرح مذہب سے ناواقف رہتیں کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ہمارے خدا کے کیا احکام ہیں۔ آپ نہیں بتا سکیں گی لیکن انکا جاننا ضروری ہے اور جب عورتیں نہیں جانتیں کہ اس گناہ کا کیا عوض دینا ہوگا وہ ہر ایک گناہ بغیر خوف کے کرلینگی جس طرح کہ جاہل عورتیں فضولیات گڑھ لیتی ہیں اور کرنے لگتی ہیں۔ اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ عورتیں دوزخ کی ڈاٹ ہیں

مہرعالم۔ الاماں۔ وہاں شادی کا کیا طریقہ ہے۔

خاتون۔ شادی کی بہت اچھی رسم ہے فضول خرچی سے روکا گیا بس عقد ہوا شادی ہوگئی وہاں پر کسی قسم کی رسومات ناچ رنگ میں سے نہیں ہوتیں۔ ہندوستان میں اکثر مسلمان ایسی فضول رسومات کرتے ہیں جنکو دیکھکر غیر قومیں ہنستی ہیں۔ اور وہ بیشک ایک ہنسی کا آلہ ہیں اور جس طرح کہ مرد کو اپنی مرضی کا اختیار ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اور روزمرہ کے جھگڑے اون میں نہیں ہوتے ہیں۔ اپنے مذہب سے وہ خوب واقف ہوتی ہیں اور کسی گناہ کی مرتکب نہیں ہوتیں کیونکہ اُنکے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔

مہرعالم۔ جب عورتیں باہر نکلتی ہونگی تو پردہ نہیں ٹوٹتا ہوگا۔

خاتون۔ جب دل صاف ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ اور مرد اور عورت کا ایک ستر ہوتا جسکے کہ ڈھکنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب ستر ڈھکا ہو تو

پھر یہ دہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ اکیلے میں البتہ کسی شخص سے بات کرنیکا حکم نہیں ہے۔

مہر عالم۔ پھر تو تمہیں عربی فارسی پڑھنی چاہیئے تھی انگریزی کیوں پڑھتی ہو۔

خاتون۔ اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ عربی فارسی ہماری زبانیں ہیں لیکن ہمکو کسی غیر زبان کے سیکھنے کو منع نہیں کیا۔ کہا گیا ہے کہ غیر قوموں کی زبان سیکھو لیکن اُنکی روش نہ اختیار کرو۔

مہر عالم۔ بس اس پڑھنے کی وجہ سے تمہاری زبان مقراض سی چلتی ہے۔

خاتون۔ ہاں سچ بات کو ضرور ظاہر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ آپکو پوری طور پر یقین ہو گیا ہے کہ علم بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن اپنی بات کی پاس داری کرتی ہو۔ اچھا سچ سچ تو کہو۔

مہر عالم۔ ہاں بیشک میں اب علم کی قدر سمجھی۔ خدا وہ دن جلد دکھائے کہ ہماری مسلم یونیورسٹی جلد قایم ہو جاوے اور اُس میں کوئی زنانہ سلسلہ شروع ہو جاوے کہ مسلمان ترقی کر جائیں۔

خاتون۔ آمین۔

مہر عالم۔ تو نے مجھے سمجھا دیا خدا کرے کہ خاتون تجھے عمر دراز حاصل ہو اور تیری نصیحتوں سے زمانہ نصیحت سیکھے۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

خاکسار

کنیز فاطمہ۔ مرادآبادی

ایک مصری خاتون کی تقریر

خاتون کے مارچ نمبر میں اس عنوان سے ایک مصری بیگم کی تقریر اخبار المجریہ

سے ترجمہ کرکے درج کی گئی تھی۔

یہ تقریر در اصل شیخ عبدالعزیز جاویش کی تقریر کے جواب میں تھی جو انہوں نے
عورتوں کے متعلق بیان کی تھی اور جسکا ترجمہ دسمبر نمبر خاتون ۱۹۱۱ء میں مصری
مسلمان عورت کے عنوان سے درج کیا گیا تھا یہ تقریر ہندوستان میں اس قدر
بعض مسلمان گھروں میں ناپسند کی گئی جس قدر مصر میں عام طور پر پسند کی گئی
بہرصورت چونکہ مختلف خیالات سے ناظرین کو واقف رکھنا رسالہ اور اخبار کا
ضروری فرض ہے اسلئے ہم موافق اور مخالف ہر قسم کے خیالات جہاں تک کہ
مضر نہ ہوں شایع کرنا بہتر سمجھتے ہیں اس تقریر پر ہماری بہن اخت محترم الدین احمد
صاحب نے مندرجۂ ذیل مضمون لکھا ہے جسکو ہم نہایت خوشی سے درج کرتے ہیں

اڈیٹر

ایک برجستہ تقریر جو پُرزور الفاظ میں ایک لائقہ مصری خاتون کے پاکیزہ
خیالات کا خاکہ ہے مارچ کے رسالہ خاتون میں میری نظر سے گذری۔ میں نے
اس سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ میں فی نفسہٖ ان مضامین کو جو اس تقریر میں
بیان ہوئے ہیں قابل ترمیم اسلئے نہیں کہتی کہ مصر کی منزلی معاشرت سے
میں بالکل ناآگاہ ہوں۔ لیکن یہ تقریر ہمارے ملک کے اور اور رسالوں کی
بھی زیب افزا ہوئی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ ایسی ہی قابل قدر تقریر ہے
لیکن ہندوستانی معاشرت کے لحاظ سے خصوصًا مسلمانوں کی جنمیں سے
ایک میں بھی ہوں۔ اور جنکی جزوی آگہی مجھے حاصل ہے۔ اس تقریر سے مجھے کہیں
کہیں اختلاف ہے۔ لیکن وہ اختلاف جو اختلاف تک نہیں پہنچتا۔ میرا مقصود اس
اختلاف سے یہ ہرگز نہیں کہ میری بہن مصری خاتون کی رائے بحیثیت رواج
مصر قابل جرح ہے۔ بلکہ دعا یہ ہے کہ سیاست منزلی اہل اسلام کے بموجب اس

تقریر میں کون کون سے امور قابل غور ہیں۔پس میرا اختلاف جہاں کہیں ہی
وہ صرف اِن وجوہ سے ہے کہ میرا موضوع ہندوستانی تاہل ہو نہ کہ مصری
جہانتک مجھے عورتوں کی رائے سننے یا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔میں
زور کے ساتھ کہتی ہوں کہ میں نے مردوں کو عورتوں کا شاکی نہیں پایا۔
گو سری طور پر انکا طریق اس پہلو کو لئے ہوئے ہو۔کیونکہ وہ کہتے ہیں
کہ جبتک عورتوں میں ضروری تعلیم عام نہ ہو گی۔بچوں کی (جو آنے والے
زمانہ میں مرد بنیں گے) تربیت ایسی ہرگز نہیں ہوگی کہ تہذیب تمدنی میں
وہ غیر قوموں کے ساتھ عنان بہ عنان چل سکیں ہم صرف اپنی اس غفلت سے
کہ اپنی عورتوں کی تربیت اور تعلیم سے غفلت کی اس ذلت کے اسفل ترین گڑھے
میں گرے۔کہ جس سے نکلنا اگر محال نہیں تو مایوس کن تو ضرور ہے۔اور اسی
غفلت کی پاداش میں آج ہم غیر اقوام تو درکنار۔خود اپنی ملک کے دیگر
قوموں سے منزلوں پیچھے پڑے ہیں۔اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی
شکایت مردوں کے متعلق بالکل صحیح اور درست ہی۔اور مردوں کی وحشیانہ
حرکات نے اس محبت اور انس کو بھی جو تمدن منزلی کے اہم مقاصد اور رسا
تاہل کے مناسب ہے۔ایسا پامال اور منہدم کیا۔کہ دنیا تو دنیا۔دین کے احکام
بھی پس پشت ڈال دئے۔جن لوگوں میں کچھ بھی عقل و تمیز ہے اُنکا قول یہی ہی
باقی وحشی اور جاہل افراد کے اقوال ناقابل وزن ہیں۔کیونکہ وہ لوگ اپنی
نافہمی کی وجہ سے مرفوع القلم خیال کئے جانے چاہئیں۔پس ضروری ہی کہ ہم
میدان علم و تہذیب میں مردانہ وار قدم رکھیں۔اور ویسی نسلیں تیار کرنے کے
قابل ہوں جو آیندہ زندہ قوم کے مبارک لقب سے ملقب ہونیکے قابل ہوں
لیکن یہاں ہماری بہن مصری خاتون نے جو تدبیر بتلائی ہے اُسکو بحیثیت تمدن

مسلمانان ہندوستان میں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ میری مخدومہ نے اسکو پہلے ہی ایک ہیبت ناک خطاب۔ جنگ مرد وعورت سے تعبیر کیا ہے قبل اسکے کہ میں اپنی رائے کا اظہار کروں ضروری خیال کرتی ہوں کہ فطرت کے اس قانون پر متوجہ ہوں۔ جو سیاست منزلی کے تاریخ میں سب سے اول ہے سنہری حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ اور خالق مرد وعورت نے اپنے پیارے حبیب صلعم کی زبانی ہم تک پہنچایا ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء" قوام کے معنی میری مصری بہن مجھسے بہتر جانتی ہیں۔ مگر اپنی ہندوستانی بہنوں کی خدمت میں اس قدر عرض کرتی ہوں کہ علاوہ ستون کے قوام ایسی قوت کو بھی کہتے ہیں کہ جسکے بغیر دوسری قوت اپنا پورا نہ کرسکے۔ یہ امر طبی اور استقرائی طریق پر ثابت ہو چکا ہے کہ مرد قوت فاعلہ کے مظہر ہیں۔ اور عورتیں قوت منفعلہ کی مصدر۔ اس فعل و انفعال کا نتیجہ۔ بشرطیکہ قانون فطرت کی بموجب ہو تمدن کی جان ہے۔ مقابلہ اور جنگ میں قوت منفعلہ کی طرف سے ابتدا تو محال عقلی ہے۔ اور بلا امتزاج نتائج تمدن کا حصول ناسود۔ میرے خیال میں بجائے مقابلہ کے لفظ موافقت بہتر ہے۔ اور اسی موافقت میں قدرت نے دائیں اور بائیں قوت میں امتیاز خلقی رکھا ہے۔ اور اس وجہ سے ناممکن ہے کہ داہنی قوت پر بائیں قوت غالب آسکے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اگر صرف داہنی ہی داہنی قوت کام کرے اور بائیں قوت معطل کردے جاوے تو یہ فساد جسم اور داہنی قوت کے اضمحلال کا باعث یقینی ہے۔ یہ مثل بلاوجہ مشہور نہیں ہوئی کہ مرد کی بائیں پسلی سے عورت پیدا ہوئی۔ اس حکیمانہ قول سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول تو یہی کہ عورت میں بائیں قوت ہے اور مرد میں دائیں دوسرے یہ کہ بائیں جانب قلب ہے جسکی حرارت شریانوں میں خون دوڑانے اور بقائے

نسل کا باعث ہے جس سے صاف اشارہ ہے کہ مرد توانا ہے۔ لیکن قوم ترقی اسی بائیں قوت سے کر سکتی ہے۔

پس باوجودیکہ نازک ہمدم و مونس کیسا ہی کمزور ہو۔ لیکن بحیثیت کارآمد ہونیکے جزو اعظم ہے اور چونکہ ابتدا قوت فاعلہ کی طرف سے ہوگی اسلئے ضرور ہے کہ اس میں ان تاثیرات کا پیدا کرنا زیادہ ملحوظ ہو جو اثر قبول کرنے والیوں کے لئے نتیجہ خیز ہو اور جس کی ضرورت قوم کو ہو۔

اس میری تحریر سے یہ امر ظاہر ہو گیا ہے کہ مجھے اپنی مصری بہن کی رائے سے کچھ لفظی اور کچھ ترتیبی اختلاف ہے ورنہ میں بالکل متفق ہوں۔

مردوں کی توجہ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف بمقابلہ لڑکوں کے ہندوستان میں بھی بہت کم ہے۔ بلکہ ہے ہی نہیں۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتی ہوں اس کم توجہی کا باعث مردونکا جہل ہے۔ گو آجکل افلاس نے بھی اس میں ایک سکنڈری سبب حائل کر دی ہے۔ لیکن جبکہ افلاس کی جڑ ہی جہل ہے تو کیوں اسکو زیر بحث لایا جائے۔

اور چونکہ مردوں کو بوجہ قوام ہونے کے ایک قسم کی سرداری اور تصرف خلقی طور سے عورتوں پر حاصل ہے۔ تو جب تک انکا جہل رفع نہو گا۔ عورتیں اپنی مقصود میں کامیاب ہوتی نظر نہیں آتیں۔ اور چونکہ مردوں کے مرد بنانے میں عورتوں کی ترتیب اور طریق پرورش کو کامل اثر ہے اسلئے جبتک عورتیں اس تعلیم کی گرویدہ نہونگی اس قسم کے مرد نہونگے۔ اور یہ کچھ ایسا دور ہے کہ تقریری حد اسکے ادا سے قاصر ہے اور عملی کام سے یہ عقدہ حل ہوگا گویا یہ علم تصوف ہے کہ برخلاف اور علوم کے اس کا علم عمل سے حاصل ہوتا ہے جیساکہ اور علوم کا عمل بلا علم نہیں ہو سکتا۔

تاریخ ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ جس قدر تہذیب و شائستگی مردوں میں پھیلی۔ اسیقدر عورتیں سلیقہ شعار بن گئیں۔ اس زمانہ میں جبکہ اسلام کے ساتھ علم نے پیمان باندھا تھا۔ عورتیں بھی اسی رتبہ اور شان کی ہوتی تھیں جیسے کہ مرد۔ یہ میں تسلیم کرتی ہوں کہ اس غلط خیال نے کہ مستورات کے ہنر بھی مستور رہے انکی کافی اور مکمل حالات مستور رہنے دیئے۔ لیکن جس قدر حالات مجکو ملتے ہیں انکو جب اس خیال سے دیکھا جاوے کہ وہ کس کس خاندان میں تھیں۔ اور انکی احترام اور عزت کی کیا حالت تھی صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ قوم کی قوم ہی ایک رنگت میں رنگی ہوئی تھی۔ جب مردوں میں تنزل کی وبا پھیلی تو ساتھ ہی ان کی بائیں پسلی پر بھی وبا کے فرشتہ کی پیلی پھر گئی۔ اور یہ دونوں کے دونوں ایک اندھیری گھُپ غار میں گرے کہ انکا بعث یوم النشور میں بھی یقینی خیال نہیں کیا جاتا۔

پس میری رائے کے ثبوت میں یہ مثال تاریخی اس دور کے ثابت کرنے کیلئے کافی ہوگی جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا۔

اب میں شخصی آزادی کی بابت اپنا خیال ظاہر کرتی ہوں فطرت کی قانون نے اس عالم میں اگر آزادی عطا کی ہے تو وہ بھی مقید آزادی ہے افراط اور تفریط۔ دونوں اطراف معیوب ہیں۔ اگر کسی ایک جانب رجوع کیجاوے۔ فوراً اعتدال گردن دبانے کے لئے موجود ہے۔ زمانہ کے ہچکولے بھر کس نکالنے کو تیار ہیں۔ مہذب دنیا سے نفرین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ سیاست مدنی کے مقنن نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر بتلایئے کہ اعتدال سے ادھر یا اُدھر حرکت کرنے کے مانع جب اس قدر پابندیاں بھی ہیں تو آزادی کو یاد کرنا۔ محالات کی پیچھے دوڑنے سی کچھ بھی

زیادہ نہیں کیا میری بہن مصری خاتون۔ اس میری گذارش کو خلاف عقل یا شرع قرار دیتی ہیں اگر قرار نہیں دے سکیں اور ہرگز نہ دے سکیں گی تو میں کس طرح اپنی بہنوں کو اس خوش رنگ مگر سخت کڑوے پھل کے کھانیکی کیونکر رغبت دلاؤں۔ جکی میت سکنڈوں میں اعتدال حقیقی کو فنا کرتی ہو۔

اب ہم عورتوں کو سوچنا ہے کہ ہم مردوں سے الگ ہو کر اس قابلیت اور لیاقت کے حصول کی جانب متوجہ ہوں جو ہر ایک طبیعت کے لئے موزوں ہو اور اسکا نتیجہ یہ ہو کہ اس مقابلہ کے میدان میں ہم اپنے مردوں سے بڑھ جاویں کیونکہ اگر کم رہیں گے تو پھر وہ اقتدار جو مرد کو قدرتی طور پر حاصل ہے حکمران رہے گا اور ہم بدستور اس اطاعت میں رہیں گے جس سے چھٹکارا ڈہونڈنے کے لئے اُٹھے تھے۔ پس بڑہنے سے ہمارا اقتدار مردوں پر قایم ہوگا۔ اور ہم قوام ہونگی۔ تو اس صورت میں ہم ان مردوں کی عورتیں نہیں رہ سکتیں جو تہذیب میں ہم سے پیچھے ہیں۔ اور بہرحال آگے بڑہے ہوئے قوموں میں کسی قسم کے ہم شریک حال ہونگے۔ اس صورت میں بحیثیت اناث اسلام ہماری ترقی نہوگی۔ جو قومی ترقی کہلانے کی مستحق ہو۔ بلکہ یہ ترقی قومی تنزل کا ایک اچھا سبب ہوگا۔ یہ کیوں اسلئے کہ ہم افراط کی طرف مائل ہونگے۔ اور اعتدال کو چھوڑ دیں گے۔ پس شخصی آبادی کی حد ہے۔ کہ قانون فطرت جس قدر اجازت دے۔ اور تمدنی فساد کا باعث نہو۔ اسلئے ان دونوں اُصولوں کو مدنظر رکھ کر میدان موافقت میں گام زن ہونا۔ مردوں اور عورتوں کی خوش نصیبی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ عقل سلیم میری شہادت کے لئے تیار رہے اور گذشتہ زمانہ میری گواہی کے لئے آمادہ۔

یہ بات کہ جو کچھ مرد کر سکتے ہیں عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ اور کسی طرح عورتیں مردوں سے کم نہیں۔ بالکل درست دعویٰ ہے اس حد تک کہ عورت عورت رہے اور اگر عورت کو مرد بنایا جاوے تو محض غلط ہی۔ جس قدر مثالیں دی گئیں وہ علاوہ اسکے کہ شاذ ہیں۔ اس غایر نظر کی بھی محتاج ہیں کہ اپنی حیثیت سے بڑھکر کام کرنا۔ ہر ایک فرد کے لئے تعریف کا باعث ہوتا ہی۔ گو کہ اس سے بہتر کام بھی حسب حیثیت ذکر کی بھی قابل نہوں عورتوں کے ایک یا دو یا چند افعال مثلاً میدان میں جاکر لڑنا ملکی انتظام کرنا۔ وغیرہ اگر وہ عورتیں نہوتیں تو کسی تعریف کے قابل نہوتیں۔ کیونکہ اس سے بہتر اور برتر کام جو مردوں سے ہوئے کبھی تعریفی اور توصیفی الفاظ میں بیان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ مردانہ حیثیت سے وہ اس معیار کے قابل تھی جو اوصاف مردانہ کی اعلیٰ درجہ پر خیال کئے جاتے۔ اور عورتوں کے وہ کام جو مردوں کے لئے ادنیٰ سے ادنےٰ درجہ کے تھے۔ لیکن بحیثیت عورتوں کے انکی عادت یا فطرت سے ممتاز تھے۔ ایسے طریق اور انداز سے بیان کئے گئے کہ مردوں کے افعال بھی انکے روبرو گرد ہو گئے۔ مثلاً حضرت خولہ بنت ازور کے کارنامے اسیوقت تک قابل تعریف اور باوقعت ہیں جبتک کہ اسکا مقابلہ عورتوں کی کارناموں سے کیا جاوے۔ اگر عورت کی حیثیت سے علیحدہ کرکے دیکھا جاوے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضرت ضرار بن ازور۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ حضرت وامس ابوالعول۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہ تھی بانجھ عورتیں یا جو عورتیں شادی نہیں کرتیں یا وہ بیوگان جو شادی ثانی نہ کریں۔ انکی حالت حکم عام کی ناقص نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ انکی تکالیف اسی وقت

معرض بحث میں رہ سکتی ہیں۔ جبتک کہ قوم مہذب نہو جاوے۔ بعد قومی ترقی کے یہ استثنا ڈہونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

میں اس رائے میں کہ عورتوں کو وہ علوم جو انکی اخلاق کی اصلاح کا باعث اور تربیت اولاد کا سبب اور منزلی انتظام کا موجب ہوں حاصل کرنی لازمی ہیں۔ اپنی مصری بہن کی سچے دل سے ہمزبان ہوں اور یہ بھی عرض کرتی ہوں کہ اگر ہمت مساعدت کرے تو اسپر زیادہ تعلیم اور بھی مستحسن ہے لیکن اسکو عام نہیں کہہ سکتی۔

میری معزز بہن مصری خاتون نے جو مثال بربری عورتوں کی یا گنوار عورتوں کی دی ہے اسمیں اس قدر تسامح ہوا ہے کہ مقابلہ کا نتیجہ۔ حصول ترقی یا تہذیب بھی ہوا یا نہیں۔ بہرحال اسکا جواب نفی میں دیا جائیگا۔ پھر ایسے مثال جو ہمارے مقصود کی منافی ہو۔ صریح البطلان ہے اور اسلئے میں اس پر زیادہ بحث نہیں کرتی باقی رہی وہ امور جو بوجہ بیجا طلاق۔ یا ترک۔ یا سوء معاشرت عورتوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ بیشک بہت ہی برے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب ہم اور ہمارے مرد۔ مہذب اور ہماری اولاد تربیت یافتہ ہو گی۔ تو ان تکالیف کا نشان ہی معدوم ہو جائیگا۔ ہاں یہ امر کہ مہذب اور روشن خیال لوگ غیر قوموں کی عورتوں سے تعلق کر لیتے ہیں کیونکہ انکی قوم کی عورتیں۔ انکی صحبت کی ناقابل ہوتی ہیں۔ ایک غور طلب امر ہے اور میری ناقص عقل ایسے لوگوں کو لایق یا روشن خیال یا مہذب کہنے سے بالکل انکار کرتی ہے۔ یہ امر ہر ایک شخص دانشمند تسلیم کرے گا کہ خود کوئی وصف۔ لیاقت یا روشن خیالی کا حاصل کرنا قابل تعریف نہیں۔ جیساکہ کسی شخص کا اپنا پیٹ بھر لینا کسی مدحت کے لائق نہیں۔ لیاقت یا روشن

خیالی کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ انکی ذاتی توجہ اور کوشش سے کس قدر لائق اور روشن
خیال لوگ قوم میں پیدا ہو گئے۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ بفرض محال اگر کسی شخص کی سعی
و کوشش بارور نہو لیکن انکی جانب سے برابر ہوتی رہی ہو۔ تو وہ مدح کے قابل
اسلئے ہو گا کہ باوجود ناکامی کے اُسنے ہمت نہ ہاری۔ پس جو لوگ اپنی لیاقت کا اسطرح
اظہار کرتے ہیں کہ اپنی قوم کی عورتوں سے اس بنا پر گریزاں ہیں کہ وہ لائق نہیں
اور غیر قوموں کی عورتوں کی جانب میلان کرتے ہیں۔ کسی طرح بھی لایق کہلانے
کے مستحق نہیں۔ کیونکہ انسے ایک شخص بھی جو ہر وقت انکا مونس اور ہمدم ہے
لائق نہ بن سکا۔ اور اگر وہ کہیں کہ ہماری عمر کا بڑا حصہ اس کام میں صرف ہوا۔
اور ہماری طبیعت ایک عرصہ تک لائق راز دار کے ہونے سے کبیدہ رہتی۔ تو میں
علانیہ کہتی ہوں کہ انسانی اوصاف سے وہ شخص بالکل عاری ہے۔ جسکی طبیعت
دوسروں کی بھلائی کرنے سے گریز کرے۔ اور اپنی آسایش کو قومی خدمت پر
ترجیح دے۔ وہ ہرگز انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ لہذا میں دعویٰ کرتی ہوں
کہ جو ایسے نالایق لوگ ہیں اگر وہ غیر ملک کی عورتوں کو اپنا ہمراز بنا کر اپنی قوم
اور ملک کو دوغلا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری قوم سے خارج ہو جاویں تو خس کم جہاں پاک
کہکر سپاس الٰہی بجا لانی چاہئیں۔ کیونکہ ایسے تن آسانی اور تن آسانی والے باعث
ادبار و ذلت قوم ہوتے ہیں۔

پردہ کے متعلق جو میری معزز بہن مصری کی رائے ہے وہ مصر تک محدود رہنی
چاہیئے۔ ہندوستان میں اس بحث کو چھیڑنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ سوال اسوقت
مناسب ہے۔ جبکہ مسلمانان ہندوستان کے اعمال و افعال مطابق شریعت غرا
ہو جاویں۔ اسوقت پردہ کا بھی اسلامی طریق پر ہونا بشرطیکہ غیر مسلم قوم کے ارتباط
کا اندیشہ ہنوز زیر بحث آسکتا ہے۔ اسے میری معزز بہن تم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ، بموجودگی سکر ایک فرض کو ساقط کر دیا۔ اور
فرض بھی کیسا کہ انسان جبتک انسان ہے اس سے معاف نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک معاشرتی
طریق پردہ ونسوں میں افراط کرنے بموجودگی ان خرابیوں کے جو بلا روک ٹوک اسوقت
کیجاتی ہیں۔ کیوں محمود خیال نہ کیا جاوے۔ جس قدر رزولیوشن سیری بہن نے تجویز
کئے ہیں وہ سب ہی اچھے ہیں لیکن انکے ساتھ ہی وہ تدبیر بھی پیش ہونی چاہیے تھیں
جس سے عملی کارروائی شروع ہوتی۔ کیونکہ بلا عمل کے اسکے نتائج سے ہم مستفید نہیں
ہو سکتے۔ منجملہ ان رزولیوشن کے صرف رزولیوشن نمبر ۲ کے متعلق حسب گذارش
بالا اس قدر عرض کرتی ہوں کہ جب تک ہماری قوم درا صل مسلمان متبع سنت
نہ بن جائے۔ پردہ کی بحث کو ملتوی رکھا جاوے۔

راقمہ

اخت محترم الدین احمد

ذی شعور لڑکیاں اور روزہ نماز

افسوس ہے کہ آجکل اکثر گھروں میں روزہ نماز کا بالکل چرچہ نہیں ہے کوئی
شاذ و نادر ہی گھر ایسا ہوگا کہ جس میں روزہ نماز کا چرچہ ہو ورنہ اس زمانہ کے
مسلمان فقط نام ہی کے مسلمان ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ روزہ کیا چیز ہے
اور نماز کس جانور کا نام ہے نئی تعلیم یافتہ لڑکیاں اور بھی زیادہ اس بدعادت
میں مبتلا نظر آتی ہیں اور روزہ نماز کو گویا آگ سمجھتی اور جان چراتی ہیں
نئی تعلیم یافتہ لڑکیوں کا تو یہی کام رہگیا کہ انگریزی تقلید اور نئے فیشن کا
اہتمام کرتے کرتے سوگئیں صبح ہوئی پھر وہی نئے فیشن کی خوشنمائیوں اور
دنیا کے دھندوں میں مصروف ہوگئیں دن بھر میں کبھی بھولے سے بھی
خدا اور اس کے پیارے رسول کا نام زبان پر نہیں آتا۔ حالانکہ نہایت

آسان و سہل طریقہ سے خدا و رسول کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے مگر آرام پسند اور کاہل وجود لڑکیوں کی ہمت اسپر ہی تقاضا نہیں کرتی کیا نماز میں پہاڑ کے پتھر اُٹھانے پڑتے ہیں جو لڑکیاں نماز کو وبال جان سمجھتی اور دم چُراتی ہیں اور خداوند کریم کا دیا ہوا رزق کھاکر اور اسکی نعمتوں سے آرام حاصل کرکے محض بیکار پڑی رہتی ہیں اور یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ نماز کا کھڑاگ کون کرے دن سے پہلے اُٹھکر منہ دہونا ہاتھ دھونا اور وقت پر نماز پڑہنا جا نماز بچھانا اور اسکے علاوہ وقت مقررہ پر سرِمو فرق نہ ہونے دینا نہ ہُوا ہم سے یہ اُٹھک بیٹھک نہیں ہو سکتی اور صبح ہی صبح پانی میں ہاتھ ڈالنے سے ہمکو سردی و زکام ہو جاتا ہے (چہ خوش کیا عمدہ عذر ہے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار) اور یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچہ گھر میں روزہ نماز کا چرچہ نہ دیکھکر بالکل آزاد طبیعت اور خراب تربیت حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ وہ روزہ نماز کی عوض یہ چرچہ دیکھتے ہیں کہ دن پہلے نماز فجر کے عوض چاء کی دہوم مچ رہی ہے میز کرسی لگائی جارہی ہے اور انواع اقسام کی نعمتیں چُنی جارہی ہیں اس سے فراغت ہوئی تو دوپہر کے کھانے کا بڑے اہتمام کے ساتھ انتظام ہو رہا ہے اور سب چھوٹے بڑے اس انتظام میں لگے ہیں اسکے بعد تھوڑی دیر آرام خاص کا وقت ہے۔ بیدار ہونے پر نہایت کروفر کے ساتھ شام کا ناشتہ ہوا اور عصر کی نماز کے عوض بچے ہواخوری کے لئے تیار کئے گئے اور یہ سلسلہ نماز مغرب تک رہا اسکے بعد تمام ٹھاٹ رات کے کھانے پر ختم ہو گیا بستر کئے گئے اور بچوں کی معلومات بڑہانے کے لئے ڈراونی کہانیاں جھوٹے سچے قصہ سُنائے صبح ہوئی پھر دنیاوی کاموں میں مصروف ہو گئیں جبکہ بچے نہ گھر میں روزہ نماز کا چرچہ

دیکھتے ہیں اور نہ مدرسوں میں دین کی تعلیم پاتے ہیں تو وہ کس طرح خدا
رسول کے احکام پہچان سکتے ہیں۔ کاش کہ جھوٹے سچے قصوں کہانیوں کی
عوض بچوں کو دین کے مسلہ اور نماز روزہ کا خیال ذہن نشین کرایا جائے۔
نماز کا تو یہ حال ہے اور رمضان شریف کیا آتے ہیں کہ ایک آفت آتی ہی
اوّل تو روزہ ہی کیوں رکھنے لگے کیا ہمارے گھر میں اللہ کا دیا ہوا رزق
نہیں ہے جو فاقہ کشی کر کے اپنے آپ لاغر و ناتواں بنالیں اگر ذرا سا لحاظ
کیا تو بیماری کا عذر جو رمضان شریف میں خوب ہاتھ آتا ہے پیش کر دیا اور
اس سے بھی زیادہ ہمت کا کام کیا اور روزہ رکھ لیا تو ایک ایک سے
بھوک کی شکایت ہو رہی ہے پیاس لگ رہی ہے سر میں شدت سے درد
ہو رہا ہے جمائیاں آرہی ہیں اور غصہ ہی کہ بات بات پر چلا ہی آرہا ہی اور
ایک ایک منٹ گنا جا رہا ہی غرض روزہ رکھکر نہایت بیقراری کے سات
دن ختم ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ پہلے ہی روزہ میں یہ حال ہوا آیندہ
خدا خیر کرے نہ بُوا ہم میں اتنا بوتا نہیں ہے جو اس قدر تکلیف برداشت
کر سکیں۔ پیاری لڑکیوں رمضان شریف ہمیشہ تھوڑے ہی رہتے ہیں یہ
بھی خداوند کریم نے ہمارے لئے ایک افضل و مبارک مہینہ بنایا ہے تاکہ
روزہ رکھکر خداوند کی رضامندی حاصل کریں صبر کی عادت ہو دوسروں کی
ہمدردی اور بھوک کی تکلیف احساس کریں اور اس مہربان خدا نے جو بیشمار
نعمتیں ہم کو عطا کی ہیں اسکی قدر کریں۔ روزہ بڑی محنت اور تکلیف کا
کام ہی۔ ممکن ہے کہ بعض بہنوں کی صحت اس قابل نہ ہو اور انکا عذر درست
ہو۔ لیکن نماز نہ پڑھنے کا کیا عذر ہو سکتا ہے مانا کہ آجکل کی لڑکیاں حد سے
زیادہ انگریزیت کی دلدادہ ہیں لیکن جس طرح لباس میں گفتگو میں چال

چلن میں اوران کی ہین تہذیب سیکھنے میں ان کی تقلید کی جاتی ہے اسیطرح
ان کے سے نماز روزہ اور پابندی اوقات کی حرص کیوں نہیں کی جاتی
نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ عیسائی قوم تو اس سرگرمی و اہتمام
کے ساتھ اپنے مذہب میں روزہ نماز کی پابند ہو اور ہماری قابل فخر قوم
یوں روزہ نماز سے جان چرائے۔ حالانکہ یورپین لیڈیز ہماری طرح بیکار اور
احدی بنی ہوئی نہیں رہتیں بلکہ دن بھر گھر کے کام کاج اور دستکاری میں
مصروف رہ کر بھی اپنے دین کا خیال رکھتی ہیں خصوصًا اتوار کے دن بڑے
اہتمام کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتی ہیں اور اس دن کوئی فضول کام
نہیں کرتیں اور بائبل پڑھتی رہتی ہیں نہ کہ ہماری طرح کے جمعہ کے دن سو
میں دس پانچ آدمی جمعہ کی نماز کو گئے تو بہت بڑی بڑائی ہو گئی لڑکیوں
اور عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پس ہم کو ان کی عبادت دیکھکر شرمانا چاہیے
اور اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے اور عبرت پکڑنی چاہیئے۔ پیاری لڑکیو
یہ چند روزہ زندگی ہے اور ہم یہاں مثل ایک مسافر کے مقیم ہیں جس طرح کہ
مسافر سرائے میں ٹھیر کر اپنی منزل مقصود پر جاتا ہے اس طرح ہم کو بھی
ایک نہ ایک دن اس مالک حقیقی کے روبرو جانا ہوگا وہاں ہمارے نیک و
بد کاموں کی بازپرس ہوگی وہاں یہ نہیں ہوگا کہ کسی کو رشوت دیکر اپنی
طرف سے جھوٹی گواہی دلوادیں بلکہ وہاں سچا معاملہ ہوگا اور کوئی عذر وحیلہ
کارگر نہ ہوگا اپنے ہاتھ پاؤں اور رواں رواں اپنا دشمن ہو جائیگا اور
اپنے خلاف گواہی دیگا اور حشر میں سب سے پہلے نماز ہی کی پوچھ ہوگی اور
نماز ہی ہمارے گناہوں کے بخشوانے کی موجب ہوگی چونکہ نماز سب
نیکیوں پر فوقیت رکھتی ہے اور بے نمازی کی کوئی عبادت و سخاوت دعا

قبول نہیں ہوتی اگر روزہ رکھکر نماز نہ پڑہیں تو روزہ بھی قبول نہیں ہوتا بلکہ فاقہ میں شمار ہوتا ہے اور دن بھر کی محنت اکارت ہو جاتی ہے۔ پیاری لڑکیوں نماز ایسی اچھی چیز ہے کہ ذراسی تکلیف گوارا کرنے پر اپنے معبود حقیقی کی پرستش و رضامندی اور پیارے رسولؐ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور جو دعا مانگو قبول ہوتی ہے۔ وقت مقررہ پر کام کرنے کی عادت اور اور مزاج میں صفائی پیدا ہوتی ہے غرض نماز کی طرف سے ہر ایک طرح کی پاکی و صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے باوجود ان خوبیوں کے جو بیان کی گئی ہیں نماز ہی پر ہماری بخشش کا دار و مدار ہے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم دنیا کی مشکل سے مشکل کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر نماز سے جو بہت سہل ہے جان چراتے ہیں۔ پیاری لڑکیوں غور کرنا چاہیئے کہ جب کوئی نوکر اپنے مالک کے حکم کے خلاف کام کرتا ہے تو ایسے نافرمان نوکر پر کس قدر غصہ آتا ہے اور اس کو کوئی چیز دینے کو دل نہیں چاہتا اور جب نافرمانیاں حد سے زیادہ تجاوز کر جاتی ہیں تو نوکری سے برطرف کر دیتے ہیں۔ اس طرح اگر خداوند کریم ہمارے گناہوں پر نظر کرے تو دم کے دم میں ہمارے گناہوں کی سزا اور دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے اس میں سب قدرت ہے لیکن خداوند کریم اپنے گناہ گار و نافرمان بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ اس قدر نافرمانیوں پر بھی اپنے نافرمان بندوں کو رزق دیتا ہے اور اپنی بے شمار نعمتوں سے محروم نہیں رکھتا اور اپنے بندوں کے گناہوں کا پردہ فاش نہیں کرتا نہایت شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے رحیم و کریم خدا کی ہم سے عبادت نہ ہو سکے اور اسکی رضامندی کا خیال نہ رکھیں۔ یہ سراسر ناشکری و نافرمانی اور کفران نعمت ہے۔ لہذا ذی شعور لڑکیوں کا فرض ہے

کہ خود نماز پڑھیں روزہ رکھیں اور چھوٹے بہن بھائیوں کو دین کی ترغیب دیں اور دوسروں کے لئے موجب عبرت بنیں تاکہ دونوں جہان میں سرخرو رہیں۔ پیاری لڑکیوں میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کے کاروبار چھوڑ کر تارک الدنیا بن جاؤ بھلا جیتے جی دنیا کے جھگڑوں سے کیونکر نجات مل سکتی ہے لیکن اتنا میں ضرور کہہ سکتی ہوں کہ نماز روزہ کو سب کاموں پر مقدم سمجھنا چاہئیے اور اس مہربان خدا کی رضامندی کا کچھ تو خیال رکھنا چاہئیے اور اس مہربان جس کے اس قدر ان گنت احسانات ہم پر ہیں کہ ہماری زبان اگر ساری عمر شکریہ ادا کرے تو بھی ادا نہو سکے۔

خاکسار
عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی
حیدرآباد دکن

مسلم یونیورسٹی فنڈ

مئی کے وصول شدہ چندے کی فہرست نذر ناظرین خاتون کی جا چکی ہے۔ اُسکے بعد جن ہمدرد قوم بہنوں نے میری امداد کی اُن کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ صاحبزادی جناب حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب و بیگم جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب (یعنی ہمارے سکرٹری) کی قابل قدر امداد کا شکریہ ادا کرنے کو میں الفاظ نہیں پاتی ہوں۔ ان دونوں معزز بہنوں نے میری ناچیز درخواست منظور کی۔ صاحبزادی حاجی موسیٰ خانصاحب چند ہفتوں سے فراہمی چندے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسوقت تک انہوں نے پانچسو روپیہ کے وعدے کرائے ہیں اور کچھ وصول بھی کر لیا ہے خدا ہمت

میں برکت دے - اور ہماری کارکن بہن جناب بیگم عبداللہ صاحب نے
بھی کام شروع کر دیا ہی - اور اُن کی کوشش سے عنقریب علیگڑھ میں بغرض
فراہمی چندہ معزز بیگمات کا ایک جلسہ ہونیوالا ہے - اب ہیں امید کامیابی
ہے - بیگم صاحبہ جناب سید وزیر حسن صاحب بی اے - ایل - ایل - بی وکیل
لکھنؤ میں کوشش کر رہی ہیں - وہ با اثر خواتین لکھنؤ کی ایک کمیٹی قایم کرنے
والی ہیں جس سے باقاعدہ کارروائی ہو - افسوس کہ میری عزیز بہن بنت
سید امداد حسین صاحب جونپور گذشتہ ماہ میں سخت علیل رہیں - وہ اسقدر
ناتوان ہوگئیں تھیں - کہ اُٹھنا بیٹھنا بھی دشوار تھا - لیکن اس حالت میں
بھی اپنے فنڈ کا برابر خیال رہا - اور اپنے والد صاحب سے خط لکھوا کر
مجھسے اور رسید بہیاں منگا کر تقسیم کر دیں - خدا انہیں صحت کامل عطا
فرمائیے اور کوشش میں کامیاب کرے - عزیز بہن ہمشیرہ محمد مسعود صاحبہ
بدایوں کی گذشتہ ماہ میں شادی ہو گئی ہے - دُلہن بننے میں بھی وہ اپنے
فنڈ کو نہیں بھولیں - اُمید ہی کہ وہ بہت جلدی اپنی رسید بہی پُر کر کے
بھیجدینگی - بنت عبدالغنی صاحب سشن جج ہردوئی نے بھی (جنکی حال ہی
میں شادی ہوئی ہے) میری درخواست منظور کی اور رسید بہی لیکر
ہردوئی میں کام شروع کر دیا - میں نے رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ کا ذکر
کرتے ہوئے پچھلے مضمون میں لکھا تہا کہ دوسری دُلھنوں کو بھی ان کی تقلید
کرنی چاہیئے سو خدا کا شکر ہے کہ انہیں دنوں دو اور نئی دُلھنوں نے قومی
کام میں حصہ لیکر دکھا دیا -

روشن خیال پنجابی بہنوں میں سے بنت جناب عبدالحمید صاحب ناظم
ریاست پٹیالہ و بیگم صاحبہ جناب سید نذیر حیدر صاحب رئیس سیالکوٹ

و برادر زادی جناب مولوی امام الدین صاحب پنشنر گجرات نے ازراہ مہربانی میری درخواست منظور کرکے اپنے شہر میں کام کرنا منظور کیا۔ چنانچہ اُن کو رسید بہیاں بھیجدی گئیں اور اب وہ فراہمی چندے میں مصروف ہیں

میں شکر گذار ہوں اپنی معزز بہن جناب زہرا خانم صاحبہ فیضی بمبئی کی امداد کی جنہوں نے اپنا چندہ عنایت کیا۔ گو بوجہ پریشانی و علالت کے وہ اس کام میں جیسا کہ چاہیئے تھا کافی حصہ نہ لے سکیں۔ تاہم اُن کی یہی مدد قابل قدر ہے۔ اور مشکور ہوں اپنی بہن بیگم جناب عبدالرزاق صاحب داروغہ جیل پشاور کی جنہوں نے نہ صرف اپنا ہی ستر روپیہ فنڈ کو عنایت کیا۔ بلکہ ملازمین جیل خانہ کی عورات سے جس قدر ہوسکا وصول کرکے عنایت کیا۔ ہمارے فنڈ میں سب سے بڑی رقم بیگم صاحبہ موصوفہ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ جس میں سے تیس اونہوں نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ بنت خواجہ احمد حسن صاحب دھلی کو دیئے ہیں۔ اور چالیس مجھے بھیجے ہیں۔ بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ جو دھلی میں کام کر رہی ہیں۔

وہ بہن صاحبہ موصوفہ کی چھوٹی بہن ہیں۔ اور رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ مراد آباد ان کی بھانجی ہیں۔ اس ایک خاندان کی تین روشن خیال بہنوں نے سب سے زیادہ مدد دی ہے۔

میری بھابی صاحبہ جناب بیگم سید اقبال بہادر صاحب بی اے نواب آف شمس آباد نے بھی اپنے گھر کا چندہ عنایت کیا ہے۔ اُن کے بچے اُن دنوں علیل تھے اسلئے زیادہ نہ ہوسکا۔ پیاری بہن شریف النسا صاحبہ نے جالندھر کا وصول شدہ روپیہ اور فہرست مجھے بھیجدی ہے۔

وہ چھتیس ۳۶ روپیہ ہی جالندھر سے کرنے پائی تھیں کہ اُن کے

والد ماجد کی تبدیلی شاہ پور کی ہو گئی۔ تاہم استنے گھر سے اونہوں نے وصول کر ہی لیا کہ ایک رسید بُک پُر ہو کر واپس مجھے ملگئی۔ میں شکریہ ادا کرتی ہوں اپنی معزز بہن بیگم غلام باری صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل لائلپور کا جنہوں نے ایک ہفتہ کے اندر پچاس روپیہ فراہم کر کے مجھے عنایت کیا۔ اسقدر جلد اور کسی بہن کی طرف سے روپیہ نہیں ملا۔ خدا ایسی ہمدرد قوم بہنوں کو ہمیشہ خوشی رکھے۔ افسوس کہ اور بہنوں کی طرح ناظرین خاتون اپنے فنڈ کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں۔ جسکی مجھے شکایت ہی۔

بوبو صاحبہ لاہور	۴ر
رقیہ بیگم " "	۲ر
خادمہ " "	۱ر
بیوہ عایشہ بی بی "	۱ر

فہرست حساب حسب ذیل ہی

میزان رسالہ خاتون نمبر مئی سنہ ۱۱	ساہے ۹ر	سیٹھہ محمد ذکریا صاحب کوہاٹ	۶ر
بیگم صاحبہ عبد الرزاق صاحب پشاور	للعہ	سیٹھہ عنایت اللہ خان صاحب کوہاٹ	عہ ر
زہرا خانم صاحبہ فیضی بمبئی۔ ۔ ۔	عہ	جیلانی بخش صاحب اسسٹنٹ ٹیلیگراف ماسٹر کوہاٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶ر
بیگم صاحبہ نواب اقبال بہادر صاحب آف شمس آباد	عہ		
بیگم صاحبہ نواب سکندر دولہ صاحب " "	صہ ر	بنت عبد الغنی صاحب پنشن جج بہرہ دولی	۶ر
بیگم صاحبہ نواب سید سلطان صاحب " "	صہ ر	بنت حافظ شریف محمد صاحب بنت	عہ ر
صاحبزادی نواب اقبال بہادر صاحب " "	صہ ر	شہزادہ احمد شاہ صاحب کوہاٹ	عہ ر
صاحبزادی سید سلطان صاحب " "	صہ ر	بیگم صاحبہ عبد الرحیم صاحب جالندہر۔	۶ر

نام	رقم	نام	رقم
بنت جناب سید محمود شاہ صاحب پشاور	صہ/	بیگم صاحبہ فضل محمد صاحب جالندہر	عہ/
بیگم صاحبہ عبدالرحمٰن صاحب کوہاٹ	صہ/	بیگم مبارک سند صاحبہ جالندہر	ع/
بیگم صاحبہ ممتاز اللہ خانصاحب		بیگم صاحبہ عبدالعزیز صاحب جالندہر	ع/
سہارنپور۔ - - - -	وعہ	والدہ صاحبہ محمد بشیر صاحب جالندہر	عہ/
بیگم صاحبہ یعقوب علیخاں صاحب لاہور	صہ/	والدہ صاحبہ شیخ محمد شریف	
والدہ صاحبہ شاہنواز خانصاحب لاہور	ع/	صاحب جالندہر	صہ/
بیگم صاحبہ محمد عزیز مرزا صاحب لاہور	عہ/	بیگم صاحبہ عبدالعزیز صاحب جالندہر	عہ/
والدہ صاحبہ قاضی عبدالقدیر صاحب لاہور	عہ/	سراج بیگم صاحبہ بنت فضل الٰہی	
بیگم صاحبہ ڈاکٹر خدابخش صاحب لاہور	عہ/	صاحب بیرسٹر۔ لاہور۔	ع/
عالی شاہ نواز صاحب لاہور۔	ہ/	والدہ صاحبہ عبدالحمید صاحب جالندہر	ع/
بنت سردار احمد صاحبہ لاہور۔	عـہ	نجم آرا عبداللطیف صاحب ”	ع/
بیگم صاحبہ عبدالحمید صاحب لاہور۔	ع/	شریف النساء عبداللطیف صاحب ”	صہ/
سپہر آرا بیگم صاحبہ لاہور۔	ع/	بیگم صاحبہ میر حامد علیصاحب پشاور	سے/
والدہ سپہر آرا بیگم جالندہر۔	ع/	ہمشیرہ صاحبہ میر حامد علیصاحب ”	ع/
بیگم صاحبہ عبدالغنی صاحب جالندہر	ع/	بیگم صاحبہ اکبر علی صاحب ”	ع/
بیگم صاحبہ محمد حسین صاحب ساڈہورہ		بیگم صاحبہ منشی امیر احمد صاحب ”	ع/
ضلع جالندہر - - - -	ع/	بیگم صاحبہ امیر علی صاحب ”	عہ/
والدہ محمد حسین صاحبہ ساڈہورہ ضلع جالندہر	عہ/	غلام باری صاحب بی اے	
دختر کلاں محمد حسین صاحب ” ”	عہ/	وکیل لائلپور۔	وعـہ
دختر خورد محمد حسین صاحب ” ”	عہ/	بیگم صاحبہ غلام جیلانی صاحب	
بیگم صاحبہ فیض محمد صاحب جالندہر	عہ/	منصف لائلپور۔	عـہ

منشی فتح دین صاحب لائلپور۔	عـه	غلام محمد مالی صاحب لائلپور	صه ر
برکت اللہ صاحب سفید پوش "	صه ر	بذریعہ پھول میلے	لعہ ۱۵ آر
[illegible] صاحب وکیل "	صه ر	میزان [illegible]	
منشی محمد حسین صاحب "	عـه	میزان کل صاحب ۵۸۴ ۸ ر	
بنت غلام باری صاحب "	صه ر	خاکسار	
غلام حیدر نمبردار "	۶ ار	بنت نذر الباقر کوہاٹ	

یونیورسٹی فنڈ

اگرچہ مجکو اس صوبہ کی خواتین سے مدد کی جس قدر ضرورت اور جتنی اُمید تھی اُس قدر نہیں ملی۔ مگر میری ناشکرگذاری ہوگی اگر میں اُن معزز بہنوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری مدد فرمائی تھی میں تہ دل سے مشکور ہوں اپنی معزز بہن بنت حاجی موسیٰ خاں علی گڑہ کی۔ جو علی گڑہ اور اُسکے قرب وجوار میں فراہمی چندہ کے لئے کوشاں ہیں، مسز امیر احمد صاحبہ آگرہ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اڑتالیس روپیہ آٹھ آنہ اپنے عزیزوں سے وصول کر کے بھیجے ہیں بنت عاشق علی صاحبہ فیض آباد و بنت عبد الغنی صاحبہ ہردوئی بھی مصروف کار ہیں۔ خدا اُن کو کامیاب کرے۔

اس صوبہ میں صرف علی گڑہ آگرہ فیض آباد و ہردوئی میں فراہمی چندہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ افسوس یہ ہو کہ چھوٹے چھوٹے شہر تو درکنار بڑے بڑے شہروں مثلاً میرٹھ بنارس الہ آباد سہارنپور کانپور شاہجہانپور بریلی بداؤں رائے بریلی رامپور وغیرہ کی قابل بہنیں ابھی تک خاموش ہیں۔ معزز بہنو وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ یہی کام

وقت ہی بس کم ہمت چست کیجئے اور بیش از پیش کوشش کیجئے

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

میں نے کئی سو اپیل مختلف شہروں کی خواتین کی خدمت میں ارسال کئے لیکن افسوس ہی کہ بجز چند بہنوں کے کسی نے ہاں نہ کا بھی جواب نہیں دیا پیاری بہنو اور واجب الاحترام خاتونوں یہ دیری کا وقت نہیں ہی بزرگان قدم بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ جب تک پچیس لاکھ روپیہ جمع نہ ہو جائیگا۔ گورنمنٹ سے یونیورسٹی کے چارٹر کے متعلق کوئی کارروائی نہو سکے گی۔ ضرورت ہی کہ اب تمام خواتین جن میں کچھ بھی قومی ہمدردی کا احساس اور قومی خدمت کا شوق ہی اس طرف اپنی تمام توجہ مبذول فرمائیں

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

معزز خواتین اب چشم ہوش کھولئے اور دیکھئے کہ وقت کم ہی اور کام زیادہ جب زنانہ فنڈ قایم کیا ہے تو خدارا اپنی ہمجنس کی شرم رکھ لیجئے اور یہ کہنے کا موقعہ نہ دیجئے کہ ہندوستانی مسلمان خواتین بے حس ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں جن خواتین نے ازراہ قومی ہمدردی زنانہ فنڈ میں چندہ عطا فرمایا اور وعدہ ہی ان میں سے مخدوم بیگم حاجی موسیٰ خاں علیگڑھ و بیگم مولوی عبد القیوم مراد آبادی وعدوں کی دو دو سو کی قوم فنڈ میں سب سے بڑی رقمیں ہیں جن کا ان فیاض دل بیگمات نے وعدہ فرمایا ہے اور جو عنقریب وصول ہو جائینگی۔ ہر دو بیگمات کی اس فیاضی کا اپنی اور تمام قوم کی طرف سے دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہی۔ مکرمہ مسز عبد الحفیظ

بچھراؤں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے پچاس کا وعدہ فرمایا ہے آخر میں ان سب خواتین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس فنڈ میں شرکت فرماکر ہمیں مرہون منت بنایا۔

۷/اپریل ۱۱ء سے یکم جولائی تک کا حساب حسب ذیل ہے

نام چندہ دہندگان	رقم چندہ پائی	آنہ	روپیہ
(۱) اہلیہ مولوی عبدالقیوم صاحب سب جج مرحوم (وعدہ)			۲۰۰
(۲) اہلیہ مولوی عبدالحفیظ صاحب بچھراؤں ضلع مرادآباد (وعدہ)			۵۰
(۳) اہلیہ مولوی عبد الرب صاحب وکیل مرحوم مرادآباد۔			۲۵
(۴) اہلیہ مولوی عبدالحق صاحب منصف مرحوم مرادآباد (وعدہ)			۲۰
(۵) اہلیہ سید رضا علی صاحب وکیل مرادآباد (وعدہ)			۱۰
(۶) بنت احمد حسن صاحب مرادآباد (وعدہ)			۱۰
(۷) بنت سید نبی اللہ صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ۔			۱۰
(۸) اہلیہ سید مشتاق حسین صاحب مرادآباد۔			۵
(۹) اہلیہ نجف علی صاحب نینی تال۔			۵
(۱۰) اہلیہ مرزا ہادی حسن بیگ صاحب مرادآباد۔			۲
(۱۱) اہلیہ سید ابن علی صاحب (ایڈیٹر نیر اعظم) مرادآباد۔			۲
(۱۲) بنت اشتیاق حسین صاحب سنبھل ضلع مرادآباد۔		۱۲	
(۱۳) شفیق فاطمہ۔		۸	
(۱۴) نصیبن ملازمہ مسز مسعود الحسن۔		۸	

نام چندہ دہندگان	رقم چندہ پائی	آنہ	روپیہ
(۱۵) عزیزن (بونی) ملازمہ اہلیہ عبدالقیوم صاحب۔		۴	
(۱۶) بنت* حاجی موسیٰ خانصاحب مشرف منزل علیگڑھ۔			۲۵
(۱۷) اہلیہ حاجی موسیٰ خاں معرفت بنت موسیٰ خانصاحب علیگڑھ (وعدہ)			۲۰۰
(۱۸) دختر کلاں نواب مزمل اللہ خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۲۵
(۱۹) " خورد " " " "			۲۵
(۲۰) دختر کلاں مولوی حبیب الرحمن خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۲۰
(۲۱) اہلیہ ضمیر الحسن خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۵
(۲۲) ہمشیرہ خورد حافظ عبدالحلیم خانصاحب معرفت۔			
(۲۳) بنت حاجی موسیٰ خانصاحب علی گڑھ۔			۴
(۲۴) مسز امیر احمد صاحب آگرہ۔			۱۰
(۲۵) مسز برکت اللہ صاحب معرفت مسز امیر احمد آگرہ۔			۵
(۲۶) مسز محمود حسن صاحب " " "			۵
(۲۷) مسز اعجاز احمد خانصاحب معرفت مسز امیر احمد آگرہ۔			۵
(۲۸) دادی صاحبہ حشمت اللہ صاحب " " "			۲
(۲۹) نانی صاحبہ حشمت اللہ صاحب " " "			۱
(۳۰) حمیدہ بیگم بنت رحمت اللہ صاحب " " "			۵
(۳۱) اقبال جہاں بنت واجد علی صاحب " " "			۳
(۳۲) بارقہ بیگم بنت برکت اللہ صاحب " " "			۱

* یہ کل رقم یعنی ۳۰۴ روپیہ (وصول شدہ ۱۰۴ موعودہ ۲۰۰) بنت حاجی موسیٰ خانصاحب کے پاس علیگڑھ ہے

"ترجمہ از نیر اسیٹ"

حسن سیرت

سمندر کے کنارے ہم دونوں آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اور اُس کی کرنیں بلغاریہ کے جنگل کے درختوں کی پتیوں میں سے چھن کر ہماری آنکھوں کو چکا چوند کر رہی تھیں۔ سفید بادلوں کے دل کے دل ہوا میں اِدھر اُدھر جا رہے تھے اور باسفورس کا گہرا نیلگوں رنگ اس منظر کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔

ہبین۔ میرا بازو پکڑے ہوئے تھا اور اس سین سے متاثر ہو کر بے اختیار چلا اُٹھا۔ اُف حسن! احسن!

پھر باسفورس کی طرف للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھکر کہنے لگا۔

میری بیوی کتنی ہی تنک مزاج اور بدخو کیوں نہو مگر میری دلی آرزو ہو کہ وہ نہایت حسین ہو"

میں ۔"خواب! یہ سب خواب ہی! یہ خیالی باتیں ہیں انکا کہیں وجود نہیں ۔ کیا مشرقی ممالک کے نوجوانوں کی بھی انتہائی خوشی اور بھی سب سے بڑی خواہش ہو کہ اُنکی بیویاں خوبصورت ہوں ؟"

ہبین ۔"میں تمہاری اس بیہودہ منطق کو نہیں سُننا چاہتا ۔ میری بات سُنو میری آیندہ بیوی چاہے غیر مذہب اور تیز مزاج ہی کیوں نہو مگر اُسکو خوبصورت ہونا چاہیئے" پھر کچھ سوچ کر کہا ۔"صرف ایک حسین ۔ نہایت حسین عورت محبت کے قابل ہے ۔ لیکن شاید تم میرا مطلب نہیں سمجھتے"

میں ۔"اُوہ! میں تمہارا مطلب خوب سمجھتا ہوں ۔ تم خواب دیکھ رہے ہو ۔ اس دنیا میں نہیں ہو"۔

ہبین ایک نرم دل اور عالم خیال میں مستغرق رہنے والا نوجوان تھا جب ہم دونوں علٰحدہ ہونے لگے تو ہبین نے کہا ۔"میری شادی عنقریب ہونے والی ہو اور میری بیوی بے انتہا حسین ہوگی"۔

۲۰ ۔ دن کے بعد میں یونان چلا گیا ۔ میرے ایک خط کے جواب میں اُسنے لکھا ۔"دو ماہ بعد ۔ جبکہ تم بحر یونان کے ساحلوں کے کنارے اپنی تنہائی پر افسوس کرتے ہوگے ۔ میں ایک حسن کی دیوی کی پرستش میں مشغول ہونگا ۔

بدقسمت نوجوان! جب کبھی میں حسن کی تعریف میں اشعار لکھا کرتا تھا تو تو مجھ پر ہنسا کرتا تھا ۔ اور کیا عجب کہ تم میرے اس خط پر بھی ہنسو ۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں تمکو بھی اپنی خوشی میں شریک کروں ۔ سنو ۔ میری شادی کی تاریخ عنقریب مقرر ہو جائیگی ۔ میری والدہ نے مجھے اطلاع دی ہو کہ میری آیندہ

بیوی بیحد حسین ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔ "میں اُس لڑکی کی بیحد مداح ہوں۔ اُسکے خوش سلیقگی نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔"

دوسرے خط میں مبین نے لکھا۔ "ایک حسین۔ نازک اندام لڑکی کو اپنے آغوش میں خیال کرو۔ اُس کے ریشمی لانبے بال۔ اُسکی نرم نرم اُنگلیاں اُسکا گلابی چہرہ۔ اُسکے پتلے پتلے ہونٹھ۔ اُف! اُسکے تمام اعضا کو غور کرو۔ سب سے زیادہ اُس خوشی کا اندازہ کرو جو کہ ایک پریوش بیوی کے ملنے سے ہوتی ہے۔ یہ خوشی تمام دنیا کے خزانے ملجانے کی خوشی سے بڑھکر ہے۔"

یہ مبین کا آخری خط تھا جس میں اُس نے حسن پر گل افشانی کی تھی۔ اسکے بعد کوئی سال بھر کے عرصہ میں مجھے مبین کے دو خط ملے۔ مگر اُن میں علاوہ معمولی حالات کے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مجھے مبین کی شادی کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہوئی۔

کچھ دنوں بعد میں رخصت لے کر قسطنطنیہ واپس آیا۔ سب سے زیادہ مجھے مبین سے ملاقات کرنے کا شوق تھا۔ دوسرے دن مبین خود میرے پاس آیا اور تھوڑی دیر کے غپ شپ کے بعد خود ہی کہنے لگا۔ "تم شاید جانتے ہو کہ یہ میرا صرف خیال ہی خیال تھا کہ میں ایک خوبصورت عورت سے شادی کروں۔ چونکہ میرے جان پہچان میں کوئی لڑکی نہیں تھی۔ لہذا میں گارڈنیں اور باغوں میں تلاش کرتا رہا۔ وہ گاڑیاں! اُن گاڑیوں نے مجھے سخت دہوکا دیا۔ جب کبھی میں کسی عورت کو دیکھتا تھا تو مجھے خیال ہوتا تھا کہ اس ریشمی نقاب کے پیچھے چاند سے زیادہ منور چہرہ چھپا ہوا ہے اور گویا کہ نقاب مثل ابر کے اسکو میری نظروں سے بچانے کے لئے بیچ میں حائل ہے۔ لیکن جب پنجشنبہ کی

شام کو میں اپنی بیوی سے پہلی مرتبہ ملا۔ اور معمولی رسوم کے بعد میں نے اس سے نقاب اُٹھانے کی خواہش ظاہر کی تو پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شرمائی ہوئی ہے۔ اُسکے زنانہ کپڑوں پر دھیمی روشنی کا اثر واقعی بہت خوشنما تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اُس گلابی نقاب کے آڑ میں ایک خوبصورت چہرا ہے جسپر کہ کچھ فکر و تردد کے آثار بھی تھے جو کہ اسکی خوبصورتی کو اور بڑھا رہے تھے۔ یہ سب میں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا۔ میری اُسوقت ایک عجیب حالت تھی۔ اُس عاشقانہ نظم کو جو میں نے ہفتوں پیشتر اس موقعہ کے لئے طیار کرکے برزبان کر لیا تھا دل ہی دل میں دہراے گیا۔ اور اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ اُسکا اثر اسپر کیا پڑے گا۔ میں اُس سے اور قریب ہوگیا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے کیا دیکھا! میری بیوی بدصورت تھی! اسکا اثر جو کچھ میرے دل پر ہوا ہوگا اسکا تم بخوبی اندازہ کرسکتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا آنکھوں میں اندھیری ہوگئی ہے۔ لیکن میں نے اپنی طبیعت سنبھالی اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔

مبین! کیا تمہاری بیوی واقعی بدصورت ہے؟ اور میں نے خود ہی جوابدیا "ہاں"۔ یہ "ہاں" کا لفظ مبین نے اس طرز سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ نہایت شکستہ خاطر ہے اور اپنی شادی سے نہایت پریشان ہے۔ میرے منہ سے بیساختہ "غریب مبین" نکل گیا مبین نے فوراً ہی جواب دیا "نہیں ایسا مت کہو۔ میں بہت خوش ہوں" اس جواب نے مجھے اسقدر متعجب کیا کہ میں کچھ نہ کہ سکا اور خاموش ہوگیا۔ مبین پھر کہنے لگا۔ "شروع میں میں نے بھی ایسا ہی خیال کیا تھا۔ مگر اب میرا یہ خیال نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے اُس لڑکی سے اُسوقت وہ باتیں کس طرح

سے کہیں جتلاکہ مجھے ابتک نہایت افسوس ہی۔ خیر۔ انکا ماحصل یہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اسکے ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہا۔ اُس واقعہ کا کل الزام ہمارے والدین پر ہی جو کہ ہماری کمزوریوں سے اچھی طرح سے واقف ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جان بوجھکر ہمکو تکلیف نہیں دیتے مگر اسکے کیا معنی ہیں کہ وہ شادی سے پیشتر ایک دوسرے کو دیکھنے نہیں دیتے ؛

جسوقت کہ میں اس طرح سے اُس لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ واقعی مجھے بالکل خبر نہیں تھی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اسوقت مجھے اس قدر رنج تھا کہ اگر مجھے موقعہ ملتا تو یقیناً میں خودکشی کر لیتا۔ اُسوقت کا سین جب میں خیال کرتا ہوں تو میری عجیب حالت ہو جاتی ہی۔ وہ لڑکی میرے سامنے۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا عالم ارواح کی ایک مخلوق ہی تھوڑی دیر کے بعد ایک دھیمی آواز میں اُس نے کہا۔ اچھا جناب۔ میں سمجھی یعنی آپ مجھے اپنی بیوی بنانا نہیں پسند کرتے۔ کیوں اسکی کیا وجہ ؟' اُسلئے کہ........' میں کچھ اور نہ کہہ سکا۔ مجھے ایک بارگی خیال ہوا کہ میں نے اُس اٹھارہ برس کی نازک اندام لڑکی کے ساتھ کیسا بُرا برتاؤ کیا ہی۔ اور اس خیال کے آتے ہی میرا تمام غصہ غائب ہو گیا۔ اور میرے سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں۔ وہ سوفا پر بیٹھ گئی اور کہا۔ بہت اچھا جیسا آپ کا جی چاہے کیجیے '۔ میں پریشان ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میرا سر چکرایا جاتا تھا۔ آخر میں نے ارادہ کیا کہ میں کمرے کے باہر چلا جاؤں مگر جوں ہی میں دروازہ کے قریب پہونچا۔ میری بیوی سوفا سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑ کر میرے پاس آ کر کہنے لگی۔ ' ذرا ٹھیرئے برائے مہربانی میری

بھی دو باتیں سُنتے جائیے"

میں نے چاہا کہ میں جواب دوں کہ بحث مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں مگر فوراً ہی اُسنے کہا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ سے یہ استدعا نہیں کروں گی کہ آپ مجھے قبول کیجئے" میں نے کہا۔ "تو پھر ہمکو الگ ہوجانا چاہیئے"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو بسر وچشم منظور ہے لیکن مہربانی کر کے میری ایک ادنیٰ درخواست قبول کیجئے"

ذرا غور کرو کہ جو نازک اندام لڑکی آدھ گھنٹہ پیشتر غرور اور خوشی سے پھولی ہوئی تھی۔ وہ اب ایک اجنبی سے رحم کے لئے لجاجت کر رہی تھی۔ اُسکے ہونٹھ خشک ہوگئے تھے اور وہ میرے قدموں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُسکی یہ حالت دیکھکر مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ ان حیلوں سے چاہتی ہے کہ میرے دلمیں رحم آجائے اور میرے خیالات تبدیل ہوجائیں اس پر مجھے ذرا غصہ معلوم ہوا۔ اور میرے دل میں اُن نقاب پوش خاتونوں کا خیال آیا جنہوں نے مجھے اس قدر سخت دہوکا دیا تھا۔ مگر مجھے اسکی اس عاجزی پر بہت ترس آیا۔ میں نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔ میں آپکا مطلب نہیں سمجھا"

وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی "اگر آپ آج ہی مجھ سے علیحدہ ہوجائینگے۔ تو نہ معلوم میری کیا حالت ہوجائیگی۔ ذرا میرے بوڑھے والدین پر رحم کیجئے اُنکی تکلیف کا خیال کیجئے"

میں۔ "تو پھر میں کیا کروں"

"بیشک آپ کیا کیجئے؟ آپ مجھ پر مہربانی کیجئے اور مجھے ایک ہفتہ کی مہلت دیجئے۔ اس درمیان میں میں اس طرح رہونگی کہ لوگ یہ خیال کریں کہ مجھے آپکی پرواہ نہیں ہے۔ اور میں اپنے والدین کو اس معاملہ سے آگاہ

کرونگی۔ دیکھئے اسمیں آپکا کچھ حرج نہیں ہوگا۔ کیوں کیا اسمیں کچھ خرابی ہے؟ اسطرح سے میں لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچ جاؤنگی۔ بہن بے ا۔ خداکے واسطے میری مدد کرو۔ مجھے اس طعن وتشنیع سے نجات دو"۔

میں اپنے خیالات میں اسقدر مستغرق تھا کہ میں اسکا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا میں نے پھر کہا۔

"آپکا کیا مطلب ہے۔ میں نہیں سمجھتا"۔

"جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تو وہ اُسکا کچھ خیال نہ کرینگے۔ وہ مجھہ پر ہنسی نہ اڑاوینگے۔ کیوں۔ آپ سمجھے؟ وہ صرف یہی کہیں گے کہ میں بدمزاج ہوں"۔

اسیطرح سے وہ بہت دیر تک کہتی رہی۔ آخر میں روکر کہنے لگی۔ "اُن لوگوں کو دیکھئے جو اپنی جان دوسروں کو بچانے کے لئے خطرے میں ڈالتے ہیں۔ مجھے بھی ایسا ہی خیال کیجئے۔ میں خطرے میں ہوں اور اپنا ہاتھ آپکے طرف مدد کے لئے بڑھاتی ہوں۔ کیوں کیا آپ میری مدد نہ کیجئے گا؟ آپ کو صرف ایک ہفتہ کی تکلیف ہوگی۔ خداکے واسطے مجھے اس ذلت سے نجات دیجئے۔ مجھے تمام عمر کی طعن وتشنیع سے بچا لیجئے۔ عورت دنیا بھر کی کُل مصیبتوں کو برداشت کرسکتی ہے مگر ذلت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی"۔

مجھے اسوقت بہت افسوس ہوا۔ اور اُسکی اس حالت پر بہت ترس آیا۔ میں نے کہا۔ "بہت اچھا جو آپکی رائے ہے۔ میں وہی کرونگا"۔

اس نے کہا۔ "جزاک اللہ۔ پنجشنبہ کو میں آپ سے علٰحدہ ہوجاؤں گی اسکا میں قطعی وعدہ کرتی ہوں"۔

دوسرے دن جب میں اپنے والدہ سے ملاقات کو گیا تو میں نے

اپنی بیوی کی بدصورتی کی بہت شکایت کی۔ میں نے کہا۔

"اماں۔ آپ نے مجھے زندہ درگور کر دیا۔ میں ہمیشہ ان دنوں کا انتظار کرتا رہا جبکہ مجھے ایک خوبصورت بیوی ملیگی اور میں نہایت خوشی سے زندگی بسر کرونگا۔ آپ کی اس غلطی نے اُن تمام خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ خدایا! میں کیسا بدقسمت ہوں!"۔

(۲)

ایک دن میں اپنے کمرے کے زینہ پر سے اُتر رہا تھا۔ میری گردن خود بخود اوپر کی طرف پھر گئی۔ گویا کہ ایک مقناطیسی کشش تھی کہ اُس نے میری گردن کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور میں نے اپنی بیوی کو سب سے اوپر کے زینہ پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اُسکا رنجیدہ اور غمگین چہرا دیکھکر میرے تمام بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی۔ میں فوراً وہاں سے چلا گیا اور استنبول جانے کے لئے دس بجے کے اسٹیمر پر سوار ہوا۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں رات کو گھر لوٹ کر نہ جاؤنگا۔ لیکن اس لڑکی کے غمزدہ چہرے کا میرے دل پر ایسا اثر پڑا۔ اور اُسکو دیکھنے کا مجھے اسقدر شوق ہوا کہ میں مجبوراً ۲ بجے کی اسٹیمر سے واپس آگیا۔

میرے واپس آجانے پر وہ خوش ہوئی۔ میں وقت ٹالنے کے خیال سے اور نیز اُسوقت کی گھبراہٹ کو چھپانے کے لئے پیانو بجانے لگا۔

میں یوں ہی لاپرواہی سے اِدھر اُدھر اُنگلیاں چلا رہا تھا کہ میری بیوی نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو کچھ سناؤں"۔

میں نے بہت خوشی سے کہا۔ "ہاں"۔

وہ پیانوں کے قریب بیٹھ گئی اور بجانے سے پہلے یہ قصہ بیان کیا

"چوپن اور اُسکی بیوی اس ارادہ سے کہ آدمیوں سے الگ جنگل میں زندگی

بسر کریں۔ پیرس سے چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی بیوی نے پھر شہر میں رہنے کی خواہش ظاہر کی اور گو کہ چوپن نے بہت سمجھایا کہ مجھکو اس بیابانیں اکیلا چھوڑکر مت جاؤ۔ مگر اُس کی بیوی نہ مانی اور اسکو چھوڑ کر چلی گئی۔ دوسرے دن اُس عاشق زار نے یہ اشعار لکھے تھے جو کہ میں اس وقت بجانے جاتی ہوں۔ یہ کہکر اس نے بجانا شروع کیا۔ میں نہیں بیان کرسکتا کہ اسوقت میری کیا حالت تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور میں خوب جی بھر کر رویا۔ میں چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر چلا جاؤں نہیں بلکہ گھر ہی سے بھاگ جاؤں مگر اُس لڑکی کے سحر آمیز اثر نے مجھے جگہہ سے ہلنے نہ دیا۔ وہ برابر بجاتی رہی اور جوں جوں وہ بجاتی جاتی تھی ویسی ہی مجھے اُس کا چہرہ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا جاتا تھا۔ ایک پردہ تھا جو کہ رفتہ رفتہ میری آنکھوں سے اُٹھ گیا اور میں نے اُسکے باطنی کمالات کو پوری آب و تاب سے دیکھا

دو دن تک میں برابر غور کرتا رہا کہ میں اس لڑکی سے علیحدہ ہوجاؤں یانہیں۔ چہارشنبہ کا دن آگیا اور میرے وہ تمام جوشیلے خیالات رفتہ رفتہ زائل ہوگئے۔ میں نے اس سے پھر پیانو بجانے کی خواہش کی۔ وہ ذرا سا رُکی میں نے اُسکے چہرہ کو دیکھا تو اس پر رنج کے آثار نمایاں تھے۔ پھر گویا کہ اپنے آپ ہی کہنے لگی۔

آج رات کو تو میں نہیں بجا سکتی کیونکہ ہماری علیحدگی اب مقرر ہوچکی ہے میں نے اپنے والدہ کو بھی اس کی اطلاع کردی تھی۔

میں۔ خیر کچھ بھی ہو۔ مہربانی کرکے پھر بجایئے۔

اُسنے گھبرا کر کہا۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم اپنے وعدے پر قایم نہیں ہیں۔ ہم میں پھر میل ہوگیا۔

میں با جاشنے کے لئے نہایت بیقرار ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔
چاہے اسکے معنی ہی ہیں کے لئے جائیں مگر ہائے خدا پھر جائیے۔ یہ کہ
کہتے میں اُسکے قریب پہونچ گیا۔ اور اُسکے پیروں پر گر پڑا۔ اور رونے لگا۔
پہلے تو وہ بہت گھبرائی مگر پھر محبت سے میرے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
یہ ہی میری شادی کی داستان۔ میری وہ حسن کی تمنا جس نے مجھے دیوانہ
بنا رکھا تھا۔ ایک خیال خام معلوم ہوا۔ اور اب میں اس لڑکی پر۔ جس سے
میں نے پہلے اس قدر نفرت کی تھی دل وجاں سے فدا ہوں۔ وہ اعلیٰ درجہ کی
تعلیم یافتہ اور نہایت ذہین ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہی کہ وہ رحم دل ہے
اتنے دنوں کے خواب غفلت کے بعد مجھے عورت کے اصلی جوہر سے آگاہی ہوئی

محمد عون جعفری

الہ آباد

راما بائی

(طبقۂ نسواں کی ہمدرد اور سنسکرت کی مشہور عالم)

ہندوستان کی اُن مشہور عورتوں کے کارنامے جنھوں نے ملک و اہل ملک کیلئے بہت سے فائدہ مند کام کئے۔ اگرچہ بالکل معدوم نہیں لیکن کمیاب ہیں۔ ان حالات کو بڑی بڑی تاریخوں کے مصنف یا مشہور اشخاص کی سوانح عمریاں لکھنے والوں نے اس اختصار کے ساتھ بیان کیا ہی جس سے مفصل کیفیت تو درکنار نفس مطلب کے سمجھنے میں بھی بڑی دقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ کسی ملک یا قوم میں اس کے قومی لٹریچر (علم ادب) اور ارا کین قوم کی حالات کا کمیاب

ہونا ملک کی بدقسمتی نہیں۔ بلکہ تعلیم کی کمی ہے! ہندوستان جب تک (یورپ امریکہ کی طرح) تعلیم یافتہ ملک نہ بنجائے گا۔ یہ شکایت برابر جاری رہے گی۔ اور زمانۂ گذشتہ کے کارنامے تو درکنار اب پچاس ساٹھ برس پہلے کے حالات کا ملنا بھی بڑی تلاش و جستجو سے ممکن ہوگا۔

جاہل اور گنوار لوگوں کو چھوڑکر تعلیم یافتہ جماعت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے۔ جن کو نہ قدیم تاریخ کی ورق گردانی کا شوق نہ اپنے ملک کے (مشہور اشخاص کے) حالات تلاش کرنے کی ضرورت! اس سستی اور اور غفلت کو دیکھتے ہوئے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ دان اصحاب اور سوانح نگار مصنف ایسے مشہور مرد اور عورتوں کے حالات کو جن کے مطالعہ سے دلوں میں ترقی کا شوق پیدا ہو "مختلف رسالوں۔ اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کیصورت میں پیش کرکے ملک اور اہل ملک کے دلوں میں ترقی کا شوق پیدا کریں۔

اس مختصر تمہید کے بعد مجھے جس تعلیم یافتہ" اور طبقۂ نسواں کی مددگار" خاتون کا حال بیان کرنا ہے۔ اس کا نام راما بائی تھا۔ پنڈت اننتا شاستری کی بیٹی راما بائی غدر ۱۸۵۷ء کے ٹھیک ایک سال بعد بنگلور میں پیدا ہوئی! اگرچہ اہل ہنود اس زمانہ میں عورتوں کی تعلیم کو بُرا سمجھتے تھے۔ لیکن راما بائی کی ماں لکشمی بائی کو اننتا نے تعلیم کے فوائد سے محروم نرکھا تھا۔ اور باوجود اپنے دوست اور عزیزوں کی تنبیہ کے بیوی کو سنسکرت کی عمدہ تعلیم دلائی تھی جب راما بائی جوان ہوئی۔ تو اپنی تعلیم یافتہ ماں کے سایۂ عاطفت میں اس ذہین تحصیل علم کی طرف توجہ کی۔ اور لکشمی بائی نے کچھ ہی دنوں میں اپنی اس عقلمند اور ذہین لڑکی کو ابتدائی تعلیم سے بہرہ ور کردیا۔ راما بائی سترہ برس کی عمر سے پہلے علاوہ سنسکرت کے ہندوستانی۔ بنگالی۔ اور مرہٹی زبانوں سے بھی

واقف ہوگئی تھی راما بائی نے اونیس (۱۹) سال کی عمر میں اپنی قوم کے ایک معزز شخص سے شادی کی۔ اور خاوند کے ساتھ کلکتہ کے مشہور (سنسکرت داں) لوگوں کی فرمایش پر امتحان دینے آکھڑی ہوئی۔ یہ لوگ جو راما بائی کے ممتحن مقرر ہوئے وہ چیدہ اور مشہور پنڈت تھے جن کے آگے بڑے بڑے عالموں نے سر جھکا دیا تھا، لیکن راما بائی نے اسکی ذرا بھی پروا نہ کی اور نہایت استقلال کے ساتھ اس طویل اور مشکل امتحان میں کامیابی حاصل کرکے سرسوتی کا لقب پایا۔ اُسنے مختلف شہروں کا دورہ کرکے ہندو عورتوں کی اصلاح پر بڑی بڑی تقریریں کیں۔ اور پونا میں ایک انجمن اس غرض سے قایم کی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دینے اور صغر سنی کی شادی کو روکنے کی کوشش کرے۔ ان تقریروں نے بڑی کامیابی حاصل کی اور بمبئی کا تمام احاطہ اس سے علم و فضل کا قائل ہوگیا۔ راما بائی کی تعلیم کے اصول (اس زمانہ کی تعلیم سے) نرالے تھے۔ وہ کہتی تھی کہ "ذات کی تفریق فضول ہے اور سب انسان برابر ہیں۔ جہانتک ہوسکے مظلوم عورتوں کی امداد کرنا چاہیئے۔ اور اُن کو بہ نسبت دوسرے کاموں کے تعلیم کی طرف توجہ دلانا زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس نے خود بھی ہندوؤں کے قدیم مراسم کا خیال نہیں کیا۔ اور اپنے پہلے خاوند کے مرجانے پر تمام اقربا سے بحث و مباحثہ کرنے کے بعد ایک غیر مذہب کے آدمی سے بیاہ کرلیا۔ اگرچہ وہ سنسکرت کی بڑی عالم اور اپنے زمانہ کی پنڈت تھی لیکن ۱۸۸۳ء میں اپنا مذہب چھوڑ دیا اور عیسائی ہوکر ولایت چلی گئی۔

انگلستان پہونچکر اس نے انگریزی سیکھی اور لیڈیز کالج میں سنسکرت کی پروفیسر بنکر دوسروں کو تعلیم دینی شروع کی۔

فروری ۱۸۸۶ء میں اُس نے انگلستان کو بھی خیرباد کہا۔ اور امریکہ پہونچکر

وہاں کی طرز تعلیم کو بہت غور سے دیکھا۔ امریکہ کے زنانہ مدرسے اور تعلیم کی ارزانی دیکھکر اسے اپنے وطن کی جاہل عورتوں کا خیال آیا، چنانچہ انکی اصلاح کے لئے امریکہ ہی میں ساٹھ ستر ہزار روپیہ چندہ جمع کرکے ہندوستان کا کوچ کردیا۔ ہندوستان پہنچکر اس نے کوشش کی کہ جگہ جگہ ایسے مدرسہ قایم ہوں جہاں غریب اور مظلوم لڑکیوں کو تعلیم دینے کے علاوہ بیوہ عورتوں کو بھی پڑھایا جاوے۔ ۱۸۸۹ء میں اُس نے شرودساون جاری کرکے اس کام کو عملی صورت میں پیش کیا۔ اور ہزاروں لاکھوں بیوہ عورتوں اور کنواری لڑکیوں کے دلوں سے جہالت دور کرکے اُن کو قابل اور ہونہار بنا دیا۔

رامابائی کا غیر مذہب شخص سے شادی کرنا یا اپنا مذہب بدل کر عیسائی اختیار کرلینا کسی خاص مصلحت پر مبنی ہو یا عام اہل مذہب کے فائدہ کی غرض سے ہم کو اس سے بحث نہیں" لیکن وہ ہمت کی دھنی اور استقلال کی پکی تھی اس نے ہندو عورتوں کے حق میں مسیحائی کا کام کیا۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ پُردرد تقریروں اور انجمنوں کی اصلاح میں صرف کرکے اپنے نام کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی۔

سید مظہر حسین اختر میرٹھی

زنانہ حاضر جوابیاں

طراز القوم اُنثی مثل ھذا	وما التانیث لاسم الشمس عیبا
اس قسم کی عورتیں اپنی جنس کی زیور ہوتی ہیں	اور مونث ہونا سورج کیواسطے بذاتہ کوئی عیب نہیں

چند دن ہوئے کہ خاکسار نے اتفاقاً آپ کے عزیز پرچہ خاتون کو دیکھا اسمیں مضمون متضمنہ بالا عنوان تھا۔ حسب ذائقہ پاکر پھڑک اُٹھا۔ فوراً قلم

فرسائی کرنے لگا۔ میرے ایک دوست نے اعتراض کیا کہ باوجود مرد ہونے کے فرقۂ اناث کی تعریف کسرشان ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بھائی جان مردوں کی حاضر جوابیاں بہت سی ہیں اور صنفِ لطیف کی نادر ہیں اور نادم عزیز تر ہوتی ہیں لہذا یہ کیا گیا۔

مضامین ماقبل میں ز۔ خ۔ ش۔ صاحبہ کا اعلیٰ ترین ہے۔ مجھکو باوجود تلاش بسیار بھی مسز محسن صاحبہ کا مضمون نہ ملا۔ بنابرین اگر کوئی عدو دھرا جائے تو کمال ذرہ نوازی سے معاف کیا جاؤں۔

میں تائید کرتا ہوں کہ جب مضامین کافی طور پر سلک تحریر میں آکر مجتمع ہوجائیں تو ضرور احاطۂ اشاعت میں لائے جائیں۔

(۱) ایک روز زیب النسا کی شان میں اسکے ہم عصر شاعر ناصر علی نے ایک ایک گستاخانہ شعر لکھا لیکن اس نیک خاتون نے کمال تحلم و تحمل سے کام لیکر اسکو اتنا سمجھانے پر اکتفا کیا۔

ناصر علی بنام علی بردہ پناہ
ورنہ بذو الفقار علی سر بریدمت

(۲) امیر بیگم اسیر دھلوی کے سامنے کسی نے یہ مصرعہ ایک دفعہ پڑھا۔ "بیقراری قرار ہے اپنا" اس نے فی البدیہ اسکو رباعی بنا دیا۔

عشق دار و مدار ہے اپنا	بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں ملگئی ہو جسپہ اسیر	ان کے دل میں غبار ہو اپنا

(۳) ایک شخص الف نامی نے انتقال فرمایا اس کی بی بی جمیلہ نامی کو سخت صدمہ ہوا اور اس نے یہ اشعار بنا کر گانا شروع کیا۔

اِنَّمَا اَبْکِی لِاِلْفٍ - خَانَهُ الدَّهْرُ فَمَاتَ - قُلْتُ لِلدَّهْرِ بِشَجْوٍ -
میں الف پر روتی ہوں - زمانہ نے اس سے خیانت کی اور وہ مرگیا - مینے زمانہ سے اندوھگیں ہو کر کہا
اَیُّهَا الدَّهْرُ اَسَاتَ - لِمَ تَرَکْتَ الْاُمَّ وَالْاَب - وَبِالْاِلْفِ بَدَاْتَ -
اے زمانہ تونے برا کیا - تونے اماں ابا کو کیوں چھوڑ دیا - اور الف سے شروع کیا -

اِنَّهُ کَانَ اَحْسَنَ خِلْقٍ
وہ تو تھا فرخندہ خصلت
کَانَ لِیْ لِیْ فِی الْخَلْوَةِ
تھا واسطے میرے تنہائی میں

وہ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ اس کا باپ آتا معلوم ہوا تو اس نے اپنے اشعار کا رو یہ بدل کر اس طرح گانا شروع کیا -

اِنَّمَا اَبْکِی لِنَخْلٍ - خَانَهُ الْمَاءُ فَمَاتَ - قُلْتُ لِلْمَاءِ بِشَجْوٍ -
میں درخت خرما پہ روتی ہوں - اس سے پانی نے خیانت کی اور وہ مرجھا گیا - میں نے رنجیدہ ہو کر پانی سے کہا
اَیُّهَا الْمَاءُ اَسَاتَ - لِمَ تَرَکْتَ الزَّرْعَ وَالْکَرْمَ وَبِالنَّخْلِ بَدَاْتَ
اے پانی تونے برا کیا - تونے کھیتی اور درخت انگور - کو کیوں چھوڑ دیا

اِنَّهُ کَانَ اَحْسَنَ شَیْئٍ
وہ تو بہت اچھی چیز تھی
کَانَ لِیْ لِیْ فِی الثَّمَرَةِ
تھا واسطے میرے میووں میں

(۴) ایک دفعہ کسی نے زیب النسا کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا - ع
"صبا را شرم می آید بروئے گل نگہ کردن" - اس نے فوراً یہ مصرعہ لگا کر اسکو کامل اور احسن کر دیا -

صبارا شرم می آید بروئے گل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ را وا کرد نتوانست تہ کردن

(۵) ایک روز نورجہاں یاد شیر افگن کر کر رو رہی تھی کہ جہانگیر آگیا اور سبب اسکے گریہ کا پوچھکر تسلی دی اور کہا "گوہر ز چشم اشک تو غلطیدہ میرود"۔ نورجہاں سے کب تاب تھی فوراً کہا۔ "آں کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ میرود"

(۶) ایک دفعہ سلیم شاعر دربان نورجہاں نے اسکے سامنے یہ شعر پڑھا۔

ز شرم آب شدم کاب را شکستی نیست		بحیرتم کہ مرا روزگار چوں بشکست

نورجہاں نے بالبدیہ کہا اور خوب کہا "یخ بستہ بشکست"

(۷) ایک دفعہ بہرام گور شکار کھیل رہا تھا کہ ناگہاں ایک نہر بر غراں نظر آیا اس پیل پیلتن نے اسکا کان پکڑا اسکی گردن میں رسی ڈالی اور اسوقت اسکی زبان سے بے اختیار نکلا "منم آں پیل دہان ومنم آں شیر یلہ" اسیوقت پیچھے سے اسکی چیدہ بی بی دلارام نے کہا "نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ"

(۸) دنانیر ایک جاریہ تھی محمد بن کناسہ شاعر عباسی کی وہ ایک روز علی بن عثمان کلابی سے باتیں کر رہی تھی کہ اسکے بشرہ سے فکر و اندوہ کے آثار پاکر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میرا بھتیجا مرگیا ہے تو اس نے فی البدیہ یہ درد انگیز و حسرت بھرے اشعار پڑھے۔

بَکَیتَ عَلَی ابنِ الاَخِ مِن قُرَیشٍ فَمَاتَ وَمَا خَبَرنَاہُ وَلٰکِن		فَاَبکَانَا بُکَاءُکَ یَا عَلِیُّ طَهَاءُ ةُ صَحبِهِ الخَبَرُ الجَلِیُّ

(ترجمہ۔ تو اپنے قریشی بھتیجے پر رویا تیرے رونے نے اے علی ہمکو بھی رلایا مرگیا اور ہمیں اس کی خبر تک بھی نہیں ہوئی لیکن اس کے ساتھیوں کا تقدس اسکا آئینہ ہے)

(۹) بغداد میں ایک جوان لڑکی تھی مسمے بہ صدقہ وشخصے از ہاشمیں اسپہ عاشق تھا وہ ایک روز آیا اور یہ اشعار پڑھے (پشت دروازہ پر صدقہ اور اہل خانہ بیٹھے تھے)

یَا اَهْلَ هٰذَا الْحَلْقَة	هَلْ عِنْدَ كُمْ مِنْ شَفَقَة
مِنْ سَائِلٍ اَتَا كُمْ	يُرْجِيْ مِنْكُمْ صَدَا قَه

(اہل اس حلقے سے! آیا تم میں مہربانی بھی ہے واسطے ایک سائل کے جو آیا ہے اور مانگتا ہے صدقہ) (صدقہ ایعنی دارد ۱=خیرات ۲=اسمام۔

اس نے برجستہ جواب دیا۔

يَا مَنْ اَتَا نَا سَرَقَه	اَحْشَاءُ ه مُحْتَرَقَه
اے وہ شخص کہ ہم پر چور بن کر آیا ہے	کہ جگر اسکا جلا ہوا ہے
جَدُّكَ يَا هٰذَا الْفَتٰى	حَرَّمَ عَلَيْكَ صَدَاقَه
دادا تیرے نے اے جوان	حرام کیا ہے تجھپر صدقہ

(اس میں بھی دو مطلب ظاہر ہوتے ہیں (۱) یہ شخص ہاشمی تھا اور آل رسول پر خیرات حرام ہے۔ جد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ الامجاد ہیں (۲) صدقہ سے مطلب نام اس عورت کا ہو)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

عاصی

احمد المزمل شیروانی

جاپان

دسواں باب

جاپانی کھیل

جاپان کے بچوں میں بہت سے کھیل رائج ہیں۔ ان میں سے بعض کھیل

ایسے ہیں جن میں ان بچوں کے ماں باپ اور بلکہ ان کے دادا دادی اور نانا نانی بھی شریک ہوتے ہیں۔ جاپان میں ایک بڑی عمر کا بوڑھا بھی اسی شوق و دلچسپی کے ساتھ پتنگ اُڑاتا ہے جس طرح اس کا ننھا پوتا۔ لڑکیاں اور لڑکے گیند بلے اور لٹوؤں وغیرہ کے علاوہ انواع واقسام کے کھیل کھیلتے ہیں۔ لٹو لڑانے کی یہ شکل ہوتی ہے کہ جب ایک لڑکا اپنے لٹو کو زمین پر گھماتا ہے تو دوسرا لڑکا اس انداز سے اپنا لٹو زمین پر چھوڑتا ہے کہ وہ پہلے لٹو کو دور دھکیل دے اور اس کی جگہ خود گھومنے لگے۔ مصنوعی ہتھیاروں سے جنگ کرنے کو بھی جاپانی بچے بہت پسند کرتے ہیں۔ ٹڈیوں اور جگنوؤں کو پکڑنا بھی ایک بڑا کھیل ہے۔ خصوصاً جگنو پکڑنے کا کھیل صرف بچوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر عمر کے جاپانی رات کے وقت بہت شوق سے جگنو کا تعاقب کرتے اور اپنے نازک پنکھوں سے ان کو پکڑتے ہیں۔

پانی کے کنارے بھی بعض بہت پُرلطف کھیل ہوتے ہیں۔ اکثر لڑکے نہروں کے کم عمیق پانی میں پن چکی لگاتے ہیں جس کے زور سے چھوٹی چھوٹی مشینیں جو کنارے پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں چلنے لگتی ہیں۔ یہ مشینیں اور گڑیاں لڑکوں ہی کی ایجاد ہوتی ہیں اور بچے ہی بہت چالاکی کے ساتھ ان کو تیار کرتے ہیں۔

اکثر اوقات بہت سے بچے کسی چیز کو گھیرے ہوئے اور بہت غور و خوض کے ساتھ اس کو نہایت خاموشی سے دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کی اس مشغولیت اور محویت کی وجہ ایک دلچسپ تماشہ ہوتا ہے جس کو یہ ننھے بچے اس طرح دیکھتے ہیں۔ کوئی لڑکا آدھے درجن بھونروں کی ایک ننھی پلٹن

بنا کر ان کے ذریعہ چانول کا ایک چھوٹا سا ذخیرہ ایک بہت صاف اور ڈھلوان تختہ پر چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کاغذ کی ایک بہت چھوٹی سی گاڑیاں بنا کر اس کو چانولوں سے بھر دیا جاتا ہے۔ اس گاڑی کو ریشم کے ذریعہ گوندسے بھونروں کی پیٹھ کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بھونرے حرکت کرتے ہیں اور تختہ پر چڑھنے لگتے ہیں۔ گاڑی بھی ان کے پیچھے ساتھ ساتھ کھنچنے لگتی ہے۔ تماشبین بچوں کے ننھے چہرے مارے خوشی کے دمکنے لگتے ہیں۔ سب انتہا دلچسپی اور محویت کے ساتھ بے حس وحرکت بنکر وہ اس تماشہ کو دیکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی اس کو ہاتھ لگانے کی خواہش نہیں ہوتی۔ "اس کو مت چھوؤ" کہنے کی تو وہاں کبھی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ خواب میں بھی وہ اس کا خیال نہیں کرتے۔ ایسا کرنا بہت بڑی بد تھذیبی اور وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہے۔ جاپان کے بچے اپنے کھیلوں میں اس قسم کی حرکتیں نہیں کرتے اور نہ اپنے بزرگوں کے پاس کوئی شکایت لیجانے کے عادی ہوتے ہیں۔ بہت کم کبھی آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا ہے مگر جب کبھی ایسا ہو فوراً ہی اسکا تصفیہ وہیں ہو جاتا ہے۔ جھگڑے کے وقت جو لڑکا وہاں سب سے بڑی عمر کا موجود ہوتا ہے وہ فوراً ایک لفظ میں اس کا تصفیہ کر دیتا ہے اور اس کا فیصلہ بلا کسی پس وپیش کے بخوشی تمام منظور کر لیا جاتا ہے اور پھر کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

دوسرا کھیل جس کا جاپان کے بچوں کو بہت شوق ہے لڑکوں پر ریتی کی تصویریں بنانا ہے۔ اس میں ہمیشہ بچوں کی جماعتیں اس بات کا مقابلہ کرتی ہیں کہ ان میں کون سب سے کم وقت میں عمدہ تصویر بنا سکتا ہے۔ ہر ایک کے پاس رنگین ریت کی چار تھیلیاں ہوتی ہیں۔ چار قسم کی ریت کے رنگ

یہ ہوتے ہیں :-

سیاہ - سُرخ - زرد - اور نیلی -

ان کے سوا ایک تھیلی سفید ریت کی بھی ہوتی ہے - سفید ریت پہلے زمین پر ایک مربع شکل میں پھیلا دی جاتی ہے - اسکے بعد سیاہ ریت سے اس پر آدمی یا چڑیا یا جانور وغیرہ کی شکل کا ایک خاکہ بنایا جاتا ہے - دوسرے رنگ کی ریت سے اس خاکہ کو مکمل کیا جاتا ہے اور بسا اوقات یہ ننھے ننھے مصور ایسی عمدہ تصویریں بنا دیتے ہیں کہ بہت حیرت ہوتی ہے - لیکن سب سے زیادہ عجیب وغریب کمال تو اُستاد لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنے شاگردوں کے لئے مختلف رنگوں کی ریت سے آن کی آن میں بہتر سے بہتر تصویر بنا دیتے ہیں ۔ ان کا ہاتھ کچھ اس بلا کی پھرتی سے کام کرتا ہے اور پھر اس طرح بے خطا کہ سخت تعجب معلوم ہوتا ہے -

گھر کے اندر بیٹھ کر کھیلنے کے بھی بہت کھیل جاپان میں رائج ہیں - ان میں سب سے زیادہ حروف تہجی کے تاش کو پسند کیا جاتا ہے - حروف تہجی کے تاش میں بعض پتوں پر ضرب الامثال تحریر ہوتی ہیں اور بعض پر ان امثال کی توضیحی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں - بچے ایک حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور تاش تقسیم کرتے ہیں - ان میں سے ایک لڑکا اپنے پتوں کو دیکھکر ان میں سے کوئی ایک ضرب المثل پڑھتا جاتا ہے - دوسرے لڑکوں میں سے جس کے پاس اس ضرب المثل کی تصویر ہوتی ہے وہ فوراً اس تصویر کو پیش کرتا ہے اس طرح جسکے پاس اس کے حصہ کے پتے سب سے اول ختم ہو جاتے ہیں وہ گویا بازی جیت جاتا ہے اور جس کے پاس سب سے اخیر پتہ باقی رہجاتا ہے وہ بازی ہار جاتا ہے - جو لڑکا بازی ہارتا ہے اس کے منہ پر سیاہی لگا دی

جاتی ہے۔ اور اگر ہارنے والی لڑکی ہوئی تو اس کے بالوں میں گھانس کے تنکے باندھ دئے جاتے ہیں۔ اس کھیل کو حروف تہجی کے تاش کہنے کی یہ وجہ ہے کہ اس کے پتوں میں سے ضرب الامثال جاپان کے حروف تہجی کے ایک ایک حروف سے شروع ہوتی ہیں۔

جاپانی بچوں کے لئے عید اور چھٹیوں کی کثرت ہے۔ ان موقعوں پر بچے بہت جی کھول کر خوشی کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں خوبصورت ریشمی لباسوں میں جو آفتاب کی روشنی میں چمکتے رہتے ہیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ ایک بڑا تختہ پھولوں کا کھلا ہوا ہے۔ مسٹر من پس نے ایک ایسے ہی خوشی کے موقعہ کو بچشم خود دیکھنے کا حال یوں بیان کیا ہے:-

"دس سال سے کم عمر والی لڑکیوں کی کوئی عید تھی۔ سیکڑوں لڑکیاں جمع"
"تھیں جن کے خوبصورت "کی مونو" اور جن کے قرمزی رنگ کے کرتے عجب بہار"
"دے رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ خشخاش کے درختوں کا ایک جھنڈ ہے۔ ایک"
"زمرد ین میدان میں ان لڑکیوں کی دو قطاریں بنا کر چند گز کے فاصلے سے آمنے"
"سامنے کھڑا کیا گیا تھا۔ درمیان میں جو جگہ خالی تھی اس میں دو آدمی بڑے بڑے"
"لمبے دو بانس لئے ہوئے کھڑے تھے۔ ہر بانس کی انی سے ایک خالی ڈھول"
"بندھا ہوا تھا جو اوپر کاغذ سے منڈھا ہوا تھا۔"

"دو استاد ایک ایک ٹوکری لئے ہوئے لڑکیوں کی قطار کے بیچ میں"
"آئے اور اپنی ٹوکریوں میں سے چھوٹے چھوٹے گیند جو کئی کئی رنگ کے تھے دونوں"
"کے درمیان گھانس پر پھینکنے لگے۔ اس کے بعد ایک اشارہ کیا گیا۔ اشارہ کے"
"ساتھ ہی تمام لڑکیاں میدان میں ایک دوسرے کی طرف دوڑنے لگیں اور جلدی"
"جلدی زمین پر پڑے ہوئے گیندوں کو اٹھا کر ڈھول کی طرف اپنی پوری طاقت سے پھینکنے لگیں"

تھوڑی دیر کے بعد جبکہ گیندوں کی ایک خاص بارش نے ان ڈھولوں کو بالکل
توڑ پھوڑ دیا تو پھر ان میں سے رنگین کاغذوں۔ چھوٹی چھوٹی کاغذی قندیلوں۔ کاغذ
کی چھتریوں اور خوبصورت جھنڈیوں کی ایک دوسری بارش ہونے لگی۔ یہ چیزیں آہستہ
آہستہ ان بچوں کے سیاہ اُچکتے ہوئے سروں پر، نہایت دلی اشتیاق کیساتھ پھیلائے
ہوئے ہاتھوں میں عجب دلفریب انداز کے ساتھ گرتی تھیں۔ میں نے کبھی عمر بھر میں
ایسی ننھی جانوں کا اس قدر زرق برق لباس میں، اس خوبصورتی کے ساتھ ایک
دوسرے سے ملے ہوئے بالکل پھولوں کے گچھوں کی طرح آفتاب کی چمکدار پُرنور
شعاعوں میں اپنے دلفریب چہروں کو اوپر اُٹھائے ہوئے رنگین کھلونوں کے
پرکھنے کو ایک دلکش انداز سے دیکھنے کا تماشہ اس سے زیادہ دلچسپ نہیں دیکھا

سید خورشید علی

حیدرآباد۔ دکن۔

کرشمۂ قدرت

ہوا۔ بادل۔ مینہ۔ بجلی وغیرہ تو ایسے قدرت کے کرشمے ہیں۔ جن کو ہم اپنی آنکھ
سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے اُن کے اسباب سمجھنے میں زیادہ دقت نہیں پڑتی ہے
مگر زمین کے متعلق جو کرشمے ہر وقت جاری ہیں۔ اُن کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ
اُن کو ہم اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ جو کچھ دیکھتے بھی ہیں وہ ہمکو اور مغالطے
میں ڈالتا ہے۔ مثلاً ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ سورج صبح کو مشرق سے نکلتا ہے
اور آسمان کا دورہ کرتا ہوا شام کو مغرب میں جا چھپتا ہے۔ اور زمین کو
جنبش کرتے ہوئے ہم دیکھتے نہیں ہیں۔ اس سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ
سورج گردش کرتا ہے اور زمین ساکن ہے۔ مگر جیسا میں نے بیان کیا یہ مغالطہ

ہی۔ اصل واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ مسئلہ اب طے شدہ ہے اور
قریب قریب ہر شخص نے سن لیا ہوگا۔ مگر اس کا ثبوت شاید ہر ایک کے
کانوں میں نہ پڑا ہوگا۔ میں چند ثبوت پیش کرتا ہوں۔
ریل میں بیٹھنے کا تو امید ہے سب کو اتفاق ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی پیش آیا ہوگا
کہ جس وقت دو ریلیں برابر برابر کھڑی ہوئی ہوں۔ اور ان میں سے ایک حرکت
کرنی شروع کرے تو ٹھیری ہوئی ریل والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ریل
تو حرکت کر رہی ہے۔ اور دوسری ساکن کھڑی ہے۔ اسی طرح سے اگر ریل
چل رہی ہو۔ تو اس میں بیٹھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ریل تو ساکن ہے
اور درخت اور عمارتیں بھاگی چلی جاتی ہیں۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس
ہے۔ اور اس میں کسی طرح کا شبہ ہی نہیں۔ ایک اور بات قابل غور ہے اگر
ریل شمال کی طرف جا رہی ہے۔ تو درخت اور عمارتیں جنوب کی طرف جاتی
ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اور اگر ایک ریل ایک طرف جا رہی ہے۔ تو دوسری
ریل کے بیٹھنے والوں کو اپنی ریل جو ٹھیری ہوئی ہے۔ اس کے مخالف سمت
جاتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اس سے دو نتیجے نکلے۔ ایک تو یہ کہ جب دو چیزیں
ہوں۔ ایک ان میں سے حرکت میں ہو اور دوسری ساکن تو نظر کی غلطی سے ٹھیری
ہوئی چیز چلتی ہوئی اور چلتی ہوئی ٹھیری ہوئی معلوم ہوگی۔ دوسرے یہ کہ ٹھیری
ہوئی چیز چلتی ہوئی کے مقابلے میں ہمیشہ مخالف سمت میں جاتی ہوئی نظر
آتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال سورج اور زمین کا ہے۔ اصل میں زمین تو حرکت کرتی
ہے۔ مگر سورج چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور زمین مغرب سے مشرق کو جاتی
ہے۔ مگر سورج مشرق سے مغرب کو جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور جس قدر ایک چیز
کی حرکت تیز ہوگی۔ اتنا ہی مغالطہ ہوگا۔ اور چونکہ زمین کی حرکت بیحد تیز ہے

اسلئے اس کے بارے میں اتنا سخت مغالطہ ہے کہ جس کا صحیح کرنا نظر کے ذریعہ سے ناممکن ہی۔ ریل میں بیٹھ کر جو مغالطہ ہوتا ہے کہ درخت اور عمارتیں مخالف سمت میں چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اسکو تو ریل کی کھڑکی سے جھانک کر ہم صحیح کر لیتے ہیں کہ در اصل ہماری ریل چل رہی ہے نہ کہ درخت وغیرہ۔ مگر زمین سے الگ ہٹ کر دیکھنا ناممکن ہی۔ اس لئے مغالطہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر یہ ممکن ہو کہ ہم زمین سے بالکل علیٰحدہ ہو جائیں تو ہم زمین کو حرکت کرتی ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اُس صورت میں بھی مشکل ہے۔ کیونکہ حرکت اتنی تیز ہی کہ نظر جم نہیں سکتی۔ کسی مشین کے پہئے کو نہایت تیزی کے ساتھ پھرتے ہوئی دیکھا ہو گا۔ معلوم ہوتا ہی کہ بالکل ساکن ہے۔ حالانکہ وہ برابر پھر رہا ہی غرض زمین کی حرکت کو دیکھنا فقط آنکھوں کی مدد سے قریب قریب ناممکن ہے۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھ لینا کہ سورج بالکل ساکن ہے۔ نہیں دنیا میں کوئی چیز بھی ساکن نہیں ہی۔ مگر سورج کی حرکت کا زمین پر نہایت ہی خفیف اثر پڑتا ہے۔ اسلئے اسکو بمقابلہ زمین کے ساکن ہی کہا جاتا ہے ہر ایک چیز یا تو خود حرکت کرتی ہی یا کسی ایسی چیز کے ساتھ متعلق ہے جو متحرک ہی اور اسکو بھی اپنے ساتھ لئے پھرتی ہی۔ گو ہمیں نظر نہ آئی ہو مثلاً ریل میں کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو۔ ریل چل رہی ہو۔ وہ اپنی جیب میں سے ایک روپیہ نکال کر اپنے ہی درجہ میں اُچھالے۔ وہ روپیہ ہاتھ کی سیدھ میں نیچے کی طرف اسی درجے میں گریگا روپے کے اُچھالنے اور اس کے نیچے آنے میں کچھ نہ کچھ دیر ضرور لگی ہے اتنے عرصے میں وہ ریل دو سو گز تو ضرور آگے چلی گئی ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ درجہ اور وہ جگہ جہاں سے روپیہ اُچھالا گیا تھا۔ دو سو گز آگے بڑھ آئی ہی۔ اور روپیہ اتنی دیر گاڑی سے الگ ہوا میں رہا ہی۔ تو پھر وہ روپیہ جہاں سے

اُچھالا گیا تھا وہیں کیوں گرا۔ اس جگہ سے دو سو گز پیچھے رہجانا چاہیئے تھا
مگر نہیں روپیہ بھی اتنے عرصے میں دو سو گز آگے بڑھ آیا ہے۔ گو اس کے
آگے کی طرف کی حرکت ہمیں دکھائی نہیں دی بات یہ ہے کہ جب ریل حرکت
کر رہی ہے۔ تو اس کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اسی رفتار سے
حرکت کر رہا ہے۔ ریل کے درجے کی ہوا بھی جس میں روپیہ اتنے عرصے رہا۔
ریل کے ساتھ اسی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ اس لئے روپے نے بھی
ہوا کے ساتھ اتنی ہی حرکت کی اور جب اس جگہہ کی جہاں سے روپیہ اچھالا
گیا تھا اور ہوا اور روپے کے آگے کی طرف کی حرکت برابر ہے۔ تو روپیہ
وہیں آکر گرا جہاں سے اُچھالا گیا تھا اس کی ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔
ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے۔ گھوڑا تیز بھاگ رہا ہے۔ گھوڑا یکایک
رُک گیا۔ اس صورت میں سوار ضرور ہی گریگا اور ہمیشہ آگے کی طرف۔ جب
گھوڑا رُک گیا۔ تو سوار بھی زین پر بیٹھا کا بیٹھا رہجاتا۔ وہ گرا کیوں۔ بعض
کہیں گے کہ جھٹکا لگا ہم کہتے ہیں کہ جھٹکا بھی کیوں لگا۔ بات ایک ہی ہے۔ نام
مختلف۔ وجہ یہ ہے کہ جس وقت گھوڑا بھاگ رہا تھا۔ تو سوار بھی اسی تیزی
سے اس کے ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ یا یوں کہو کہ سوار بھی حرکت میں تھا۔ اب
جو گھوڑا یکایک رُکا۔ سوار کی حرکت اتنی جلدی رُک نہ سکی اور چونکہ آگے کی
طرف حرکت تھی۔ اس لئے اسکی آگے کی طرف کی حرکت جاری رہی اور وہ
آگے کی طرف ہی آکر گرا۔

اسی خیال سے ریل کو بالکل ٹھیرانے سے پہلے آہستہ کر دیتے ہیں۔ اور
رفتہ رفتہ ٹھیراتے ہیں۔ کیونکہ اگر تیز چلتی ہوئی کو اگر ایک دفعہ ہی ٹھیرائیں تو
ریل کے بیٹھنے والوں کا وہی حال ہوگا۔ جو گھوڑے کے سوار کا ہوا تھا۔ ریل تو

ٹھیر جائیگی۔ مگر مسافر چند لمحے تک اسی رفتار سے جو ٹھیرنے سے پہلے ریل کی تھی حرکت میں رہیں گے۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض تو مُنہ کے بل گریں گے اور بعض کا سر اور بدن سلاخوں سے زور سے ٹکرائیگا۔ اور ٹھیرنے سے پہلے ریل کی حرکت جتنی زیادہ تیز ہوگی۔ اُتنا ہی زیادہ صدمہ اس کے یکایک ٹھیرنے سے مسافروں کو پہنچیگا۔ یہ تو اکثر دیکھا ہوگا کہ بعض مسافروں کو اُترنے کی بہت جلدی ہوتی ہے گاڑی کی رفتار کم ہوتے ہی وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور جس وقت گاڑی بالکل رُکتی ہے تو اُن جلد بازوں کو جھٹکا ضرور لگتا ہے اور بعض تو گر بھی پڑتے ہیں اس کا بھی سبب ہے کہ رُکنے کے وقت ریل کی تھوڑی سی حرکت باقی تھی مسافروں کی بھی اسیقدر حرکت باقی رہی تھی۔ ریل تو روک لی گئی۔ مسافروں کی حرکت فوراً رُکی نہیں۔ اس لئے جھٹکا لگنا ضرور ہوا۔ ریل کے ٹکرانے سے جو صدمہ مسافروں کو پہنچتا ہے اس کا بھی یہی سبب ہے کہ ریل کی رفتار دوسری ریل سے رُکتی ہے۔ مسافروں کی رفتار رُکتی نہیں۔ اُن کی آگے کی طرف کی رفتار جاری رہتی ہے۔ ریل کی سلاخوں اور تختوں سے مسافروں کو ٹکر لگتی ہے اور ریل کے ٹکرانے کے وقت جتنی زیادہ رفتار اسکی ہوگی۔ اُتنی ہی زور کی ٹکر لگے گی۔ چنانچہ ڈاک گاڑی جس کی رفتار تیز ہوتی ہے جب ٹکراتی ہے تو مسافروں کو سخت صدمہ پہنچتا ہے سیکڑوں آدمی مر جاتے ہیں۔ مگر مسافر گاڑی اگر کسی مال گاڑی سے لڑے تو چونکہ اُن دونوں کی رفتار بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لئے مسافروں کو صدمہ کم پہنچتا ہے۔ اگر دو تیزی سے چلتی ہوئی ڈاک گاڑیاں آپس میں لڑجائیں تو پھر مسافروں کی خیر نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اتنی تیز حرکت سامنے کی گاڑی سے ایک دم رُکتی ہے اور مسافروں کی حرکت اتنی ہی قایم رہتی ہے۔ اس لئے اُن کا ٹکرانا اور سخت

صدمہ اُٹھانا لازم ہے۔

اسی طرح ہم بھی زمین کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ گو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ کسی دوسری چیز کے مقابلے سے جو ساکن ہے ہم اپنی حرکت کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ دوسری چیز اس صورت میں سورج ہے۔ زمین کے مقابلے میں سورج کو ساکن مانا گیا ہے۔ ورنہ قرار اسکو بھی نہیں ہے۔ چاند ستارے سب کے سب حرکت میں ہیں۔ کلام آلہی کہتا ہے کہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ یعنی ہر ایک شے اپنے اپنے حلقے میں حرکت کرتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہی کہ زمین اور سورج میں سے ایک نہ ایک تو حرکت میں ضرور ہی ہی۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سورج حرکت میں ہی۔ مگر اوپر کی مثالوں سے ماننا پڑیگا کہ یہ ہماری نظر کی غلطی ہے۔ اور جس وقت سورج کا حرکت کرنا غلط ہوا تو پھر زمین کا حرکت کرنا لازم آیا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نظر کی غلطی کو نہیں مانتے۔ بلکہ جو ہم دیکھتے ہیں وہی ٹھیک ہی۔ یعنی سورج ہی حرکت کرتا ہے۔ اچھا یہی سہی۔ اسکے ساتھ یہ تو ماننا پڑیگا کہ جب سورج مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ شام کو مغرب میں ہماری نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہی۔ اور پھر صبح کو پہلے ہی مقام سے نمودار ہوتا ہی۔ تو اسکی حرکت دائرے کی شکل میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج مشرق سے مغرب کی طرف ایک سیدہ میں چلتا ہے۔ کبھی ٹیڑھا ترچھا نہیں چلتا۔ اور نہ کسی طرف مڑتا ہی۔ اور پھر اسی مقام پر آجاتا ہی۔ جس سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ چھلے کی صورت میں گھوم کر آیا ہی۔ اور جب وہ زمین کے ایک طرف سے نکلا۔ دوسری طرف چھپا۔ اور دوسری صبح کو پھر اسی جگہہ سے نکلا۔ تو گویا وہ زمین کے گرد گھوم کر آیا اور ہم دکھا چکے ہیں کہ وہ چھلے کی صورت میں گھوم کر آیا ہی۔ اور اب معلوم ہوا کہ وہ زمین کے گرد گھوما ہے۔

تو ثابت ہوا کہ چھلے کی صورت میں گھومنا اور زمین کے گرد گھومنا ایک ہی بات ہی۔ جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ زمین کی شکل چھلے کی طرح گول ہی۔ سورج کو حرکت میں ماننے والوں کی دلیل سے بھی زمین کی گولائی ثابت ہوئی۔

اس کے علاوہ زمین کے گول ہونے کی ایک بدیہی دلیل یہ بھی ہی کہ اگر کوئی جہاز ایک مقام سے روانہ ہو اور اپنی سمت کو بغیر بدلے ہوئے سیدھا چلتا رہی تو وہ اسی مقام پر آجاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ خواہ شمال کی طرف روانہ ہو یا جنوب کی۔ مشرق کی طرف روانہ ہو یا مغرب کی۔ چنانچہ یہ تجربہ بارہا کیا گیا ہے۔ اس سے زمین کی گولائی کی بابت ایک اور بات ثابت ہوتی ہے سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی صورت میں تو اتنا ہی ثابت ہوا تھا کہ زمین کی شکل ایک چھلے کی مانند ہے۔ جہاز کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ صرف چھلے ہی کی شکل نہیں ہے۔ بلکہ نارنگی یا گیند کی طرح ہی۔ ایک چیونٹی نارنگی کے کسی مقام سے کسی طرف بھی چلے اور اپنے رُخ کو نہ بدلے۔ تو وہ پھر ٹھیک اسی مقام پر آجاتی ہے جہاں سے چلی تھی۔

اب اگر زمین کی شکل نارنگی کی طرح گول ثابت ہوگئی۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نظر کی غلطی سے سورج پھرتا ہوا معلوم ہوتا ہے ورنہ اصل میں زمین چلتی ہی۔ تو روز صبح کو زمین کے اسی حصے کا سورج کے مقابل آجانا اس بات کو ثابت کرتا ہی کہ سورج کی شکل بھی زمین کی طرح ہی۔ اسی طرح سے چاند ستاروں میں سے ہر ایک کو علحدہ علحدہ لیکر ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ سب زمین کی طرح گول ہیں۔ اسی واسطے اُن کے لئے کلام الٰہی میں حلقے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

زمین کی گولائی اور حرکت تو ثابت ہوگئی۔ اب سوال یہ ہوتا ہی کہ آخر زمین حرکت کیوں کرتی ہی۔ میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں اگر کوئی چیز کسی طرف بھی پھینکی جائے تو وہ ہمیشہ زمین پر ہی آکر گرے گی۔ اسکی کیا وجہ وہ چیز کسی اور طرف کیوں نہ چلی جائے۔ مگر نہیں زمین پر ہی آئیگی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ کوئی خاص قوت ہی جو اس چیز کو زمین کی طرف کھینچ لاتی ہے اس قوت کا نام کشش زمین یا کشش ثقل ہی۔ اور جو چیز کسی طرف پھینکی جاتی ہی۔ وہ ہمیشہ ایک خاص صورت میں ہی حرکت کرتی ہوئی زمین پر آتی ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ کشش ثقل ایک خاص قاعدے کے موافق عمل کرتی ہی۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ اسی کشش کے سبب چیزوں میں وزن بھی ہوتا ہے۔ ورنہ وزن کوئی اصلی شے نہیں ہی۔ ظاہر میں یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہی مگر ہے یونہی۔ اگر ایک من وزن کے پتھر کو ہم کسی طرح زمین کے مرکز پر لے جائیں تو وہاں اسکا وزن کچھ بھی نہیں رہیگا جس سے نتیجہ نکلا کہ وہ کشش زمین کے مرکز سے شروع ہوتی ہے۔ اور جوں جوں کسی چیز کا فاصلہ مرکز سے زیادہ ہوتا جاتا ہے اس شے کا وزن بڑھتا جاتا ہے مگر چونکہ زمین کی اوپر کی سطح کا ہر ایک حصہ اور مقام مرکز سے برابر فاصلے پر ہے۔ اس لئے ایک چیز کا وزن زمین کے اوپر ہر جگہ برابر ہی رہیگا۔ اگر ایک چیز کو ہم زمین کے اوپر تولیں۔ اور اسی چیز کو لیجا کر ایک دو تین میل گہری کان کے اندر تولیں تو اس کا وزن گھٹ جائیگا۔ اگر اور نیچے جائیں تو اور وزن گھٹے گا۔ یہاں تک کہ اگر بیچ تہ میں پہنچ جائیں تو اس کا وزن کچھ بھی نہ رہیگا غرض یہ کہ وہ کشش ایسے مقررہ قدرتی قاعدوں کے مطابق عمل کرتی ہے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا ہی۔ جب ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سورج چاند۔

ستارے سب زمین ہی کی شکل کے ہیں تو اُن میں بھی اس کشش کا ہونا لازم ہوا - اُن تمام اجسام کی یہ کشش ہی ہے - جو ان سب کی حرکت کا باعث ہے زمین بھی اسی کے سبب حرکت کرتی ہے - وہ اس طرح سے کہ زمین کی گیند کو سورج - چاند - ستاروں میں سے ہر ایک کشش ثقل کے سبب اپنی اپنی طرف کھینچتا ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زمین کے مرکز سے کشش زمین شروع ہوتی ہے اسی کھینچ تان کے سبب زمین ایک جگہہ پر نہیں ٹھیر سکتی اور جب ایک جگہہ نہ ٹھیریگی تو کیا ہوگا - یہی کہ حرکت کرنے لگے گی - یہی حال چاند - سورج - ستاروں کا بھی ہے - ہر ایک اسی کے سبب حرکت میں ہے - آیت ربّانی کا ایک جزو یعنی ہر ایک کا حلقہ ہونا تو پہلے ہی ثابت ہو چکا تھا - اب حلقے میں گھومنا بھی ثابت ہو گیا زمین کی گولائی پہلے ثابت ہو چلی - حرکت کا سبب اب معلوم ہو گیا - اب فقط اتنی بات رہگئی کہ وہ سورج کے گرد کیوں حرکت کرتی ہے - بڑی بڑی دُوربینوں اور علم ہیئت کے ذریعے سے معلوم ہو گیا ہے کہ سورج اُن تمام اجرام فلکی میں جنکو ہم دریافت کر سکے ہیں سب سے بڑا ہے - اور ایک ایک سے لاکھوں گنا ہے اس لئے اسکی کشش بھی سب سے زیادہ ہے - جس چیز میں کشش ہو تو وہ جتنی بڑی ہوگی اُتنی زیادہ اسکی کشش ہوگی - مقناطیس کے چھوٹے ٹکڑے سے اس کے بڑے ٹکڑے میں کشش زیادہ ہوتی ہے - سورج کی کشش زمین کی کشش سے لاکھوں گُنی زیادہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین اسکی طرف بالکل ہی کیوں نہیں کھینچی جاتی - اور اس سے جا کر مل کیوں نہیں جاتی - مگر اس کے ساتھ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ سورج زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل دُور ہے مقناطیس کو لوہے کے پاس لاؤ تو اسکی کشش زیادہ ہوگی - دُور لیجاؤ تو کشش گھٹ جائیگی - اسی سبب سے سورج کی کشش زمین پر اتنی زیادہ نہیں ہوتی جو

اُسکو بالکل ہی اپنی طرف کھینچ لے۔ مگر زمین پر عمل ضرور کرتی رہتی ہے۔ اور تمام اجرام کی کشش سے پھر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے زمین پر سورج کی ہی کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ اسی کے گرد گھومتی ہی۔ اور اگر یہی موجودہ صورت قایم رہے تو ہمیشہ ہمیش اسی طور پر سورج ہی کے گرد حرکت کرتی رہیگی۔ یہ بہت آسان طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہی (آیندہ)

سید صغیر علی پروفیسر ٹلکر کالج اندور

—— * ——

اسلم کا پہلا روزہ

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھی کروبیان

اماںجان بیٹی پھر بتاؤ نہ تم نے کس کس کو بلایا ہے؟ میں اُسی قدر کھانیکا اہتمام کروں۔

رعنا۔ ہاں اماںجان میں اپنی کُل سہیلیوں کو بلاؤں گی۔ کرسچن اور ہندو لیڈیز کو بھی شریک دعوت کرونگی۔ یہ بھی تو کچھ ہمارے ماہ مبارک کی رونق و عظمت کو دیکھیں۔

اماںجان۔ خیر کرسچن لیڈیوں کا تو کچھ نہیں۔ ہندوستانی اور انگریزی کھانے تیار ہی ہونگے۔ وہ بھی کھا لینگی۔ لیکن ہندو سہیلیوں کے لئے پکوانے کا بندوبست کرو۔

رعنا۔ وہ میں نے کر لیا ہے۔ میرے دوست مسز ہر کشن داس نے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں اپنے دونوں باورچیوں کو بھیجدونگی اور اوپر کے کام کے لئے ہماری مایا دیوی مشرانی آجائیگی۔

امانجان۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن دادی جان کی بھی خبر ہے وہ ویسے ہی ان لوگوں کے کھانے پینے سے چڑھا کرتی ہیں۔ وہ یہ کہیں گی کہ تم نے روزے نماز میں بھی اپنی سہیلیوں کو دخیل کر لیا۔

رعنا۔ میں نے اُن سے بھی اجازت لے لی ہے۔ اُنہیں اپنا مطلب اچھی طرح سمجھا کر دادی جان نے کہدیا ہے کہ تم اپنی سہیلیوں کو باغیچے میں کھانا کھلانا۔ اور بڑی بیبیاں ہمارے ساتھ مکانیں کھائیں گی۔

امانجان۔ خیر تو تم سب کچھ طے کر چکی ہو۔ جاؤ تو پھر باغیچے میں صفائی اور درستی کرالو۔

رعنا۔ میں نے سوسن اور گلچہرہ کو اُدھر بھیجدیا ہے۔ اور شعبانہ درستی کرا رہی ہیں"۔

شام ہو گئی اور یہ دونوں ماں بیٹیاں نماز مغرب کے لئے اوٹھ کھڑی ہوئیں۔ دوسرے دن چودھواں روزہ تھا۔ تمام دن اس بڑی دعوت کا انتظام ہوتا رہا۔ علاوہ امیروں کے سیکڑوں غریب مساکین کو بھی کھانا تقسیم کرنا تھا۔ اور چونکہ گرمی کا رمضان ہے۔ برف اور پنکھے کا بھی خاص انتظام کرنا تھا۔ پانچ بجے سے گھر میں مہمان بیبیاں آنے لگیں۔ چبوترے پر تختوں کا فرش کیا گیا تھا۔ صدر میں والدہ صاحبہ محمد اکرام یعنی رعنا کی دادی جان بیٹھی تھیں۔ اور اُن کے اردگرد بہت سی مہمان بیبیاں باتیں ہو رہی تھیں۔

ایک بیگم۔ اے ہے کیسی گرمی کے روزے ہیں۔ پیاس کے مارے۔ جان نکلی جاتی ہے۔

والدہ محمد اکرم۔ اے بیوی کچھ نہ پوچھو۔ گرمی سے کیا حال ہے۔ ہماری تو پھر خیر بیچارے بچے تو بلک بلک جاتے ہیں۔ انا کی لڑکیوں نے تین چار روزے رکھے۔ اُن کا تو بہت ہی بُرا حال ہو گیا ہے۔ آج میرے اسلم کا بھی اللہ رکھے پہلا روزہ تھا۔ پر بیوی اس نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ ایک دفعہ نہیں کہا کہ بھوک یا پیاس لگی ہے بارہ بجے تک مدرسے کا کام کرتا رہا۔ بہت مشکل سے دوپہر کو سُلایا۔ تیسرے پہر کو نہا دھو کر کپڑے پہنے اور کھیلنے لگا۔

وہی بیگم۔ اے آپا پیاس تو کیوں نہ لگی ہوگی۔ یہ کہو کہ آجکل کے بچے بڑے حوصلے والے اور ضد کے پورے ہیں۔ اوس نے اپنی خوشی سے جو روزہ رکھا تھا۔ اسلئے کوئی شکایت نہ کی۔ بُلواؤ تو میں اُسے دیکھوں۔

والدہ محمد اکرم۔ بھلا پیاس کیوں نہیں لگی۔ چہرا کُملا کر ذرا سا نکل آیا ہی۔ ابھی عمر ہی کیا ہی۔ (دسواں برس شروع ہے۔ اری بہار افزا جاؤ باہر سے صاحبزادے کو بُلا لاؤ"۔ چند منٹ بعد بہار افزا کے ساتھ ایک نہایت خوبصورت لڑکا گھٹنوں تک کی بادامی ریشمی پتلون اور نیلی دھاری دار قمیص پہنے ہوئے آیا۔ جس کے سر پر ٹوپی تو نہ تھی لیکن سیاہ لمبے موزے اور بوٹ پہن رہا تھا۔ سب کو سلام کیا اور مودب بیٹھ گیا۔

والدہ محمد اکرم۔ (پیار کر کے) میرے بچے اب تو تمام دن کٹ گیا۔ تھوڑی دیر

میں شربت پی کے کھانا کھاؤگے۔

وہی بیگم۔ کیوں میاں اسلم روزہ کیسے کٹا۔

محمد اسلم۔ جناب بہت اچھی طرح ۔مجھے تو اتنی تکلیف نہیں ہوئی۔ اتا جیکی لڑکیاں تو گھبرایا کرتی تھیں۔

ایک اور بیگم۔ میاں تکلیف تو کیوں نہیں ہوئی۔ یہ کہو کہ تم حوصلے والے ہو۔ یہ موئی گرم جراب آج ہی نہ پہنی ہوتی۔ اوس پر بوٹ چڑھے ہیں تلووں سے گرمی چڑھتی ہوگی۔

تیسری بیگم۔ اے ہاں آج بوٹ کوٹ کا کیا ذکر تھا۔ روزے نماز میں تو ان باتوں کو الگ کیا کرو۔ آج سیدھا پاجامہ اور اچکن پہن لیتے ان چیزوں سے روزے کا ثواب نہیں ہوتا۔

والدہ محمد اکرم۔ بیوی میں کیا کروں آج کل کی ہوا ہی یہ ہے۔ میری پوتیاں تو الگ رہیں۔ خود بہو کو یہی طریق پسند ہے اسی نے ہی بیٹے کو بھی انگریزی لباس میں جکڑ دیا۔

اتنے میں روزے افطار کا وقت ہوگیا۔ سب کے آگے دستر خوان بچھے اور مکلف افطاریاں چنی گئیں۔ محمد اسلم نے دادی کے ساتھ روزہ کھولا۔ اور پھر باہر بلا لیا گیا۔ وہاں بھی محمد اکرم صاحب کے بیسیوں معزز دوست شریک دعوت تھے۔ دوسری طرف سیکڑوں غربا کو کھانا تقسیم کیا جا رہا تھا۔ آؤ اب ہم دیکھیں باغیچہ میں کیا ہو رہا ہے؟ وسط باغ میں جو گلاب اور چنبیلی ورابیل کی برابر برابر کیاریاں ہیں۔ اُن کے دونوں طرف میزیں لگی ہیں جن پر انواع واقسام کی پرتکلف چیزیں چنی ہیں۔ کرسیوں پر مہمان لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ رعنا اور شعبانہ دونوں بہنیں ہر ایک چیز کی دیکھ بھال میں ادھر

اودھر بچھ رہی ہیں۔ ایک طرف کی میزیں ہندو لیڈیوں کے واسطے ہیں۔ اور طرف مسلمان و کرسچن۔

جب افطار کا وقت ہوگیا تو رعنا اور شعبانہ نے ایک ایک خرمے سے روزہ افطار کیا۔ یہ دونوں ابھی کسی طرف بیٹھی نہ تھیں۔ کہ ندر قبیہ ایک ہندو لیڈی نے کہا۔ مس کندن لال۔ مس محمد اکرام آپ کس طرف تشریف رکھینگی ہماری شریک ہونگی یا اُدھر؟

رعنا محمد اکرام۔ ہم دو جو ہیں۔ ایک طرف میں اور دوسری طرف شعبانہ۔

مس کندن لعل۔ میں تو صرف آپ کی نسبت پوچھتی ہوں کہ شرکت سے کس پارٹی کو عزت بخشیں گی۔

رعنا۔ (ہنسکر بے تکلفی سے) دونوں پارٹیوں کو۔

مس کندن لعل۔ اچھا تو یہ مطلب کہ آدھا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گی۔ اور آدھا اُن کے۔

رعنا۔ نہیں بلکہ ایک طرف میں اور دوسری طرف شعبانہ۔

مس کندن لعل۔ پھر تو جس طرف آپ ہونگی۔ اُس پارٹی کو عزت حاصل نہ ہوگی۔

رعنا۔ ہائیں۔ تو کیا آپ میری بہن کو مجھ سے کچھ کم خیال کرتی ہیں"

اب تو مس کندن لال خاموش ہوگئیں۔ اور یہ دونوں بہنیں بھی بیٹھ گئیں۔ مسلمان لڑکیاں جو روزہ افطار کرنے کے بعد رعنا کے انتظار میں جو ان کی گفتگو سُن رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

زھرہ۔ بہن ہم تو اب اوٹھنے کو تھیں۔ گھڑیاں گن گن کر یہ وقت آیا۔ اور خدا کا روزہ کھلا۔ تو آپ نے دوسرا رکھوا دیا۔ اور ہمارے

ساتھ ہماری یورپین بہنیں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔

رعنا۔ آپ نے بسم اللہ کی ہوتی۔

مس ویلز۔ میں تو کہتی تھی۔ کہ آپ شروع کریں۔ کیونکہ آپ لوگ دن بھر کی بھوکی پیاسی ہیں۔ ہم تو ابھی چاء پیکر آئے ہیں۔

مس الفریڈ۔ اوہو آجکل گرمی سے آپ سب کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ تھوڑی دیر بغیر سرد پانی کے گذارنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔

رعنا۔ ہاں تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔ لیکن مذہبی فرض جو ہو۔ اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔

مس کندن لعل۔ بھئی ایسے مذہبی فرض کو سلام ہے۔ جس سے جان جائے۔

زھرہ۔ اب پھر انکی زبان کھلی۔

رعنا۔ ہاں میں جواب دونگی۔ انہیں بولنے دو۔ کیا کہا آپ نے مس کندن ؟

مس کندن۔ میں نے کہا۔ کہ ایسے مذہبی فرض کو سلام ہے۔ جس سے اسقدر تکلیف ہو۔

رعنا۔ انسانی فرائض میں سے کوئی ایک فرض بھی ایسا ہے۔ بلا تکلف جسکی ادائیگی ممکن ہو۔ مذہبی فرایض کو تو ہم نے تکلیف کے خیال سے ادا نہ کیا۔ تو نہ سہی۔ لیکن انسانی فرایض کی ادائیگی بغیر ہم کس طرح مہذب کہلا سکتے ہیں۔ اور کس طرح دنیا میں جی سکتے ؟

مس کندن۔ بھئی ہمیں کھا لینے دو یہ بحث کا وقت نہیں ہے۔

زھرہ۔ لو بیچاری پھر چپ ہوگئیں۔

رعنا۔ طبیعت تو پُرمذاق پائی ہے۔ لیکن جلدی ہی خاموش ہوجاتی ہیں

شکیلہ۔ مس محمد اکرم میں اعتراض کے طور پر نہیں کہتی۔ لیکن مجھ معاف کریں۔ اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ روزہ رکھنا بڑا ہی سخت تکلیف دہ ہے۔ علاوہ معمولی بھوک پیاس کے صحت کا بھی سخت نقصان ہی۔ آپ ہی غور کریں کہ دن میں تو بالکل نہ کھانا۔ اور رات میں دوبارہ پیٹ بھر لینا۔ اس طرز عمل سے صحت جسمانی پر کیا اثر پڑسکتا ہی۔ آپ تو تعلیم یافتہ ہیں۔

شوشیلہ۔ میں تو یہ کہتی ہوں۔ کہ مسلمانوں کو روزے اب ترک کر دینے چاہئیں۔ جس زمانے میں یہ حکم اُترا تھا وہ وقت اور تھا۔ اب اور ہی صحتیں خراب ہوگئیں ہیں۔ طبیعتیں کمزور۔ علاوہ اسکے عقل اور روشنی کا زمانہ ہی اہل عقل سمجھدار ملکر غور کریں۔ کہ جو امر صحت کے لئے مضر ہو۔ اُس کا روا رکھنا کہانتک دُرست ہے؟ اور میں خیال کرتی ہوں کہ سوائے اس نقصان کے روزے سے اور تو کوئی بھی فائدہ نہیں۔ چونکہ ایک مذہبی بات ہے۔ آپ لوگ اُسکو لکیر کے فقیر بنکرادا کرتے ہیں۔ جاہل ایسا کریں۔ تو کوئی بات نہیں۔ لیکن آپ جیسے مہذبوں کو اصلاح کرنی چاہئے

رعنا۔ (مسکراکے) روزے کی بابت مجھے آپ دونوں کے خیالات معلوم ہوئے۔

پیاری بہن شکیلہ نے اول یہ کہدیا ہی۔ کہ میں اعتراض کے طور پر نہیں کہتی۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ کہ آپکے ان خیالات کو اعتراض پر ہی محمول کرنا پڑتا ہی۔ ہر مذہب کے تمام احکام تقریباً ایسے ہی سخت ہیں۔ جن کا ادا کرنا مشکل ہی

لیکن جو دیندار لوگ ہیں۔ وہ سب برداشت کرتے ہیں۔ بعض مہذب قومیں دنیا میں ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنے آرام کے خیال سے مذہب میں ترمیم واصلاح کرلی ہے۔ لیکن اونہیں کے بزرگ اور پیشوایانِ دین بھی ان کے اس طرزِ عمل سے خائف ہیں۔ اور گناہ کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور بعض قومیں وہ بھی ہیں۔ جو تکلیف سے بچنے کی غرض سے احکام مذہبی کی پابندی تو نہیں کرتیں لیکن اُس میں اصلاح اور ترمیم کرنی بھی گناہ سمجھتی ہیں۔ چنانچہ اونہیں میں سے ہم بھی ہیں ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان ہونگے۔ جو نماز اور روزے کے پابند نہ ہونگے۔ لیکن وہ اسکی پابندی کو دل سے مانتے ہیں۔ اور خود بجاآوری احکام مذہبی نہ کرکے اپنے آپ کو سخت گناہگار خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں ہمارے اصول دین میں سے کوئی ایک اصول بھی نقصان دہ اور فضول نہیں۔ خواہ ہم کسی قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب کیوں نہ ہو جائیں۔ بلکہ جتنے زیادہ روشن دماغ ہونگے۔ اوتنے ہی احکام مذہبی کے زیادہ پابند۔

روزہ صحت کیلئے مُضر نہیں اگر احتیاط سے کام لیا جائے۔ کسی مذہب کا کوئی اصول بھی خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ بیشک دن میں پانی بھی نہ پینا اور رات میں دو بار کھانا عام طور پر مُضرِ صحت کہا جاسکتا ہے۔ لیکن دراصل پیانہیں روزہ نقصان دہ نہ ہونے اور اس کے فطرت کے مطابق ہونے کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر اُمی صلی اللہ علیہ وصلعم نے اب سے چودہ سو سال قبل بحکم خدا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور اب بیسویں صدی عیسوی کی شروع میں زبردست ڈاکٹرانِ یورپ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ فاقہ کشی یا دوسرے معنوں میں روزہ تمام جسمانی درد دُکھ کو دُور

کرتا ہے۔ جس طرح مسہل ہمارے معدے کی صفائی کیلئے کارآمد ہے۔ اسی طرح روزہ بھی بیکار نہیں۔ کیونکہ یہ ہمارا سالانہ بڑا مسہل ہے۔ جس سے تمام مادہ فاسد خشک اور جذب ہو کر ہاضمہ درست ہو جاتا ہے۔ اگر ثقیل غذائیں مثلاً افطاری کے وقت طرح طرح کے پکوان اور سحری کے وقت سیویاں پراٹھے وغیرہ نہ کھائے جائیں اور ہلکی زود ہضم اور طاقتور غذا مثلاً دودھ انڈا۔ گوشت چاول ڈبل روٹی وغیرہ پر اکتفا کی جائے تو ذرا بھی ہاضمہ میں خلل نہیں آتا۔ سخت سے سخت گرمی میں پابند لوگ روزہ نماز قضا نہیں کرتے۔ لیکن یہ بالکل ہی سننے میں نہیں آیا کہ روزے کی وجہ سے سوئے ہضمی یا شدت گرمی کی وجہ سے روزے دار ہلاک ہوا۔

اور جو کبھی روزے داروں کو بیماری کی شکایات ہو بھی جاتی ہیں وہ بھی اُن کی نادانستگی اور ثقالت غذا کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض جاہل لوگ خرابی صحت وحالت کمزوری میں ہی ثواب سمجھکر روزہ رکھ لیتے ہیں۔ دراصل یہ اُن کی سخت غلطی اور نادانی ہے۔

کیونکہ جس طرح ہمیں تندرستی میں روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اُسی طرح ذراسی بیماری میں گناہ۔ ہمارے خیال میں ایک تو روزہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو سالانہ مسہل کا کام دیتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ غریبوں ناداروں فاقہ کشوں کی سخت مصیبت اور حالت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ امیر لوگ جو گیارہ مہینے اچھی سے اچھی نعمتیں کھاتے اور ہر طرح کا سامان دل بستگی یعنی ناچ رنگ وغیرہ وغیرہ سے دل بہلاتے ہیں اسی پاک اور مبارک مہینے میں روزوں کے سبب انکی بھوکوں کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو سب کچھ میسر ہے۔ صرف دن بھر کی ہی

تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔اور خیال کیا جائے اُن محتاجون کی حالت پر جنکو پیٹ بھر کھانا کبھی بھی نہیں ملتا۔ اور چونکہ روزے دار کو حتی المقدور اس تمام مہینے میں تمام گناہوں سے احتراز کرنا واجبی ہے اسلئے راگ رنگ اور اسی قسم کے سامان عیش و طرب اور بدی غیبت چوری جھوٹ ودوسرونپر ظلم وستم وغیرہ چھوڑکر پابندی کے ساتھ عبادت خدا میں اوقات صرف کئے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمیشہ سب لوگ اسی طرح نہیں گذار سکتے۔ رمضان شریف نکلتے ہی عام طور پر لکھوکھا انسان ان باتوں کو بھول کر پھر بحر گناہ میں غوطے لگانے لگتے ہیں۔ تو پھر عبادت الٰہی اور اپنے فرایض کو یاد دلانے کے لئے بارھواں مہینہ رمضان آموجود ہوتا ہے۔گویا بارگاہ خدا میں یہ ہماری سالانہ حاضری ہے جس سے محتاجوں کی مدد اپنے معبود کی اطاعت واپنے گناہوں سے احترازاور اپنے فرایض کو اداکرنا سیکھتے ہیں شوشیلا آپ تو ہمہ تن میری طرف ہی متوجہ ہوگئیں۔ بہت دیر سے خالی چمچہ ہاتھ میں ہے۔کھاتی بھی جائیں۔

شوشیلہ۔ ہاں کھا رہی ہوں مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی معلوم ہوئیں۔ میں اپنے پچھلے الفاظ کو واپس مانگ کر اپنی اُس کمزور رائے کی معافی چاہتی ہوں۔

رعنا۔اوہ کوئی بات نہیں آپ چونکہ ناواقف ہیں میں آپ کی اظہار رائے کا ذرا بُرا نہیں مانتی۔

شکیلہ۔ اچھی پیاری رعنا آپ میرے بھی دخل درمعقولات والے الفاظ کو واپس کرکے مجھے معاف کریں۔ دراصل میں نے کوئی اعتراضانہ کہا تھا۔کسی کے مذہب پر حملہ کرنا میں سخت ناپسند

بلکہ گناہ سمجھتی ہوں۔ چونکہ آپ بے تکلف دوست ہیں یونہی کہدیا۔

رعنا۔ پیاری شکیلہ آپ اس قدر افسوس نہ کریں کوئی بات نہیں
میں ان باتوں کو آپ صاحبان کی ناواقفیت پر محمول کرتی ہوں
اور یہ کوئی مناظرے کا وقت نہیں یہ تو کھانے پر دل بہلانے
کے لئے ہماری آپس کی بے تکلف گفتگو ہے۔ یعنی ٹاک ٹیبل۔

شکیلہ۔ میں بہت خوش ہوئی آپ کی اس اعلیٰ حوصلگی پر۔

مس گرانٹ۔ رعنا ہمیں پیارا اسلم دکھاؤ وہ کہاں ہے؟ دیکھیں وہ آج
کیسا خوش ہے؟

چنانچہ رعنا نے ایک ملازمہ بھیجکر محمد اسلم کو بُلوایا۔ اور سب سے پہلے
مس گرانٹ صاحبہ سے ملوایا۔ کیونکہ وہ مشن کی افسر اور رعنا کی اُستاد تھیں
پھر سب سے ملایا۔

مس گرانٹ۔ بتاؤ پیارے اسلم دن کیسا گذرا تمہیں کچھ تکلیف تو نہیں ہوئی؟

اسلم۔ پیاس تھوڑی لگی تھی۔ پر میں نے اس تکلیف کو کچھ زیادہ
نہیں جانا۔

مس گرانٹ۔ شاباش پیارے بچے اپنے مذہب کی ایسی ہی پابندی کرنی
چاہیئے۔ آفریں ہے تمہارے حوصلے پر۔

کشور۔ لیکن اتنے بچوں پر شاید روزہ فرض نہیں ہو۔ اس بیچارے
نے تو یونہی تکلیف اُٹھائی۔

رعنا۔ بیشک فرض تو نہیں۔ لیکن جس بات کو بزرگ اچھا سمجھتے ہیں۔
عموماً بچوں کو اسی عمر سے اُس کا عادی بنایا جاتا ہے۔
بچپن ہی سے تعلیم و تربیت شروع کیجاتی ہے۔ اگر اسی عمر میں

انہیں ان باتوں کا خوگر نہ کیا جائے۔ تو بڑے ہو کر یہ کب مانتے لگے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ گرمیوں کی تکلیف بچہ برداشت نہ کر سکیگا۔ اسوجہ سے اس سے زیادہ روزے نہ رکھوائے جائیں گے بس ایک یا دو آخر میں اور رکھ لیگا۔

کشور۔ خیر یہ تو ہوا لیکن آپ نے اس قدر یہ دھوم دھام اور صرف کثیر کیوں کیا؟ آپ تو کفایت شعاری پر لکچر دیا کرتی ہیں۔

رعنا۔ یہ درست ہے لیکن میں نے فضول خرچ تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ایسی دعوتوں کا اب عام رواج ہو گیا ہے۔ آئے دن بن بات ہوا کرتی ہیں۔

آج میں نے بھی اس خوشی میں کہ میرا اکلوتا بھائی اس قابل ہوا کہ اُس نے پہلا روزہ رکھا۔ والدین نے اور میں نے اپنے دوستوں کو ایک دعوت دیدی۔ اور چونکہ ہمارے خیال میں روزے افطار کرانا کار ثواب ہے۔ محتاجوں کو کھانا کھلا دیا۔

اس شکریئے میں خیرات بھی تو کرنی چاہیئے تھی۔ ہمیں خدا نے اسی لئے دیا ہے کہ غریبوں کی مدد کریں۔ خالی عبادت سے ہم بخشے نہیں جا سکتے۔ جب تک کہ اُسکی محتاج و نادار مخلوق کی امداد نہ کریں۔

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

مس گرانٹ۔ بیشک پیاری رعنا بالکل درست ہے۔ خدا ہماری تب ہی مدد کریگا کہ جب ہم دوسرے محتاجوں کی مدد کریں گے۔ اور اُنکا دُکھ درد بٹائیں گے۔ پیارے اسلم کے پہلے روزے کی خوشی

میں تم نے جو کچھ کیا بہت خوب کیا۔ یہ بیچارے محتاج جنکو ٹکڑا بھی نہیں جڑتا۔ آج پلاؤ زردہ کھا کر کس قدر خوش ہونگے اور دعائیں دینگے۔

جن میں بہت سے روزہ دار بھی ہونگے۔

رعنا۔ میں نے نہایت کوشش سے چُن چُن کر بالکل غریب اور اصل مستحقین کو بُلوایا ہو۔

علاوہ اس کے کچھ روپیہ اپنے یونیورسٹی فنڈ کیلئے بھی بھیجونگی۔

مس گرانٹ۔ اس خوشی میں کہ میرے عزیز اسلم نے پہلا روزہ رکھا۔ یہ پانچ روپیہ میں بھی آپ کی یونیورسٹی فنڈ کے لئے دیتی ہوں۔

مس کندن لعل۔ اس خوشی میں کسی کار خیر کے لئے کچھ چندہ تو میں بھی دونگی لیکن یونیورسٹی فنڈ میں تو نہ دونگی۔ کیونکہ رعنا نے ہمارے یونیورسٹی فنڈ میں اب تک کچھ نہیں دیا۔

رعنا۔ (ہنسکر) آپ اپنی یونیورسٹی فنڈ کے لئے فہرست چندہ کھول دیکھیں۔ سب سے اوّل میں اپنا چندہ نہ درج کراؤں تو کہیں۔

مس کندن۔ اچھا تو لیجئے میں پانچ دیتی ہوں۔ لیکن ان کے عوض دس لے لونگی۔

رعنا۔ دس کیسے میں پندرہ دونگی۔ ایسی ہی ہنسی مذاق کی گفتگو ہوتی رہی۔

خاکسار

بنت سید نذر الباقر

عیدکی خوشی

مبارک آپ کو عید الفطر باشان و شوکت ہو
خوشی ہو راحتِ دارین ہو ہر دم فلاحت ہو

آج قیصری باغ لکھنؤ کی بارہ دری میں عجیب چہل پہل نظر آتی ہے اسی باغ کے ایک دوسرے حصّے میں دو عورتیں کھڑی کچھ باتیں کر رہی ہیں

بشیرن۔ بہن آج یہ کیا بات ہے؟ یہاں تو بڑی رونق ہو رہی ہے! شاید کسی کا بیاہ ہے۔

نظیرن۔ نہیں بُوا بیاہ نہیں ہے تم نے نہیں سُنا ڈپٹی محمد اکرم صاحب کے گھر سے سب لوگ عید کی خوشی منانے یہاں آئے ہیں۔ انکے ساتھ بہت سی نواب زادیاں اور میمن بھی ہیں۔ ہماری سرکار بھی تو تشریف لائی ہیں۔

بشیرن۔ نواب محمد علی خاں کے گھر سے بھی آئی ہیں؟

نظیرن۔ ہاں سب لوگ ہیں۔ ان ڈپٹی صاحب کی بیگم نے یہ دستور ٹھہرا رکھا ہے کہ عید اور بقرا عید کو گھر کے کھانے پکانے سے نمٹ کر اپنی سہیلیوں کو لیکر عید کی خوشی کرنے باغ میں آیا کرتی ہیں۔ اور شام کی چائے سب مہمانوں کو یہیں پلاتی ہیں۔

بشیرن۔ اچھا تو بُوا مجھے کسی طرح وہاں لے چلو میں بھی تو بہار دیکھوں

نظیرن۔ اے چل میرے ساتھ کیا بات ہے۔ میں اپنی بیگم سے کہدونگی

کہ یہ میری بہناپن ہی"۔

آسئے ہم بھی دیکھیں عید کی کیا کیا خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ اوہو یہاں تو عجیب بہار ہے زرق برق لباس پہنے بیگمات کرسیوں پر تکلں ہیں۔ ایک طرف کو میزوں پر اعلیٰ سے اعلیٰ فواکہات چنے ہیں۔ ایلو ایک گاڑی کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ کوئی بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ یہ سب اُن کے استقبال کو کھڑی ہو گئیں۔ اور جب سب بیٹھ چکیں تو خوش اخلاق میزبانہ رعنا محمد اکرم نے درمیان میں کھڑے ہو کر یوں کہا۔ میں آپ سب کی تشریف آوری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور پھر یہ عرض ہو کہ یہ تو ہمارا ہمیشہ کا دستور ہے کہ عید منانے ہم لوگ یہاں آیا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس جلسے کو آپ صاحبان اپنی شرکت سے عزت بخشتی ہیں۔ لیکن آج خاص طور پر آپ سب روشن خیال بیگمات سے ایک التجا کرتی ہوں کہ اس تقریب کی خوشی میں بھی یونیورسٹی فنڈ کی مدد کی جائے۔ یوں تو آپ سب اس فنڈ میں اپنا اپنا چندہ عنایت کر چکی ہیں لیکن آج بھی جس طرح عید سعید کی خوشی میں اپنے اپنے بچوں اور ملازمین کو عیدیاں دیں اور دوستوں میں تحائف تقسیم کئے تو اپنے اس سب سے نہایت ضروری قومی فنڈ کو بھی اس موقع پر یاد کر کے اس کا حصہ نکالنا چاہیئے۔ سب سے اوّل اپنی والدہ صاحبہ کی طرف سے فنڈ کو عیدی (جیسے کہ اونھوں نے ہم سب کو دی ہے) اور اپنی عیدی تمام اپنے چھوٹے بہن بھائی کی عیدیوں کا آدھا حصہ یونیورسٹی کی نذر کرتی ہوں۔ اور آپ سب سے اُمیدوار ہوں فنڈ کے لئے عیدی کی اور لڑکیوں کی طرف سے اُن کے عیدیوں کے آدھے حصے کی۔

امید ہے میری خواستگاری خالی نہ جائیگی"۔

کئی بیگمات یک زبان ہو کر۔ بڑی خوشی سے ہم اپنے فنڈ کو عیدی دینگے اور ہماری لڑکیاں بھی۔

بیگم نواب محمد علی۔ لیکن پہلے ہم باجہ سُنیں گے۔ تاکہ عید کی رونق دوبالا معلوم ہو۔

بیگم اذخر جنگ۔ ہاں یہ بہت ٹھیک ہے پہلے ہم رعنا پیانو سنادیں پھر فہرست چندہ کھولیں۔

رعنا۔ بہت خوشی سے۔ ہم دونوں بہنیں سُنانے کو حاضر ہیں اور میری چند اور دوست بھی سُنائیں گی۔ شعبانہ پہلے تم اٹھو۔

شعبانہ۔ میرے تو کچھ خیال میں نہیں لیکن بجا آوری حکم سے انحراف بھی نہیں"۔ پیانو کے قریب کرسی پر بیٹھکر ۔۔۔

مبارک آپ کو عید الفطر باشان وشوکت ہو
خوشی ہو راحتِ دارین ہو ہر دم فلاحت ہو

آج بدلا ہے رنگ عالم کا
جا بجا شور ہے مبارک ہو
بلبلوں کو چمن چمن کو گلُ
گلُ کو رنگ فضا مبارک ہو
سال کو ماہ ماہ کو یہ دن
دن کو صبح و مسا مبارک ہو

دار العلوم ہم کو جو لیجائے اب کے عید
تو پھر زمانہ علم افزا و مبارک ہو

یہ شعر ختم کر کے شعبانہ کھڑی ہوگئیں۔ نو رعنا نے اپنی چچا زاد بہن خورشید آرا کو پیانو پر بٹھایا۔

خورشید آرا ؎

آنکھ میں ہر دم تیری تصویر یونیورسٹی	لب پہ ہے ہر دم تیری تقریر یونیورسٹی
پاؤں تیری سعی میں ہیں سر میں سودا ہے تیرا	تو نے سر تا پا کیا تسخیر یونیورسٹی
جان پہ قبضہ تیرا دل پر حکومت ہے تیری	جان و دل ہیں سب تیری جاگیر یونیورسٹی
عید ہے سارے مسلمانوں کو تیرا افتتاح	ہاں خوشی تیری ہے عالمگیر یونیورسٹی

بیگم محمد علی۔ واہ واہ کیا خوب لڑکیاں باجے پر بھی اپنا ہی مطلب لے بیٹھیں۔

رعنا۔ آپ جانتی ہیں غزل وغیرہ تو ہم گایا نہیں کرتے اسوقت بجائے نعتوں کے یہ مناسب حال نظمیں زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ جو خدا کرے موثر ثابت ہوں۔

بیگم نواب افسر جنگ بہت ٹھیک یہی نظمیں ضروری ہیں۔ اچھا اب کسی اور کو منتخب کرو

رعنا۔ میں ہی جو حاضر ہوں "

اور باجے پر بیٹھکر ؎

نالۂ بلبل و قمری تو سنا ہنس ہنسکر	اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

بیگم افسر جنگ۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ

اب گرہ کھول کے بیٹھو میری باری آئی

رعنا۔ (مسکرا کے) آپ کی مہربانی ہے۔

پھر باجے پر ؎

اے فخر قوم بہنوں عصمت شعار بہنوں	تم دین مصطفٰے کی ہو پاسدار بہنوں

در پیش ہیں ہمیں اک دشوار کار بہنوں	ہے اپنی قوم بیٹھی ہمت کو ہار بہنوں
تکمیل کا ہے تم پر اب انحصار بہنوں	کبتک کہیں دلوں کو ہم اپنے سرد بہنوں
کبتک نہ قوم کا ہو محسوس درد بہنوں	اس دشت میں ہوں ہم بھی بادیہ نورد بہنوں
انگشت در دہاں ہوں حیرت سے سرد بہنوں	کبتک نہ قوم میں ہو اپنا شمار بہنوں
اس کار ناتمام کو ہم تمام کردیں	زندہ دلی کو اپنی مشہور عام کردیں
دنیا کی ہسٹری میں ہم اپنا نام کردیں	مردوں کی پختہ مغزی کو آؤ خام کردیں
ہم عیدیوں سے اپنی کاسۂ فنڈ کو بھر دیں	آفاق میں رہیں گے ہم یادگار بہنوں
ایثار کا دکھاؤ مردانہ وار جوہر	ہر ایک ہم میں نکلے اینی بسنٹ بنکر
بھوپال کی رئیسہ ہے آپ کی مددپر	وہ حال کی زبیدہ خاتون نام آور

زر یونیورسٹی پہ کردو نثار بہنوں

مردونکی ہم مدد کا گر حق ادا کرینگے	آج اُنکے درد دکھ کی گر ہم دوا کرینگے
تعلیم کا جب اپنی ہم تذکرہ کرینگے	امداد وہ ہماری اس سے سوا کرینگے

دُھرا مفید ہے یہ ہنستا اُدھار بہنوں

(از - ز - س - خ - ش علیگڑھ)

بیگم بلند اختر۔ بیشک درست ہے لو میری طرف سے یہ پچاس روپیہ فنڈ میں عیدی کا اور دس میری لڑکی اختر آرا کی آدمی عیدی"

یہ سنتے ہی رعنا خوشی سے اُٹھیں اور شکریے کے ساتھ اُن کا عطیہ مع اپنے گھر کے چندے کے میز پر رکھدیا۔ اسکے بعد اور کئی بیگمات نے چندہ دیا۔ یہ سماں دیکھکر چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنے اپنے بٹوے کھول کر جیں عیدیاں بھری تہیں۔ اُچک اُچک کر میز پر رکھنے لگیں۔ رعنا نہایت خوشی اور شکریے کے ساتھ لیتی جاتی تہیں۔ وہ دونوں ناسمجھ عورتیں بھی ایک طرف کو

رجسٹرڈ نمبر ال ۲۰۱

خاتون

جلد | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱۰

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ۔ ایل ایل ۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری پرنٹر
مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی

شیخ محمد عبداللہ پبلشر نے علی گڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی عہ/۱۲ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

نسواں

ملکہ سیمیرامس

سیمیرامس کو اکثر مورخین نے فرضی ملکہ تصور کیا ہے، لیکن بعض اُسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ جن مورخوں نے اسکے حالات لکھے ہیں اُن میں کس قدر واقعات صحیح ہیں اور کتنی روایتیں محض فرضی فسانے۔ ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس نے جو قدیم مورخ گزرے ہیں سیمیرامس کا بابل میں پیدا ہونا اور عمارتوں سے اُس کی دلچسپی ظاہر کی ہے۔ لیکن جب سیمیرامس کا انھوں نے تذکرہ لکھا ہے اسکا زمانہ اس زمانہ سے کسی قدر پہلے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال جب تواریخ سے پتہ چلتا ہے تو ہم کو اُسکے وجود سے انکار نہیں، البتہ اس کی بابت ہم صحت سے نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کی سب سے پہلے حملہ آور یہی ملکہ سیمیرامس تھی اور نیز یہ کہ جو واقعات اُس سے ظہور میں آئے وہ کس حد تک قابل اطمینان ہیں۔

اڈیٹر

عراق عرب کے پرانے قصے اور مصر کی قدیم روایتیں زمانہ مسیح سے دو ہزار سال[1] قبل کی جس مشہور اور حکمراں عورت کا حال ظاہر کرتی ہیں وہ ہندوستان کی سب سے پہلی حملہ آور ملکہ سیمیرامس ہے۔

دیبی ڈریشو کی اکلوتی بیٹی سیمیرامس طوفانِ نوح سے ۲-۳ سو سال بعد سرزمین اسیریا میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ شکیل وجمیل تھی، لیکن نہ معلوم ایرانی اُس زمانے میں لڑکی کا پیدا ہونا منحوس خیال کرتے تھے یا اُن کی اور کسی مذہبی رسم میں خلل پڑتا تھا (عام ایرانیوں کی طرح) ڈریشو[2] نے بھی بدنامی سے بچنے کے لیے سیمیرامس کو جنگل بیابان میں پھکوا دیا اور اُس کی طرف سے کلیجہ پر پتھر رکھ کر قطعی غافل ہو گیا۔ ایسی حالت میں اس معصوم بچی کا سوائے خدا کے اگر کوئی دوسرا مددگار تھا تو چند گڈریے دگلہ بان تھے۔ جنھوں نے سیمیرامس کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اور ہر حال میں اُسکے نگران و مددگار رہے۔

سیمیرامس کو خدا نے جیسا حُسن دیا تھا اُس سے کہیں زیادہ عقل وشعور بھی عطا کیا تھا گڈریوں کے یہاں اپنی زندگی کے چودہ پندرہ سال ختم کرنے کے بعد اُس نے نینوا کا رُخ کیا اور شاہ نینوس کے ماتحت کپتان اونس کی خواہش پر (جو اُسکے حُسن کا دلدادہ تھا) اس سے شادی کر لی۔ نینوس[3] اس زمانے میں مصروف پیکار تھا اور متواتر شکستوں کی وجہ سے اُس کی سپاہ سخت پریشانی کی حالت میں گھری ہوئی تھی۔ سیمیرامس نے جب اپنے آقا کا یہ حال سُنا تو وہ خود مردانہ وار میدان جنگ میں آئی اور اپنی بہادری سے سپاہیوں کے ایسے حوصلے بڑھائے کہ بادشاہ نے ملک فتح کر لیا۔

---

[1] سیمیرامس کے عہد حکومت کی نسبت مصنفوں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض اسکے زمانہ کو حضرت مسیح سے پانسو سال قبل۔ بعض نو سو سال اور بعض دو ہزار سال قبل بتاتے ہیں۔

[2] ایرانیوں کا یہ خیال ہے کہ جو بچے لاوارث پڑے اُٹھائے گئے وہ بعد میں صاحب اقبال ہوئے۔ چنانچہ کیکاوس وغیرہ کی نسبت ایسی ہی روایتیں بیان کی جاتی ہیں، ممکن ہے کہ ڈریشو نے اسی خیال سے سیمیرامس کو جنگل میں ڈلوا دیا ہو کہ وہ آیندہ کسی وقت صاحب اقبال کہلائے۔ [3] بعض مصنفوں نے اس بادشاہ کا نام بائی نس لکھا ہے۔

کپتان اونس نے یہ حال دیکھا تو عقل کے طوطے اُڑ گئے اور اس خیال سے کہ ایسی بہادر اور غیر معمولی حسین و جمیل عورت کا قابو میں رہنا محال ہو اس نے فوراً خودکشی کرلی۔
کپتان اونس کے مرنے کے بعد ملکہ سیمیرامس شاہ نینوس کی ملکہ بن کر شاہی حرم میں داخل ہو گئی۔

شاہ نینوس اس شادی کے کچھ دنوں بعد مرگیا[1] اور کوئی جانشین نہونے کی وجہ سے سیمیرامس ہی تاج و تخت کی مالک کہلائی۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اُسے اپنے حوصلے پورا کرنے کا موقع ملا۔ اولاً شہر بابل کو اُس نے بڑی آب و تاب سے تعمیر کرایا۔ متعدد باغات عالیشان محل۔ حوض۔ کنوئیں اور نہ معلوم کیا کیا قابل دید منظر بنوانے کے علاوہ اگباتنا میں عالیشان عمارتوں کے ایک وسیع سلسلہ کو تکمیل دی۔ مصر اور حبش کا بڑا حصہ تسخیر کیا لبنا پر فوج کشی کی اور جب تک اِرد گرد کے ملکوں کو تسخیر نہ کرلیا تخت عراق پر چین سے نہیں بیٹھی۔

سیمیرامس صرف خوبصورت یا عیش پسند ملکہ نہ تھی بلکہ اُس کی زندگی بڑے بہادرانہ واقعات سے پُر ہے، اسکا قول تھا کہ "میدان کارزار کے مقابلہ میں عالیشان محل اور تیغ و تبر کے سامنے ہیرے جواہرات کے قیمتی زیور کوئی حقیقت نہیں رکھتے"، چنانچہ گھر کی پُرامن زندگی سے تنگ آکر اُس نے دوبارہ لڑائی کا بیڑا اُٹھایا اور ہندوستان کی دولتمندی کا حال سُنکر سفر کا مصمم ارادہ کرلیا۔

اگرچہ اراکین دولت اور بہادران لشکر نے ملکہ کی اس تجویز کو بڑی مخالفت کی نظر سے دیکھا اور مختلف مصائب و آلام کے بھیانک مرقعے اُسکے سامنے پیش کیے لیکن اُس نے ذرا بھی پروا نہ کی اور نہایت دلیری کے ساتھ شہر باختر میں دو تین سال کی کوشش سے،

---

[1] نینوس کی نسبت مختلف بیانات ہیں، کوئی لکھتا ہے کہ وہ لڑائی میں مارا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو جانے کے باعث وہ دریا میں گر کر ہلاک ہو گیا۔

تیس لاکھ پیادے ۔ بیس لاکھ سوار ۔ ایک لاکھ رتھ اور دو ہزار جہاز فراہم کرکے چڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں ۔

چونکہ ہندوستان کے ہاتھیوں کی کثرت کا حال اُسے معلوم تھا اسلیے عراق عرب کے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کو ان کوہ پیکر جانوروں کے مقابلہ میں جمائے رکھنے کا بہتر طریقہ اُس نے یہ کیا کہ کاٹھ کے بڑے بڑے ہاتھی بنواکر سیاہ بھینس کی کھالیں منڈھوائیں اور اپنے گھوڑوں کو اُن کی صورت کا خوب عادی کردیا ۔ الغرض سب سامان فراہم کرکے اُس کثیر التعداد لشکر اور اسباب سمیت ہندوستان[1] کا رُخ کیا اور اثناء سفر میں متعدد تکلیفیں اُٹھانے کے بعد دریاے سندھ کے کنارے پہنچ گئی ۔

ہندوستان میں اُسوقت راجہ ستابرابت[2] کا پھریرا اُڑ رہا تھا ۔ اُس نے لڑائی کی خبر سُن کر (ملکہ سے کہیں زیادہ سامان فراہم کرکے) دریای سندھ کے دوسرے کنارے چھاؤنی چھادی ۔ اور اس بات کا منتظر رہا کہ ملکہ کو اُس کی بلاوجہ یورش اور بیجا پیش دستی پر ملامت کرکے واپس بھگادے ۔

اگرچہ ستابرابت کا لشکر سیمیرامس کی فوج سے کہیں زیادہ تھا ۔ لیکن ملکہ کی دلیری اور سامان کی کثرت دیکھکر اُس کے ہوش اُڑ گئے ۔ تاہم اُس نے ملکہ کو بہت بُرا بھلا کہا اور دھمکی دی کہ اگر وہ آمادۂ جنگ ہی تو اُسکو معہ فوج کے گرفتار کرکے پھانسی دیدیجائے ۔

ستابرابت کی ان بیہودہ باتوں کا ملکہ نے کچھ خیال نہیں کیا اور دریای سندھ پر جہازوں کا پُل باندھکر عراق عرب کے لاتعداد بہادروں کے ساتھ ایسی جان توڑ کر لڑی کہ ہندوستان والوں کے کئی ہزار جہاز غرق ہوجانے کے علاوہ لاکھوں سپاہی و افسر گرفتار ہوگئے ۔ ایک لڑائی میں غنیم کے بے شمار ہاتھیوں نے اُسے بہت تنگ کیا تو

---

[1] غالباً کسی مصنف نے راستہ کی کیفیت قلمبند نہیں کی ۔ صرف یہ پتہ چلتا ہی کہ سیمیرامس باختر سے روانہ ہوئی اور ہندوستان تک پہنچی ۔

[2] بعض نے ستابرابت کو ستابرولٹ بھی لکھا ہی ۔ جو کسی ہندوستانی کا نام نہیں ہوسکتا ۔

اُس نے اپنے مصنوعی ہاتھی لاکھڑے کیے اور جب تک مخالفین پر یہ بھید نہ کھل گیا تمام ہندوستانی سورما ہاتھیوں کی اس غیر معمولی تعداد سے پریشان رہے۔ تیسرے حملہ میں سیمیر اِمس کا شاہ ہند سے مقابلہ ہوگیا جس میں دونوں کے خفیف زخم آجانے کی وجہ سے سخت خوں ریزی ہوئی لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے سواروں سمیت مصنوعی پُل پر عبور کرلیا۔ اور جب بادشاہ کی بے شمار فوج اُس کے بنائے ہوئے پُل کو پار کرنے کی نیت سے چڑھی تو یک لخت جہازوں کی زنجیریں کاٹ کر اُن کو غرق کرا دیا۔

راقم
سید مظہر حسین اختر میرٹھی

زنانہ حاضر جوابیاں

نمبر ۲

یوں اٹھائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر — دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

(۱) ملک ایران میں جہاں خاتون نامی ایک نہایت طباع عورت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمعصر گزری ہے۔ ایک روز اتفاقیہ مولانا موصوف کی ملاقات کو گئی۔ حافظ شیرازی نے اپنی غزل

دردم از یار است و درماں نیز ہم — دل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

پڑھکر سنانی شروع کی۔ جب اس شعر پر پہونچے۔

اعتمادے نیست بر کارِ جہاں — بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

تو جہاں خاتون سمجھی کہ مجھ پر چوٹ کی گئی فوراً برافروختہ ہوکر جواب دیا۔

حافظا این مے پرستی تابکے　　مے زتو بیزار مستان نیز ہم

(۲) زیب النسا بیگم مخفی دختر شاہ عالمگیر کی کنیز امانی نہایت ذہین و حاضر جواب گزری ہی۔ ایک روز برسات کے موسم میں جبکہ مکھیوں کی کثرت تھی بیگم صاحبہ نے دق ہوکر امانی سے کہا۔ اسے امانی مگساں می آیند۔ امانی نے معاً کہا ع ناکساں پیش کساں می آیند

(۳) اسماء۔ ایک شخص عبداللہ کی بیٹی تھی جو قبیلہ بنی عذرہ سے تھا اسکا قول لاعطر بعد عروس عرب میں ضرب المثل ہوگیا ہی اور ایسے موقع پر بولا جاتا ہی کہ پہلے حاجت ہو اور پھر چیز کا ذخیرہ کیا جائے۔ اصلیت اس کی یہ ہی کہ اسماء کی پہلی شادی اُسکے چچازاد بھائی عروس سے ہوئی تھی لیکن جب وہ مرگیا تو ایک ایسے شخص سے اسکا عقد ہوا جو بخیل گندہ دہن۔ اور کج خلق تھا۔ چنانچہ جب رخصت کا وقت آیا تو اسماء نے اپنے خاوند سے اجازت چاہی کہ ذرا عروس کی قبر پر ہو آئے۔ شوہر بھی ہمراہ گیا جب وہاں پہونچی تو اسنے بیساختہ یہ مرثیہ کہا۔

ابکیک یا عروس الاعراس	یا ثعلبا فی اھلہ واسدا عند الباس
اے دولھوں کے دولھا میں تجکو روتی ہوں	اے گھر والوں کے لومڑی (یعنی نرم دل) اور اے لڑائی کے شیر

مع اشیاء لا یعلمھا الناس

معہ اُن اوصاف کے جنہیں لوگ نہیں جانتے

شوہر نے کہا وہ کونسی اعلیٰ صفات تہیں کہ اُسے کوئی اور جانتا بھی نہیں۔ اسماء نے فی البدیہہ کہا۔

کان عن الھمۃ غیر نعاس	ویعمل السیف صبیحات باس
اس کی ہمت میں تغافل نہ تھا	شمشیر زنی کرتا تھا لڑائیوں میں

اسکے بعد یہ مدحیہ شعر کہے۔

یا عروس الاغر الازھر	الطیب الخیم الکریم المحضر
اے روشن طلعت دولھا	پاک سیرت۔ نیک صورت

مع اشیاء کا تذکرہ

معہ اُن اوصاف کے جنکا اب ذکر بھی نہیں ہوتا

شوہر نے کہا کہ وہ کونسے اچھے اوصاف ہیں جنکا اب ذکر بھی نہیں ہوتا۔
اسماء نے پھر کہا۔

کان عیوفاً للخنا والمنکر طیب النکہة فیہ اعجابیہ غیر اعسر

کراہیت کرتا تھا بُری باتوں سے۔ بڑی خوشبو کہتا تھا گندہ دہن نہ تھا۔ نرم دل تھا درشت فراج نہ تھا
اب شوہر بالکل سمجھ گیا کہ یہ اشارہ خاص اسکی طرف ہے شرمندہ ہوکر چپ ہو رہا۔
جب روانگی کا وقت آیا تو شوہر نے باصرار کہا کہ اپنا عطردان لیجیے۔ اسماء نے جو اُس سے
اُکتائی ہوئی تھی قطعاً انکار کر دیا۔ اور کہا لا عطر بعد عروس"

والسلام
بہنوں کی خادمہ

ا۔ ب۔ ن

مُغل کا لال

اس نظم میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صاحبقران ثانی شہاب الدین
محمد شاہجہاں شہنشاہ ہندوستان طاب اللہ ثراہ۔ لال قلعہ دہلی کے جھروکے
میں سے ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے کہ ایک ہاتھی دوسرے پر غالب
آیا اور مغلوب ہاتھی شکست پاکر بھاگ گیا۔ عین اُسی وقت شاہزادہ محمد اورنگزیب
(جو بعد میں محمد عالمگیر بادشاہ غازی کے نام سے مشہور ہوئے) موقع واردات پر
فتحیاب ہاتھی سے دوچار ہوگئے اور باوجودیکہ ہاتھی نے بڑھکر اُن پر حملہ کیا لیکن
وہ نہایت جوانمردی اور استقلال سے اپنے گھوڑے کو وہیں روک کر کھڑے ہوگئے

اور ہاتھی کو طعن نیزہ و ضرب شمشیر سے پسپا کر دیا۔ نیزہ کا زخم کھا کر ہاتھی نے اُن کو معہ اسپ سونڈ میں لپیٹ کر اُٹھا لیا اور چاہتا تھا کہ زمین پر پٹک کر پاؤں سے کچل دے کہ شاہزادہ نے نہایت پھرتی کے ساتھ جست کر کے اپنے آپ کو ہاتھی کی گرفت سے بچا لیا اور تلوار کھینچ کر ہاتھی پر دوڑے اور وہ مست ہاتھی زورِ دست و بازو اور شجاعت خداداد سے بتائید ایزدی زیر ہو کر بھاگ گیا،،

اشعار کی روانی اور شاعر کی جادو بیانی قابل دید ہے۔ اڈیٹر

شاہ بیٹھا تھا جھروکے میں زمیں کا سورج — نور سے جس کے خجل چرخ بریں کا سورج
چاند تاروں کی طرح اُس کے امیر اور وزیر — تھے کھڑے اپنے قرینے سے مثالِ تصویر
کام جب مملکت و عدل کے سب ہو گئے طے — حکم ابرو کے اشارے سے ہوا "ہاں کوئی ہے"
لا کے حاضر کرو تفریح کا سامان ذرا — کثرتِ کار سے خاطر ہے پریشان ذرا
چاہتا ہوں کہ بہل جائے ذرا اِن کا بھی جی — یہ جو فدوی میرے حاضر ہیں یلانِ جنگی
اور کیا سیر دلیروں کو دکھائی جائے — اِک جھپٹ فیل کی شیروں کو دکھائی جائے
حکم کے ساتھ ہی حاضر ہوئے دو فیل مہیب — مست و قد آور و خونخوار۔ باندازِ عجیب
سختی و زور و بلندی میں تھے وہ پیکرِ کوہ — مثل بدلی کے سیہ فام تھے دونو او فوہ!
کالی دُم سونڈیں تھیں اور لاؤ سے بھی موٹی تھیں — آنکھیں اس ڈیل پہ جگنو کی طرح چھوٹی تھیں
چھاج سے کان، ہر اک ڈھال سی پیشانی تھی — جس پہ سیندور کی رنگت سے گل افشانی تھی
اُنکے سر تھے وہ مئی نخوت و مستی کے گھڑے — جیسے نقارے بڑے دو ہوں برابر رکھے
پاؤں کیا تھے کہ کہو راجہ اشوکا کے ستون — اور دُمیں اُن کی چنور تھے جو لٹکتے ہوں نگوں
پوپلے جبڑوں سے گو بوڑھے نظر آتے تھے — اُن کی چنگھاڑ سے ایوان لرز جاتے تھے
دانت جبڑوں میں سے سنگین و سفید و مصقول — دو ڈونکلے ہوئے تھے جن کا تھا اک اک گز طول
سُرمئی رنگ پہ دانتوں کی سفیدی تھی اُن کی — صاف کہتی تھی کہ ہے کالی گھٹا میں بجلی

جھومتے ایسے تھے گویا ہے چڑھا اُن کو نشا
پر سمجھتے تھے وہ خوب اپنے مہاوت کا کہا

اِک اشارہ پہ اِدھر اور اُدھر گھومتے تھے
شہ کو تسلیم بجا لاکے زمیں چومتے تھے

سب تماشائی جھروکوں میں تھے اوپر بیٹھے
اور ریتی میں سے تھے جمنا کے یہ ہاتھی نیچے

بیچ میں اُنکے تھی اِک مٹی کی کچی دیوار
جسکے اوپر سے تھا سونڈوں کا فقط اُنکے گزار

آمنے سامنے جب آئے یہ ہاتھی دونوں
کرکے کچھ کان میں بات اُنکے وہ ساتھی دونوں

یعنی وہ اُنکے مہاوت تو درختوں پہ چڑھے
اور یہ سونڈیں اُٹھا واسطے لڑنے کے بڑھے

لپکے اِک دوسرے پر زور سے کرتے شوں شوں
جا ملے۔ لڑ گئیں پیشانیاں، دھم دھم، دھوں دھوں

ایک ہی حملے میں دیوار تو باقی نہ رہی
اور وہ ٹکر ہوئی گونج اُٹھا سب ایوان شہی

ایسی مُڈھ بھیڑ ہوئی اُن میں کہ خالق کی پناہ
ہو کے حیرت میں کہا سب نے کہ اللہ اللہ

یوں نہ لڑ سکتے اگر رستم و بہمن لڑتے
ہاں اگر لڑتے تو کچھ میل سے انجن لڑتے

دیر تک اُن میں اسی طرح رہا زور ڈھکیل
ریلا اِس نے کبھی، اور وہ کبھی لایا اسے پیل

آخر اک پھسلا۔ گرا۔ مار کے بھاگا چنگھاڑ
ہو گئی آنکھ جھپکنے میں وہاں مار پچھاڑ

بھاگا یوں ہارنے والا تو کہ دم بھی نہ لیا
دور تک سانس کہیں ایک قدم بھی نہ لیا

وہ جو جیتا تھا وہیں رہ گیا میداں میں کھڑا
اور لگا سونڈ گھمانے کہ ہوں میں کیسا بڑا

اتنے میں کھیل کے آیا تھا کہیں سے جو شکار
شاہزادے کا ہوا خاص اُسی جا سے گزار

دیکھ آتا اُسے۔ ہاتھی اُسی جانب لپکا
کھینچ لی اُس نے بھی باگ اور فرس کو تھپکا

اک ذرا اپنی جگہ سے نہیں سرکا وہ دلیر
جانتا تھا کہ وہ ہاتھی ہے تو میں بھی تو ہوں شیر

منتظر فیل کا بے خوف و خطر کو مانے
اپنے گھوڑے پہ وہ بیٹھا رہا نیزہ تانے

تھا حمیت میں بڑا گرچہ وہ کم سن تھا ابھی
گو ابھی عمر لڑکپن سے زیادہ تو نہ تھی

آزمائش کا مگر وقت وہی تھا اُس کی
استقامت میں بڑھا کوہ سے وہ سرو سہی

ڈالدی پاؤں میں غیرت نے یہ کنگر بیڑی
دیکھتے ہیں تجھے ہر ملک کے مردان جری

بھاگ کر فیل سے عزت نہ بچے گی ہرگز | جاں بچی بھی تو یہ دولت نہ بچے گی ہرگز
اسلیے فیل کی ہیبت کو نہ آنے دیا پاس | پشت رہوار پہ بیٹھا رہا بے خوف و ہراس
گویا خود موت کو اپنی وہ بُلا بیٹھا تھا | جان شیریں کی حلاوت کو بھلا بیٹھا تھا
تیغ عریاں کی طرح زد میں کھُلا بیٹھا تھا | مارنے مرنے پہ تیار۔ تُلا بیٹھا تھا
جوش دو تھے اُسے اور تھا اُسے بل دونوں کا | کہ لہو اُس میں تھا رجپوت[1] و مغل دونوں کا
بول اُٹھا جس کو نظر آئی یہ بانکی غیرت | بچہ شیر میں ہے شیر جواں کی غیرت
وقت وہ تھا کہ دعا اپنا تو کیا، غیر کرے | سب کے مونھ سے یہی نکلا کہ خدا خیر کرے
طرفۃ العین میں ہاتھی بھی وہاں آ پہونچا | اس نے نیزے کو گھما تان کے جبڑے میں دیا
برق ساں ہاتھ وہ اُس کالی گھٹا میں چمکا | کوہ کی کان میں داخل ہوا بھر کے لوہا
خون اس طرح بہا۔ بھال جو برچھے کی جھکی | رات میں جیسے دہکتا ہو سُرخ جوالا مکھی
لال ایسا نظر آنے لگا اُس زخم کا شق | جیسے پہلو میں پہاڑی کے ہو مغرب کی شفق
گویا فرہاد نے تہ لعل کی دے کے انمول | نہر شیریں کو دیا قلۂ البرز سے کھول
یا کوئی ایسا لگا سنگ میں تیشہ بے قصد | کھُل گئی کان کے اندر رگ یاقوت کی فصد
یوں نظر آیا لہو بہتا وہ فیل جنگی | جیسے لڑتا ہو کوئی پان چبائے زنگی
زخم کھانے سے بڑھا اور بھی غصہ اُسکا | چیل کی طرح سے ایک اُس نے جھپٹا مارا
چھا گیا جیسے کہ ساون کی گھٹا اُٹھی ہو جھوم | اسپ و اسوار پہ دی پھینک کمند خرطوم
مثل رسّی کے لیا سونڈ میں دونوں کو لپیٹ | کر لیا اُن کو معلق وہیں دیگر البیٹ
چاہتا تھا وہ کہ اونچے سے پٹک دے اُن کو | ایک دو جھٹکوں میں روئی سا دُھنک دے اُن کو
سوچ کر جی میں کہ ہر طرح سے ڈالے گا کچل | مثل طائر کے اُڑا زین سے فرزند مغل
گیس جس طرح سے اُڑ جاتی ہے بوتل میں بھری | صاف شیشے میں سے جس طرح نکل جائے پری

[1] اس کی دادی جودہ بائی راجپوت رانی تھی۔

جس طرح جست کرے آگ سے سیماب و سپند ‏ یا شرارہ سے نپٹ چٹخ کر نہ لگائی ہو ذقند

اُسکے چنگل سے وہ اس طرح گرا کود کے دو ‏ کہ چھٹے باز کے پنجے سے تڑپ کر عصفور

یا کسی حور کو لاحق ہو تپ غیرت و رشک ‏ سرنگیں آنکھ سے ہو اسکے گرا گوہر اشک

جس طرح چھٹ کے کماں سے ہو گیا تیر نکل ‏ وہ گرا بھی جو زمیں پر تو گرا پاؤں کے بل

جست کر کے جو یہ ہاتھی کے دہن سے چھوٹا ‏ نکلا ہر مونھ سے کہ وہ چاند گہن سے چھوٹا

پیل بند سے وہ جب بن کے پیادہ نکلا ‏ اسپ شہ زور کے دل کا بھی ارادہ نکلا

نعل ادہر سم کی ضرورت سے زیادہ نکلا ‏ اور اُدہر دانت سے ہاتھی کے برادہ نکلا

تیغ پہ ہاتھی نے دو لتی جو عرب کی کھائی ‏ ایک ہی لات میں کیا مات غضب کی کھائی

ہو کے تکلیف سے بیتاب دیا اسپ کو چھوڑ ‏ اور سُن ہو کے کھڑا رہ گیا وہ سونڈ مروڑ

راکب اسپ نے لیکن اُسے وقفہ نہ دیا ‏ پترا کاٹ کے پھر اُس کے مقابل پہونچا

وار اِک اور کیا فیل پہ یوں تیغ نکال ‏ جس طرح گنبد کہنہ پہ چمکتا ہو ہلال

پہلے ہی وار نے تھا اسکے سکت کو توڑا ‏ تیغ کے سامنے جی اور بھی اُس نے چھوڑا

جیسے بوڑھے کو کرے زیر لڑائی میں جواں ‏ روس کی فوج پہ غالب رہا جیسے جاپاں

جیسے جھونکے سے ہوا کے ہو پراگندہ دہواں ‏ نہ رہے رات کا سورج کے نکلنے پہ نشاں

جز گریز اور نہ کچھ فیل کو اوسان رہا ‏ ہاتھ شہزادے کے آخر کو وہ میدان رہا

شاہ مسرور ہوا دیکھ پسر کا جوہر ‏ اُس کے ہم وزن منگایا زر و سیم و گوہر

فقرا اور مساکین کو بانٹی خیرات ‏ تاکہ دیتے رہیں خوش ہو کے دعائیں دن رات

انتظام الدین حسن (علیگ)

نیو زنانہ سکول حیدر آباد دکن کی دعوت

۳۰۔ جون روز شنبہ کو جناب مسز کیبن ڈاکر صاحبہ نے خود اپنے دولت خانے پر نیو زنانہ سکول کی کل لڑکیوں اور تمام اسٹاف کو الوداعی ٹی پارٹی دی۔ اس جلسہ میں صرف سکول کی لڑکیاں ہی نہیں تھیں بلکہ اُن کی مائیں بھی مدعو تھیں۔ اس موقع پر لڑکیوں کی طرف سے ایڈریس اور گل پوشی کی رسم ادا ہونی قرار پائی تھی۔

تقریباً ساڑھے چار بجے بیگمات آنی شروع ہوئیں۔ پانچ بجے چائے نوشی ہوئی چائے نوشی کے بعد گل پوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے دالان میں ایک سنگ مرمر کی کرسی بچھائی گئی۔ اور اس پر ایک سنہری پوشش ڈالدی گئی۔ کرسی کے قریب ایک پُر تکلف میز پر ایک کشتی رکھی گئی جس میں عطر۔ پھول۔ ایڈریس اور سلور بول رکھا گیا سب سے پہلے خلیق ممتاز یاور الدولہ نے انگریزی میں ایڈریس پڑھا۔ اس کے بعد لیلیٰ حیدری نے اُردو ایڈریس پڑھا جو دوسرے صفحوں پر درج کیا جاتا ہے۔ پھر قدسیہ سربلند جنگ نے اُردو نظم پڑھی۔ اب گل پوشی شروع ہوئی۔ ایک ہار خورشید سربلند جنگ اور دوسرا ہار تقی حبیب الدین نے پہنایا۔ م معتمد الدولہ نے بازو بند باندھے۔ اور لئیق ممتاز نے پہنچیاں پہنائیں۔ مریم حیدری نے عطر لگایا۔ ت ذو القدر جنگ نے گلدستہ پیش کیا۔ اور لیلامنی نائیڈو نے عطر کی شیشی پیش کی۔ ر حبیب الدین نے گلاب پاشی کی۔ اور ت عثمان یاور الدولہ نے سلور بول جو سکول کی طرف سے تھا پیش کیا۔ میری نندی نے اُردو اور انگریزی دونوں ایڈریس جو خریطہ میں رکھے ہوئے تھے پیش کیے۔ سب سے آخر میں زینت معز الدین نے دست بوسی کی یعنی سب کی طرف سے خدا حافظ کہا۔

دست بوسی کے بعد مس نصیرالدین حیدر صاحبہ نے ایک اسپیچ پڑھی جو دوسرے صفحہ پر لکھی جاتی ہے۔ پھر مسز کیبن واکر صاحبہ نے چند نصیحتیں لڑکیوں کو فرمائیں۔ آپنے کہا کہ تم سب کو دل لگا کر پڑھنا اور ترقی کرنا چاہیے اور اپنی حاضری کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ پھر آپنے فرمایا کہ میں اپنی زندگی بھر ہر سال دو انعامات تمہارے لیے مقرر کرتی ہوں۔ ایک بڑی جماعت کے لیے اور ایک چھوٹی جماعت کے لیے۔ جو سب سے اول اسکول میں آئیگا وہ حسب درجہ اُن انعاموں کے لینے کا مستحق ہوگا،، اس کے بعد چند بیبیاں تو چلی گئیں لیکن بہت سی بیٹھی رہیں۔ اسکول کی چند لڑکیوں نے پیانو پر انگریزی اور مغلئی گتیں بجاکر ان کا دل خوش کیا۔ ساڑھے سات کے قریب سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

ی حبیب الدین
طالبعلمہ جماعت اعلیٰ مدرسۂ ہذا

ایڈرس بخدمت عالیجناب مسس کیبن واکر صاحبہ مدظلہا ودام حشمتہا

جناب عالیہ

ہم تمام طلباء نیو زنانہ سکول نہایت ادب سے اُن علمی فوائد واحسانات کے عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جو آپ کی علمی سرپرستی اور زنانہ ہمدردی کی بدولت ہم کو حاصل ہوئے۔ اگرچہ ہم شکرگزار ہیں کہ ہماری ریاست عالیہ حیدرآباد میں خانگی و سرکاری دونوں طریقوں سے تعلیم نسواں کا کچھ نہ کچھ سلسلہ ایک معقول مدت سے چلا آتا ہے تاہم اس وسیع مملکت کی جو ہر نوع یادگار سلف ہے پُرشان وشکوہ طبقہ رعایا کے لیے ایک ایسی زنانہ تعلیم گاہ کی ضرورت باقی تھی جو اس مہذب و مساوات حقوق تعلیم کی تلافی کا

پورا جواب دہ ہو۔ نیز جس میں اعلیٰ حیثیت۔ شریف خون اور اخص الخاص طبقہ کی لڑکیاں بغیر کسی کسرِ شان کے خیال کیسے بے تکلف شریک ہوسکیں۔ جناب عالیہ! یہ بالکل درست ہے کہ علم اگر غریب کا سرمایۂ عمر ہے تو امیر کا آرائش و بناؤ۔ اور دونوں کا تمسک انسانیت۔ آپ کی بالغ نظر اور علم دوست طبیعت نے اس کمی کو محسوس کرلیا۔ اور ہمارے اعلیحضرت قوی شوکت خلد اللہ ملکہ و ادام اللہ حشمتہ کے رشحِ کرم کی برکت سے آخر اپنی کشت آرزو کو سرسبز و شاداب کرہی لیا۔

آپ نے اس اسکول کے قیام اور اُس کے اغراض و مقاصد کی نوک جھوک میں جو جو تکلیفیں اور شاقہ محنتیں برداشت فرمائیں۔ ہم اُن کا شکریہ نوکِ قلم سے کیونکر ادا کرسکتے ہیں آپ خوب سمجھتی تھیں کہ آپنے اعلیحضرت سے صرف سکول ہی نہیں حاصل کیا ہے۔ بلکہ درحقیقت طبقہ اعلیٰ کی آیندہ نسلیں اپنے ہاتھ میں لی ہیں۔ جہانتک ہمارے چھوٹے چھوٹے ادراک اور ننھی ننھی عقلیں مدد دے سکتی ہیں، ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آپنے اس اہم ذمہ داری کو کماینبغی نبھایا۔ اور شروع قیام مدرسہ سے یہ مقصد نصب العین رکھا۔ کہ یہاں کی طلباء صرف علم ہی حاصل نہ کریں۔ بلکہ درستگی اخلاق و عادات و خیالات بھی اُن کی تعلیم کا جزوِ اعظم ہے۔ چونکہ شاگرد و اُستاد میں پرتو اوصاف کا باہم وہی تعلق ہے۔ جو چاند سورج میں کسبِ ضیا کا ہے اس لیے آپنے اپنی توجہ بیش از بیش اسپر مبذول رکھی کہ ہمارے واسطے ان تمام عوارض کے موزوں تعلیمی سٹاف بہم پہونچایا جائے جس سے آپ ہمیشہ باتکلف و بے تکلف ملت رکھکر ذاتی واقفیت و اطمینان حاصل کرتی رہیں۔

آپنے نہایت شد و مد کے ساتھ ہماری تعلیم میں مذہبی جزو یعنی قرآن خوانی اور نماز پڑھنے کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ ہماری مجال نہیں کہ مدرسہ میں ہم ایک دن بھی نماز قضا کرسکیں۔

ہمارے مدرسہ کے شایانِ تعلیم۔ پردہ سرا اور پہرہ چوکی وغیرہ کا جو بندوبست

آپ نے فرمایا۔ اور باوجود خود علائق خانہ داری میں مصروف ہونے کے ہر بات کی جس طرح ذاتی نگرانی کی اُس کی نسبت کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ عیاں راچہ بیان مذکورۂ بالا انتظامی معاملات میں جہاں کوئی نقص دیکھا وہیں اصلاح فرما دی۔ اور اگر حسب دلخواہ پایا تو ہم کو دیکھ دیکھ کر اس طرح خوش ہوئیں جیسے کوئی مالی اپنے لگائے ہوئے باغ کو پھلا پھولا دیکھ کر باغ باغ ہوتا ہے۔ کیا کوئی شفیق و دانشمند ماں بھی اس سے بڑھ کر لڑکیوں کے معاملات میں تن دہی و جانفشانی کر سکتی ہے؟ آپ کو خداوند تعالیٰ نے چار بچے عنایت کیے۔ آپ نے اپنی شفقت عام کے اقتضا سے بیسیوں بچے سمیٹ لیے اور اُن پر اپنا دل و دماغ کھپانا پسند فرمایا۔

تعلیم و تربیت کے ساتھ ہمارے کھیل کود اور ورزش جسمانی پر بھی توجہ مبذول فرمائی تاکہ ہم شاداب و تندرست و چست و چالاک رہیں۔ کبھی ہمارے تھکے ہوئے دماغوں کو معطر و تازہ کرنے کے لیے اپنے چمن کے پھول عنایت کیے۔ اور کبھی ہمارے کھانے کے لیے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائیوں کے تحفے ہمیں بھیجے۔ آپ کی عنایتوں کا کہاں تک شکریہ ادا کریں۔ ؎

شکر را انتہائے تو، چندانکہ را انتہائے تو

آپ نے ہم کو صرف کتاب کا ہی کیڑا نہیں بنانا چاہا بلکہ سینا پرونا۔ پکانا ریندھنا اور انتظام خانہ داری کی عملی تعلیم ہمارے لیے لازمی کی۔ چنانچہ سب سے پہلے پکانے کا سبق خود ہم کو آ کر دیا۔ اور ہمارے سامنے اپنے ہاتھ آٹے لہسن پیاز میں بھر کر۔ اور خود آنچ کے آگے کھڑے رہکر ہم کو بتایا کہ ایک بیگم یا لیڈی کو کیسا ہونا چاہیے۔ اکثر اپنی زنانہ پارٹیوں میں ہمارے ہاتھوں چائے وغیرہ بنوا کر ہم کو مہمانوں کی تواضع کا ڈھنگ سکھایا۔

آپ نے یہ اسکول قائم فرما کر نہ صرف ہماری صنف نسواں کو اپنا مرہون منت فرمایا

بلکہ ہماری موجودہ نسلوں کی جس قدر ذریات پھیلتی جاے گی وہ سب آپ کی معترف احسان رہے گی۔ جب تک کرۂ ارض پر ہندوستان۔ ہندوستان میں دکن، اور دکن میں علم و تہذیب کی روشنی جلوہ گر ہے اُس وقت تک آپ کے اس فیض علم کا سلسلہ جنبش ہوا کی طرح جاری و ساری رہے گا۔

جب تک ہند آباد رہے گا   نام تمھارا یاد رہے گا

اب ہم اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اُٹھا کر معبود حقیقی کے حضور میں تہ دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی اس عملی یادگار کو منتہائے مقصد و عظمت تک پہونچائے اور آپ کو معہ متعلقین آپکے وطن مالوف کو بخیر و عافیت سے جائے اور ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ گو آپ ہم میں تشریف فرما نہوں گی مگر آپ کی یاد ہر وقت ہمارے دلوں میں موجود رہے گی۔

آپ کی وقعت ہمارے دل میں ہے   آپ کی الفت ہمارے دل میں ہے

ہم ہیں آپکے ادنیٰ فرماں دار
طلباۃ نیو زنانہ سکول حیدرآباد دکن

ذیل کا مضمون مس نصیر الدین حیدر صاحبہ نے پڑھا

غالباً یہ کہنا عجیب نہ معلوم ہوگا کہ ہمارا حیدرآباد تعلیم نسواں کے اعتبار سے دنیا کے ترقی یافتہ مقامات سے جتنا پیچھے ہے۔ اتنا ہی ہندوستان کے دیگر شہروں سے آگے ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہاں تعلیم نسواں آٹے میں نمک کی برابر ہے۔ مگر مقابلۃً دوسرے قدامت پسند شہروں سے جہاں جہالت عورتوں کا فطرتی حصہ کر دیا گیا ہے بساغنیمت ہے۔ حیدرآباد کے اکثر شریف و اعلیٰ گھرانوں میں لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے کا کچھ نہ کچھ چرچا ضرور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اُسی پرانے گھر اندے اندازہ و پیمانہ پر ہے

جو اَب زیادہ فائدہ مند نہیں۔ اکثر شرفا و امیرزادیوں کو بلکہ اُن مختلف اقوام کی غریب لڑکیوں تک کو بھی جو بیگمات کی آغوش میں آکر پالکڑیاں کہلاتی ہیں۔ آتونوں اور گھریلو اُستانیوں یا اُستادوں کے ذریعہ سے اس قابل ضرور بنا دیا جاتا ہی کہ ٹوٹا پھوٹا حساب کتاب کرلیں بُرا بھلا خط پڑھ لکھ لیں اور چھوٹی موٹی کتابیں پڑھکر اپنا دل بہلالیں۔ امرا و شرفا کے محلات میں تعلیمی سلسلہ کچھ عیب کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ جلکہ لازمۂ شرافت و امارت سمجھا جاتا ہے برخلاف دوسرے شہروں کے جہاں اسکا بھی کال ہوگیا۔ یہ خیال بالکل سچ ہی کہ اسلامی تمدن میں اگر کم سے کم شاہجہانی و عالمگیری زمانے کی بچی کچھی جھلک دیکھنی چاہو تو حیدرآباد کے اندرونی تمدن اور محلات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ چنانچہ مذکورۂ بالا طریقۂ تعلیم نسواں اسی قدیم زمانہ پر روشنی ڈالتا ہی جبکہ مردوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی اعلیٰ ضروریات زندگی میں داخل تھا۔

حیدرآباد نے منجملہ دوسری باتوں کے اس قدیم طرز کے نباہ کا حق تو پورا ادا کردیا۔ اور شکستہ در و دیوار دیکھ کر عالیشان عمارتوں کے کھوج نکالنے والوں پر یہ تو احسان کیا کہ وہ ان خفیف نشانات سے پوری سراغ رسانی کر سکتے ہیں۔ مگر طبقۂ نسواں کو وہ قابل قدر فائدہ نہیں پہنچا یا جو تعلیم کا اصلی منشا ہے۔ اس سے نہ ان کے دل و دماغ میں کسی قسم کی روشنی پیدا ہوئی۔ نہ اخلاق و عادات میں درستگی اور نہ تمدن و معاشرت۔ اور نہ مراسم و خیالات میں کوئی اصلاح ہوئی۔ بلکہ ایک انجمادی کیفیت پیدا کردی۔

جب زمانہ نے کروٹ لی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی خوش قسمتی نے اعلیحضرت قوی شوکت حضور نظام نواب میر محبوب علیخاں بہادر کی فرمانروائی کا افتخار حاصل کیا۔ اور حضور کی قدردانی اور ملک کی خوش طالعی سے صیغۂ تعلیمات اُن عالی دماغ حضرات کے ہاتھوں میں پہونچا جو سمجھ چکے تھے کہ بغیر عورتوں کی تعلیم کے مردوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوسکتی تو تعلیم نسواں کی انجمادی حالت میں بھی ایک گونہ حرکت پیدا ہوئی۔ اس نئی حرکت

کا ابتدائی بانی مبانی اگر نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کو قرار دیا جائے تو انصاف سے بعید نہیں۔ جنکے زمانۂ ڈائرکٹری پبلک انسٹرکشن میں زنانہ تعلیم گاہونکی باقاعدہ بنیاد پڑی۔ ان سے کچھ طبقہ ادنیٰ۔ زیادہ تر طبقہ اوسط۔ اور کسی قدر طبقہ اعلیٰ کو فائدہ پہونچا۔ تاہم اس صیغہ میں ابھی بہت کچھ کرنے کی وسعت باقی تھی۔ کیونکہ زیادہ تر طبقۂ اعلیٰ اور خصوصاً اخص الخاص طبقہ سکولی تعلیم سے الگ تھلگ رہا۔ چونکہ اہل دکن میں ایک خاص صفت یہ ہی کہ جس طرح وہ بے انتہا قدامت پسند ہیں۔ اُسی طرح وہ کسی نئی مفید بات سے اس طرح دست وگریباں نہیں ہوتے۔ جیسے شمالی ہندوستان کے شہروں میں اُسے باوئے گاؤں کا اونٹ بنادیا جاتا ہی۔ اور بجائے سمجھنے اور عمل کرنے کے اُس کی دشمن مخالفت کی جاتی ہی۔ اگر میرا تجربہ اور علم غلطی نہیں کرتا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ حیدرآباد والوں نے لڑکیوں کی جدید یعنی انگریزی تعلیم کا دوسرے اونچے نیچے شہروں سے بہتر خیر مقدم کیا۔ امرا نے اگرچہ لڑکیوں کو مدرسہ میں تو نہیں بھیجا۔ مگر بعض بعض نے گھر پر گوشہ نشین رکھکر اپنی توجہ کا کسی قدر ثبوت دیا۔ ظاہر ہی کہ خانگی تعلیم خواہ کسی پیمانہ پر ہو مدارس کی تعلیم کی برابری نہیں کرسکتی۔ یہ طریقہ گو قدیم ہی مگر پے درپے تجربے نے اب اسکو من حیث ثابت کردیا ہی جو سمجھداری، روشن خیالی اور اپنے اوپر آپ بھروسا کرنا سکول کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے وہ خانگی تعلیم میں کہاں۔ گھر یلو پڑھائی میں بچے اُستادوں سے نہیں دبتے۔ بلکہ اُستادوں کو بچوں سے مغلوب ہونا پڑتا ہی کیونکہ اکثر اساتذہ اس پوزیشن و قابلیت کے نہیں ہوتے جیسے سکولوں میں حاصل کیے جاتے ہیں۔ چونکہ تعلیم و تعلم میں قوت ارادی کو بہت دخل ہی۔ اسلیے اُن اساتذہ کے شاگرد جو زبردست قوت ارادی اپنے میں نہیں رکھتے کبھی وہ لیاقت حاصل نہیں کرسکتے جو تعلیم کا موضوع ہی۔ نسوان طبقہ اعلیٰ کی تعلیم میں اس زبردست کمی کو جنہوں نے جانچا وہ عالیجناب مسٹر و مسز کیسن واکر صاحبہ ہیں۔ ممدوحین نے اس ضمن میں جو کچھ کیا وہ کل اتنا بیان کیا جاچکا ہی کہ اب کوئی پوئنٹ محتاج بیان نہیں رہا

اور اُس کی مزید خلاصہ فہرست خود زنانہ سکول کی لڑکیاں اور اُن کا ایڈریس ہے۔

ہماری ریاست عالیہ نے ایک حد تک تعلیم نسواں سے کبھی لاپروائی ظاہر نہیں کی چنانچہ ادنیٰ و اوسط تعلیم گاہوں سے قطع نظر کر کے اعلیٰ تعلیم کی امداد میں بھی مسس نائیڈو جیسی قابل قدر مثال موجود ہے۔ جن کی ذات سے ملکی بہنوں کو کچھ کم نفع نہیں پہنچ رہا ہے نیز تعلیم ولایت کا زنانہ وظیفہ اس سُنہری زمانہ کی ایک اور روشن مثال ہے۔ اگر اہل ملک نے اس سے فائدہ لیا تو وہ ضرور ایک بیش بہا امداد ہے۔ تیسرا گرانقدر خلعت جو تعلیم نسواں کو سرکار سے مسس کیپن واکر صاحبہ کے ہاتھوں عنایت ہوا نیو زنانہ سکول ہے۔ سرکار عالی نے خلعت عنایت کیا۔ مسس کیپن واکر صاحبہ نے لاثانی محنتوں سے نہ صرف اسکو حاصل کیا۔ بلکہ سخت دیدہ ریزی سے ہمارے مناسب و موزوں قطع برید کر کے ہمارے لیے اسکو تیار کیا۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسکو پہن کر یعنی اس سے فائدہ لیکر مفتخر و ممتاز ہوں۔

اس اسکول کے قیام سے مسس کیپن واکر صاحبہ کا یہ مدعا نہیں ہے کہ یہاں کی طلبات صرف یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے کے لیے علم حاصل کریں، یا انگریزی تعلیم پاکر اپنی ملکی و قومی خوبیوں سے بے بہرہ ہو جائیں۔ بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ بہترین افراد بنیں۔ وہ ماں باپ کی اچھی بیٹیاں، بھائیوں کی مایۂ فخر و ناز بہنیں۔ اور آنے والی نسلوں کی سمجھدار مائیں ہوں۔ وہ علمی اور ایثار نفسی کی مایہ دار زندگی رکھتی ہوں۔ انکا وجود انکے لوگوں کے لیے رحمت الٰہی ہو نہ کہ عذاب الیم۔ وہ اپنی نسلوں میں ملکی و قومی خصوصیات کی حفاظت کرنے والی ہوں۔ اور اُن میں خود وہ خصوصیات جلوہ نما ہوں۔ وہ نئی یا پُرانی ہر طرز زندگی کے میدان میں "خذ ما صفا و دع ما کدر" کی عامل ہوں۔ وہ نئی تعلیم حاصل کر کے ہوا میں نہ اُڑیں بلکہ کرہ ارض پر رہکر اس کی کثافت و مصیبت کو دور کریں اور انسان کے درد دل کی دوا بنیں۔

اے طلباۃ نیوزنانہ سکول تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی محترمہ بانیہ سکول کے ان تمام مقاصد و آرزوؤں کو اپنی زندگی کا چراغ ہدایت بناؤ۔ اور اپنے مستقبل میں جسکی طرف بہت سی آنکھیں لگی ہوئی ہیں یہ ثابت کردو کہ نیک ہاتھوں کے بوئے ہوئے بیج کبھی ناقص پھل نہیں لاتے۔ یہ جنابہ موصوفہ کی ایک بھاری ذمہ داری تم پر ہے۔ جس سے تم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

اے پیاری لڑکیو! خونزۂ ہمایوں، مخدومۂ جہاں، چاند بی بی۔ اور رانی درگاوتی تمہارے ہی ملک یعنی دکن ہی کی تو تھیں۔ تم بھی دنیا کو دکھا دو کہ افق دکن سے اب بھی ایسے ستارے طلوع ہو سکتے ہیں۔ جن کی ضیاے علم و عمل دنیاے ہند کو منور کر سکتی ہے۔ او تمہاری اصلی مربیہ مسس کیبن واکر صاحبہ کے حسب مدعا مشرق کا آسمان مغرب کے آسمان سے آنکھ نہیں جھپا سکتا۔

نوحہ وفات حسرت آیات جناب شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی

وہ سید ذیشان و روانِ تنِ بیجاں ، نظروں سے ہے پنہاں
کیا خلد کا آرام سے ساکن ہوا ہے، گھر کر دیا ویراں
در ہجرِ تو صد چاک شدہ مادلِ غمگیں، با نالہ و افغاں
آہوں نے ہلا ڈالا ہے فرش زمیں کو ہے چرخ بھی نالاں
پروانہ صفت درتپِ فرقت بطپیدم با حالتِ گریاں
تم قوم کی اک روح تھے اور قوم تھی اک جسم اب ہو گئی بیجاں
بے یار و مددگار شدہ قوم دریغا سید ہوا پنہاں
سرسبز و شاداب چمن ہو گیا تاراج گلچیں نہ گلستاں

تاریک جہان ست کہ در بُرجِ لحد رفت — آن شمس درخشاں
گو شرق کے معدن سے تھا وہ گوہر یکتا — تھا ہند بھی نازاں
کی غرب نے بھی عزت و توقیر ہمیشہ — اور دل سے قدرداں
کیا مالک و قابض رہا اٹھارہ زباں کا — وہ غیرت سحباں
پہلو میں نہو دل تو کرے صبر کوئی کیا — مجبور ہے انساں
اے وائے چھپا خاک میں کیا عالمِ یکتا — ہر قوم ہے نالاں
نایاب کتابوں کا خزانہ وہ تمہارا — کیا ہو گیا ویراں
تھا فکر مدام اُن کو فرماتے تھے کہ شہ — کیا اس کا ہے ساماں
کون اسکا بھلا بعد میرے ہوگا محافظ — اس غم سے ہوں حیراں
بے قدر ہوا ہائے وہ مرنے سے تمہارے — اب کون ہے پرساں
ہر لفظ کے نکتے سے ٹپکتا ہے لہو آج — قرطاس ہے گریاں
ہیہات نہ تھے دن ابھی رحلت کے تمہارے — اے قوم کے درماں
محبوب تھے تم خلق کے کیوں دل نہ ہمارا — فرقت میں ہو نالاں
مہمانوں پہ کرتے تھے کرم آپ ہمیشہ — اے حاتم دوراں
مہمانوں سے اپنے یہ کہا کرتے تھے اکثر — مانوں گا میں احساں
انگلنڈ میں موجود ہوں یا ملک دکن میں — ہونا مرے مہماں
حاضر ہے تمہارے لیے ہر وقت مرا گھر — ہر لحظہ ہر اک آں
وہ لطف و کرم جود و احسان و عنایت — سب ہو گئے پنہاں
مہمانوں کی کثرت ہی چلے آتے ہیں دور سے — از چین و خراساں
کثرت سے بشر عالمِ امکاں میں ہیں موجود — کم ہیں مگر انساں
اے خاک بزیرِ تو شدہ آں دُرِ مکنوں — رکھنا تو ذرا دھیاں

آتی ہیں نظر حوریں بھی خوش خلد بریں میں — بشاش ہیں غلماں
حوران بہشتی تمہیں زیبا ہے مسرت — تم کیوں ہو نازاں
شبنم بھی دُر اشک بہاتی ہے چمن میں — ماتم میں ہے گریاں
پھرتی ہے صبا خاک اُڑاتی ہوئی در در — باحال پریشاں
بے باک تھا بے خوف تھا آقا کا وفادار — کرتا تھا فدا جان
ذی علم تھا ذی فہم تھا دل اُسکا قوی تھا — پھر کیوں ہو پریشاں
منظور نظر رہتا تھا خوفِ شہِ والا — تھا دل سے ثنا خواں
کیا ظاہر و باطن میں تھا وہ شہ کا فدائی — حاضر تھے دل و جاں
آصف کے نمک خواروں میں بے مثل تھا یکتا — وہ صاحب ایماں
بتلائیے سید کوئی جینے کا سہارا — ہم ہوتے ہیں ہلکاں
بے قافلہ سالار ہوا قافلہ سارا — اے قافلہ کی جاں
بیوہ پہ تو اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا ہے — فرقت میں ہیں نالاں
لُولُو[۱] کی وہ حالت ہے کہ پھٹتا ہے کلیجہ — ہے چاک گریباں
کیا آئی یتیمی کی بلا حسرت و دردا — ہے حال پریشاں
کیا اشک بہاتے ہیں سید ترے بھیا — مثل شمع سوزاں
دو اُن کو تسلی کہ یہ صدمہ ہے بہت سخت — بھیا کے دل و جاں
فرزند جواں ہائے کھڑے کرتے ہیں زاری — کیا ہو کے پریشاں
ڈھارس دو انہیں اُٹھ کے ذرا پیار سے سید — ہیں چاک گریباں
ماں جائی بہن صورت تصویر کھڑی ہے — ہے قالب بیجاں
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کر — کیوں آج ہوا انجاں

[۱] مرحوم پیار سے اپنی صاحبزادی کو لولو فرمایا کرتے تھے۔

کیا پیار و اخلاص تھا صاحب کے ہمارے — اے سید ذیشاں
وہ تیرا فدائی ہے بہت مضطر و گریاں — بے طرح پریشاں
اب دہیان بھی کرتے نہیں تم رونے پہ اُنکے — کیوں آج ہوا انجاں
دلداری ذرا کیجیے مہجور کی اپنے — دل اسکا ہے بریاں
ماں جائی کا نوحہ ہے کہ دیکھو مرے بھیا — کیا ہوتا ہے ساماں
جس گھر میں کہ دن رات خوشی ہوتی تھی پیہم — ہے آج وہ سنساں
اے بھائی سُنو کیسا یہ کہرام مچا ہے — کیسے ہیں یہ مہماں
کیوں رشک نہو چاندنی پہ ہم کو کہ اسکا — تربت پہ پڑا داماں
کس طرح سے چین آئے کہ ہم دور پڑے ہیں — با حال پریشاں
کچھ حد بھی ہے عباسی ترے رنج و الم کی — جائے گی تری جان
بہتر ہے قلم روک خدا سے یہ دعا کر — اے خالقِ یزداں
کہ ہم کو عطا صبر تو اور خلد بریں میں — سیّد ہو خراماں

دیگر عباسی بیگم اہلیہ سید محمد اسمٰعیل
سابق مددگار تعمیرات حیدرآباد دکن

جشن تاجپوشی

حضور ملک معظم ہز مجسٹی جارج پنجم خلد اللہ ملکہ، وسلطنتہ، کا جشن تاجپوشی جس کیوجہ سے عروس البلاد لندن جون کے آخری ہفتہ میں گوناگوں دلچسپیوں کا مجموعہ بنا ہوا تھا زمانۂ حال کے اُن اہم واقعات میں سے ہے جو اپنے معاشرتی و تمدنی نتائج کے لحاظ سے تاریخ عالم میں نمایاں درجہ حاصل کرنے کے مستحق سمجھے جاسکتے ہیں اور اس کی مسرت آمیز

یادگار صفحۂ دنیا پر مدت مدید تک موجودہ و آیندہ نسلوں کی دلبستگی کا ذریعہ ثابت ہوتی رہے گی۔

سلطنت برطانیہ کے ساتھ چشم بد دور آج جو ملکی و تجارتی خصوصیات وابستہ ہیں وہ باخبر اشخاص سے پوشیدہ نہیں۔ جو حکومت روے زمین کے پانچویں اور بنی نوع آدم کے چوتھائی حصہ کی مالک ہو۔ جس سلطنت میں کبھی آفتاب غروب نہوتا ہو اور جس کی انصاف پسندی اور معدلت شعاری نے چالیس کروڑ نفوس انسانی کے قلوب کو مسخر کر رکھے ہوں اُس کے جاہ و جلال اور عظمت و اقتدار کا اندازہ ناممکنات سے ہے۔ ضروری تھا کہ ایسے ذی مرتبت فرماں روا کا جشن تاجپوشی اُسی تزک و احتشام سے منایا جاے جو اُس کے شایان شان ہو۔ مراسم جشن جس اعلیٰ پیمانے پر ادا کی گئی ہیں اور اُن کے اہتمام و انصرام میں جو گرانقدر اخراجات برداشت کیے گئے ہیں اُنکی کیفیت سُن کر دل سے بزم کیانی و جشن جمشیدی کے نقشے اُتر جاتے ہیں اور انگریزی سلطنت کی صولت و عظمت کا نقش اور گہرا ہو جاتا ہے۔

جون کی ۲۲ تاریخ اس مبارک رسم کے لیے مقرر تھی۔ مسلسل کئی مہینوں کی کوشش اور لاکھوں کے صرف سے وقت مقررہ تک جشن کی تیاریاں ہوائیں۔ اس کے مبسوط حالات کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی۔ لیکن مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس موقع پر لندن کی آرایش و زیبایش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ شاہی مہمانوں کی آمد اور عام نظارگیوں کی کثرت سے لندن کی آبادی میں غیر متوقع اضافہ ہو گیا تھا اور جیسے جیسے تاریخ قریب آتی جاتی تھی ویسے ویسے شہر کی دلبستگیوں کے ساتھ آدمیوں کا ہجوم بھی روز افزوں تھا۔

عام گذرگاہیں، شاہی محلات، سرکاری اماکن اور پرائیویٹ مکانات اور دکانیں غرض ہر چیز دل آویزی میں بجاے خود نمونۂ بہشت بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف گورنمنٹ نے

موقع کی اہمیت کا خیال کرکے اہتمام جشن میں پوری پوری ہمت دکھائی تھی۔ اور دوسری جانب رعایا نے اپنے ہر دلعزیز بادشاہ کے نام پر ہزاروں اور لاکھوں خرچ کرکے اپنی فرماں پذیری اور وفاداری کے حوصلے نکالے تھے اور تاریخ مقررہ سے پہلے ہی پہلے لندن میں وہ چہل پہل پیدا ہوگئی تھی جسکا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب کرسکتے ہیں جنھیں بذات خود شرکت جشن کی عزت ملی تھی۔

جشن کا پروگرام پہلے سے مرتب ہوگیا تھا۔ اور جملہ کارروائی اُسی کے مطابق عمل میں لائی گئی تھی۔ ۲۱ جون کو شاہی محل میں غیر ملک کے سفیروں کی دعوت کی گئی اس میں ہندوستان کے بعض والیان ریاست کے ماسوا اکثر سلطنتوں کے ولیعہد اور شاہی خاندان کے اراکین بھی مدعو تھے۔ مہمانوں کو حضور ڈیوک آف کناٹ کی میزبانی کا شرف حاصل تھا۔ اُسی دن انگریزی نوآبادیوں کے وزرا، اور قائم مقاموں کو ملک معظم کے حضور میں باریابی کا فخر عطا ہوا۔ اِسی تاریخ میں شب کو نہایت وسیع پیمانے پر شہر میں روشنی کی گئی اور رات بھر لوگ سڑکوں پر گشت لگاتے اور تماشا دیکھتے رہے۔ خلقت کا بے حد ہجوم تھا۔ راستوں پر کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ یہ رات گزرنے پردہ صبح نمودار ہونے والی تھی، جس کے دل خوش کن انتظار نے لوگوں کی آنکھوں سے نیند اُڑا رکھی تھی۔ تماشائیوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور ان کی منتظرانہ حالت اس وقت تک قائم رہی جسوقت تک کہ لنڈن ٹاور سے توپوں کی آواز نے نعرہ مبارکباد کی طرح اُٹھکر یہ نہ بتادیا کہ جشن کی ساعت سعید آپہونچی۔ جلوس کے راستے پر صبح ہی سے پولیس و فوج کا انتظام ہوگیا تھا۔ گذرگاہ کے دونوں جانب خلقت کا ہجوم تھا۔ ۴۵ ہزار فوج لارڈ کچنر کی نگرانی میں مصروف انتظام تھی۔ اور اس کے علاوہ کثیر تعداد میں پولیس تھی۔ ان کی متحدہ کوشش سے کسی قسم کا فساد نہیں پیدا ہونے پایا۔ تماشائیوں نے اپنی اپنی جگہ سویرے ہی سے سنبھال لی تھی۔ مطلع ابرآلود تھا، اور جلوس کی روانگی کے وقت ترشح بھی ہو رہا تھا۔

بموجب قرارداد بکنگھم پیلیس سے جلوس روانہ ہوا پہلے غیر ملکوں کے شاہزادے اور سفیر تھے پھر انگلستان کے شاہی خاندان کے نوجوان اراکین۔ آخری گاڑی میں حضور پرنس آف ویلز شاہزادی میری۔ اور شاہزادہ البرٹ تھے۔ ان کو دیکھکر لوگوں نے چاروں طرف سے نعرہ ہائے مسرت بلند کیے۔ اس حصہ کے گزرنے کے بعد کچھ وقفے سے توپیں دغنا شروع ہوئیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شاہی جلوس اب محل سے روانہ ہوتا ہے۔ اُس وقت تماشائیوں کے ذوق و شوق کی عجیب کیفیت تھی جسکا اظہار زبان قلم سے ناممکن ہے۔ حضور ملک معظم کی سواری کا دلفریب نظارہ کرنے کے لیے آفتاب عالمتاب بھی جو اب تک ابر میں چھپا ہوا تھا اب نکل آیا تھا۔ اور اہل جلوس کی مُطلّا وردیوں اور صاف شفاف ہتیاروں کی چمک دمک نے اس کی سُنہری کرنوں کے ساتھ ملکر عجیب لطف پیدا کر دیا تھا۔

سب سے آگے شاہی گارڈ کا بینڈ بج رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک گاڑی میں شاہی خاندان انگلستان کے محترم اراکین تھے۔ اور ان کے پیچھے حضور ملک معظم کی بحری و بری فوجی مصاحبین جن کی زرق برق پوشاکیں نظارگیوں کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھیں۔ ان سب کے بعد ہز مجسٹی کی خاص گاڑی تھی جس میں خود بدولت اور ملکہ معظمہ رونق افروز تھیں، بگھی میں آٹھ سبزہ گھوڑے لگے تھے۔ اس بگھی سے بعض تاریخی دلچسپیاں وابستہ ہیں۔ یہ شاہ جارج سوم کی جشن تاجپوشی کے لیے ۱۷۶۰ء میں تیار کی گئی تھی۔ اسکا وزن چار ٹن سے کسی قدر زیادہ ہے اور اس کی تیاری پر ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیے کی لاگت آئی تھی۔ گُل کاری اور بیلچے کاری کا کام اس پر اس درجہ پختہ کیا گیا ہے کہ آج بھی وہ بالکل نئی معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ و ملکہ کی سواری کے گذرتے وقت ہر طرف سے شور مبارکباد بلند تھا کہ توپوں اور گھنٹوں کی آواز بھی ماند پڑ گئی تھی۔ رعایا کے اظہار شادمانی پر بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ دونوں زیر لب مسکراہٹ سے اپنی دلی خوشی کا اظہار فرماتے جاتے تھے

اور بار بار سر اقدس کی حرکت سے اُس کے جوش و خروش اور خلوص کا گویا شکریہ ادا فرماتے تھے۔

شاہی بگھی کے پیچھے لارڈ کچنر اور لارڈ رابرٹس گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے عقب میں ہندوستان اور نوآبادیوں کی فوجیں تھیں۔ اول الذکر کی موجودگی سے جلوس میں اور ہی لطف پیدا ہوگیا تھا۔ ہر شخص کی توجہ انہیں کے جانب تھی اور تماشائیوں نے عام طور پر ان کے لیے نہایت گرمجوشی سے چیرز دیئے اور نعرے بلند کیے۔ جلوس کے آخری حصہ میں شاہی گارڈ کی ایک پلٹن تھی۔ جسوقت جلوس لندن کے مشہور و معروف گرجے ویسٹ منسٹر ایبے کے قریب پہونچا تو آفتاب پھر چھپ گیا تھا لیکن بارش نہیں ہوئی۔

ایبے پر اس وقت عجیب سماں برس رہا تھا۔ اس کی آرایش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ ہر طرف رنگ برنگ کے پھولوں سے زینت دی گئی تھی۔ اور جگہ جگہ عالیشان خوش وضع محرابیں بنائی گئی تھیں۔ جا بجا سفید ستونوں کی خوبصورت قطاریں تھیں جنکے اوپر ایک سرے سے دوسرے تک جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ ستونوں میں پھولوں کے ہار لپیٹے گئے تھے اور اسکے اوپر برٹش نوآبادیوں اور دیگر مقبوضات شاہی کے نشانات نصب تھے آرایش میں اگرچہ سادگی کا زیادہ خیال رکھا گیا تھا لیکن اس سادگی میں بھی ہزاروں طرح کی دل آویزیاں پیدا تھیں۔

ایبے کے داخلہ کا وقت ½ ۵ بجے صبح سے تھا اور ۹ بجے تک تمام نشستگاہیں معمور ہوگئی تھیں۔ سات ہزار معززین ایبے کے اندر وقت موعودہ پر موجود تھے۔ اور اس تعداد کو ممتاز سرکاری حکام۔ ممبران پارلیمنٹ اور مذہبی پیشواؤں کے علاوہ ہر علم و فن کے قائم مقاموں پر مشتمل سمجھنا چاہیے۔

شاہی جلوس کے پہنچنے پر سابقہ ترتیب کے مطابق پہلے سفرا وغیرہ پھر حضور ولیعہد بہادر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ حضور ممدوح کے دست مبارک

میں ایک چھوٹا سا تاج بھی تھا۔ آپ ایک نمایاں جگہ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضور ملک معظم اور ملکہ میری کی تشریف آوری کے وقت تمام حاضرین تعظیماً سروقد کھڑے ہو گئے۔ پیشوایان مذہب کے گذرنے کے بعد حضور ملکہ معظمہ داخل ہوئیں۔ دو بشپ صاحبان اور اکثر خواتین آپ کے ہمراہ تھیں۔ پھر لوازمات تاجپوشی لائے گئے۔ آخر میں اعلیحضرت ملک معظم تشریف لائے آپ کے دونوں جانب بشپ صاحبان تھے۔ ممتاز افسران فوج جلو میں تھے۔ آپ کو دیکھ کر حاضرین نے نعرۂ سلامتی بلند کیا کہ

"خدا بادشاہ وملکہ کی عمر دراز کرے"

بادشاہ سلامت کا تخت قربان گاہ کے سامنے رکھا گیا تھا۔ اس کے داہنے طرف کمیونین سروس[1] کا سامان ایک لانبی میز پر رکھا تھا۔ چبوترے پر نیلے رنگ کا قالین بچھا تھا جس پر دو نفیس کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ہز مجسٹی اور ملکہ معظمہ نے پہلے اپنے تخت کے قریب پہونچکر اور سر جھکا کر خاموشی کے ساتھ کچھ دعا پڑھی اور پھر کرسیوں پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد آرچ بشپ آف کنٹربری نے حضور ملک معظم کا تعارف حاضرین سے کرایا اور بیان کیا کہ

"آپ بلا ریب و شک اس سلطنت کے حکمراں ہیں"

حاضرین نے جواب میں "خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے" کا شور بلند کیا آرچ بشپ آف یارک نے دعا پڑھی۔ حضور ملک معظم نے حلف لیا اور جسم مبارک پر تیل کی مالش کی گئی۔[2] آرچ بشپ آف کنٹربری نے فرق اقدس پر تاج رکھا۔ اسپر حاضرین نے نہایت جوش و خروش سے مسرت کا اظہار کیا۔ بگل بجے۔ توپیں دغیں اور خوشی کے گھنٹوں نے اپنی بلند آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔

---

[1] یہ ایک مسیحی مذہبی رسم ہے۔ اردو میں اسکو "عشاء ربانی" کہتے ہیں۔ [2] انگلستان کی یہ ایک قدیمی رسم ہے کہ تخت نشینی کے وقت بادشاہ کے جسم پر تیل ملا جاتا ہے۔

انگلستان میں ہر تاجپوشی کے موقع پر نیا تاج تیار کیا جاتا ہے۔ ہز مجسٹی جارج پنجم کے تاج میں آپ کے نامور والد ماجد کے تاج کی بہ نسبت ۲ نیلم، ۵۲ ہیرے اور ۵۶ دیگر جواہرات زیادہ ہیں۔ ہندوستان کے مشہور عالم ہیرے کوہ نور کو اب علیا حضرت ملکہ معظمہ کے تاج میں جگہ دی گئی ہے۔

تاجپوشی کے بعد ہز مجسٹی تخت پر جلوہ بخش ہوئے حاضرین نے اظہار وفاداری کے طور پر سر تسلیم خم کیے اور کلیسا، رعایاے انگلستان اور خاندان شاہی کی جانب سے اقرار اطاعت و فرماں برداری عمل میں آیا۔ اس کے بعد ملکہ معظمہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ آپ کنٹربری اور یارک کے لاٹ پادری صاحبان کے ہمراہ قربان گاہ کے روبرو تشریف لائیں اور آپ کو تاج پہنایا گیا۔ تخت شاہی کے سامنے سے گزرتے ہوئے آپ نے بھی اظہار وفاداری کی غرض سے سر مبارک خم کیا۔ اس کے بعد دیر مجسٹیز کو ایک دوسرے چھوٹے سے گرجے میں لیجا کر خلعت شاہی سے مزین کیا گیا۔ اور واپسی پر حاضرین نے آوازۂ مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

ان تمام مراسم کے ادا ہونے پر واپسی شروع ہوئی اور شاہی جلوس اسی تزک و احتشام سے دوسرے راستے سے ہوتا ہوا واپس آیا۔

۲۲۔ جون کی شب کو آتشبازی اور روشنی کا اہتمام قابل دید تھا۔ دوسرے روز جلوس شاہی ایک دوسری گذرگاہ سے نکالا گیا تاکہ وہ لوگ جو پہلے دن شاہنشاہ کے دیدار سے محروم رہ گئے ہوں آج بہرہ اندوز ہوسکیں۔ آج کسی قدر ترشح ہو رہا تھا لیکن حضور ملک معظم نے گاڑی کھلی رکھی تاکہ رعایا کو خداوند والا کی زیارت بسہولت ہوسکے۔

جشن کے موقع کو دلچسپ بنانے کے لیے جہاں سیر و تفریح کے اور سامان مہیا کیے گئے تھے وہاں دو ایک باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ گھوڑوں کی

ایک نمایش الپیا میں منعقد ہوئی تھی۔ اور ۲۴ جون کو جنگی بیڑہ جہازات کا ملاحظہ کیا گیا۔ اس قسم کا دلفریب نظارہ دنیا کی نظر سے آجتک نہیں گذرا۔ تقریباً چار سو جنگی جہازات جمع کیے گئے تھے۔ حضور ملک معظم نے ملکہ معظمہ کے ہمراہ شاہی بجرے میں جلوہ افروز ہوکر جہازات کے گرد چکر لگایا۔ اور جہاز والوں نے نعرہ ہائے مسرت سے خیر مقدم کیا رات کو ان جہازات پر برقی روشنی کی گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں گویا آگ لگی ہوئی ہے

۳۰۔ جون کو کرسٹل پیلیس میں مدارس کے ایک لاکھ بچوں کی دعوت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل عجیب چیز تھی جس کی تحریک ملک معظم نے فرمائی تھی۔

اس اجمال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس خوش اسلوبی و شان و شوکت سے رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ حضور ایڈورڈ ہفتم آنجہانی کے عہد میں بھی اسی موقع پر نہایت دھوم دھام ہوئی تھی لیکن آپ کے عالی منزلت جانشین کی تاجپوشی جس پیمانے پر کی گئی ہے اسکا قیاس صرف اسی ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ اب کی مرتبہ تمام اخراجات کا تخمینہ ۴۵ لاکھ روپیہ نقد کیا گیا ہے۔ بحالیکہ گذشتہ مرتبہ ساڑھے تین لاکھ کے قریب صرف ہوا تھا۔ ذیل میں بعض اخراجات کی جداگانہ تفصیل شمار اعداد کے ذریعہ دیجاتی ہے امید کہ ناظرین دلچسپی سے دیکھیں گے

عام اخراجات	۵۰۰۰۰ پونڈ
اخراجات متعلق فوج	۸۰۰۰۰ پونڈ
اخراجات افواج بحری	۲۰۰۰۰ پونڈ
ہندوستانی مہمان اور ہندوستانی فوج	۲۷۰۰۰ پونڈ
اخراجات متعلق تعمیرات	۳۳۰۰۰ پونڈ
بیرونی سفراء کی مہمانداری	۹۰۰۰ پونڈ
روشنی	۲۰۰۰۰ پونڈ

(از ادیب) سید محمد فاروق (شاہپوری)

احادیثِ متفرقہ

بسلسلۂ سابق

مسلم بن عُبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ فرمایا محبوب خدا نے کہ جو گواہی دے اس بات کی کہ سوائے خدا کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں اللہ کا تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر دوزخ حرام کی۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو مجھپر ایک بار درود پڑھیگا خداوند تعالیٰ اُس پر دس بار رحمت کریگا۔ درود پڑھنے کا ثواب بیحساب ہے اور حدیث میں حضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت کی مصیبتوں میں جب لوگ گرفتار ہونگے تو میں اوّل اُن کو بخشاؤنگا جو مجھ پر بہت درود پڑھا کرتے تھے۔

مسلم میں عُبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ فرمایا سرور کائنات نے کہ جو گواہی دے اس دن بات کی کہ سوائے خدا کے کوئی لائق بندگی کے نہیں اکیلا ہے کوئی اسکا شریک نہیں اور گواہی دے کہ محمد اُسکا بندہ ہے اور اُسکا پیغمبر۔ اور گواہی دے کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے اور اسکا پیغمبر، اور اللہ کی بات سے بنا ہے جو مریم کی طرف ڈالی تھی یعنی صرف حکم خدا سے بنا ہے کوئی اسکا باپ نہیں اور عیسیٰ اللہ کی بنائی رُوح ہے۔ اور گواہی دے کہ بہشت و دوزخ سچ مچ ہے۔ خدا اسکو جنت میں لیجائیگا کیسے ہی اسکے کام ہوں۔

یعنی جس مسلمان کے عقیدے قرآن و حدیث کے موافق درست ہوئے وہ مقرر بہشتی ہے نیک کام اُسکے ہوں یا بد۔ خواہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے یا حضرت کی شفاعت سے اُسکے سب گناہ معاف کردے۔ خواہ بقدر گناہ دوزخ میں پڑے پھر بہشت میں جائے مسلمان سدا دوزخ میں نہ رہیگا۔ آخر اسکو نجات ہے بباعث برکت کلمے کے۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا ہادی برحق نے کہ جو اپنے بھائی مسلمان کی مشکل آسان کردے دنیا کی مشکلوں سے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مشکل آسان کردیگا قیامت کی مشکلوں سے۔

بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو صبح شام سبحان اللہ وبحمدہ سو بار پڑھا کریگا تو قیامت کے دن اس سے بہتر کوئی عبادت نہ لائیگا مگر وہی شخص جو پڑھا کیا ہو اسی طرح یا اسپر کچھ بڑھ کے۔ یعنی اسکے پڑھنے والے کی برابر وہی شخص ہی جو سبحان اللہ بحمدہ کو سو بار یا زیادہ پڑھتا ہوگا اسکے سوائے اور کوئی اس کی برابر نہیں۔ سبحان اللہ کیا رُتبہ ہی سبحان اللہ بحمدہ کے پڑھنے کا۔

بخاری اور مسلم میں ابوایوب سے روایت ہی کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ جو لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر دس بار پڑھیگا تو اسکا ثواب اُس کی برابر ہوگا جس نے چار غلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے آزاد کیے۔

غلام کوئی ہو اُسکے آزاد کرنے میں ثواب ہی لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ذات میں سب سے افضل ہی لہٰذا اُن کے آزاد کرنے میں زیادہ تر ثواب ہی۔ اس حدیث سے کلمۂ توحید کی فضیلت اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد یعنی عرب کی شرافت ثابت ہوئی۔

بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا مقبول خدا نے کہ جو کلمۂ توحید کو ایک دن سو بار پڑھے اُسکو دس غلام آزاد کرنے کی برابر ثواب ملیگا اور سو نیکیاں اُسکے واسطے لکھی جائینگی۔ اور سو بُرائیاں اُس کی مٹائی جائینگی اور اُس دن شام تک اُسکو شیطان سے پناہ رہیگی اس سے بہتر کوئی نہیں مگر جسنے کہ اس سے زیادہ پڑھا۔ اور جو سبحان اللہ وبحمدہ ایک دن میں سو بار پڑھیگا اُسکے گناہ چھیل ڈالے جائینگے اگر سمندر کی پھین برابر ہوں

یعنی اگرچہ بہت ہوں معاف ہونگے۔

بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ جو ایمان سے ثواب کے واسطے شب قدر میں جاگیگا اور نماز پڑھیگا تو اُس کے قبل کے گناہ معاف ہوجائینگے اور ایمان سے اور ثواب کے واسطے رمضان کے روزے رکھے گا تو اُس کے قبل کے گناہ بخشے جائینگے۔

بخاری و مسلم میں ربیع سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا جس نے صبح سے روزہ رکھا ہو وہ اپنا روزہ پورا رکھے۔ اور جسنے صبح سے روزہ توڑا ہو باقی دن کو تمام کرے یعنی کچھ نہ کھائے۔

قریش مکے میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے حضرت بھی رکھتے تھے۔ جب مدینہ میں حضرت آئے تو عاشورے کے روزہ کا حکم کیا لوگوں کو اور یہ حدیث فرمائی پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ فرض نہ رہا۔ بعض رکھتے تھے سنت جان کر اور بعض نہ رکھتے تھے۔

بخاری و مسلم میں روایت ہی ابوسعید سے کہ فرمایا محمد مصطفےٰ نے کہ جو اعتکاف بیٹھا ہو وہ پھر آوے اپنے اعتکاف کے مقام پر پس میں نے مقرر شب قدر کو خواب میں دیکھا ہی اور مجکو دکھا دیا ہی کہ میں سجدہ کرتا ہوں پانی اور مٹی میں یعنی شب قدر وہ رات ہی کہ جس میں پانی برسیگا اور میں کیچڑ میں سجدہ کرونگا۔

صحیح بخاری میں اسکا پورا قصہ ابوسعید سے یوں مروی ہی کہ ہم ایک سال رمضان شریف میں شب قدر کے واسطے دسویں تاریخ سے اُنیسویں تک حضرت کے ساتھ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تو حضرت نے بیسویں کی صبح کو فرمایا کہ شب قدر مجکو معلوم ہوئی تھی میں بھول گیا اب پچھلے دہے میں تلاش کرو طاق راتوں میں اور میں نے خواب میں شب قدر کو دیکھا ہی کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتا ہوں۔ پس جسنے اعتکاف توڑا ہو وہ پھر مسجد میں آکر اعتکاف کرے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ اُسوقت آسمان پر کہیں بدلی کا ٹکڑا بھی نہ تھا پھر بدلی ہوئی اور یہانتک بارش ہوئی کہ حضرت

کی چھت ٹپکی پھر حضرت نے اُس کیچڑ میں نماز پڑھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر اکیسویں رات کو ہوئی تھی۔

مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ عاشورہ کے دن یعنی محرم کی دسویں تاریخ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

اول عاشورہ کا روزہ فرض تھا جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو عاشورے کا نہ رہا مستحب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اسکے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں (عاشورہ کا روزہ اسلیے رکھا جاتا تھا کہ دسویں محرم کو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم نے فرعون کے پنجہ سے رہائی پائی تھی)

مسلم میں ابو ہریرہ اور ایوب سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر عید کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے جسکو شش عید کہتے ہیں تو اُس نے گویا برس روز کے روزے رکھے۔

سبب اسکا یہ ہے کہ برس کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور شرع میں ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے تو چھتیس دن کا دس گنا تین سو ساٹھ ہوتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت پیغمبر خدا نے کہ جو شخص مر جائے اور اُسپر روزے ہوں قضا نہ کر سکا ہو تو اس کی طرف سے اُسکا وارث روزہ رکھے۔

امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام اعظم کے مذہب میں ہر روزے کے عوض صدقۂ فطر کی برابر وارث مردے کی طرف سے ادا کرے چنانچہ امام اعظم کی دو حدیث دلیل ہے۔

بخاری میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ جو روزے میں بہتان کرنا اور جھوٹی واہی تباہی باتیں نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اُسکے کھانا پینا چھوڑنے کی کچھ پروا نہیں۔

یعنی روزہ رکھنے سے یہ غرض ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن پاک ہو اور جب وہ اسی واہی تباہی قول فعل کرتا رہا تو کھانے پینے کے چھوڑنے سے وہ غرض حاصل نہوئی اگرچہ فرض گردن سے ادا ہوا لیکن بے لطف

بخاری و مسلم میں سہیل بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ بہشت میں ایک دروازہ ہے جسکو ریان کہتے ہیں یعنی پیاس بجھانے والا اُس میں روزہ دار جائینگے قیامت کے روز کوئی اور اُس سے نہ جائیگا اُنکے سوائے۔ کہا جائیگا کہ کہاں ہیں روزہ دار پس وے اُٹھ کھڑے ہونگے۔ نجائیگا کوئی اُس سے انکے سوائے جب وہ جاچکیں گے تو دروازہ بند کیا جائیگا۔

بخاری و مسلم میں روایت ہی عبداللہ بن عمر سے کہ فرمایا حضرت نے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجکو دن میں کھانا پینا ملتا ہی یعنی جس طرح آدمی کو کھانے سے طاقت ہوتی ہی مجکو بدون اس کے خدا طاقت دیتا ہی۔ یا درصل کھانا خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو کھلایا ہو۔

حضرت نے صحاب کو طے کے روزے سے منع فرمایا یعنی دو روز یا زیادہ برابر روزہ رکھنا اور رات کو بھی نہ کھانا کسی کو درست نہیں۔ صحاب نے پوچھا کہ آپ جو طے کا روزہ رکھتے ہیں اسکا کیا سبب ہے۔ پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی یعنی مجکو اپنی طرح نہ سمجھو۔ مجکو درست ہی تم کو درست نہیں۔

بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہ پیشوائی کوئی کرے رمضان کے ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھکر مگر وہ مرد جو اپنی عادت سے کوئی روزہ رکھا کرتا ہو روزہ رکھے۔

یعنی جیسے بطور سنت کسی کو دوشنبہ یا پنجشنبہ کے روزے کی عادت ہو اور وہ دن رمضان سے متصل پڑے تو اُسکو روزہ رکھنا درست ہی لیکن صرف رمضان کے پیشوائی کا ایک دو روزے رکھنا درست نہیں۔

بخاری میں سہیل بن سعد سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ خیر سے رہینگے جبتک روزہ جلد کھولا کرینگے۔ سورج ڈوبتے اول وقت روزہ کھولنا مستحب ہی اور سبب ہی خیر کا اسواسطے کہ حضرت کی سنت ہی۔

مسلم میں ابوسعید سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ روزہ رکھنا درست نہیں دو

دو دونوں میں ایک تو عید قربانی کے دن دوسرے عید الفطر میں۔

دونوں عیدوں میں روزہ رکھنا حرام ہی سب مجتہدوں کے نزدیک۔

بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ جب کوئی صبح کرے کسی دن اس حال میں کہ روزہ دار ہو تو بیہودہ نہ بکے اور نہ جہالت کرے اور اگر کوئی مرد اسکو گالی دے یا اسکو کوسے اُسپر لعنت کرے تو چاہیئے کہ یوں کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں۔

یہ بات یا زبان سے کہے کہ شاید وہ شخص شرما کر چپ رہے یا اپنے دل میں کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں مجکو مناسب نہیں کہ اسکا جواب دے کر جاہل بنوں اور اپنے روزے کا لطف کھوؤں۔

بخاری و مسلم میں روایت ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سامنے آئے سیاہی رات کی پورب سے اور جائے دن اور ڈوبے آفتاب پس روزہ دار روزہ کھولے۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت محبوب خدا نے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہی تو بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں باندھے جاتے ہیں۔

اس حدیث میں رمضان کی برکت اور فضیلت کا بیان ہی اسواسطے کہ جب آدمی نے روزہ رکھا اور پیٹ خالی ہوا۔ اکثر گناہوں سے بچے رحمت الٰہی کا جوش ہوا جنت کے دروازے کھلے۔ دوزخ بیکار ہوئے شیطان بند ہوئے اسواسطے کہ اکثر شیطان کا قابو آدمی پر پیٹ بھرے میں ہوتا ہی۔ اور اکثر بے نمازی لوگ بھی رمضان میں روزہ رکھتے ہیں اور نماز شروع کرتے ہیں۔ یہ دلیل ہی شیطان کے قید ہونے کی۔ غرض رمضان کی برکت میں کچھ شبہ نہیں۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ جب تم رمضان کا چاند دیکھو روزہ رکھو۔ اور جب اُسکو دیکھو یعنی عید کے چاند کو تو روزہ کھولو اور اگر بدلی گھری تم پر تو تیس رمضان کے دن روزہ رکھو۔

بخاری و مسلم میں زید بن ثابت سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت نے کہ ہمیشہ رہا تمہارے ساتھ تمہارا عمل یعنی تراویح کے واسطے جمع ہونا یہانتک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ تم پر فرض ہی کہ فرض ہوجائے سو لازم کرو نماز کو اپنے مکانوں میں اسواسطے کہ بہتر نماز مرد کی اپنے گھروں میں ہی۔ مگر فرض نماز یعنی فرض نماز مسجد میں۔

حضرت نے ایک سال رمضان میں مسجد کے اندر چٹائی کا حُجرہ بنایا عبادت و اعتکاف کے واسطے۔ حضرت اسکے اندر رات کو تراویح کی نماز پڑھتے چند صحاب بھی ساتھ ہوتے۔ ایک شب بہت لوگ مسجد میں جمع ہوئے حضرت نے اُس شب کو نماز نہ پڑھی صحاب سمجھے کہ حضرت سو گئے۔ بعضے صحاب کھانسنے لگے تاکہ حضرت بیدار ہوں اور نماز پڑھا دیں۔ پس حضرت نے اُسوقت یہ حدیث فرمائی کہ یعنی میں ڈرتا ہوں کہ تراویح کی نماز تم پر فرض ہوجائے پھر اگر نہو سکے گی تو گنہگار ہوگے۔ اپنے گھروں میں پڑھو۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے خلافت میں تراویح کی نماز مسجد میں جاری کی اسواسطے کہ نماز کی خوبی حضرت کے فعل سے ثابت تھی۔ صرف فرض ہونے کے خوف سے حضرت نے موقوف کرادی تھی اور حضرت کے بعد وحی موقوف ہوئی فرض ہونے کا خوف نہ رہا۔

بخاری و مسلم میں جابر سے روایت ہی کہ فرمایا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ سفر میں روزہ رکھنا کچھ نیک کام نہیں۔ حضرت سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ غش میں پڑا ہے اور لوگوں نے اُسپر سایہ کیا ہی۔ حضرت نے پوچھا کہ اسکو کیا ہوا ہی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص روزہ دار ہی۔ پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی یعنی جب ایسی تکلیف ہو تو سفر میں روزہ رکھنا خواہ مخواہ ضرور نہیں۔ سب علما کا یہی مذہب ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں درست ہے

لیکن اگر طاقت ہو اور مضرت نہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہی۔ خیال کیا چاہیے کہ وہ سفر بھی اُس زمانہ کا کس قدر دشوار تھا کہ اونٹ و گھوڑے کی سواری وغیرہ کے سوا اور کیا تھی وہ بھی کیسے کیسے ریگستان اور پہاڑی گذرگاہ سے تھے۔ بیشک ایسے حال میں روزہ دار شخص نہایت سختی برداشت کریگا جسکے واسطے روزہ نہ رکھنے کی حدیث ہی۔ نہ کہ آجکل یہاں کے سفر کیواسطے۔ ریل یا جہاز پر بآرام تمام بیٹھے رہے درحالیکہ تفریح و مذاق میں مشغول و مصروف گویا اپنے مکان میں ہیں۔ سامان آرایش و آسایش بقدر ضرورت بلکہ ضرورت سے بھی زیادہ ہر آن موجود۔ ایسے حال میں بھی اپنے فرض روزہ سے چشم پوشی کر گذرتے ہیں اور دلیل اسی حدیث شریف سے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث انہیں پر ہی کہ جو ایسی ایسی سختی میں مصیبت کھینچنے والے تھے اور خواب و خورش کے سامان بھی کافی طور سے رکھنے والے نہیں تھے اور دشت و کوہ سے گاہ پیادہ یا خواہ سوار چلنے والے تھے۔ اُس سفر کے مقابلہ میں آجکل کا سفر بھی کوئی شمار میں ہی۔ خیر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جبکہ درست کیا گیا ہی۔ پس بحالت سختی سزاوار ہی کہ نہ رکھے گر دوسری حالت میں رکھنا افضل ہی روزہ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ جاے آرام و راحت میں طاقت زائل نہیں ہوتی بوجہ اسکے کہ دشت و ویران کے گشت سے محفوظ ہی اور خواب و خور کے مناسب سامان بھی موجود ہیں نہ حدت آفتاب کی طپش ہی اور نہ سرگرانی و خلش۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تیرا جی چاہے تو روزہ رکھ اور اگر تیرا جی چاہے روزہ نہ رکھ۔ یہ حضرت نے حمزہ بن عمرو اسلمی سے فرمایا اُس نے سفر میں روزہ رکھنے کا مسئلہ پوچھا تھا اور اُس کی عادت تھی کہ برابر روزہ رکھتا تھا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں درست ہے۔

مسلم میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں آیندہ سال

تک زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی ضرور رکھونگا۔

حضرت مکے میں عاشورے کا یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے جب مدینے میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی پھر مستحب جانکر رکھتے تھے اصحاب نے کہا کہ یہود بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضرت نے یہ حدیث فرمائی کہ اگر میں زندہ رہا تو اگلے محرم میں نویں اور دسویں دو تاریخ کا روزہ رکھونگا تاکہ یہود کی مشابہت نہ ہو پھر اس سال قبل محرم کے حضرت سرور کائنات کا انتقال ہوا۔ اسی حدیث سے بعضے علمانے کہا ہے کہ نفل کا ایک روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

بخاری میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ الصلوۃ السلام نے کہ نہایت عزیز روزہ خدا کے نزدیک وہ روزہ ہے کہ ایک دن رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور نہایت عزیز نماز خدا کے نزدیک داؤد علیہ السلام کی نماز ہے کہ آدھی رات تک وہ سوتے تھے اور تہائی رات وہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور جب چھٹا حصہ رات کا باقی رہتا تھا پھر سو رہتے تھے ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا اسواسطے پسند ہوا کہ برابر متصل رکھنے سے آدمی کو عادت ہو جاتی ہے اور روزہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی۔ اور تہجد کی نماز تہائی رات میں اسواسطے پسند ہوئی کہ اس میں جسم کا حق اور خدا کا حق دونوں بخوبی ادا ہوتا ہے نہ رات بھر کا سونا بہتر کہ سراسر غفلت ہے نہ جاگنا بہتر کہ سراسر مشقت اور جانکاہی ہے۔ اور آخر کو بسبب بیماری و رنقاہت کے بالکل تہجد نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوا کہ پیغمبروں کا طریق اعتدال ہے تو عبادت میں زیادتی نہ بہت کمی۔ اور یہی راہ خدا کو پسند ہے کہ اسکا نباہ ہمیشہ ہو سکتا ہے۔ اور معلوم ہوا کہ بعد تہجد کے سو رہنا مستحب ہے۔ تاکہ نماز فجر بخوبی ادا ہو اور رات کے جاگنے کی مشقت سو رہنے سے دور ہو جائے۔

روایت ہے بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ جو بیوہ عورت اور محتاج آدمی کی حاجت روائی میں کوشش کرتا ہے وہ ثواب میں اُس کی برابر ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ یا وہ کوشش کرنے والا ثواب میں ایسا ہے جیسے تہجد کی نماز پڑھنے والا جس کی کبھی نماز

نہ چھوٹے اور جیسے روزہ رکھنے والا جسکا کبھی روزہ نہ ٹوٹے ۔

یعنی جو زکوۃ کا مال بیوہ عورت اور محتاج کے لیے جمع کرتا ہو یا خود اپنی کمائی سے اُن کی خبرگیری کرے اور اُن کا کام کردے اسکو غازی اور ہمیشہ تہجد پڑھنے والے اور دامی روزہ دار کی برابر ثواب ہو۔ اس حدیث سے محتاجوں کی حاجت روائی کی عمدہ فضیلت ثابت ہوئی ۔

حضرت نے دونوں دست مبارک کی دس اُنگلیاں اُٹھا کر تین اشارے کر کے فرمایا کہ مہینہ کبھی اُنتیس ۲۹ دن کا ہوتا ہو کبھی تیس ۳۰ دن کا ۔ مسلم کی روایت میں اُنتیس ہیں اور بخاری کی بہت روایت میں اُنتیس بھی ہیں ۔ تیس بھی ہیں ۔ شاید بعضے لوگوں نے کہا کہ رمضان کے مہینے کا روزہ ہم پر فرض ہوا اور کبھی رمضان اُنتیس دن کا ہوتا ہو تو چاہیے کہ پورے مہینے کا ثواب نہو پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی اور کمال تصریح سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ہر دو صورت میں ثواب برابر ہے ۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہو کہ فرمایا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کا اُتار ہیں جبکہ گناہ کبیرہ سے بچے ۔

معلوم ہوا کہ نیکی صغیرہ گناہوں کو دور کرتی ہو اور کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور جس گناہ میں حق العبد ہو ۔ یعنی آدمی کی تقصیر کی ہو تو اُس کے معاف کرنے پر اُس کی بخشش موقوف ہو۔

(باقی آیندہ)

کمترین

ح خ

مسلم یونیورسٹی فنڈ

اپریل سے جون تک کا وصول شدہ روپیہ رجسٹرار صاحب کے پاس علیگڈھ بھیجدیا گیا ہی اسکے بعد جن بہنوں نے اپنا اپنا جمع کیا ہوا چندہ معہ رسید بکز کے عنایت کیا ہی اُسکا حساب آج لکھا جاتا ہی۔ میں شکریہ ادا نہیں کرسکتی اپنی بہن بنت سید محمد حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع سیالکوٹ کا جنھوں نے اپنی بڑی ہمشیرہ بیگم سید نذیر حید رصاحب سے تین رسید بہیاں لیکر تین ہفتے کے اندر اندر چندہ وصول کرکے بھیجدیا۔ جن دقتوں سے اُنھوں نے یہ سو روپیہ وصول کیا ہی اسکا اندازہ کچھ وہی خوب کرسکتے ہیں جنھوں نے یہ کام کیا ہو۔ ایک کم لڑکی اور جسکو کنبہ برادری میں بھی آنے جانے کی اجازت نہو اسکے لیے یہ کام کسقدر مشکل ہی لیکن صرف گھر کی آنے جانے والیوں اور چند رشتہ دار مستورات سے نہایت کوشش سے اس قدر کرلیا۔ اور اُن کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ چند غریب مستورات نے اپنی کان کی بالیاں اُتار کر اُن کے حوالے کردیں جنکو فروخت کردیا گیا۔

اسی طرح میری عزیز بہن بنت خواجہ احمد حسن صاحب دہلی نے ڈیڑھ سو روپے سے ایک رسید بہی پر کرکے عنایت کی۔ چونکہ انہیں دہلی رہتے تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہی۔ اہل شہر سے کچھ واقفیت نہیں ہی لیکن اس قومی خدمت نے مجبور کیا بیگمات شہر سے واقفیت پیدا کرنے بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ اور میں مشکور ہیں اُن بیگمات کی جنھوں نے اُنہیں مدد دی۔ اور ساتھ ہی افسوس ہی اُن ایک ہمدرد قوم بہن صاحبہ کے حوصلے پر کہ جنکے شوہر نامدار نے اپنی ایک تحریر اخبار میں شائع کرکے ہمارے چلتے ہوئے کام میں روڑا اٹکا دیا۔ لیکن اُنکے اس اختلاف کا بھی شکریہ ہی کہ اُس تحریر کو پڑھکر بہت سی خواتین کو ہم سے ہمدردی ہوگئی۔

مشکور ہوں بہن مسز غلام حسن جان صاحبہ جھو کی جنھوں نے اسپنے گھر کے اور اپنے ملازمین کے

چندے سے ایک رسید بک پُر کی۔

وہاں نہ تو تعلیم نسواں کا رواج اور نہ بہن صاحبہ موصوفہ کی اہل شہر سے واقفیت کیونکہ اُنہیں وہاں گئے ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ مجھے یہ تھوڑی رقم بھیجتے شرم آتی ہے۔ لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ وہاں کی حالت پر خیال کرتے ہوئے مجھے یہی رقم قابل قدر نظر آتی ہے۔ علاوہ انکے ان بہنوں کا بھی شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ بیگم عزیز الدین صاحبہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے جھٹ پٹ کوئٹہ سے چندہ کرنے کے لیے مجھ سے رسید ہی طلب کی اور بنت شفقت علی میر منشی حضور ولی عہد صاحب بہادر بھوپال نے میری درخواست منظور کر کے وہاں کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اسوقت تک کے وصول شدہ چندے کا حساب درج ذیل ہے۔

بذریعہ رسید بک نمبر ۲۰ وصول ہوئے ۱۴/
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹ)

نام	رقم
بیگم سید محمد ذکی صاحبہ	صہ/
بیگم سید محمد احمد صاحبہ	عـہ
بیگم سید محمد عبدالسلام صاحبہ	عـہ
بنت سید محمد حامد شاہ صاحبہ	ے/
بنت سید محمد حامد شاہ صاحبہ	عـما/
بیگم سید عبدالرشید صاحبہ	عـمہ/
بیگم شیخ عبدالرحمن صاحبہ	عـمہ/
بنت شیخ عبدالرحمن صاحبہ	عـمہ/
بیگم چودہری محمد بخش صاحبہ	صہ/
والدہ سید اکبر علی صاحبہ	عـمہ/
ہمشیرہ سید اکبر علی صاحبہ	عـمہ/
بیگم شیخ عبداللہ صاحبہ	عـمہ/
بیگم کریم بخش صاحبہ	عـمہ/
بیگم عبدالعزیز صاحبہ	عـمہ/۴
بیگم محمد شریف صاحبہ	عـمہ/
بیگم افضل الدین صاحبہ	عـمہ/
بیگم شرف الدین صاحبہ	عـمہ/
بیگم فضل الدین صاحبہ	عـمہ/
والدہ محمد الدین صاحبہ	عـمہ/
بیگم محمد شفیع صاحبہ	۸/
بیگم عبدالمجید صاحبہ	۱۲/
بیگم محمد ظفر صاحبہ	۸/

ہمشیرہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے
بیرسٹرایٹ لا ۶ر
بیگم الہ دیا صاحبہ ۴ر ایک عورت ۴ر
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۸۹۶ وصول ہوئے ۱۴/
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹ)
بیگم سید فضیلت علی مرحوم عکا/
بیگم غلام محی الدین صاحبہ عمر
بیگم اللہ رکھا صاحب ڈاکٹر عمر
بیگم جلال خان صاحب ۸ر بیگم غلام محمد صاحبہ ۸ر
والدہ فقیر محمد صاحبہ ۴ر
ایک نادار بی بی صاحبہ ۶ر
بیگم عبد الغنی صاحبہ ۴ر
بیگم تاج الدین صاحبہ ۶ر
والدہ تاج الدین صاحبہ ۴ر
والدہ ظہور الٰہی صاحبہ ۲ر
ایک غریب بی بی صاحبہ ۲ر
بیگم شیخ مولا بخش صاحبہ ۸م
بیگم نظام الدین صاحبہ عہر
والدہ محمد اسمٰعیل صاحبہ ۱۰ر
رحمی دائی ۸ جن عہ ر والدہ الٰہی بخش ۹ر
ایک غریب بی بی ۴ر

ہمشیرہ حکیم محمد عبد العزیز صاحب عکا/
غریب بی بی ۱۲ر
بیگم محمد عبد العزیز صاحبہ عمر
والدہ عبد العزیز صاحبہ عمر
بیگم محمد شاہ ۶ر بیگم نور محمد صاحبہ ۵ر
والدہ فضل حق صاحبہ ۲ر
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۰۹۱ وصول ہوئے ۱۴/
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹ)
والدہ غلام محمد صاحبہ عمر
بنت غلام محمد صاحبہ للعہ ر
بیگم سید حامد شاہ صاحبہ عہ ر
بیگم عبد العزیز صاحبہ عہ ر
بنت عبد العزیز صاحبہ سے ر
بیگم عبد الحمید صاحبہ عکا/
بیگم سید حسام الدین صاحبہ عکا/
بہو سید حسام الدین صاحبہ عکا/
ہمشیرہ سید حامد شاہ صاحبہ عمر
خالہ صاحبہ سید حامد شاہ صاحبہ عکا/
بیگم فضل الدین صاحبہ عمر
بیگم محمد شفیع صاحبہ عمر
بیگم نور احمد صاحبہ ۸ر

بیگم غلام محمد صاحبہ عـہ/
بنت نواب الدین صاحبہ عـہ/
بنت چراغ دین صاحبہ ۱۱/
بیگم محمد سلطان صاحبہ عـہ/
بیگم محمد اسمٰعیل صاحبہ ۴/
بیگم قمر الدین صاحبہ ۲/
بیگم قطب الدین صاحبہ عـہ/
ہمشیرہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے
بیرسٹر ایٹ لا عـہ/

میزانکل ۱۱ما/
فیس منی آرڈر عـہ/
باقی ۹۹ لعـہ/

بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۸۹۲ وصول ہوئے ۱۴۲ ماللعـہ ۱۴/
(معرفت بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ دہلی)
بیگم عبد الرزاق صاحبہ پشاور ۳ عـہ
و.ح بنت نواب فیض احمد صاحب ۱ عـہ
بیگم نواب رستم علیخانصاحبہ رئیس کرنال ۱ عـہ
بیگم نواب ارشاد علیخانصاحبہ ۱ عـہ
بیگم محمد سمیع صاحبہ ۱ عـہ
حامد بیگم صاحبہ سردھنہ ۱ عـہ
بیگم اسلم خاں صاحبہ ۱ عـہ

بیگم حبیب اللہ صاحبہ ـصہ/
والدہ صاحبہ قاضی عبد المجید ـصہ/
بیگم شریف احمد صاحبہ ـصہ/
بیگم غلام محمد صاحبہ ـسے/
حوا بی حبیب اللہ صاحبہ للعـہ/
بیگم محمد فضل الدین صاحبہ عـصا/
بیگم نور الدین صاحبہ عـصا/
شریفن اللہ داد خانصاحبہ عـصا/
بیگم عبد اللطیف صاحبہ عـصا/
بنت سید سجاد حسین صاحبہ عـصا/
بیگم تہور حسین صاحبہ عـصا/
بیگم صدر الدین صاحبہ عـہ/
بیگم عبد القیوم صاحبہ عـہ/
فضل النساء بیگم صاحبہ عـہ/
بیگم منشی نذیر حسن صاحبہ عـہ/
خورشید النساء صاحبہ ۲/
کریم النساء بیگم صاحبہ ۲/
بیگم عبد الواحد صاحبہ ۴/
بیگم سید نظام علی صاحبہ ۲/
بیگم خواجہ احمد حسن صاحبہ ـصہ/
خواجہ بشیر حسین صاحب عـہ/

بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ ۵/
خادمہ نواب فیض احمد صاحب ۲/
محصول منی آرڈر ۸/
باقی ما
بذریعہ رسید بی نمبر ۴۰۹۳ وصول ہوئے
(معرفت بیگم محمد غلام حسن خانصاحبہ مہو)
والدہ بدر الدین صاحبہ ۵/
بیگم فقیر محمد صاحبہ ۵/
بیگم غلام حسن خانصاحبہ ۵/
بنت فقیر محمد صاحبہ ۵/
بنت دوئم فقیر محمد صاحبہ ۵/
بنت عطا محمد صاحبہ ۱۰/
بنت دوئم عطا محمد صاحبہ ۱۰/
بیگم نتھو ماسٹر ٹیلر ۱۰/
بیگم نبی بخش صاحبہ خیاط ۱۰/
ہمشیرہ شکر اللہ صاحبہ ۵/
بیگم پیر بخش صاحبہ خیاطہ ۱۰/

بیگم نانک صاحبہ ۱۰/
محمد حسین غلام حسن صاحب ۱۰/
یعقوب جان بنت بدر الدین صاحب ۱۰/
محمد نثار الحسن جان ۱۰/
بیگم غلام حسن جان صاحب ۵/
ملازمہ بیگم غلام حسن صاحب ۲/
بیگم غلام رسول ۱۰/
بیگم فقیر محمد صاحبہ ۵/
بیگم غلام حسن جان صاحبہ ۵/
بیگم نتھو ماسٹر ٹیلر ۱۰/
بیگم نبی بخش خیاط ۱۰/
بیگم غلام حسن جان صاحب ۵/
بذریعہ پھول وصول ہوئے ۱۴/
میزان کل ما لعہ ۳۱۹
میزان سابق معمالعہ ۷۷۹
میزان کل الہ ۱۰۹۸

خاکسار
بنت سید نذر الباقر

غزل نعتیہ

عشقِ احمد ہی سے کچھ لطفِ طبیعت پایا
دردکی پائی دوا سایۂ رحمت پایا

گنجِ قاروں کو ملا ہم کو نبیؐ کی الفت
حصہ ہر شخص نے یاں حسبِ لیاقت پایا

لامکاں پر شبِ معراج میں پہونچے حضرت
حق سے باتیں ہوئیں اور تاجِ شفاعت پایا

رنجِ دنیا سے چھٹے فکر سے عقبیٰ کے بچے
پایا جو کچھ اسی دولت کی بدولت پایا

زندگی میں جو کہا کرتے تھے ہم صلِّ علیٰ
یہی سایہ تھا جو ہم نے سرِ تربت پایا

اور کیا چاہیے اس سے تجھے بہتر اے دل
داغِ دل مل گئے عریانی کا خلعت پایا

رابعہ خواب میں کہہ جاتے ہیں مرنے والے
قبر کو ہم نے عجب گوشۂ راحت پایا

رابعہ سلطان بیگم

اڈیٹوریل

سنگ بنیاد۔ لیڈی پورٹر صاحبہ نے جو ہمارے موجودہ لفٹنٹ گورنر بہادر ہز آنر مسٹر پورٹر صاحب کی لیڈی صاحبہ ہیں ازراہ نوازش ہمارے مدرسہ نسواں کے بورڈنگ ہوس کا سنگ بنیاد رکھنا منظور فرمایا ہی۔ جسکا انتظام کیا جارہا ہی۔ کیونکہ ۷۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو بوقت تین بجے سہ پہر کو یہ رسم ادا کی جائیگی۔ دو شامیانے الگ الگ نصب کیے جا رہے ہیں۔ ایک میں پردہ کا پورا انتظام ہوگا۔ اور اس میں بجز بیبیوں کے اور کوئی نہیں جا سکیگا۔ دوسرے میں مردوں کی نشست ہوگی۔ جناب لیڈی پورٹر صاحبہ پردہ کے اندر ہی بیبیوں کی مدد سے سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھینگی۔ تعلیم نسواں ایسوسی ایشن کی طرف سے ایڈرس بھی بیبیاں ہی پڑھینگی

واپسی۔ حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال مورخہ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو سفر یورپ سے معہ ہمراہیوں اور صاحبزادگان بلند اقبال کے بخیر و عافیت واپس ہوکر اپنے پایۂ تخت بھوپال میں داخل ہوگئیں۔ اس سفر میں یورپ کے مشہور ملکوں کے علاوہ مصر میں بھی جنابہ عالیہ نے ورود فرما کر وہاں کے مشہور مقامات دیکھے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حضور عالیہ اپنے اس سفر کے واقعات بھی سفرنامہ کی صورت میں مرتب فرمائینگی جیسا کہ اس سے پہلے سفر حج کا سفرنامہ لکھا گیا ہی۔

جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر اڈیٹر ادیب الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء کے خاتون میں سید منظر حسین صاحب اختر میرٹھی نے پندرہ رباعی

کے جو مختصر حالات تحریر کیے ہیں اس میں پنڈتہ موصوفہ کے متعلق بعض باتیں غلط لکھی گئی ہیں۔ لہذا ان کی تردید ضروری ہے۔

(۱) آپ کے طرز تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا (خدانخواستہ) پنڈتہ موصوفہ انتقال فرما چکی ہیں۔ حالانکہ خدا کے فضل و کرم سے پنڈتہ راما بائی صحیح و سلامت ہیں۔ اور نہایت تندہی کے ساتھ اپنے فرائض زندگی ادائگی میں منہمک ہیں۔

(۲) "اپنے پہلے خاوند کے مرجانے پر...... ایک غیر مذہب کے آدمی سے بیاہ کرلیا" یہ صریح غلطی ہے۔ پنڈتہ راما بائی اپنی شادی کے اُنیسویں ماہ میں، جبکہ آپ کی عمر ۲۲ برس کی تھی، بیوہ ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے کبھی عقد ثانی کا نام نہیں لیا۔

(۳) "۱۸۸۳ء میں اپنا مذہب چھوڑ دیا اور عیسائی ہو کر ولایت چلی گئیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ جس وقت آپ ۱۸۸۲ء میں انگلستان تشریف لے گئیں۔ اُس وقت ہندو تھیں۔ مسیحی مذہب کو آپ نے انگلستان ہی میں (ستمبر ۱۸۸۳ء) قبول کیا۔ نہ کہ ہندوستان میں۔

اتالیق بی بی۔ یہ کتاب ایک انگریزی کتاب "کریٹن لکچرز" سے عالی جناب چودھری محمد علی صاحب تعلقدار رئیس ردولی ضلع بارہ بنکی نے ماخوذ کر کے ہندوستانی طرز میں نہایت عمدگی کے ساتھ لکھی ہے۔ مصنف کی لطافت طبع اور خوش بیانی سے یہ کتاب اسقدر دلکش اور خوش آیند ہے کہ اس کی دلچسپی کا اندازہ بلا اسکے دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتا اس کتاب کا ایک ایک فقرہ لطافت اور ظرافت کا مخزن ہے۔ اور نہایت دلفریب ہے۔ زبان بہت پیاری اور مناسب ہے۔ اسکو پڑھنے کے بعد تسلی نہیں ہوتی۔ اور دل چاہتا ہے کہ دو چار باب اور ہوتے۔ ہم ایسے جدید نگار قلم سے امید رکھتے ہیں کہ صنف نازک کے لیے اسی قسم کے نازک اور

لطیف لٹریچر پیدا کرکے اس کمی کو پورا کریگا جو ابتک زنانہ لٹریچر میں ہے۔
اسکا حجم چار جزو ہی۔ قیمت درج نہیں ہی۔ منیجر صاحب گداز پریس لکھنؤ سے ملیگی۔

اپیل۔ بخدمت خاتونانِ ہند متعلق تکمیل مجوزہ مسلم یونیورسٹی جس میں علیگڈھ کی زنانہ سنٹرل کمیٹی متعلق فراہمی چندہ مسلم یونیورسٹی کی مکمل رودادچھپی ہی خریداران خاتون کی خدمت میں ہم اس نمبر کے ہمراہ بھیجتے ہیں۔ تمام ناظرین و ناظرات سے التماس ہی کہ وہ اپیل کو غور سے پڑہیں خود چندہ دیں اور جن سے دلا سکتے ہیں دلائیں۔ اگر تھوڑا تھوڑا سا بھی چندہ جمع ہو جائیگا تو مجموعہ ایک بڑی رقم ہو جائے گی۔

جنگ اٹلی و ٹرکی

جب سے اٹلی نے طرابلس غرب پر ناجائز اور غاصبانہ حملہ کیا ہی اسوقت سے تمام دنیائے اسلام میں ایک عام ہل چل اور جوش ہی۔ تقریباً دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں نے اٹلی کے بنے ہوتے مال کا استعمال ترک کر دیا ہی۔ ہزاروں مسلمانوں نے وہاں کی بنی ہوئی ترکی ٹوپیاں جو جنگ سے پہلے خریدی تھیں سر سے اُتار کر پھینک دیں اور جلا دیں۔ ادہر طرف سے مجروحین حربوں اور ترکوں کے لیے چندے ہونے لگے۔ مصر میں بے حد جوش ہی وہاں چندوں کی تعداد لاکھوں پونڈ تک پہنچ چکی ہی۔ عورتیں بھی اسمیں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہیں وہاں کے پندرہ سولہ ڈاکٹر بہت سی دوائیاں اور سیکڑوں ڈولیاں لیکر میدان جنگ کو گئے ہیں۔

ہندوستان میں بھی مختلف مقامات میں چندے ہوئے۔ ہمارے کالج کے طلبا نے بھی اپنے اپنے جیب خرچ سے تقریباً تیرہ سو روپیہ اس کام کے لیے جمع کیا ہی۔ اور اُن کے کالج سے ہر ہفتہ میں جو چار ورقہ اور خبریں لا کرتی تھی اسکو انھوں نے تا اختتام جنگ بند رکھا ہی اور اسکی آمدنی مجروحین کے لیے بھیجی جائیگی۔ اسلام کی خصوصیت یہی ہی کہ ملک۔ نسل۔ اور زبان پر اسکی اخوت محدود نہیں ہی بلکہ تمام مسلمان خواہ کسی ملک کے ہوں کسی نسل کے ہوں۔ کوئی زبان بولتے ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک کے [illegible] ہیں۔ امید کہ ناظرات خاتون بھی اسکے لیے اس میں حصہ لینگی۔

شاہِ دکن کی وفات حسرت آیات

۲۹۔ اگست ۱۹۱۱ء کی وہ منحوس تاریخ تھی جس میں حضور جنت آرام گاہ آصف جم جاہ نے اس دنیاے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ حضور کی ناگہانی وفات سے مسلمانان ہند کا بہت بڑا سرپرست اور اسلامی علوم و فنون کا عظیم الشان مربی اُٹھ گیا ایسے عالی دماغ علم پرور رعایا نواز بادشاہ کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ حضور کا یہ شعر اُن کی قلبی رحم دلی کی تصویر کھینچتا ہے۔

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ گر کام آئے میری رعایا کے واسطے

اللہ تعالیٰ جنت میں اس روح معظم کو اسکے حسب مرتبہ مقام عطا فرمائے۔ اور جدید حضور نظام سے اس نقصان عظیم کی تلافی فرمائے۔

حادثۂ جانگزا

حضور نظام اعلیٰ اللہ مقامہ کے ٹھیک ۲ مہینے کے بعد ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور کے فرزند اکبر ولی عہد ریاست صاحبزادہ محمد حسن علیخاں بہادر نے ۱۲ سال کی عمر میں مرض اسہال و بخار سے وفات پائی۔ تمام قوم اس حادثۂ جانکاہ میں ہز ہائنس کے ساتھ رنج و غم میں شریک ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نواب صاحب کو توفیق صبر عطا فرمائے۔ اور معصوم روح کو اپنے دامن رحمت میں لے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد | بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء | نمبر ۱۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے، ایل، ایل، بی، سکرٹری تعلیم نسواں اسکیشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری
مطبع احمدی علیگڈہ میں طبع ہوا

شیخ عبداللہ بی اے پلیڈر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (سے)
اور ششماہی عہ ۲ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال در ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے
ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات
کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم
رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان
میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے
کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے
تیار کیا جائے گا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈھ ہونی چاہیے۔

رانی درگاوتی

شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی کا زمانہ تھا۔ مغلیہ سلطنت کا پرچم اقبال تمام ہندوستان میں لہرا رہا تھا۔ اکبری سرداروں نے بڑے بڑے سرکش راجوں مہاراجوں کے چتر کو سرنگوں کر دیا تھا لیکن ابھی تک گڑھ منڈل[1] کی چھوٹی سی ریاست جس پر بہادر و شجیع رانی درگاوتی حکمراں تھی اس تیز نظر شہباز سے پوشیدہ و مامون تھی۔

رانی درگاوتی۔ راجہ جندان والی قنوج کی لڑکی تھی۔ اس کی شادی دولاپت راجہ گڑھ منڈل سے ہوئی تھی۔ لیکن شادی کو تین ہی برس کا زمانہ گزرا تھا کہ رانی کو رنڈاپا نصیب ہو گیا۔ اس مصیبت کو برداشت کر کے رانی اپنے تین برس کے بچے بیر نارائن کی پرورش اور ریاست کے انتظام میں مصروف ہوئی۔ سرتاج کا سر سے اٹھ جانا گویا جیتے جی موت کا آنا ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مال و دولت بھی موجود ہو لیکن رانی

---

[1] گڑھ منڈل ممالک متوسط میں ایک ریاست تھی۔

نے نہایت استقلال و دوراندیشی سے سب باتوں کو سوچا اور کمر ہمت مضبوط باندھ کر تمام آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کو طیار ہوگئی۔ اُس نے اپنے رنج و ملال کو سب سے چھپایا اور مثل اپنے جوانمرد خاوند (مہاراجہ متوفی) کے تمام کاموں کو انجام دیا۔

آجکل اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صنف نازک صرف اسی واسطے ہی کہ مرد کا دل بہلائے اور گھر کا انتظام کرے مگر وہ اشخاص کس قدر غلطی پر ہیں اور ذرا بھی اپنے دماغوں کو عورتوں کی قابلیت پر متوجہ نہیں کرتے۔ گھر کا انتظام وہ عورت کیا کر سکتی ہی جسکے مرد کے ایسے پست خیالات ہوں۔ دل کا بہلانا کیسے ممکن ہی جب تک عورت میں کسی قسم کی قابلیت نہو۔ بعض اصحاب شکایت کرتے ہیں کہ ہماری بیویاں پھوہڑ اور سوائے فرمائشیں کرنے کے کسی کام کی نہیں۔ لیکن اُن کو اپنے عیب پر اطلاع نہیں۔ اپنی بیویوں کو خود تعلیم و تربیت سے ایسا درست کیوں نہیں کرتے کہ بُری عادتیں اُن میں سے نکلجائیں رانی درگاوتی بھی ایک عورت تھی اور اُس وقت میں وہ پیدا ہوئی جب نہ تعلیم عام تھی اور نہ تربیت کا کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی مصلح قوم اس طرف متوجہ تھا۔ ایسی حالت میں اُس نے خود و ملغ پر زور دیگر اپنی ریاست کو شاہنشاہ اکبر جیسے باجبروت شخص سے محفوظ رکھا۔ پس اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتی اور اسکو ابتدا سے ہر قسم کی تربیت سے واسطہ پڑتا تو غالباً اور زیادہ عمدگی سے انتظام کر سکتی۔

ممالک متوسط کا ہر صوبہ دار شاہنشاہ اکبر کی خدمت میں گڑھ منڈل کی ریاست کو فتح کرنے کے واسطے ضرور عرض کرتا تھا لیکن اکبر ایسا حکمراں تھا جس کے دل میں قابلیت اور بہادری اور علم کی قدر تھی۔ اسی لیے وہ گڑھ منڈل کی ریاست کی بابت اجازت نہیں دیتا تھا۔

رانی نے اپنی ریاست میں رعایا کے واسطے تالاب تیار کرائے تھے۔ سیکڑوں محتاجخانے جاری تھے۔ عالیشان مندر تعمیر کیے تھے۔ انکے علاوہ اور بہت سے مفید عام کام جاری کیے

ستے۔ ملک حکمراں کی نیت بخیر اور دور اندیشی سے سرسبز و مالا مال تھا۔

آخر وہ وقت آگیا جسکا کھٹکا رانی کو تھا یعنی آصف خاں صوبہ دار ممالک متوسط بحکم شاہنشاہ اکبر معقول فوج کے ساتھ چڑھ آیا۔ اکبری مصلحت کا بیان ذرا مشکل ہے کہ کیوں گڑھ منڈل فتح کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کی بابت خیال کرلیا جائے ع

اُمور مملکتِ خویش خسرواں دانند

بھلا یہ چھوٹی سی ریاست مغلیہ فوج کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لیکن بہادر رانی نے گڑھ منڈل کی آزادی قائم رکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آصف خاں کو دو مرتبہ شکست نصیب ہوئی۔ ابتدا میں خیال تھا کہ رانی کی فوج غالباً تاب مقابلہ نہ لاسکیگی لیکن بہادر رانی کی عقلمندی اور نبرد آزمائی نے آصف خاں کے چھکے چھڑا دیے۔ دو مرتبہ شکست اُٹھانے کے بعد آصف خاں کو فتح کرنے کی ضد ہوگئی اور تیسری مرتبہ اُس نے وہ تدبیر کی کہ آخر کار ریاست قبضہ میں آگئی۔

قاعدہ ہے کہ ہر ایک سلطنت و ریاست میں نمک حرام ملازم بھی ہوتے ہیں اسکے علاوہ رشوت ایسی چیز ہے کہ جو بڑے بڑے لوگوں کو بھی بعض دفعہ سیدھے راستہ سے ہٹا دیتی ہے چنانچہ فوج کے افسروں کو بڑے بڑے نذرانے دیے گئے ملک میں فساد برپا کرایا گیا۔ جب یہ سارے کام ہوگئے تو اکبری فوج تیسری دفعہ گڑھ منڈل پر نظر آئی۔ رانی سمجھ چکی تھی کہ ریاست کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتی لیکن اُس نے آخر وقت تک آزاد رہنے کا ارادہ کرلیا اور اُنہیں لوگوں کو مقابلہ پر لیکر نکلی جو قابل اعتبار تھے۔ اُسکے ساتھ وارث سلطنت بیر نراین بھی تھا۔ کنور کی عمر صرف ۱۴ برس کی تھی لیکن اُس کی رگوں میں راجپوتی خون تھا۔ چھتری برن کی عزت رکھنے کو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ لڑنے آیا تھا۔

آخر وہ گھڑی آگئی اور لڑائی کی صورت میں گڑھ منڈل کی تباہی نظر آنے لگی۔ بیر نراین اپنی ماں کے سامنے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا اور ماں کی صورت دیکھتے دیکھتے اُس کی

روح نکل گئی ۔ یہ بڑا سخت وقت تھا اور رانی کا پاؤں اگر میدان سے اکھڑ جاتا تو تعجب کی بات نہ تھی لیکن اُسنے صرف اتنا کہا "بیر نرائن بہادر کی موت مَرا ہے میں آخر وقت تک یہاں ٹھہرونگی ورنہ میری فوج بددل ہو جائے گی" اسی درمیان میں ایک تیر رانی کی آنکھ میں آکر لگا اور اس کی فوج کے چند آدمی باقی رہ گئے ۔ باقی فوج تلوار کے گھاٹ اُتر گئی ۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو گئی تو اُس نے ایک آہ بھر کر گڑہ منڈل کی طرف دیکھا اور تلوار مار کر مر گئی ۔

آصف خاں کو کل حال معلوم ہوا ۔ وہ بہادر افسر تھا اور بہادری کی قدر جانتا تھا اُسنے رانی کی لاش کی عزت کی اور اعزاز کے ساتھ تجہیز و تکفین کرا کر ہندو قاعدہ کے موجب جلا دیا

محمد شفیع الدین خاں

از مراد آباد

جاپان

گیارھواں باب

گڑیوں کی اور جھنڈیوں کی عید

سال کے ہر تیسرے مہینے کے تیسرے دن جاپان کے اُن گھروں میں جہاں لڑکیاں ہوتی ہیں بہت غیر معمولی جوش و خروش ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ گڑیوں کی سب سے بڑی عید ہوتی ہے اس روز کوٹھوں اور گوداموں میں سے جہاں گھر کا اسباب بحفاظت رکھا ہوتا ہے سب سے عمدہ گڑیوں اور گڑیوں کے مکانوں کو نکالا جاتا ہے اور اُن کو سرخ کپڑا منڈھے ہوئے کٹھروں پر خوبصورتی کے ساتھ جایا جاتا ہے ۔ تھوڑی دیر تک اُن کی ایک دلچسپ نمائش قائم کی جاتی ہے ۔

ان گڑیوں کو اوحینا کہتے ہیں جسکے معنی ہیں معزز گڑیاں ۔ ان گڑیوں کی بہت

حفاظت کی جاتی ہے اور اس قدر احتیاط سے ان کو رکھا جاتا ہے کہ بعض خاندانوں میں کئی کئی سو برس کی پرانی گڑیاں موجود ہیں۔ کیونکہ ہر گڑیا کو بالکل وہی لباس پہنایا جاتا ہے جو اُسوقت مروّج ہے اور اُس کے گھر کو اُسی قسم کے نمونوں سے آراستہ کیا جاتا ہے جو اس زمانہ میں رائج ہوتا ہے اسلیے ان قدیم گڑیوں کو بہت بڑی تاریخی اہمیت اور وقعت حاصل ہے۔ اس سے جاپان کے لڑکیوں کو اس بات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ اسکے آبا واجداد کیسے تھے۔ کس قسم کی ان کی رہائش تھی اور اب اُس میں کیا فرق ہے۔

روزانہ کھیلنے کے لیے لڑکیوں کے پاس معمولی گڑیاں ہوتی ہیں۔ ان گڑیوں سے وہ روزمرّہ کھیلتی ہیں۔ اور "معزز گڑیاں" بہت حفاظت کے ساتھ بند رکھی رہتی ہیں۔ یہ معزز گڑیاں اکثر بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ ان گڑیوں کو نہ صرف عمدگی و نفاست کے ساتھ بنایا اور لباس سے آراستہ کیا جاتا ہے بلکہ ان کے مکانوں میں ہر قسم کے خانگی سامان کے بہترین نمونوں کو مہیا کیا جاتا ہے اور کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑا جاتا۔ متمول خاندانوں میں سامان کے یہ کھلونے خالص سونے یا چاندی یا اعلیٰ درجہ کی چینی کے ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی چیزوں کے نمونے خواہ وہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہوں یا نمائشی برابر موجود ہوتے ہیں۔ اور جاپان کی لڑکیوں کو اُسوقت بے انتہا مسرت ہوتی ہے جب وہ ان گڑیوں کے چھوٹے چھوٹے باورچیخانوں میں کھانا پکا کر "گڑیوں کی عید" کے موقعہ پر ان معزز گڑیوں کے سامنے دسترخوان پر چُنتی ہیں۔

جیسے ہی کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے اس قسم کی گڑیوں کا ذخیرہ جمع کیا جانا شروع ہو جاتا ہے۔ ہر لڑکی کو گڑیوں کا ایک جوڑا ضرور دیا جاتا ہے اور وہ اپنے طور پر رفتہ رفتہ تمام دوسرا سامان خود جمع کر تی جاتی ہے۔ یہ گڑیاں ہمیشہ اُسی کی رہتی ہیں یہانتک کہ جب اُس کی شادی ہوتی ہے تو وہ ان گڑیوں اور اس ساز و سامان کو میکے سے اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔

جب اوحلینا فاتوری یعنی گڑیوں کی عید کا زمانہ قریب آجاتا ہے تو جاپانی دکانیں

گڑیوں سے جو اس زمانہ میں بکثرت استعمال کی جاتی ہیں بھری رہتی ہیں۔ ادنیٰ قسم کی گڑیوں کے ساتھ مٹی کا سامان ہوتا ہی جو بہت خوبصورتی سے رنگا ہوا ہوتا ہی اور اوسط قسم کی گڑیوں کا سامان لکڑی کا ہوتا ہی اور انکا لباس بہت اصلی ہوتا ہی۔ یہی گڑیاں اور انکے ساتھ کے چھوٹے چھوٹے پیالے۔ لوٹے۔ چولھے۔ کشتیاں اور دوسرے برتن وغیرہ ہوتے ہیں جو گڑیوں کی عید میں مکانوں کی زینت ہوتے ہیں۔ ان کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہی۔ قلیوں کے درجہ کی گڑیاں معہ اُن کے ضروری ساز و سامان کے چند آنوں میں خریدی جاسکتی ہیں۔ کسی بڑے امیر کبیر کے قابل کی گڑیاں جنکے مکانات میں انواع واقسام کا سامان ہوتا ہی خود شہنشاہ و شہنشاہ بیگم جاپان اور انکے دربار کے تمام امرا و عہدہ داروں کے نمونے ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزیں رہتی ہیں جو ان سب کے روزمرہ استعمال کی ہوتی ہیں اور وہ جن سے دربار وغیرہ کے موقعہ پر کام لیا جاتا ہی بہت بیش قیمت ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ ان کی قیمت اتنی ہوتی ہے کہ ایک غریب آدمی کی اس میں بآسانی گزر ہوسکے۔ جاپان کی تاریخ میں جو بڑے بڑے مشاہیر گزرے ہیں انکے نام کی بھی گڑیاں ہوتی ہیں جو بالکل اُس زمانہ کے لباس اور اس زمانہ کے سامان اور اُس زمانہ کی وضع قطع کا پورا پورا نمونہ ہوتی ہیں۔

لڑکوں کی بڑی عید "جھنڈیوں کی عید" کہلاتی ہی یہ عید پانچویں مہینے کی پانچویں تاریخ کو منائی جاتی ہی۔ اس عید کے قریب ہونے کا عجب انداز سے اعلان کیا جاتا ہی۔ ہر اُس مکان کے سامنے جس میں لڑکے موجود ہوتے ہیں ایک لمبی بانس کھڑی کیجاتی ہی جسکے بالائی سرے پر بہت خوبصورت رنگ کے کاغذ کی ایک مچھلی جو کارپ (مچھلی کا نام) کے شکل کی ہوتی ہی لٹکا دی جاتی ہی۔ اگر اس سال کوئی لڑکا مکان میں پیدا ہوا ہو تو زیادہ بڑی مچھلی آویزاں کی جاتی ہی اس مچھلی کے جسم میں خول ہوتا ہی اور جب ہوا چلتی ہی اور اس میں بھر جاتی ہے تو اس کی دُم اور اس کے پکھ ہلنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ مچھلی گویا پانی میں تیر رہی ہے جاپانیوں نے کارپ مچھلی کو اس غرض کے لیے اسواسطے منتخب کیا ہی کہ اس مچھلی میں پانی کے

بہاؤ کے خلاف جانے کی بہت قوت ہوتی ہی اور بڑے بڑے آبشاروں میں بھی وہ اُلٹی چلتی ہی اور اپنی مرضی کے مطابق جدہر چاہتی ہی جاتی ہی. اسلیے خیال کیا جاتا ہی کہ اس تمثیل سے اس گھرانے کے لڑکے اپنی زندگی کے سمندر میں سینہ سپر ہوکر آگے بڑہیں گے اور جو مشکلات ان کی ترقی کے راستہ میں حائل ہوں اُن کو دور کرنے میں کامیاب ہونگے۔

جب لڑکوں کی بڑی عید کے دن قریب آتے ہیں تو دکانیں کھلونوں سے بھر جاتی ہیں۔ لڑکیوں کی طرح لڑکوں کے واسطے بھی گڑیاں بنائی جاتی ہیں لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ انکے لیے سپاہیوں، بہادروں، سپہ سالاروں، مشہور قدیم جنگی لوگوں، پہلوانوں وغیرہ کی شکلیں تیار ہوتی ہیں۔ پُرانے زمانہ سے جاپانیوں کی قوم بہت جنگجو ہی اس لیے جاپان کے لڑکوں کو ہمیشہ "جھنڈیوں کی عید" کے موقعہ پر جھنڈیاں، تلواریں۔ تیر و کمان۔ خود۔ زرہ بکتر برچھیوں وغیرہ کی قسم کے کھلونے دیئے جانے کا قاعدہ ہی. خود یہ عید بھی ہاچی ما کی یادگار میں منائی جاتی ہی جو جاپانیوں کا خدائے جنگ ہے۔ اس عید کے دن جو کھیل سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہی وہ مصنوعی جنگ ہے۔

لڑکوں کی دو ٹکڑیاں بنائی جاتی ہیں جن میں سے ایک کا نام ھئی کی رکھا جاتا ہی اور دوسری کا جن جی یہ نام اُن دو مشہور گروہوں کے ہیں جن میں جبکہ وہاں طوائف الملوکی تھی سخت باہمی رقابت قائم تھی۔ لڑکوں کی اِن دو جماعتوں کے پاس الگ الگ نشان ہوتے ہیں "ہئی کی" گروہ کا ہر لڑکا سُرخ جھنڈی لیے ہوتا ہی اور "جن جی" جماعت کے ہر لڑکے کے پاس سفید جھنڈی ہوتی ہی۔ ہر لڑکا ایک عجیب قسم کا خود پہنے ہوئے ہوتا ہی جو ایک قسم کا گویا مٹی کا لوٹا ہوتا ہی. جب لڑائی شروع ہوتی ہی تو یہ ننھے ننھے بہادر بانس کی تلواروں سے ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔ مقابلہ کے وقت اس بات کی کوشش کی جاتی ہی کہ اپنے حریف کے سر کی خود کو اپنی بانس کی تلوار سے توڑ دیں۔ جسکا خود اس طرح ٹوٹ جاتا ہی اسکو فوراً اطاعت قبول کرنی پڑتی ہی۔ اسی طرح جس گروہ کے خود زیادہ ٹوٹتے ہیں اور

جس جماعت کی جھنڈیاں زیادہ چھن جاتی ہیں اُسکو ہزیمت ہوتی ہے اور دوسری ٹکڑی فاتح شمار کی جاتی ہے۔

اس کھیل سے جس میں مصنوعی ہتیاروں اور جنگی باجوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک غرض بھی ہوتی ہے۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر سال کے پانچویں مہینے کے پانچویں دن اونی جواُن کا ایک ظلم پسند خدا ہے آسمان سے اُترتا ہے اور لڑکوں کو نگل جاتا ہے یا اُن کو دوسری قسم کی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔ لیکن ہتیاروں سے وہ بہت ڈرتا ہے اسلیے اس روز جو عید کا دن ہوتا ہے مختلف قسم کے مصنوعی ہتیار ہر طرف لگا دیے جاتے ہیں تاکہ اُنکے خوف سے خونخوار اونی گھروں میں گھسنے نہ پائے۔ ایک جاپانی مصنف نے لکھا ہے۔

"اونی ہوگلا نامی پودے کے پتوں سے جو خنجر کی شکل کے ہوتے ہیں بہت ڈرتا ہے اسلیے ہوگلا کے پتے ہر جگہ رکھے جاتے ہیں۔ کوئی جگہ ان سے خالی نہیں چھوڑی جاتی۔ کھانے کی میز پر ان کو رکھا جاتا ہے۔ بیرقوں میں ان کو لٹکایا جاتا ہے۔ گھروں کی چھتوں سے ان کو باندھا جاتا ہے۔ لڑکے ان کو اپنے سروں سے اس طرح باندھے رکھتے ہیں کہ ان کے دو سینگ نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں پس ان پتوں سے اور نیز بانس کی بنی ہوئی قرنا کی آوازوں سے اس دیو صفت خدا کو گھبرا دیا جاتا ہے اونی سینگ والے آدمیوں سے بھی خوف کرتا ہے اسلیے اور نیز اُن ہتیاروں کے باعث جو ہر طرف چھتوں سے آویزاں رہتے ہیں وہ گھروں کے اندر گھسنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

سید خورشید علی
(حیدر آباد دکن)

ورسٹی اور ماں بیٹی

ورسٹی کیا چیز ہے اماں بتاؤ — پاتی ہوں ہر ایک دل میں جسکی چاؤ
جسکو دیکھو کرتا ہے اسکا ہی ذکر — رات دن مردوں کو ہے اسکا ہی فکر
بیگمیں جتنی ہیں کچھ لکھی پڑھی — رٹتی ہی رہتی ہیں وہ سب ورسٹی
میرے ابّا اور بھائی جان بھی — کرتے ہیں آپس میں اب باتیں یہی
ورسٹی امسال بن جائے خدا — ہر مسلماں کی یہی ہے التجا،،

ماں

لاڈلی! ہے ورسٹی علموں کا گھر — دین و دنیا دونوں کی ہے راہبر
جو پڑھے گا اس میں ہوگا دیندار — اور دنیا میں بھی ہوگا ہوشیار
مونھ میں اسکے سیٹی۔ فیٹی۔ فنڈو — دل میں ہو اللہ ہو۔ اللہ ہو
ہو نمونہ دین اور اسلام کا — اور دنیا میں بھی ہو وہ کام کا
دل میں ہو خوفِ خدا۔ خوفِ رسول — اپنی ہستی کو کبھی جائے نہ بھول
دل میں اُسکے چوٹ ہو اور درد ہو — آڑے وقتوں میں وہ پورا مرد ہو
پڑھ کے انگریزی نہو وحشی مُوا — دھوبی کا کتّا نہ گھر نہ گھاٹ کا

بیٹی

اچھی امّاں! یہ تو بتلاؤ مجھے — آجتک تھے مردوئے کیا کر رہے
پہلے ہی سے کیوں نہ ڈالا ایسا ڈھنگ — دین کا اُڑنے نہ پاتا جس سے رنگ

ماں

پہلے انگریزی کا پڑھنا کفر تھا — اسکا چرچا بھی نہ تھا ہم میں ذرا

نیند میں غفلت کی سوتے تھے پڑے　　اپنی پہلی ضد پہ تھے اکثر اڑے
جب زمانہ سے ہوئی حالت بڑی　　آخر انگریزی پڑھانا ہی پڑی
تھی مگر تعلیم یہاں غیروں کے ہاتھ　　تھے مسلماں پڑھتے بدینوں کے ساتھ
اُن کی خو بو اِن میں کرتی تھی اثر　　اور طرّہ یہ کہ دین سے بے خبر
دیکھ کر اسکو ہوئے بے چین سب　　دُور کرنے کی ہے اس کی فکر اب

بیٹی

ہاں میری اماں! یہی ہوگا سبب　　ورنہ کیوں بیچین ہوتے سب کے سب
دین جاتا دیکھ کر بے چین ہیں　　اس کی ہی خاطر یہ شور و شین ہیں
دین پہ صدقے ساری جان و مال ہے　　ہائے دین! تیرا ہی اتنو کال ہے
ڈگمگاتی ناؤ اور منجدھار ہے　　دین رہ جائے تو بیڑا پار ہے
دین ہی ہم میں نہ جب باقی رہا　　لیکے دنیا کو بھلا چاٹیں گے کیا
دین ہی ہے ہم مسلمانوں کی جان　　دین چلا جائے تو پھر ہم ہیں کہاں

ماں

پیاری بہنو! ایسی ہی تو بات ہے　　دین ہی کا سوگ اب دن رات ہے
آنکھ سے میں دیکھتی ہوں صبح شام　　دین کا ہے صرف اب دنیا میں نام
جو نگوڑے اب پڑھے لکھے ہیں یہاں　　دین کا ان میں نہیں نام و نشاں
ہے نماز اور روزہ سب اُن پہ حرام　　ہیں حلال اُنکے لیے اکثر حرام
جانے انگریزی میں کیا پڑھتے ہیں یہ　　دین اپنا آپ ہی گڑھتے ہیں یہ
نہ نبی سے کوئی ان کو واسطہ　　نہ خدا سے اُن کو کوئی واسطہ
جتنے ہیں دنیا کے کاموں میں یہ چست　　اُس سے زیادہ دینی کاموں میں ہیں سست
یہ کسر ان میں کی نکل جائے تو واہ　　دین اور دنیا کے ہوں یہ بادشاہ

بیٹی

درستی سے کیا نکل جائیں گے بل — دین کے سانچے میں جب ڈھلینگے ڈھل

ماں

جو خرابی ہو چکی وہ ہو چکی — فکر آیندہ کی ہے سب کو لگی
جب مسلمانوں کی ہوگی درستی — دین اور دنیا کی ہوگی اک گتھی
بی اے ایم اے نکلیں گے دیندار بھی — شکل بھی مسلم کی اور کردار بھی

بیٹی

پیاری اماں! ایسا ہو تو واہ وا — خوش رہیں ہم اور ہم سے خوش خدا
اب میں سمجھی کیوں ہے گھر گھر اسکا ذکر — ہر کسی کو آجکل ہے اس کی فکر

ماں

ہاں مگر یہ کام ہے ایسا کٹھن — سب لگا دیں اس میں اپنی جان و تن
ایڑی چوٹی کا لگائیں زور سب — کام خاطر خواہ پورا ہو یہ تب
جمع ہو گر اک کرور اس کے لیے — بیل تب جا کر کہیں منڈھے چڑھے

بیٹی

اوئی! آئے گا کہاں سے اس قدر — کیا خدا دیدے گا چھپر پھاڑ کر

ماں

سن لو بیٹی سوچ کر باتیں کرو — سرسری یوں نہیں نہ اسکو ٹال دو
کام یہ دو چار یا دس کا نہیں — ایک دو شاہوں کے بھی بس کا نہیں
ہاں اگر ایکا کریں سب مرد و زن — ویسا ہی آساں ہو جیسا ہو کٹھن
پھتیاں پھتیاں بھرتے دیکھا ہی تلاؤ — بیٹھ کر اب تم حساب اسکا لگاؤ
سات مِلکر ایک اک روپیہ جو دیں — اک کرور آسانی سے جمع کریں

بیٹی

سب سے لینا بھی تو کچھ آساں نہیں
کس طرح ہو پہنچے گا انساں ہر کہیں

ماں

تم جو کہتی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے
دل کے سمجھانے کو وہ اک لیک ہے
اس سے یہ مطلب کہ ہو جائے یقیں
کام اُن ہونا تو یہ ہرگز نہیں
چھ نہ دیں اور ساتواں ہی ایک دے
ورسٹی تب بھی یہاں کے واں چڑھے

بیٹی

اب میں سمجھی کام یہ مشکل نہیں
جی یہ اپنے رکھ لیں گر سب اہل دیں

ماں

جو سمجھتے بوجھتے ہیں دیں ضرور
بال بھر اس میں نہو اصلا قصور
یہ سمجھ کر دیں کہ خوش ہوگا خدا
دین اور دنیا میں ہوئے گا بھلا
جو نہ دیگا اُس سے پوچھینگے رسول
میری اُمت کو گیا تھا کیوں تو بھول
دین کی میرے حفاظت کیوں نہ کی
میری اُمت کی اعانت کیوں نہ کی
کیا گناہوں کے لیے تھا تیرا مال
کیا چھپا تھا میرے دیں کا تجھ سے حال
دین جاتا تھا خبر تو نے نہ لی
مانگنے پر بھی تو اک جھنجی نہ دی

بیٹی

میں تو دوں گی کام سارے چھوڑ کر
عید تیوہاروں کے پیسے جوڑ کر
جتنا زیادہ ہو سکیگا دونگی میں
دین کا الزام کیونکر لوں گی میں
دین کے آگے بھلا پیسے کی کیا قدر
سب کے دل کی لینا ہے اللہ تو

(عظیم آبادی)

زنانہ حاضر جوابیاں

اس عنوان پر ا۔ب۔ ن صاحبہ کا مضمون گزشتہ نمبر خاتون میں شائع ہو چکا ہے، اُنہوں نے پھر اس عنوان پر مندرجۂ ذیل مضمون لکھ کر بھیجا ہے۔ اسکے ساتھ جون نمبر خاتون میں سہرور دیہ بیگم صاحبہ کا اس عنوان پر جو مضمون چھپا تھا تین لطیفے اور اُنہوں نے بطور ضمیمہ کے بھیجے تھے جو اُسوقت شائع نہ ہو سکے۔ اب ہم اسی کے ساتھ اسکو بھی شائع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میری رائے میں ایک کتاب بعنوان "زنانہ حاضر جوابیاں ضرور شائع ہونی چاہیے" میں بھی ز۔ خ۔ ش صاحبہ اور احمد المزمل صاحب کی پُر زور تائید کرتی ہوں۔ اور ساتھ ہی اڈیٹر صاحب خاتون اور رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو ادہر متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔

بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ سے استدعا کرنا تو غالباً بیکار ثابت ہو گا۔ کیونکہ آجکل ہم اخباری بہنوں کی بدقسمتی سے اُنہوں نے مضامین خاتون میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے رہا "عذرِ غم" اس کی بابت عرض یہ ہے کہ پیاری غمزدہ بہن رابعہ سلطان بیگم سے زیادہ غم نصیب اور کون ہو گا۔ مگر آخر حبِ قومی انکے ذاتی رنج و غم پر ہمیشہ غالب آتی ہے اور کچھ نہ کچھ لکھتی ہی رہتی ہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔

اور اگر مولوی محمد اسلم صاحب جیراج پوری کی چشمِ عنایت ادہر ہو جائے تو پھر کیا کہنے ہیں ؎

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند　　آیا شود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیگر ناظرین سے بھی التجا ہے کہ براہ کرم خاتون کو پڑھکر طاقِ نسیاں کے سپرد نہ کیجیے، بلکہ قلم اُٹھا کر دو ایک مضامین اسی سلسلے کے لیے اور تحریر فرمائیے۔

(۱)

شاہ شجاع کا بیٹا منوچہر نہایت حسین اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ شاہ شجاع کی بیوی جہاں ملک جو نہایت عاقلہ اور فاضلہ گزری ہے فنون شاعری میں بھی طاق تھی۔ اور اپنے اس بیٹے کو بہت چاہتی تھی اور اسکے لیے ۳۰ ہزار دینار کا گھوڑا منگوایا تھا۔ ایک دن شاہ شجاع اور جہاں ملک دونوں گھوڑوں پر سوار شاہزادے کی چوگان بازی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اتفاقاً منوچہر گھوڑے سے گرا اس کے مونھ پر چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔

بیٹے کا خون دیکھ کر باپ کا دل بیتاب ہوگیا۔ حکم دیا کہ گھوڑے کو ذبح کرو۔ جہاں ملک کو بیٹے سے زیادہ گھوڑے پر ترس آیا فی الفور یہ رباعی کہی۔

شاہا تو ادب دہ فلک بدخو را | کو چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوی غلط رفت بچوگانش زن | در سہو خطا کرد ببخش او را

شاہ نے جہاں ملک کو گھوڑا معہ ایک لاکھ درہم کے بخش دیا۔

(۲)

ایک مرتبہ امانی نے زیب النسا بیگم سے کہا کہ مردانے مشاعرہ میں ایک طرح ہوئی ہے۔ آپ بھی کچھ کہیں۔ طرح یہ تھی۔

لخت لختِ جگرم مضمحل آید بیروں

بیگم نے معاً کہا

گرم را شعلۂ آہے ز دل آید بیروں | لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

یہ زمانہ زیب النسا بیگم کی ابتدائی شاعری کا تھا۔

(۳)

ایک بار ایک لونڈی کو مامون الرشید کے دربار میں ایک شخص بغرض فروخت

لایا اور اُس کے علم و فضل ۔ فصاحت ادبیت سخن سنجی کی وجہ سے دو ہزار دینار سرخ قیمت بیان کی ۔ خلیفہ مامون نے کہا کہ میں ایک شعر پڑھتا ہوں اگر یہ اسکا جواب فی البدیہ دے تو میں اس کی قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں ۔ شعر یہ تھا۔

ماذا تقولین فی من شفّہ ارق   من جہد حبّک حتی صار حیرانا

کیا کہتے ہو تم اُس شخص کی نسبت جو دُبلا ہو گیا ہو اور بیدار رہا ہو ۔ سختیوں سے تیری محبت کی یہانتک کہ حیران ہو گیا ہو

کنیز نے برجستہ کہا

اذا وجدنا محبّاً قد اضرّ بہ   داء الصبابۃ اولیناہ احسانا

جسوقت کہ پایا ہم نے ایسے دوست کو کہ نقصان پہنچایا ہو اسکو ۔ مرض محبت نے ہم اس کے ساتھ بہت اچھا احسان کرینگے

ا ۔ ب ۔ ن

قطعہ

چلتے پھرتے ۔ بیٹھتے اُٹھتے بناؤ قوم کو
اپنا فرض منصبی ہر دم ادا کرتے رہو
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد، سچ ہے یہ بات
پیر بننا ہو تو اپنی قوم پر مرتے رہو

رُباعی

بیدار ہی مغز گر تو آؤ جھٹ پٹ   سوتی ہوئی قوم کو جگاؤ جھٹ پٹ
اے پیش روانِ قوم پیچھے دیکھو   گھٹتی ہوئی قوم کو بڑھاؤ جھٹ پٹ

اختر (میرٹھی)

بقیہ زنانہ حاضر جوابیاں

(۱)

خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں بغداد کے کسی بازار میں ایک عرب کا گزر ہوا۔ ایک دکان پر ایک طرف رنگ برنگ کے میوہ جات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اور ایک طرف قسم قسم کے پرندوں کے کباب بھن رہے تھے۔ اور ایک صاحب جمال عورت خرید و فروخت میں مشغول تھی۔ عرب نے یہ نظر فریب نظارہ کاہیکو دیکھا ہوگا۔ ایک لحظہ تک بیخود ٹھٹک کر رہ گیا پھر کہا

وفاکھۃ مما یتخیرون، ولحم طیر مما یشتھون، وحور عین کامثال اللولوء المکنون۔

عورت نے برجستہ جواب دیا۔

جزاءً بما کانوا یعملون۔

(۲)

کسی امیرزادے نے ایک عورت کو دیکھا کہ سر کے بال دھو کر نچوڑ رہی ہے اور پانی کے قطرات مثل موتی کے گر گر کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اُس نے فوراً یہ مصرعہ موزوں کیا۔ ع

کونسی وہ چیز ہی گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

اور گھر میں آکر اپنی دونوں بیبیوں سے مصرعۂ ثانی موزوں کرنے کی فرمایش کی ایک نے کہا۔ ع

قطرۂ شبنم کا ہی جو گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

دوسری نے یہ شعر موزوں کیا۔

جب بچو ڑے دھو کے اپنے بال ماں نے طشت میں   آئے آتے طشت تک گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

(۳)

شیخ سعدی اور اُن کی بیٹی کے نام سے سیکڑوں بے سرو پا نقلیں مشہور ہیں۔ اُن میں جو سنجیدہ ہیں اس موقع پر لکھتی ہوں۔ شیخ سعدی کے کلام کی شہرت جب وطن سے باہر ملکوں میں پہونچی لوگ اکثر اُن کا نام سُنکر دُور دُور سے آتے اور اُنکے کلام فیض التیام سے اپنی روحانی پیاس بجھا جاتے۔ اتفاقاً چند اہل عراق بھی شائق ہو کر شیخ کے یہاں پہونچے۔ شیخ علیہ الرحمۃ کا خس پوش مکان اور ظاہری ساز و سامان میں ابتری دیکھ کر سخت بیدل اور بد عقیدہ ہو گئے۔ شیخ مکان میں نہ تھے۔ اُن کی بیٹی کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجدیا کہ وہ آئیں تو دینا ؎

شعر ما شیراز را نامت بس است   چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

لڑکی نے جواب لکھکر بھیجدیا۔

قافلہ رفتند و ماہم میرویم   از برائے چند روزہ ایں بس است

راقمہ

سہروردیہ

ہندوستانی عورتوں کی سیوا کرنے والی سبھا

تحریک کی ابتدا

ایک جلسہ میں ایک ایسی عورت دیکھی گئی جو ایک تحریک کے خیال، خواہش اور شوق میں سرتاپا غرق تھی۔ اسے اسوقت نہ تو اُس غپ شپ۔ خوشی اور کھل کھلاہٹ کا خیال تھا جس میں عورتیں فرصت کا وقت نہایت لاپرواہی سے گزارتی ہیں، نہ اُسے

اُن کی چٹ پٹی باتوں کا خیال تھا۔ نہ اُسے اُن جھرجھراتی ہوئی آوازوں کا خیال تھا جو تھالیوں، رکابیوں، کٹوروں کے آپس میں گھر کے دھندے کے وقت کھنکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ اُسے اپنی بہنوں کی ریشمی ساڑھیوں کی اس سرسراہٹ کا خیال تھا جو چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک لحہ کے لیے اس کے دل و دماغ ان تمام خیالات سے بالکل خالی تھے۔ اس کے بعد جو لحہ آیا اس میں مس کنیارڈ کی زوردار آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ یہ آواز ان کارناموں کو ایک ایک کرکے تفصیل وار بیان کررہی تھی۔ جو نوجوان عیسائی عورتوں کی سبھا نے انجام دیئے تھے۔ اس آواز کو اس عورت نے نہایت شوق سے سُنا اور اس کے دل میں نہایت زور کے ساتھ یہ امید پیدا ہوئی کہ عورتوں نے جو نمایاں کام مسیحی دنیا میں کیے ہیں۔ اُن کو ہندوستانی عورتیں بھی ہندوستان میں کرسکتی ہیں۔ اس وقت اس عورت کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہندوستانی عورتوں کی ایک ایسی سبھا قائم کی جائے جس میں کل ہندوستان کی عورتیں شریک ہوکر اپنی بہنوں کی خدمت کریں۔ ان کی بہبودی کے کاموں کو انجام دیں۔ اور ان کی خدمت کے ذریعہ سے انسانوں کی خدمت کریں۔ اس ہمدرد عورت کے دل میں اس زبردست خواہش نے قدم جمالیے کہ عورتوں کی ایک ایسی سبھا ضرور قائم کیجائے جو نہ صرف ہندوستانی عورتوں کی کوشش کا مرقع ہو۔ بلکہ ان کوششوں کو قوت دینے کے لیے ختم نہ ہونے والی طاقت کا ذخیرہ بھی ہو۔

یہ عورت ایک عرصہ تک عورتوں کی سبھا قائم کرنے کے خیال کو اپنے دل میں لیے ہوئے مختلف مقامات میں پھرتی رہی۔ آخر ڈیرہ دون کی سرزمین میں ہونچکر اس کی خواہش میں اسی کی مانند ایک اور بہن شریک ہوگئی۔ اس کے چند ماہ بعد یعنی دسمبر ۱۹۰۹ء میں اس خواہش کی ایک تصویر عورتوں کے جلسے میں ایک ریزولیوشن کی شکل میں پیش کی گئی جو لاہور میں رانی صاحبہ پرتاب گڈہ کی صدارت سے اور سوشل کانفرنس کے اہتمام سے منعقد ہوا

ریزولیوشن کا منشا یہ تھا کہ "بھارت استری مہامنڈل" کے نام سے ہندوستانی عورتوں کی ایک سبھا قائم کی جائے۔ جو ہندوستانی عورتوں کی حالت سُدھارنے کی کوشش کرے۔ اور جسکا سالانہ جلسہ ہر سال بڑے دن کی تعطیلوں میں منعقد کیا جائے۔ جو منشا ریزولیوشن کا تھا اس کے ساتھ تمام سمجھدار ہندوستانیوں نے اتفاق کیا۔ اور اُسے نہ صرف عام پبلک ہی نے پسند کیا۔ بلکہ اخبارات میں بھی اس کی بڑی تعریف کی گئی۔ مدراس ہائی کورٹ کے جج سنکران نائر صاحب اور اسی پایہ کے اور بہت سے ہندوستانیوں نے "بھارت استری مہامنڈل" کے محرک کو خط لکھے جن میں اسکے مدعا سے نہ صرف گرمجوشی سے اتفاق کیا گیا۔ نہ صرف اس تحریک کی حمایت کرنے کا اتفاق کیا گیا۔ بلکہ اس میں عملی طور سے ہر طرح سے اسکا ہاتھ بٹانے کی آمادگی بھی ظاہر کی گئی۔ تاہم نومبر ۱۹۱۰ء تک استری مہامنڈل کی تحریک عملی صورت نہ اختیار کر سکی۔ نومبر ۱۹۱۰ء میں عورتوں کے ایک پرائیویٹ جلسہ میں جو بمقام لاہور مسز سین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مہامنڈل کی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی کارروائی کی گئی۔ اور کمیٹی بنا کر میں محرک وبانی (شریمتی سرلا دیوی چوہدرانی) کمیٹی کی جنرل سکرٹری مقرر کی گئی اور مجھے ختیار دیا گیا کہ میں مہامنڈل کی ایک مستقل اور پختہ بنیاد ڈالوں۔ مہامنڈل کے قواعد وضوابط بناؤں اس کے اغراض ومقاصد قرار دوں۔ اور تمام ملک میں اس کی شاخیں جاری کرنے کی کوشش کروں۔ اسی کمیٹی نے مجھ سے یہ بھی خواہش کی کہ میں ماہ دسمبر کی تعطیلوں میں بمقام الہ آباد عورتوں کا ایک جلسہ منعقد کروں۔ جہاں ہندوستان کے مختلف حصوں سے بہت سی استریوں کے جمع ہونے کی امید کی جاتی تھی۔ بابو انباش چندر موزمدار کی صاحبزادی اس کمیٹی کی اسسٹنٹ سکرٹری بنائی گئیں۔

بھارت استری مہامنڈل کا ابتدائی جلسہ

کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق میں الہ آباد گئی۔ وہاں کی معزز عورتوں سے اس بارہ میں ملاقات کی۔ اور ان سے وعدہ لیا کہ جسقدر عورتیں مہامنڈل کے جلسہ میں شریک ہونے کے لیے

بطور ڈلیگیٹ کے آئیں گی۔ اگر ضرورت پڑے تو انکے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام
کیا جائیگا۔ یہ وعدہ میں نے آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی جی سے بھی لیا۔ اور اخباروں میں
ایک چٹھی چھپوا کر ہندوستان کے مختلف حصوں سے عورتوں کو "بھارت کی استریوں کی
کانفرنس" میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ جو الہ آباد میں" بھارت استری مہامنڈل" کے
اہتمام سے منعقد ہونے والی تھی۔ اس کے بعد میں چند روز کے لیے لاہور چلی آئی۔ مگر
جب میں وسط دسمبر میں الہ آباد گئی تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا پایا۔ دیکھا کہ وہاں کے مرد۔ عورتوں
کی اس مبارک تحریک کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوشل ریفارمر ہونے کا
دعوے کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو عورتوں کا حامی مشہور کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ
تھے جو سالانہ جلسوں میں عورتوں کی بہبودی پر فصیح لیکچر دیتے ہیں۔ الہ آباد میں عورتوں کی
تحریک کے مخالف وہی لوگ تھے۔ جو ان کی بھلائی کے متعلق بڑھ چڑھ کر باتیں بنایا کرتے ہیں
یہ لوگ بعض اوقات تعلیم یافتہ عورتوں کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان کے پلیٹ فارم پر کھڑی
ہو کر اپنی بہبودی کے مسائل پر لیکچر دیں۔

مخالفت کی اصل وجہ

چند سال سے سوشل کانفرنس کی زیر سرپرستی عورتوں کے جلسے ہوتے رہے ہیں جو مردوں نے
منعقد کرائے ہیں۔ ان جلسوں میں سے ایک جلسہ میں مینے بھی ایک رزولیوشن پیش کیا تھا جس کی
تمام حاضر الوقت عورتوں نے تائید کی تھی۔ رزولیوشن کا منشا یہ تھا کہ "بھارت استری مہامنڈل
کے نام سے عورتوں کی ایک مستقل اور علیحدہ سبھا قائم کی جائے۔ جو اپنے کام کا پروگرام تیار کر کے
کام کو تمام سال بڑی مستعدی سے انجام دیتی رہے۔ اور یہ مہامنڈل ہر سال بڑے دن کی تعطیلوں
میں تمام ہندوستان کی عورتوں کا جلسہ منعقد کیا کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہامنڈل کی
تحریک سوشل کانفرنس کا ایک بچہ ہے۔ مگر افسوس کہ ممبران سوشل کانفرنس کے علاوہ تو اور
لوگوں نے اس خیال پر خوشی ظاہر کی۔ کہ عورتیں اپنی علیحدہ کانفرنس منعقد کریں۔ لیکن

سوشل کانفرنس کے ممبروں نے جو اپنا مقصد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دیکر اُن کا درجہ بلند کیا جائے۔ اور سر میدان سینہ کو ٹھوک کر کہا کرتے ہیں۔ کہ وہ عورتوں کے سچے خیر خواہ ہیں۔ ان کو ہماری تحریک ایک آنکھ نہ بھائی۔ بلکہ انھوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔ اور بمبئی سے اس تحریک کے خلاف ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں عورتوں کے آپ اپنی سبھا بنانے کی کوشش کی سخت مخالفت کی۔ مگر مردوں کی طرف سے عورتوں کے لیے سبھا بدستور منعقد کرنے کی کوشش پر زور ڈالا۔ اور اس کوشش کی خوب تعریف کی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ عورتوں کی بہتری کی کوشش کے متعلق جو روایات مشہور ہیں انکا ہندوستان کے سوشل ریفارمر مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی خوب دُرگت بناتے ہیں۔ اسلیے اگر منوجی مہاراج کی روح ان لوگوں کو اس غلط عقیدے پر قائم رکھے۔ کہ ہندوستان کی عورتیں نا قابل ہیں۔ یا ان کو اس رسم کی پیروی میں مضبوط رکھے۔ جو مدت سے عورتوں کو غلام بنا کر رکھنے کے متعلق اُن میں رائج ہے۔ تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

دو کانفرنسیں منعقد کی گئیں

لیکن عورتیں میدان میں آچکی تھیں جس کانفرنس کو وہ منعقد کرنا چاہتی تھیں۔ اسکا نوٹس اخبارو میں شائع ہو چکا تھا۔ اور جو کام اُنھوں نے شروع کیا تھا اس سے باعزت دست بردار ہونے کا کوئی طریقہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لیے بیچاریوں نے سوشل کانفرنس کے ممتاز ممبروں سے مدد کی اپیل کی جو افسوس کہ رائیگاں گئی۔ آخر بیچاریوں کو مخالفوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانی پڑی۔ جسکا یہ انجام ہوا کہ کچھ عورتیں مخالفوں کی طرف چلی گئیں۔ اور کچھ ان کے مقابلہ میں ڈٹی رہیں۔ اور ان باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں الہ آباد میں عورتوں کی دو کانفرنسیں منعقد کی گئیں اُن میں سے ایک کانفرنس نے کٹھ پتلیوں کا سوانگ دکھایا۔ جو کچھ مردوں نے عورتوں کو سمجھایا وہی اُنھوں نے سٹیج پر آکر بیان کر دیا۔ یعنی وہ کٹھ پتلیوں کی طرح تار کے سہارے سے ناچ دکھلاتی رہیں جو پس پردہ مردوں کے ہاتھ میں تھا۔

ہماری کانفرنس کی کامیابی

دوسری کانفرنس اُن عورتوں نے منعقد کی۔ جنکے دل ناکامی اور مایوسی سے دھڑک رہے تھے۔ اور جن کے جسم کانپ رہے تھے۔ لیکن چند سورما مدد دیکر جنکا حوصلہ بڑھا رہے تھے گو اُن عورتوں کی حالت مذبذب تھی۔ گو اُن کو کامیابی کا یقین نہ تھا۔ اور گو اُن کو اپنی ذات پر پورا اعتماد نہ تھا۔ تاہم اُنھوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے کا پختہ ارادہ کر کے کام کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ والنٹیر مقرر کیے۔ اور کانفرنس کے دنوں میں صبح سے لیکر شام تک پنڈال کے دروازے پر کھڑی رہیں۔ اور کام پر سے یا تو چینج منٹ کھانا کھانے کے لیے یا کپڑے بدلنے کے لیے غیر حاضر ہوتی تھیں۔ ان بیچاریوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ گو اُن کو تکلیف ہو۔ گو اُن کو نقصان پہنچے۔ لیکن وہ اپنے مدعا کو ضرور کامیاب بنائینگی۔ اس کانفرنس کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جن مردوں نے بمبئی والوں کے فرمان کے سامنے سر جھکایا تھا۔ اُن میں سے بعض مردوں نے جبکہ اُن کو آزادی کے ساتھ ہماری کانفرنس میں کام کرنے کا موقع ملا۔ نیکدل ترکوں کا سا نمونہ دکھایا اور نہایت فراخ دلی سے بیچاری عورتوں کی بہبودی کی تحریک میں مدد دیتے رہے۔ مہامنڈل کی استقبالیہ کمیٹی کی پردھان رانی صاحبہ پرتاب گڑھ تھیں۔ اور سکرٹری مسز دیپ نرائن سنگھ۔ مسز سچدانند سنہا۔ مسز موتی لال نہرو۔ مسز للت موہن بنرجی۔ مسز جوتی سروپ۔ اور اور بہت سی معزز استریاں کمیٹی کی ممبر تھیں۔ کمیٹی نے اپنا کام نہایت سرگرمی سے شروع کیا۔ اور خوش قسمتی سے بیگم صاحبہ جنجیرہ نے مہامنڈل کی پہلی کانفرنس کو اپنی صدارت کا اعزاز بخشا۔

بیگم صاحبہ کی صدارت کا اثر بہت خوشگوار ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ پہلا ہی موقع تھا جبکہ ایک پبلک جلسہ کو ایک خود مختار مسلمان والی ریاست کی بیگم نے صدارت کا فخر بخشا تھا۔ کانفرنس کی کامیابی کا اندازہ اس امر سے اچھی طرح ہو سکتا ہے کہ بیگم صاحبۂ بھوپال جو ہندوستان میں ایک بڑی ریاست کی حکمراں ہیں۔ اور جن کی انتظامیہ قابلیت کا تمام ملک میں شہرہ ہے۔ جلسہ میں شریک تھیں۔ آپنے ایک تقریر بھی کی جس میں "بھارت استری مہامنڈل" کے مقاصد سے ہمدردی

ظاہر کر کے اسکے کارکنوں کا حوصلہ بڑھایا۔ اس کانفرنس کے متعلق عام طور پر یہ رائے قائم کی گئی تھی کہ وہ ہندوستانی عورتوں کی تمام کانفرنسوں سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی ہے جو کبھی اس ملک میں قائم کی گئی تھیں۔ اس کی کارروائی کی رپورٹ تمام ممتاز اخبارات میں شائع کی گئی۔ اور بہت سی سربرآوردہ ہندوستانی دیویوں کی طرف سے جو کسی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکی تھیں ۔ ہمدردی کے تار آئے۔ ان میں سے ایک مہارانی صاحبہ بڑودہ تھیں۔ اور دوسری حیدرآباد کی مشہور دیوی سروجنی نیڈو۔ آپ کے تار کی عبارت یہ ہے "یہ کانفرنس ایک نئے زمانہ کی ابتدا کرنے والی ثابت ہوئی" ہندوستانی دیویوں کے علاوہ کانفرنس میں کئی یورپین لیڈیاں بھی شامل تھیں جن میں سے ایک صوبجات متحدہ کے قائم مقام لاٹ صاحب۔ اور دوسری الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج کی بیوی تھیں۔ کانفرنس میں ہندوستانی دیویوں نے جس شائستگی، دانائی، لیاقت، انتظامی قابلیت اور سلیقہ کا اظہار کیا۔ اس کی حاضرالوقت یورپین لیڈیوں میں سے اکثر نے تعریف کی۔

اس تمام کامیابی کی خاص وجہ یہ تھی کہ کانفرنس کو بہت سی ہندوستانی دیویوں نے باقاعدہ کوشش اور اتفاق سے انجام دیا تھا۔ مجھ جنرل سیکرٹری نے جو خاص خاص خیالات اپنی تقریر میں ظاہر کیے تھے۔ ان سے تمام دیویوں نے اتفاق رائے کیا۔ اور ان کو مختلف ریزولیوشنوں کی شکل میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے شریک ہونے والی دیویوں نے پیش کر کے اتفاق رائے سے پاس کیا۔

بھارت استری مہامنڈل کے ریزولیوشن

(۱) بھارت استری مہامنڈل کی اس کانفرنس کی رائے ہے کہ منڈل کی مرکزی کمیٹی لاہور کی نگرانی اور رہنمائی میں ہندوستان کے تمام شہروں میں منڈل کی شاخیں کھولی جائیں۔

(۲) کانفرنس کی رائے ہے کہ رسم پردہ اور بچپن کی شادی کے باعث تعلیم پانے کی عمر والی لڑکیوں میں سے بہت ہی کم لڑکیاں اسکولوں میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسلیے مختلف شہروں میں بیاہی عورتوں کو گھروں کے اندر تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

(۳) منڈل کی طرف سے بڑے بڑے شہروں میں علمی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو دیسی لٹریچر کو ترقی دیں۔ اور اُسے پھیلائیں تاکہ زمانۂ حال کے خیالات، واقفیت تہذیب اور علوم وغیرہ کے متعلق جن سے ہندوستانی عورتوں کی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی عورت کو ایسی کتابیں مطالعہ کرنے کے لیے مل سکیں جو آسانی سے اُن کی سمجھ میں آسکتی ہوں۔

(۴) غریب ہندوستانی عورتوں کو اپنی گذر اوقات کے لیے جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اُن کے لحاظ سے بڑے بڑے شہروں میں منڈل کی طرف سے ڈپو یعنی دُکانیں کھولی جائیں اور اسی قسم کے اور کام جاری کیے جائیں۔ اور غریب عورتوں سے ان میں ایسے فائدہ بخش کام کرائے جائیں۔ جن سے وہ اپنی ذات کو اور اپنے خاندان کو نفع پہنچا سکیں۔ اور جن سے ان عورتوں کے نہ تو ذاتی وقار و عزت کو کوئی صدمہ پہنچے۔ اور نہ اِن کے خاندان کی عزت میں کوئی فرق آئے۔

(۵) اسوقت ہندوستانی عورتوں کو طبی امداد دینے کے جو کام جاری ہیں۔ اُنکے متعلق تحقیقات کر کے معلوم کیا جائے کہ ان سے ہندوستانی عورتیں کس قدر فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ اور وہ کونسی رُکاٹیں ہیں جنکے باعث ان امدادی کاموں سے ہندوستانی عورتوں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور کہ ان کاموں کو کس طرح زیادہ ہر دلعزیز بنایا جاسکتا ہے۔

(۶) ہر سال ہندوستان کی کسی رانی یا بیگم سے سالانہ کانفرنس کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی جائے۔ ایسی دیویوں کو ان کی اس صدارت کی بنا پر آیندہ سال کے لیے جنرل کمیٹی کا پردہان مقرر کیا جائے۔ اسی طرح دوسری معزز استریوں کو مہامنڈل کی جنرل کمیٹی کا وائس پریزیڈنٹ مقرر کیا جائے۔

(۷) ملکہ معظمہ ہندوستان سے درخواست کیجائے کہ وہ بھارت استری مہامنڈل کی مربی کا عہدہ قبول فرمائیں۔

(۸) اور حضور وائسرائے ہند کی لیڈی صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ منڈل کے نائب مربی کا عہدہ قبول فرمائیں۔

(۹) مختلف صوبوں کے گورنراور لفٹننٹ گورنر صاحبان کی لیڈیوں سے درخواست کی جائے کہ منڈل کی اُن کمیٹیوں کی جو انکے صوبوں میں قائم کی جائیں۔ مربی بننا منظور فرمائیں اسی طرح دوسری معزز غیر ہندوستانی دیویوں سے درخواست کی جائے کہ وہ ضلعوں کی کمیٹیوں کی مربی بننا منظور فرمائیں۔

(۱۰) شریمتی سرلا دیوی چودہرانی سے جو بھارت استری مہا منڈل کی بانی اور جنرل سکرٹری ہیں درخواست کی جائے اور نیز اُن کو اختیار دیا جائے کہ وہ ان اصولوں پر جو آج طے پائے ہیں مہامنڈل کا کام شروع کردیں۔

استری مہامنڈل کی شاخیں

استری مہامنڈل کی پہلی کانفرنس یعنی ابتدائی جلسہ کے بعد الہ آباد میں منڈل کی ایک شاخ قائم کی گئی۔ لیکن چونکہ اسکے سکرٹری کو مجبوراً الہ آباد سے غیر حاضر رہنا پڑا۔ اسلیے عملی کام مئی سے پیشتر شروع نہیں کیا گیا۔ الہ آباد میں شاخ قائم کرکے میں جنرل سکرٹری کلکتہ گئی جہاں ہندوستانی عورتوں کے کئی پرائیویٹ اور پبلک جلسے کئی محلوں میں منعقد کیے گئے۔ انہیں سے بعض جلسے عورتوں کی موجودہ سبھاؤں کے اہتمام سے ہوئے۔ ان جلسوں میں مہامنڈل کی مقامی شاخ کے قواعد بنائے گئے اور کام کی سکیم تیار کرکے مسز دیویندر ناتھ داس مقامی شاخ کی سکرٹری اور شہر کے مختلف محلوں میں ان کی کئی اسسٹنٹ سکرٹری مقرر کی گئیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ میرے لاہور واپس آنے سے پیشتر مہامنڈل کا کام کلکتہ میں شروع ہوگیا۔ اور منڈل کی سکیم عملی صورت اختیار کرکے آگے بڑھنے لگی۔ لاہور واپس آکر مقامی شاخ کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ اور ماہ جون سے عورتوں کو اُن کے گھروں میں تعلیم دینے کا کام باضابطہ طور پر شروع کیا گیا۔ مہامنڈل کا صدر دفتر لاہور میں ہے اور اسوقت تک اس کی دو بڑی شاخیں الہ آباد

اور کلکتہ میں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ اور لوگوں نے مہامنڈل کی تجویز میں عام طور پر جو دلچسپی لی ہے۔ اسکا
اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بنگال۔ پنجاب اور صوبجات متحدہ کے مختلف بڑے بڑے شہروں سے
وہاں منڈل کی مقامی شاخیں کھولے جانے کے متعلق کئی درخواستیں آچکی ہیں جن میں خواہش
ظاہر کی گئی ہے کہ مہامنڈل کا جو کام صوبوں کے صدر مقاموں میں جاری کیا گیا ہے۔ وہی اُن
شہروں میں بھی شروع کیا جائے۔ اب مہامنڈل کی جنرل کمیٹی اس امر پر غور کر رہی ہے کہ اگر ممکن ہو
تو منڈل کے مقصد کی تکمیل کے لیے مدراس ناگپور اور بمبئی وغیرہ میں اسی سال کے اندر شاخیں
کھول دی جائیں۔ اس لیے جنرل سکرٹری صاحبہ جنوبی اور مغربی حصۂ ہندوستان میں جلد
دورہ کرنے والی ہیں۔

استری مہامنڈل کا مدعا

منڈل کا خاص مقصد یہ ہے کہ ایک ایسی زبردست اور باقاعدہ سبھا بنائی جائے جس کے
ذریعہ سے ہندوستان کی ہر قوم ہر مذہب اور ہر فرقہ کی عورتوں کو ان کی اخلاقی اور مادی ترقی
کی مشترکہ غرض کے متعلق ہمخیال بنایا جائے۔ اور اس سبھا کی مدد سے ہندوستانی عورتوں میں اپنی
بہنوں کی بہبودی کے لیے باہمی اتحاد۔ ہمدردی اور مدد کا زبردست خیال پیدا کیا جائے۔ اور
عورتوں کی بہبودی کے ذریعہ سے نسل انسان کی ترقی میں مدد دیجائے۔

مہامنڈل کے مقاصد کی تکمیل

اس غرض کے انجام دینے کے لیے منڈل نے مفصلۂ ذیل تجاویز پر عملدرآمد کرنا شروع کیا ہے۔
(۱) ہندوستانی عورتوں کو اُن کے گھروں کے اندر ایسے طور پر تعلیم دیجائے۔ جو اہل ہند کی
زندگی اور طرز معاشرت کی مختلف حالتوں کے لیے مناسب و موزوں ہو۔
(۲) ہندوستان کی دیسی زبانوں کے لٹریچر کو ترقی دیکر اس قابل بنایا جائے کہ زمانۂ حال کے
خیالات، تہذیب۔ واقفیت اور علوم کی اُن خاص خاص باتوں کے متعلق جو ہندوستانی
عورتوں کی ترقی میں مدد دینے والی سمجھی جاتی ہیں۔ ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی عورت کو ایسی کتابیں

ملسکیں جو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

(۳) مہامنڈل کی طرف سے ایسی دُکانیں کھولی جائیں۔ یا اسی قسم کے اور کام کھولے جائیں جنکے ذریعہ سے ہندوستانی عورتوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں بازار میں فروخت ہوسکیں اور اس طرح عورتوں کو ان مفید کاموں کے کرنے کا حوصلہ دلایا جاوے جن سے وہ اپنی ذات کو اور اپنے خاندان کو فائدہ پہنچا کر دونوں کی عزت قائم رکھ سکیں۔

(۴) ہندوستانی عورتوں کو موجودہ طبی انجمنوں سے فائدہ اُٹھانے۔ اُن انجمنوں کو ہر دلعزیز بنانے اور جہانتک ممکن ہو ان انجمنوں کے راستہ سے رُکاوٹیں دور کرنے کا حوصلہ دلانے کے طریقے اختیار کیے جائیں۔

(۵) مہامنڈل کے لیے سرمایہ جمع کرنے اور اُسے مفید کاموں میں لگانے۔ اس سرمایہ کو اور نیز منڈل کی جائداد اور باقی تمام قیمتی چیزوں کو کام میں لانے اور انکا انتظام کرنیکے طریقے اختیار کیے جائیں۔

(۶) تمام ہندوستان میں منڈل کی شاخیں کھولنے یا دوسری سبھا قائم کرکے اسکے تحت میں لانے کی کوشش کی جائے۔

(۷) دوسری انجمنوں یا عورتوں کی دوسری سبھاؤں کو جنکے تمام مقاصد یا اُن مقاصد کا کوئی حصہ مہامنڈل کے مقاصد کے مشابہ ہوں مہامنڈل میں شامل کرنے یا اُسکے تحت میں لانے کی کوشش کرنا

(۸) ایسے دفتر کھولنا جو تمام دنیا کی عورتوں کی سبھاؤں اُنکے کاموں اور ان کی ترقی کے متعلق ہندوستانی عورتوں کو واقفیت بہم پہنچائیں۔

(۹) ہر سال ایک ایسا عظیم الشان جلسہ منعقد کرنا جس میں مہامنڈل کے ممبروں کے علاوہ تمام دنیا سے ہندوستانی عورتیں شریک ہوسکیں۔

(۱۰) تمام ایسی باتوں کا جن سے مقاصد مذکور یا اُن میں سے کسی مقصد کے پرچار میں مدد ملتی ہو۔ یا جو ان کی تکمیل کے لیے ضروری ہوں انجام دینا۔

مہامنڈل کی ممبری

بلا لحاظ قومیت - مذہب - ذات یا فرقہ دُنیا کی ہر ایسی عورت درخواست ممبری معہ ایک روپیہ فیس داخلہ دیکر مہامنڈل کی معمولی ممبر بن سکتی ہے۔ جسے مہامنڈل کے اغراض کے ساتھ ہمدردی ہو۔ ہر معمولی ممبر کو ایک روپیہ سالانہ چندہ دینا پڑیگا۔ سر دست مہامنڈل کے ممبروں کی تعداد تقریباً پانسو ہے۔

کلکتہ کی شاخ کا کام

مہامنڈل کی شاخ کلکتہ نے عورتوں کو تعلیم دینے کا کام گزشتہ اپریل میں شروع کیا تھا۔ اسکے کارکنوں نے ابتدا میں دس خاندانوں کی ۱۰ عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے ۲ اُستانیاں مقرر کی تھیں۔ لیکن چند ہی روز بعد ۴ اور خاندانوں کی عورتوں کو تعلیم دینے کا مرحلہ پیش ہوا۔ اور ۲۹ اپریل تک تعلیم کا کام اسقدر بڑھ گیا کہ ۲۱ خاندانوں کی تعلیم پانے والی عورتوں کی تعداد ۴۰ تک پہنچ گئی اس لیے دو اُستانیاں اور مقرر کی گئیں۔ یکم سے ۱۵۔ اپریل تک اُستانیوں کو گھر گھر پہنچانے کے لیے کرایہ کی ایک گاڑی رکھی گئی۔ اور چند روز بعد دو گاڑیاں رکھی گئیں۔ کلکتہ میں عورتوں کی تعلیم کے کام میں مہامنڈل کو ایک دقت پیش آئی۔ وہاں جن تعلیم یافتہ عورتوں نے پردہ کی رسم توڑ دی ہے۔ وہ بھی کسی کے گھر پیدل یا ٹرام گاڑی میں جانا پسند نہیں کرتیں۔ اسلیے اُستانیوں کے لیے چار پانچ روپیہ یومیہ خرچ پر گاڑیاں رکھنی پڑتی ہیں اور مختلف محلوں میں جانے کے لیے گاڑیوں کو مختلف اوقات میں کام پر لگانا پڑتا ہے جس سے اُستانیوں کا بہت سا وقت ضائع جاتا ہے۔ اپریل میں تعلیم پانے والی عورتوں سے ۱۰۰ روپیہ ۸ فیس وصول ہوئی۔ اُستانیوں کو ۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ تنخواہ دینا پڑی۔ گاڑیوں کا کرایہ ۹۳ روپیہ ۱۲ آنہ تھا۔ اس طرح ۹۷ روپیہ ۱۲ آنہ تعلیمی اخراجات میں مہامنڈل کے فنڈ سے ادا کیے گئے۔ مئی میں ۲۶ خاندانوں کی ۴۴ عورتوں کو ۹ اُستانیوں نے تعلیم دی۔ اور جون میں ۹ اُستانیوں نے ۳۰ خاندانوں کی پچاس عورتوں کو تعلیم دی۔ ماہ جون میں

تعلیم پانے والی عورتوں سے ۱۶۸ روپیہ ۸ر فیس وصول ہوئی۔ اُستانیوں کو ۲۴۲ روپیہ ۸ر تنخواہ دی گئی۔ کاغذات کی چھپائی ۲۳ روپیہ تھی۔ ڈاک اور تار کا خرچ ۲ روپیہ۔ چپراسی کی تنخواہ ۸ روپیہ اور اس طرح مہامنڈل کو اپنے فنڈ سے اخراجات پورے کرنے کے لیے ۱۵۸ روپیہ دینے پڑے۔ اس ماہ میں مسز زنیدر ناتھ متر نے ۱۰۰ روپیہ مہامنڈل کو دان دیا۔

الہ آباد کی شاخ کا کام

الہ آباد میں مہامنڈل کی طرف سے عورتوں کو تعلیم دینے کا کام مئی میں شروع کیا گیا ابتدا میں دو اُستانیاں رکھی گئیں جو ۱۵ خاندانوں کی ۲۲ جوان عورتوں کو تعلیم دیتی رہیں۔ تعلیم پانے والی عورتوں سے کوئی فیس نہیں لی گئی۔ اُستانیوں کو ۱۷ روپیہ ۱۰ آنہ تنخواہ دیگئی۔ اور ۱۴ روپیہ ۱۲ آنہ اُن کی گاڑی کے کرایہ میں خرچ کیے گئے۔ یہ تمام اخراجات الہ آباد شاخ نے اپنے سرمایہ سے ادا کیے۔ جسکا سرمایہ مئی میں ۵۰ روپیہ تھا۔ الہ آباد کی شاخ کی جنرل کمیٹی کے جلسہ میں قرار پایا کہ انگریزی زبان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے سے پیشتر ایسی کتابیں چنی جائیں جنھیں دیسی زبان میں پڑھایا جاوے۔ اور جو مختلف درجوں کی تعلیم کے لیے موزوں ہوں۔ جون میں ۳ اُستانیوں نے ۲۵ خاندانوں کی ۳۴ عورتوں کو تعلیم دی۔ اس ماہ میں کل خرچ ۳۹ روپیہ ۶ آنہ تھا۔ اور ۴۴ روپیہ خاص چندوں کے ذریعہ سے وصول ہوا تھا۔ اسکے علاوہ رانی صاحبہ پرتاب گڑھ نے ۱۰۰ روپیہ دان دیا۔

مہامنڈل کی تعلیم کے طریقے

جس تعلیم کا مہامنڈل کی طرف سے انتظام کیا جائیگا۔ مجھ جنرل سکرٹری نے اسکے چار طریقے اپنے لیکچروں میں بتائے تھے۔ (۱) اُستانیوں کو گھر گھر بھیجکر عورتوں کو تعلیم دیجائے (۲) مختلف محلوں میں تعلیم کی جماعتیں کھولی جائیں (۳) تعلیم کا ایک نصاب مقرر کیا جائے۔ اور جو عورتیں اس نصاب کے مطابق گھروں میں تعلیم حاصل کریں۔ ان کا مختلف مقامات میں ہر سال امتحان لیا جائے۔ اور جو عورتیں امتحان میں کامیاب ہوں۔ اُن کو مہامنڈل کی طرف سے انعام دیے جائیں (۴) عورتوں سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ دوسری عورتوں کو تعلیم دینگی۔ اور جس کام میں وہ لائق ہیں اُسے گھر بیٹھ کر وہ دوسری عورتوں کو سکھائینگی

لاہور کی شاخ کا کام

مہامنڈل کی طرف سے تعلیم کا کام لاہور میں ماہ جون میں شروع کیا گیا تھا۔ اور شہر کے باہر ایک مقام میں عورتوں کو ہفتہ میں تین بار دو دو گھنٹہ تعلیم دینے کے لیے جماعتیں کھولی گئیں۔ ۶ تعلیم یافتہ عورتوں نے بیاہی اور کنواری عورتوں کو مفت تعلیم دینے کا ذمہ لیا ہے۔ وہ انگریزی۔ سنسکرت ہندی اردو۔ حساب۔ کشیدہ۔ نقاشی۔ موسیقی وغیرہ کی تعلیم دینگی۔ شہر میں جو زنانے سکول اسوقت ہیں۔ ان کی اُستانیاں ان کلاسوں میں تعلیم پاکر نہ صرف اپنی ہی ذات بلکہ اپنے سکولوں کو بھی بہت فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ان سکولوں کی پانچ اُستانیوں کو جن کی تعلیم بہت تھوڑی تھی۔ ان کلاسوں میں تعلیم دیگئی ان میں سے ایک نے امتحان مڈل کی تیاری کی ہے۔ انکے علاوہ دو اور اُستانیوں نے ان کلاسوں میں داخل ہونے کی درخواست کی ہے۔ دو اُستانیاں جو نارمل سکول سے سند حاصل کر چکی ہیں ان کو انگریزی اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل سکولوں میں سے بعض اُستانیاں یا تو ان کلاسوں میں داخل ہو چکی ہیں۔ یا اُن کی طرف سے داخل ہونے کی درخواست آچکی ہے۔ گورنمنٹ نارمل سکول۔ مشن سکول۔ آریہ پتری پاٹھ شالا۔ برہمو گرل اسکول۔ ہندی پتری پاٹھ شالا۔ کوچہ بائیاں وکٹوریہ گرل اسکول۔

علاوہ اُستانیوں کے ان جماعتوں میں دولتمند خاندانوں کی بہت سی عورتیں اور لڑکیاں بھی تعلیم پا رہی ہیں۔ اور گرمیوں کی سالانہ تعطیلیں ختم ہونے کے بعد اور بہت سی عورتوں اور لڑکیوں نے ان جماعتوں میں داخل ہونے کی درخواست بھیجدی ہے جو دولتمند عورتیں اور لڑکیاں ان جماعتوں میں تعلیم پاتی ہیں وہ جماعتوں کے اخراجات میں امداد دینگی۔ ماہ جون جولائی میں مہامنڈل کی کلاسوں میں ۳۲ عورتیں اور لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔

علاوہ اس اسکول کے جسکی جماعتوں کا ذکر ہو چکا۔ اور جو شہر کے باہر کھولا گیا ہے۔ مہامنڈل نے شہر کے اندر بھی کئی سکول اور جماعتیں کھول دی ہیں جنرل سکرٹری مہامنڈل کے مدعا کی تکمیل کے لیے لاہور میں خاص کوشش کرتی رہی ہیں۔ ہر روز لاہور کے گلی کوچوں میں جاکر عورتوں کو لیکچروں اور

بات چیت سے ترغیب دیتی ہیں کہ وہ ان میں کم از کم دو گھنٹے لکھنے پڑھنے میں ضرور لگایا کریں۔
اگر ایشور نے اور ایشور کے بندوں نے ہماری مدد کی تو اس سال کے ختم ہونے تک لاہور کے ایک ایک
گلی کوچہ میں بیاہی اور کنواری عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سکول ضرور کھولدینگے۔

مہامنڈل کی مختلف کمیٹیاں

مہامنڈل کی جو بڑی بڑی شاخیں صوبوں کے صدر مقاموں میں کھولی گئی ہیں۔ انکے متعلق
انتظامی کمیٹیاں بھی قائم کی گئی ہیں۔ کلکتہ کی انتظامی کمیٹی کی پردہان مسز جے گھوشال ہیں۔ اور نائب
لیڈی ہوم ڈوڈ۔ جو ہائی کورٹ کے ایک جج کی بیوی ہیں۔ کلکتہ کی شاخ کی نمایاں کامیابی مسز ڈی۔ این داس
سکرٹری کی جفاکشی اور گہری دلچسپی اور ان کی باثر مددگار عورتوں کی سرگرمی کا نتیجہ ہے۔ اس شاخ کی خزانچی
مسز کے بی دت ہیں۔

شاخ الہ آباد کی مربی رانی صاحبہ پرتاب گڑھ ہیں۔ اگر آپ مہامنڈل کے کام میں گہری دلچسپی لیتیں
اور اُسے معقول امداد نہ دیتیں تو مہامنڈل کو اپنے مقصد کی تکمیل میں آگے بڑھنے کا یہ شاندار فخر حاصل نہ ہوتا
اس شاخ کے پردہان آنریبل پنڈت سندر لال کی دہرم پتنی ہیں اور سکرٹری مسز للت موہن بنیرجی جو الہ آباد
ہائیکورٹ کے جج مسٹر بنیرجی کی بہو اور لاہور کے سر پرتول چندر چیٹرجی کی صاحبزادی ہیں۔ شاخ لاہور کی
پردہان لیڈی چیٹرجی ہیں۔ رائے بہادر رام سرنداس اور آنریبل لالہ شادی لال کی دہرم پتنیاں اُپ پردہان
ہیں اور سکرٹری مسز موزندار۔ ڈاکٹر بترا نے لاہور کے سکول مہامنڈل کو اپنا مکان صرف دو ہفتہ کے لیے
دیا تھا۔ جو اب مسز موزمدار کی مہربانی سے انکے مکان میں ہیں۔ آپ شاخ لاہور کی روح رواں ہیں۔ اور
باوجود اپنے مشاغل کی کثرت کے آپ مہامنڈل سکول کی تعلیم میں لگاتار بہت مدد دیتی رہتی ہیں۔ جن بہنوں نے
شاخ لاہور اور اسکے سکول کی کامیابی میں تہ دل سے کوشش کی ہے۔ ان میں شریمتی موشیلا سُلرام بھی شامل ہیں۔

مہامنڈل کی شاخوں کی کمیٹیوں کی کارکن بہنیں اپنے عہدہ کے لحاظ سے جنرل انتظامی کمیٹی کی ممبر ہیں
اور رانی صاحبہ پرتاب گڑھ۔ مہارانی صاحبہ دزیانگرم۔ ٹھکرائن صاحبہ کسمنڈا۔ چھوٹی رانی صاحبہ کھیری گڑھ
رانی صاحبہ چاندا پور۔ رانی صاحبہ کنتھل۔ شہزادی لسبن مرتھا۔ بیگم صاحبہ کمبھات اس کمیٹی کی اُپ پردہان

ہیں۔ ان تمام سنز دیویوں نے مہامنڈل کی پہلی کانفرنس میں عملی طور پر نمایاں سرگرمی اور محبت کا اظہار کیا تھا۔

جب ماہ جون میں ہمارے بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ کا جشن تاجپوشی لنڈن میں منایا گیا تو استری مہامنڈل کی تمام موجودہ شاخوں نے اپنے اپنے مقاموں میں اس دن خوشی کے جلسے کیے لاہور کی شاخ کے جلسہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جلسہ بڑی شان سے سیتلا مندر استھان میں کیا گیا جسمیں ہندوستانی عورتیں کثرت سے شریک ہوئیں۔ جو تعداد میں ۳ ہزار سے زیادہ ہونگی۔ جگہ کی کمی کے باعث بہت سی عورتیں جلسہ گاہ سے واپس چلی گئیں۔ لیڈی چیٹرجی جلسہ کی پردہان بنائی گئیں جلسہ کی کارروائی ایک منوہر بھجن سے شروع ہوئی جسکے بعد پردہان نے ایک مختصر تقریر کرکے پرارتھنا کی کہ ایشور بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ پر بیشمار برکتیں نازل کریں اور ان کو لمبی عمر عطا کریں۔ تاکہ وہ اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ مدت دراز تک مہربانی اور شفقت کا سلوک جاری رکھ سکیں

پردہان کی پرارتھنا کے بعد راگ تاجپوشی گایا گیا جو پنجابی زبان میں خاص اسی موقع کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسکے گانے کے لیے جوان لڑکیوں اور استریوں کی ایک منڈلی بنائی گئی تھی۔ لیکن گیت بذات خود اسقدر دلکش تھا۔ کہ منڈلی کے علاوہ باقی حاضر الوقت استریوں نے بھی لاپنا شروع کیا جلسہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ چند چھوٹی لڑکیوں نے شکنتلا ناٹک کا ایک سین پنجابی زبان میں دکھایا۔ جو نہایت دلفریب تھا۔

مسز چودھری نے تجویز کیا کہ جلسہ کی طرف سے مبارکباد کا ایک تار بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ کی سیوا میں بھیجا جائے۔ اسوقت جلسہ میں شریک ہونے والی عورتوں نے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ عقیدت اور وفاداری کا پُرجوش اظہار کیا۔ جلسہ ختم ہونیکے بعد حاضرین کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ اسی طرح الہ آباد اور کلکتہ میں بھی۔ استری مہامنڈل کیطرف سے تاجپوشی کے دن مبارکباد اور اظہار مسرت کے جلسے منعقد کیے گئے

عورتوں کی دستکاریوں کی فروخت

استری مہامنڈل کا پہلا عملی کام عورتوں کو تعلیم دینا ہے۔ جو مختلف مقامات میں شروع ہو چکا ہے

دوسرا کام عورتوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کا فروخت کرنا ہے۔ تاکہ اس کی آمدنی سے غریب شریف عورتوں کو مدد مل سکے۔ مہامنڈل کیطرف سے کوشش ہورہی ہے کہ مختلف مقامات میں دکانیں کھولکر عورتونکے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کی جائیں۔ اس غرض کے لیے "ناری نرواہ بھنڈار" کے نام سے ایک سبھا مہامنڈل کی سرپرستی میں قائم کی گئی ہے۔ لاہور کی شاخ نے تو مہامنڈل کی علمی تجویز کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ اور مہا بھارت کے اصل واقعات کا ہندی پنجابی اور اردو زبانوں میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ ہندوستانی گیتوں کی ایک کتاب بھی تیار ہو رہی ہے۔ مسز اجودھیا صاحبہ نے جو "اخلاقی کہانیاں" بنائی ہیں۔ ان کا ترجمہ بنگالی اور ہندی زبانوں میں ہو رہا ہے۔

عورتوں کے لیے مفید شغل

مہامنڈل نے جن باتوں کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہامنڈل کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ دقت طلب ہے جسے انجام دینے کے لیے بیحد کوشش اور روپیہ کی ضرورت ہے۔ مہامنڈل کے کارکنوں کا جنکی تعداد ابھی پانسو تک پہنچی ہے۔ پختہ ارادہ ہے کہ وہ اپنی کئی کروڑ بہنوں کی زندگیوں اور انکے خانگی معاملات میں سلیقہ شعاری۔ روشنی اور دلفریبی کی لہر پیدا کر دیں۔

اعلیٰ طبقہ کی ہندوستانی عورتیں نہایت سست ہیں کیونکہ ان کو کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن استری مہامنڈل نے انکے سامنے کام کرنے کی جسے ملک کی خدمت کہنا چاہیے۔ ایک عمدہ اور مفید تجویز پیش کر دی ہے۔ اور ان میں سے کئی ایک کے لیے عمدہ کام اور خدمت کا ایک میدان کھولدیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی ہندوستانی عورتیں عموماً فضول شغل اور غپ شپ میں وقت ضائع کرتی ہیں۔ عمدہ پوشاکیں بنوانے اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے میں ان کا بہت سا وقت رائگاں جاتا ہے۔ مہامنڈل نے ان عورتوں کے لیے عمدہ شغل۔ بہتر عادات اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا ایک وسیع میدان پیدا کر دیا ہے جس میں ان کا وقت مفید طریقہ میں صرف ہوگا۔

ہندوستانی عورتوں میں باہم اتحاد و ہمدردی کی ضرورت

ملک میں اور کئی سبھائیں ہیں جنکے مقاصد استری مہامنڈل کے مشابہ ہیں۔ ان میں سے ایک سبھا

کا نام "سیوا سادن" ہی۔ لیکن مہامنڈل کو ان پر ایک فوقیت حاصل ہی۔ مہامنڈل کی تجویز یہ ہے کہ ملک کے تمام حصوں کی عورتوں میں یگانگت اور محبت پیدا کی جائے۔ ان کو اخلاقی اتحاد کے زبردست رشتہ میں باندھا جائے۔ ان میں بہناپے کا خیال اور جذبہ محبت پختہ کیا جائے۔ ان کو انسانیت کے ایک عام مفید اُصول کا پابند بنایا جائے بلا لحاظ قومیت اور مذہب ہندوستان کی تمام عورتوں میں ایک خاص مقصد کی حمایت کا خیال پیدا کر کے اُسے تقویت دیجائے۔ دوسرے ملکوں کی نسبت ہندوستان میں عورتوں کے فوائد کی حمایت اور حفاظت گویا مردوں کے فوائد کی حفاظت اور حمایت ہی۔ مثل مشہور ہی کہ جو لوگ اپنی آپ مدد کرتے ہیں ایشور بھی ان کی مدد کرتا ہی۔ اس لیے مجھے یقین ہی کہ جن مردوں میں سورمائی کی صفت ہی۔ جن میں دوسروں کی رکھشا کا جذبہ ہی۔ جو عورتوں کی مدد اور توقیر کو اپنی زندگی کا خاص مدعا سمجھتے ہیں۔ وہ مہامنڈل کے کارکنوں کی امداد کے لیے ضرور اپنا دست کرم بڑھائینگے۔ اور سرمادہو راؤ مسٹر راناڈے۔ بابو ایشور چندر ودیا ساگر۔ سوامی دیانند اور راجہ رام موہن رائے کی سی ہمدردی۔ مہاشہ دیارام گڈومل۔ مسٹر نرسیم آینگر۔ پنڈت شیوناتھ شاستری۔ مہاشہ دیوراج اور مسٹر جوتی سروپ جیسی قربانی اور ملکی سیوا کا اظہار کرینگے اور بیکس عورتوں کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائینگے۔ تاکہ ہندوستانی عورتیں حقیقی معنوں میں زندگی گزار سکیں۔ ان کو مُردہ دلی کی جگہ زندہ دلی۔ ناتوانی کی جگہ طاقت۔ تکلیف کی جگہ راحت۔ نصیب ہو سکے۔ جو گری ہوئی حالت میں ہیں۔ وہ اُٹھ سکیں۔ اور اچھی حالت میں داخل ہو سکیں غرضکہ عورتیں اپنی زندگی کو نہ صرف اپنے اور اپنی بہنوں کے لیے بلکہ مردوں اور ملک کے لیے مفید بنا سکیں۔

(از ہندوستان)

اٹلی کے خلاف بائیکاٹ

اے بہنو! آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے سلطان المعظم ترکی خلیفۃ المسلمین پر ان دنوں کیا گذر رہی ہے،

یوں تو آئے دن مسیحی سلطنتوں کی زیادتی اور بیجا دباؤ ٹرکی کو مشکلات میں مبتلا کیے رہتے ہیں۔
مگر اب تو غالباً یورپ بھر نے باری باری سے ٹرکی کے علاقے دبا لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلغاریہ
آسٹریا، مسئلہ کریٹ کے بعد آجکل اٹلی نے اپنا قزاقانہ ڈاکہ ایسی بے رحمی سے طرابلس پر ڈالا ہے کہ
سینکڑوں مسلمان عربوں اور ترکوں کے خون بہا دیئے۔ سلطانی قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اسلامی
جھنڈا گرا دیا۔ اٹلی والے چاہتے ہیں کہ ترک خوشی سے طرابلس کو ہمارے حوالے کر دیں۔
ترک اپنی برسوں کی خونریزی سے حاصل کیے ہوئے ملک کو کیسے دے بیٹھیں۔ تمام عثمانی
سلطنت میں اٹلی کے خلاف جوش پھیل رہا ہے۔ ساری قلمرو کے مسلمان جان دینے کو تیار
ہیں۔ اٹلی کی غلامی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابھی ترکوں کی طرف سے اعلان جنگ نہیں ہوا
اس پر اتنی خوں ریزی ہے۔ اگر ٹرکی نے جنگ کا اعلان کر دیا تو دیکھیے اس لڑائی کا سلسلہ
کہاں تک پہنچے۔ اور کتنے مسلمان شہید ہوں۔ اور فتح نہ معلوم کس کی قسمت میں ہو۔ اگرچہ
خدا سے ٹرکی کی فتح کی امید ہے۔ مگر ظاہر میں اٹلی کی بحری طاقت کو دیکھتے ہوئے افسوس کرنا
پڑتا ہے کہ کہاں مسلمانوں کے پاس اتنا روپیہ کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ جنگ کا سامان مہیا کریں
کہاں ان کو اپنی غفلت اور خانہ جنگیوں سے فرصت۔ کہ دشمن کے مقابلہ کو تیار ہوں۔

مسلمانوں کی کمزوری سے مسیحی سلطنتوں نے فائدہ اٹھانے کا موقع سمجھ لیا ہے (مراکش
جو ایک پرانی افریقی اسلامی سلطنت ہے۔ اس پر فرانس نے قبضہ کر لیا ہے) اگرچہ اٹلی کی بحری
طاقت کا مقابلہ ٹرکی نہیں کر سکتی مگر یقین ہے کہ جس وقت خشکی پر لڑائی ہوگی تو کوئی طاقت ٹرکی
کی بری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیگی۔ خدا اپنے دین کا ساتھ دے اور ٹرکی کو فتح نصیب ہو۔
چاروں طرف سے ٹرکی سے ہمدردی اور اٹلی کی زیادتی پر نفرت کا اظہار ہو رہا ہے۔ سب جگہ
مسلمانوں کے جلسے ہو رہے ہیں۔

لندن میں مسلمانوں کا عام جلسہ ہوا جس میں ممبران پارلیمنٹ بھی شریک ہوئے۔
اور ٹرکی سے ہمدردی ظاہر کی۔ زبانی ہمدردی تو ٹرکی کے لیے سب طرف سے ہو رہی ہے

اگر مسلمان بھی خالی خولی ہمدردی کرکے بیٹھ رہے تو ہم میں اور غیر مسلم میں کیا فرق ہوگا۔ ہم کو چاہیے کہ گھر بیٹھے اٹلی کے خلاف جنگ کریں۔ اور صرف اٹلی ہی نہیں بلکہ اٹلی کے دوست آسٹریا اور جرمنی بھی جو کہ اتحاد ثلاثہ کرکے ایک دوسرے کے زعم میں ہیں اور ٹرکی کو پیسے ڈالتے ہیں۔ آسٹریا نے پچھلے سال ہرزیگونیا اور بوسینا دبالیا۔ جرمنی نے ابھی باقاعدہ اعلان جنگ نہیں کیا۔ مگر لومڑی کی چالیں اُسکو آتی ہیں۔ خود نہیں بولتا کہ ٹرکی میں اسکے بہت سے تجارتی کارخانے ہیں اندرونی کارروائی میں سب کا مشیر کار ہے۔ ہم کو چاہیے کہ ان تینوں سلطنتوں کی بنی ہوئی چیزوں کی خریداری چھوڑ دیں۔ انکو "بائی کاٹ" کے برے لقب سے پکاریں۔

بہنو! آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان بھر میں بیلیں فیتے کس کثرت سے خریدے جاتے ہیں۔ اس کی ترقی کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ یہ سب اٹلی اور جرمنی آسٹریا فرانس کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ جتنی ردی اور سستی کمزور چیزیں بن کر بکتی ہیں وہ انہیں ملکوں کا حصہ ہیں۔ اسکے علاوہ اور صدہا چیزیں ہیں۔ طرح طرح کی کریب۔ سب سے جلدی خراب ہونے والے ریشمی ململ کے فیتے جو ایک دفعہ سے دوسری دفعہ کام نہیں آسکتے۔ گلاس چمنیاں، صندوقچیاں بچوں کے کھلونے اور ہا قسم کی چیزیں ہیں جو اسوقت یاد نہیں سب کو ایک قلم چھوڑ دیں۔ ریشمی کپڑا انگلنڈ جاپان اور چین کا بہنیں۔

چینی کپڑا مہنگا ہی۔ مگر اتنا ہی مضبوط ہی۔ جاپانی ریشم سستا بھی اور مضبوط بھی ہے ان شہروں میں خالص ریشم لگایا جاتا ہی جس کی وجہ سے بہت چلتا ہی۔ سب سے بہتر اپنا دیسی کپڑا ہی۔ مگر افسوس کہ دیسی کپڑا سب جگہ نہیں ہوتا۔ اس کی خریداری کے لیے بڑی دقت ہوتی ہی۔ ہر چیز پر مُہر اور ملک کا نام ہوتا ہی اسکو پڑھکر خریدیں اور پہچان رکھیں کہ فلاں چیز فلاں شہر کی ہے۔ کیونکہ جب بائی کاٹ کا بازار گرم ہوتا ہی تو اکثر سوداگر نام اور مُہر کو اُڑا دیتے ہیں اور خریدار کو یقین دلاتے ہیں کہ مخالف شہر کا نہیں ہی۔ اگر ہم مال

خریدنا نہیں چھوڑینگے تو سوداگر منگوانا بھی کم نہیں کرینگے کیونکہ بکری ہوئی جائیگی۔ پہلے مال کے بہانے نئی ایجاد کی بکری سے فائدہ اُٹھائینگے۔

اٹلی کی بنی ہوئی ترکی ٹوپیاں تو مردوں نے اُتار کر آیندہ سے خریداری کا عہد کیا ہے، اب ہم کو اٹلی سے نفرت اور بے زاری کرنی چاہیے۔ جس نے ہماری سینکڑوں بے گناہ مسلم بہنوں کو اپنی ملکی ہوس کے پیچھے ظلم کرکے بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا ہے۔ ان کی ہمدردی کی عملی نشانی یہی ہے کہ قسم کھائیں کہ آیندہ سے اٹلی جرمنی اور آسٹریا فرانس کی کوئی چیز نہ خریدیں۔ ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایک ہم نہ خریدار ہونگے تو اُن کو کیا نقصان پہونچے گا۔ نہیں۔ دس بارہ کروڑ مسلمان کا ایک دم اٹلی کو "بائی کاٹ" کر دینا کوئی آسان بات نہیں ہے قلمرو عثمانیہ نے بھی یہ عہد کر لیا ہے کہ اٹلی کا سامان نہ لینگے۔ جسکے سبب اتنے تھوڑے عرصہ میں ہی اٹلی کے کئی کارخانے ٹوٹ گئے۔ اسکے بنکوں کا اعتبار کم ہو گیا۔ مالی نقصان پہونچانے کے لیے یہ بہت ہی آسان لڑائی ہے۔ تجارتی نفع کی بدولت ہی ان سلطنتوں نے اپنی جنگی طاقتیں بڑھائی ہیں۔ اور اس کی کمی کی وجہ سے آج اسلامی سلطنتیں کمزور اور دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اگر آپ اسوقت فیتے خریدنا چھوڑ دیں تو فوراً کارخانے میں کام بند ہو جائیگا کیونکہ سوداگر مال کی نکاس نہ پاکر منگوانا چھوڑ دینگے۔ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ جو چیزیں ہندوستان میں اور خاصکر مسلمانوں میں اٹلی اور جرمنی کی خریدی جاتی ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں لی جاتیں یورپین بیبیاں ہمارے جیسے کم قیمت اور پتلے کپڑے نہیں پہنتیں اور ایسی ارزان سلیں اور فیتے بھی نہیں لگاتیں۔ وہ کریب اور ریشمی ململ کا اور ساٹن اور اطلس کا استعمال نہیں کرتیں یہ صرف ہمارے لباس کے نمونے منگوا کر اسکے موافق کپڑے تیار کرکے بھیجتے ہیں۔ آئے دن دیسی ساخت کی چیزیں اور ملکوں کے کارخانے والے منگواتے رہتے ہیں اور اُس نمونہ پرستی چیزیں بنا کر بھیجتے ہیں۔

حال ہیں ہم نے بازار سے فیتے منگوائے تو اس میں بنارسی کناروں کے نمونے پر بنے

ہوئے فیتے دیکھے اور وہ سب جرمنی کے بنے ہوئے ہیں اور شاید ابھی ایجاد ہوئے ہونگے
کیونکہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ یہ جرمنی کا نقلی فیتہ دو روپیہ
کا تھا۔ اور اصلی بنارسی فیتہ اسی قسم کا کم سے کم ساڑھے تین روپیہ میں نو گز آتا ہے۔ اب
بیبیاں ڈیڑھ روپیہ کی کمی کو اصلی اور دیرپا فیتہ پر ترجیح دینگی۔ مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر
ہے تو سوداگروں کا۔ کہ دیسی چیزیں نہ رکھیں اور پردیسی رکھیں۔ (میں نے جرمنی فیتے کے بدلے
یہاں بنارسی فیتہ تلاش کیا مگر نہ ملا)

ہم کو ہر حال میں اسلامی حمیت اور انسانی ہمدردی کا خیال کرکے فوراً ہی "بائی کاٹ"
"بائی کاٹ" پکارنا چاہیے۔ اسکا ذکر اپنے عزیزوں میں محلوں میں۔ محلوں میں، آئی گئی
عورتوں میں کرکے اس تجویز کو ترقی دینی چاہیے۔ سُنکر اور پڑھ کر خاموش ہو رہنے سے
کیا فائدہ ہوتا ہے۔ رنگ برنگی چیزوں کے سامنے اسلامی اخوت کی بہت وقعت ہے۔

امید ہے کہ بیبیاں اس مضمون کو پڑھکر اپنی رائے سے مطلع فرمائینگے۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ
کتنی بیبیاں اس "بائی کاٹ" میں حصہ لیتی ہیں اور اس اثر کو جو سات سمندر پار کرکے ہم تک
آیا ہے۔ کتنا محسوس کرتی ہیں۔

خاکسار
سلطان بیگم — از بہاولپور

اڈیٹوریل

سنگ بنیاد۔ یہ بامسرت موقع جسکا جملہ بہی خواہان وحامیان تعلیم نسواں کو انتظار تھا
۷۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو حاصل ہوا۔ ہز آنر معہ لیڈی صاحبہ وممبران اسٹاف تاریخ مذکور کو دوپہر
کے وقت علیگڈھ میں رونق افروز ہوئے۔ اور اس ضلع کے کلکٹر مسٹر ایس۔ ڈبلیو میرس صاحب

کے یہاں فروکش ہوئے۔ تین بجے کے وقت صاحب ممدوح کے بنگلہ سے مسز لورڈ صاحبہ معہ خان بہادر نواب مزمل اللہ خاں صاحب و مسٹر شیخ عبداللہ صاحب ٹرسٹی کالج و سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں سے زنانہ اسکول کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے روانہ ہوئیں کالج کے رائڈنگ اسکواڈ کی ایک جماعت حضور ممدوحہ کے ہمرکاب تھی۔

جب ممدوحہ سنگ بنیاد کے موقع پر پہونچیں تو احاطہ کے اندر داخل ہوتے ہی تمام وہ اصحاب جو پردہ کے شامیانے کے باہر جمع تھے تعظیم بجالائے۔ اور حضور ممدوحہ پردہ کی قنات کے اندر تشریف لیگئیں۔

پردے کا انتظام یہ تھا کہ ایک شامیانہ نصب کیا گیا تھا جو سوائے دروازہ کے چاروں طرف سے بلند تھا۔ اسکے باہر تقریباً دس دس گز کے فاصلہ سے قنات کھڑی کیگئی تھی جو قد آدم سے بھی زیادہ اونچی تھی۔ اور اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ کوئی مرد قنات سے اتنے فاصلہ پر نہ ٹھہر سکے جہاں خواتین کی آواز پہنچ سکتی ہو۔ قنات کے دروازہ پر مسز ٹول، مسز ہارورٹز، اور مس ہیرس نے اور شامیانہ کے اندر دروازہ پر مسز محمود، مسز مشتاق حسین، مسز عبداللہ، مسز احمد حسین، مسز آفتاب احمد خاں، مسز موسیٰ خاں سکندر جہاں بیگم، مسز محمد حسین اور سعید بیگم صاحبات نے حضور ممدوحہ کا خیر مقدم کیا۔ اور تمام دوسری خواتین جن کی تعداد غیر متوقع طور پر زیادہ تھی تعظیماً سروقد کھڑی ہوگئیں۔

جب حضور ممدوحہ نشست فرما چکیں تو مسز موسیٰ خاں صاحبہ نے حضور ممدوحہ سے منتخب خواتین ممبران انجمن تعلیم نسواں ایڈریس پڑھے جانے کی اجازت طلب کی۔ جسکے عطا ہونے پر مسز محمود نے ایڈریس پڑھا۔

ایڈریس پڑھے جانے کے دوران میں جملہ خواتین ممبر کھڑی رہیں۔ ختم ہونے پر مسز مشتاق حسین صاحبہ نے اسکو زرین خریطہ میں رکھ کر حضور ممدوحہ کی خدمت میں پیش کیا بعد ازیں حضور ممدوحہ نے بامداد بعض دیگر خواتین کے سنگ بنیاد رکھا۔ اور پھر اپنی جگہ پر

تشریف لاکر ایڈریس کا جواب ارشاد فرمایا۔

ذیل میں ایڈریس اور اسکا جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں۔

بحضور جناب مسز ایل، اے۔ ایس۔ پورٹر صاحبہ

حضور عالیہ!

ہم ممبران محمڈن فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن علیگڈھ نہایت ادب کے ساتھ حضور عالیہ کے اول مرتبہ اس انسٹیٹیوشن میں قدم رنجہ فرمانے پر نہایت گرم جوشی کے ساتھ حضور عالیہ کا خیر مقدم کرتے اور بے حد مخلصانہ شکریہ بجالاتے ہیں کہ حضور عالیہ نے ہماری درخواست کو شرف قبول بخش کر اس اسکول کے پہلے ہوسٹل کا سنگ بنیاد نصب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ہم حضور عالیہ کو یقین دلاتے ہیں کہ آج اس رسم کے ادا کرنے سے حضور عالیہ اُس تحریک کی بنیاد کو مضبوط کر رہی ہیں جو اس ملک میں حضور عالیہ کی ہمجنسوں کی صلاح کریگی اور ان کی نجات کا موجب ہوگی۔

یہ بے ضرورت ہی کہ اس بات پر کچھ تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے کہ اس ملک اور علی الخصوص ہماری قوم میں تعلیم نسواں کا ہونا کیسا سخت ضروری اور لابدی ہی جس شخص نے بھی ہماری موجودہ حالت کو غور سے دیکھا ہی اسکو ضرور معلوم ہوگا کہ ہماری تمام قومی تحریکوں کی حقیقی اور مستقل کامیابی بالآخر ہماری عورتوں کی حالت اور تربیت پر منحصر ہی جو ہمارے خیالات اور افعال کی اصلی بانی اور ہماری زندگی اور اخلاق کی ابتدائی معمار ہوتی ہیں۔ یہ درست ہی کہ انگلستان کے فیاضانہ اور دانشمندانہ عہد میں رعایائے ہند کے مردوں نے بہت کچھ ترقی کی ہی۔ لیکن یہ بھی صحیح ہی کہ باوجود اس تمام ترقی کے جو ہوئی ہی ہماری تعلیمی اور ذہنی قابلیت میں ابتک وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اُسوقت تک دور نہیں ہوسکتیں جبتک

ہماری قوم کی عورتوں میں بھی علم اور روشنخیالی کا رواج نہ ہو۔

جس قوم کی مائیں اور بہنیں جاہل اور زمانہ کی رفتار سے ناآشنا ہوں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اُن اقواموں کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ نہیں کرسکتی جس کی عورتیں اس قابل ہیں کہ اپنا مناسب حصہ اور اپنی قوم کی قسمت کے سنوارنے میں لے سکیں۔

ہم یہ عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتے ہیں کہ اگرچہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی گورنمنٹوں اور تعلیمی صیغوں نے ہمارے لڑکوں کے اندر تعلیم کو ترقی دینے میں بہت کچھ کیا ہے، لیکن اس ملک کی زنانہ تعلیم کے متعلق اُن کے رویّہ کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ درست ہی کہ گزشتہ چند سال کے اندر گورنمنٹ نے اس معاملہ میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا ہی، لیکن جو کچھ لڑکوں کے لیے ہوا ہی اُس کے مقابلہ میں یہ بہت تھوڑا ہی۔ تعلیم پر ہر سال جس قدر رقم صرف ہوتی ہی اُسکا لڑکیوں کی تعلیم پر ۱۲ فیصدی سے زیادہ صرف نہیں ہوتا جو اس مقصد عظیم کی روزافزوں ضروریات کے لحاظ سے نہایت ہی قلیل ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہماری دوسری قوموں کی بہنیں اتنے ہی موقعوں سے بھی بخوبی فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ لیکن بعض خاص وجوہ سے ہماری خواتین نے ابتک اُن آسانیوں سے بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے جو گورنمنٹ نے مہیا کی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری ہی کہ ہمارے مردوں کی طرح جب تک ہماری عورتوں کے لیے بھی ہماری خاص ضروریات کے مناسب انتظام نہ کیا جائیگا۔ اس تحریک میں بہت زیادہ کامیابی کی توقع نہیں ہوسکتی۔ سخت پردے کا ایسا معقول انتظام اور مذہبی تعلیم و تربیت کا اتنا کافی اہتمام جس پر ہمارے معزز طبقوں کو بھروسا ہو ہمارے ملک میں تعلیم نسواں کو مقبول عام بنانے کے لیے ضروری ہیں، اور یہی بنیادی اصُول ہیں جن پر یہ اسکول جاری کیا گیا ہی جو باقی ملک کے لیے ایک مرکزی اور نمونہ کا انسٹی ٹیوشن ہوگا۔

اس اسکول کا پہلا مقصد یہ ہے کہ تعلیم و تربیت یافتہ مسلمان اُستانیاں بہم پہنچائے جن کی کل ملک میں بڑی مانگ ہے۔ معزز مسلمانوں کا اکثر حصہ اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانا چاہتا ہے مگر وہ ابھی اس بات کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان کو اسکولوں میں بھیجے۔ اور ایسے تمام لوگوں کے لیے اُستانیوں کا ہونا لابدی ہے۔ تقریباً ۵ سال ہوئے کہ یہ اسکول اس غرض سے جاری ہوا تھا کہ تعلیم و تربیت یافتہ اُستانیاں تیار کرے اور معزز خاندان کی لڑکیوں کے لیے بورڈنگ ہاؤس کا بھی کام دے۔ اس عرصہ میں علیگڈھ کے معزز باشندوں کی تقریباً ۲۵۰ لڑکیاں اسکول میں شامل ہوئیں جو روزمرہ اپنے گھروں سے اسکول کو پردہ کی ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں۔ اُن میں سے ۱۶۰ لڑکیاں چوتھے یا تیسرے درجہ تک ابتدائی تعلیم حاصل کر چکی ہیں، اور اُن کے اسکول چھوڑنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کے والدین نہیں چاہتے کہ جب وہ بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو اسکول جانے کے لیے پردے کی ڈولیوں میں بھی بیٹھ کر شہر کے بازاروں اور کوچوں سے گزریں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا اسکول ہو جس میں ہر قسم کا ضروری انتظام خاطر خواہ ہو تو اس قسم کے اعتراضات بہت کچھ دور ہو سکتے ہیں۔

ہمارے مربیوں میں سب سے پہلے حضور ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال ہیں۔ ان کی چودہ سو سالانہ کی بروقت امداد نے اُن ابتدائی مشکلات کے حل کرنے میں ہمیں بڑی مدد دی جو ہمارے ایک زنانہ اسکول جاری کرنے کے راستے میں حائل تھیں۔ ریاستہائے بھاولپور، خیرپور (سندھ) اور ٹونک نے بھی چھ چھ سو روپیہ سالانہ کے بیش قیمت عطیوں سے ہماری امداد کی ہے۔ صوبجات ہذا کی گورنمنٹ نے بھی ازراہ فیاضی مبلغ ۱۵ ہزار رُپیے کی رقم عمارت کے لیے اور اصلی اخراجات کے نصف حصہ کے لیے ۲۵۰ روپیے ماہوار تک کی دوامی رقم مرحمت فرمائی۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری فراخ دل گورنمنٹ اپنی فیاضی کے ہاتھ کو اور زیادہ وسعت بخشے گی، تاکہ ہم اپنی ضروری عمارتوں کو

مکمل کر سکیں۔

ہم نے ایک ایسوسی ایشن بھی قائم کی ہے جس میں مرد اور مسلمان خواتین دونوں شامل ہیں، جسکا مقصد یہ ہے کہ اپنے اس پہلے قومی زنانہ اسکول کے متعلق کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنی کوشش کو ایک مرکز پر لائیں۔ ہماری بعض ممبر خواتین نہایت جوش کے ساتھ کام کر رہی ہیں اور یہ اُنہیں کی سچی ہمدردی اور دلچسپی کا نتیجہ ہی کہ ہماری یہ ہمت پڑی کہ اپنے اسکول کے ساتھ ایک بورڈنگ ہاؤس بھی شامل کر کے اپنے فائدہ رسانی کے دائرہ کو وسعت دیں۔

ہم احسان مندی کے ساتھ اس امداد کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو ہمیں زنانہ مدارس کے انسپکٹنگ اسٹاف سے مل رہی ہے۔ سال رواں کے آغاز میں چیف انسپکٹرس صاحبہ نے ہمارے اسکول کا معائنہ فرمایا اور سرکل انسپکٹرس مس چیمبرس اب تک پانچ مرتبہ تشریف لاچکی ہیں۔

آخر میں ہم حضور عالیہ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ نے یہاں تشریف لائے اور سنگ بنیاد رکھ کر ہماری ہمت افزائی فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

(دستخط)

ممبران محمڈن فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن

مسز پورٹر صاحبہ کا جواب

خواتین!

میں سمجھتی ہوں کہ مسلمانوں کو اپنی عورتوں کی تعلیم کے مسئلہ سے زیادہ کسی اَمر

مشکل کے حل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ سے ہندو مسلمان دونوں کے خاندانوں میں اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی ایک زبردست خواہش پیدا ہو گئی ہے جتنی زیادہ تعلیم آپ کے بیٹوں کو ملے اُسی قدر زیادہ تعلیم کی ضرورت آپ کی بیٹیوں کو ہے۔ ورنہ بیٹے بیٹیوں سے آگے نکل جائینگے اور آگے چل کر زندگی میں آپ کے بیٹوں کے لیے کوئی سامان رفاقت نہ ہوگا۔

مجھے ہندوستانی عورتوں کی تعلیم سے گہری دلچسپی ہے۔ اور مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی ہے کہ ایک ایسے ہوسٹل جاری کرنے کے لیے بہت سی مسلمان خواتین آپ کی اسکیم کی مدد کر رہی ہیں جہاں لڑکیاں رہ سکیں اور زنانہ تعلیم میں اُن کی نگرانی ہو سکے۔

یہ نہایت ضروری ہے کہ اس اسکیم کے اجرا کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لیا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ اس ہوسٹل کا چارج لینے کے لیے آپ کو کوئی پوری تجربہ کار لیڈی سپرنٹنڈنٹ مل جائے گی۔ اُسی پر ہوسٹل کی کامیابی یا ناکامیابی کا زیادہ انحصار ہوگا۔

ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال مجھے یقین ہے کہ ہمیشہ تمام معاملات پر اور اگر کچھ مشکلات پیدا ہوں تو اُس وقت خوشی سے مشورہ دینگی۔ تعلیمی معاملات کے ساتھ اُنکی دلچسپی معروف عام ہے۔ اور جو فیاضانہ امداد اُنھوں نے آپ کو دی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ آپ کی اسکیم کو کامل طور پر پسند کرتی ہیں۔

چند ماہ ہوئے مجھے بھوپال جانے کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اور ہر ہائنس مہربانی سے مجھے اپنے زنانہ مدارس میں لے گئیں۔ مجھے اُن کے طلباء کی تعداد اور

ان کی ترقی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

مجھے اس زنانہ ہوسٹل سے ہمیشہ بہت دلچسپی رہے گی اور میں اُس کی ہر ایک کامیابی کی متمنی ہوں۔

+

اس جواب کا ترجمہ سُنایا گیا۔

بعد ازیں مسز عبداللہ صاحب نے پردہ نشین خواتین کو از راہ الطاف شرف ملاقات بخشنے اور سنگ بنیاد نصب فرمانے پر حضور ممدوحہ کا شکریہ بدیں الفاظ ادا فرمایا۔

مسز عبداللہ صاحبہ کی تقریر

حضور عالیہ!

میں حضور عالیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج ہم سب پردہ نشین بیبیوں کو اپنی تشریف آوری سے ممنون فرمایا۔ ہمارے لیے یہ بہت مبارک دن ہے اور ہم سب آج کی تقریب کو اپنی ہندوستانی بہنوں کے حق میں ایک نیک فال تصور کرتے ہیں۔ یہ پہلا ہی موقع ہے کہ ایک انگریز معزز لیڈی نے پردہ کے اندر پردہ نشین بیبیوں کے جلسہ میں ایک زنانہ تعلیم گاہ کی بنیاد رکھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایک جانب یہ موقع دیگر انگریز معزز و با اثر لیڈیوں کے دلوں میں ہماری تعلیم کا خیال اور دلچسپی پیدا کرے گا اور دوسری جانب اس سے ہندوستانی پردہ نشین خواتین کو اپنی مدد آپ کرنے اور اپنی تعلیم کے کاموں میں پورا حصہ لینے کی ترغیب اور ہمت پیدا ہوگی۔

میں حضور عالیہ کو یقین دلاتی ہوں کہ اب ہم میں بکثرت ایسی بیبیاں موجود ہیں جن کو اپنی اور اپنی بچیوں کی تعلیم کا ازحد شوق ہے۔ وہ متمنی ہیں کہ مردوں کی طرح وہ بھی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم حاصل کریں۔ مگر اسوقت بہت سی دقتیں ہمارے راستے میں حائل ہیں جو ہم کو اپنے مقصد تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ مگر ہمکو اطمینان ہے کہ جیسے کل دنیا کے فرقہ نسواں کے صبر اور تحمل اور برداشت نے اُن کی بہت سی مشکلیں حل کردی ہیں۔ اسی طور پر ہمارا صبر اور تحمل بھی ہماری اس مشکل کو حل کر دیگا خود مردوں میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کو یکساں ضروری سمجھنے لگے ہیں اور اُن کے دلوں میں یہ خیال بلا کسی کوشش کے پیدا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس خیال سے جہانتک ہو سکے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اپنی حالت کی اصلاح کریں۔

حضور عالیہ! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ شکر گزاری اور احسان مندی ہمارے فرقے کے بہت زیادہ نمایاں اوصاف ہیں اور ہم کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ سرکار انگریزی ہمارے لیے بہت کچھ کر رہی ہے۔ ہم سرکار کے دل سے شکر گزار ہیں۔ مگر خود سرکار کو بھی ہماری تعلیم کے بارے میں بہت کچھ دقتیں درپیش ہیں۔ تاہم ان دقتوں کا رفع کرنا آپ جیسی ہمدرد لیڈیوں کا کام ہے۔ اگر انگریزی قوم کی معزز لیڈیاں ہماری تعلیم کی طرف توجہ کریں تو ہم کو یقین ہے کہ ہم میں تعلیم اور تربیت پھیلانے میں کچھ بھی دقت نہ ہو۔ حضور عالیہ نے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے اور جب حضور عالیہ اس ملک سے رخصت ہو کر اپنے وطن مالوف کو تشریف لیجائیں گی تو ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری تعلیم کا خیال اپنے ساتھ لے جائیں گی اور

انگریزی قوم میں ہماری تعلیم اور اصلاح کے لیے ان لیڈیوں کے دلوں میں دلچسپی اور ہمدردی پیدا کریں گی جو آپ کے بعد ہندوستان آئیں گی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم بہت دنوں تک آپ کی احسانمندی کے خیال کو اپنے دل سے محو نہ کرینگے اور جب تک مسلمانوں کی قوم ہندوستان میں زندہ ہے اور جبتک اس کی تعلیم گاہیں قائم اور برقرار رہیں گی آپ کا اسم مبارک صرف اس سنگ مرمر کی خوشنما سِل پر ہی قائم نہ رہے گا، بلکہ ہمارے بعد کی آنے والی نسلوں کے دلوں میں بھی اس نام کی ایک وقعت اور عزت ہوگی۔

اس کے بعد حضور ممدوحہ و دیگر خواتین کو ہار پہنائے گئے اور عطر و پان تقسیم کیے گئے۔ اس کے بعد حضور ممدوحہ خواتین سے رخصت ہو کر کالج کو روانہ ہوئیں حضور ممدوحہ جلسہ کی شرکت اور مسلمان خواتین کی ملاقات سے نہایت درجہ محظوظ ہوئیں اور اس پر اظہار تاسف کیا کہ ایسے ذہین و فطین طبقے میں جیسا کہ مسلمان خواتین کا ہے تعلیم کا رواج نہیں ہے۔ مگر آیندہ کے لیے امید افزا اثر کا اعتراف فرمایا۔ جلسہ میں جو خواتین شریک تھیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بیگم صاحبہ و دختران جناب نواب ممتاز یار الدولہ بہادر (حیدرآباد دکن) معہ گورنس صاحبہ، بیگم صاحبہ جناب خان بہادر شیخ صادق علی صاحب وزیر خیرپور (سندھ) معہ دختران، بیگم صاحبہ جناب مولوی محمد حسین صاحب سب جج میرٹھ معہ دختران، مدرسہ ہذا کی کل استانیاں اور جماعت اعلیٰ کی ۱۲ منتخب لڑکیاں۔ اسٹیشن کی کل یورپین لیڈیاں، اور شہر و نواح علیگڈھ کی ۵۷ مسلمان خواتین۔

اٹلی وٹرکی ۔ ۲۱۔ اکتوبر کو طرابلس میں جو لڑائی ہوئی اُس میں پانچ چھ ہزار اٹلی والے قتل اور سات ہزار گرفتار ہو گئے۔ ان کا سپہ سالار بھی قید ہو گیا۔

چین میں انقلاب ۔ چین میں وہاں کی رعایا نے سخت انقلاب مچا رکھا ہے۔ وہ لوگ شخصی حکومت سے تنگ آ گئے ہیں اسلیے دستوری حکومت کے خواہاں ہیں۔ بہت سے صوبوں پر اُنھوں نے فتح پالی ہے اور امید ہے کہ عنقریب اُن کو دستوری سلطنت ملجائیگی۔

شاہی تحفے ۔ حضور ملک معظم بیشمار تحفے ہندوستان کے لیے لارہے ہیں۔ چنانچہ شاہی باورچی خانہ میں ایک ہزار پڈنگ تیار کرائے گئے ہیں۔ ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا پڈنگ فٹ بال کی برابر ہے۔ اس کے علاوہ کپڑوں کے تھان، چاندی و رہاتھی دانت کے بہت سے تحفے ہیں۔ جو قیصر ہند یہاں عطا فرمائینگے۔

کوئین میریز کالج کا سنگ بنیاد۔ یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ لاہور کا وکٹوریہ سٹی گرلز ہائی اسکول ترقی دیکر اب زنانہ کالج کر دیا گیا ہے۔ ۱۶۔ نومبر کی شام کو عالی جناب لیڈی ڈین صاحبہ نے اسکے سنگ بنیاد رکھے جانے کی رسم ادا فرمائی۔ علاوہ حکام و معززین کے پردہ دار خواتین کا بھی ایک باپردہ جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ یہ کالج شرفائے پنجاب میں زنانہ تعلیم کو بہت ترقی دیگا

حبس دوام۔ حیدرآباد سندھ میں ایک عورت نے اپنے خاوند کو زہر دیدیا۔ اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اسکو حبس دوام بعبور دریای شور کی سزا دی گئی۔

میری نام کی عورتوں کی نذر۔ چونکہ ملکہ معظمہ کا نام گرامی میری ہے اسلیے دربار تاجپوشی لنڈن کے موقع پر اس نام کی تمام عورتوں نے ملکہ کی خدمت میں نذر گزرانی تھی اس نذر سے حضور عالیہ لنڈن میں ایک مکان تعمیر کرائینگی جن میں وہ عورتیں رخصت کے زمانوں میں آکر رہا کرینگی جنکے پاس مکان نہیں ہے۔

الوداعی جلسہ۔ ہر اکسیلنسی لیڈی لالی کو مدراس کی ہندوستانی خواتین کی طرف سے ۲۷ اکتوبر کو ایک الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا۔ اور ایک نقرئی صندوقچہ بطور تحفہ کے نذر دیا گیا۔ ہر اکسیلنسی نے ایڈریس کے جواب میں ایک مناسب تقریر فرمائی۔

دربار دہلی۔ دہلی کے دربار میں ہندوستان کے ۱۲۵ بااختیار حکمران یعنی راجہ نواب شریک ہونگے۔

بنارس میں اسکول پارچہ بافی۔ بنارس میں کپڑا بننے کا ایک مدرسہ سرکار بہت جلد کھلنے والی ہے۔ اس میں ہر قسم کے کپڑے بنانے کا ڈہنگ لڑکوں کو سکھلایا جائیگا۔ عمارت تیار ہوگئی ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر ولایت سے بلایا گیا ہے۔

ہمدردی۔ بیگم صاحبہ صاحبزادہ عبدالواحد خانصاحب مجسٹریٹ اجمیر نے ازراہ ہمدردی غریب بیواؤں اور بوڑھی عورتوں کے لیے اپنے پرانے پارچہ جات

عبداللہ بیگم کے پاس بھیجے ہیں کہ وہ مستحقین کو تقسیم کردیں۔ یہ پارچہ جات ایسی لیکی بیں اور غریب عورتوں کو پہونچے ہیں جو اس جاڑے میں سخت مصیبت اُٹھائیں۔ جن بیگمات کو اللہ تعالیٰ نے [illegible] دے رکھی ہو وہ اگر اسی طرح خیال کریں تو بہت غریبوں کا نفع ہو۔ اور اُن کو اجر ملے۔

عطیہ۔ مسز عبدالکریم خان صاحب نے گوالیار سے للعہ/ ایک مشت غریب لڑکیوں کی امداد کے لیے بھیجے ہیں اور آیندہ کے لیے عصہ/ ماہوار کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہم نہایت [illegible] کے ساتھ اسکا اعلان کرتے ہیں۔ مسز حشمت اللہ صاحبہ بدستور [illegible] بھیجتی ہیں۔

جلد (۷) بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء نمبر (۱۲)

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت دو روپے اور ششماہی ایک روپیہ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں انکی طرف ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکی ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہوسکیں اور با محاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہو۔ اگر اسکی آمدنی کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

خاتون

حضرت بلقیس

ملک یمن کے شہر سبا میں ایک ہُدہُد جسکا نام عنفیر ہی ڈالی ڈالی پر شپد کتا پہرتا ہی کبھی صحن میں چرتا ہی۔ کبھی گردن اُٹھاکے اپنی کلغی کی بہار دیکھتا ہی۔ یہ چمن ملکہ سبا حضرت بلقیس کا ہی اور یہ ہدہد بھی اُنہیں کا پالتو ہی۔

ایک پہر دن چڑھا تھا کہ وہاں ایک دوسرا ہُدہُد بھی آن پُہنچا جسکا نام یعفور ہی۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہُدہُد ہی جو سیر کرتا ہوا اس چمن میں پہونچگیا ہی۔

عنفیر اپنے ایک ہم جنس کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور اُسکو اپنا مہمان سمجھکر نہایت تواضع کیساتھ استقبال کرنے کے لیے بڑھا۔

عنفیر۔ آئیے آئیے۔ کدھر سے تشریف لانا ہوا۔

یعفور۔ میرے مالک حضرت سلیمان ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہیں اور نبی بھی ہیں وہ اس ملک میں آئے ہیں۔ انسان کی اور جنات کی اسقدر فوج اُنکے

پاس ہو کر اسکے دونوں سرے ایک مہینہ کے راستہ کے فاصلہ پر ہیں نہ صرف زمین اور پانی پر انکی حکومت ہے بلکہ ہوا بھی انکے قبضہ میں ہے۔ تمام چرندوں پرندوں اور درندوں پر انکی حکومت ہے۔ میں بھی انہیں کے ہمراہ ذوالجناح افواج میں ہوں اسوقت فرصت کا موقع دیکھکر اسطرف سیر کے لیے نکل آیا۔

عنفیر۔ حضرت سلیمان تو ملک شام کے بادشاہ ہیں وہ اسطرف کیوں آئے ؟

یعفور۔ انکو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ میرے لیے ایک مکان بناؤ جس میں صرف میری عبادت کی جائے جب اس مسجد کو وہ بنا چکے تو انھوں نے بہت بڑی ضیافت کی سات دن تک کھانا کھلاتے رہے۔ اور خیرات بانٹی پھر انکو اللہ نے حکم دیا کہ اے سلیمان تم جاکر اس گھر کا حج کرو جو میری عبادت کے لیے میرے خلیل حضرت ابراہیم نے بنایا ہے۔ اور جو دنیا میں سب سے معزز گھر ہے اور میری برکت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔ میں بمقابلہ اس گھر کے اسکو دس گنا برکت دونگا اور جو ایکبار اس کی زیارت کریگا میں اُسکے تمام گناہ معاف کردونگا۔ اس حکم کے مطابق وہ صحاری ارض حج کرنے کے لیے آئے اور پھر سیر کرتے ہوئے اسطرف نکل آئے ہیں۔

عنفیر۔ میرے عرب کی مسجد کو تمہارے ملک شام کی مسجد پر بیشک فوقیت ہے۔

یعفور۔ شام اور عرب کی اس میں کچھ تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے نام کو فوقیت ہے۔ اگر تم کو اس مسجد پر اسلیے ناز ہے کہ وہ تمہارے ملک کی ہے تو بجا ہے لیکن شام کو کمتر سمجھنا دانائی سے بعید ہے۔ کیونکہ آخر یہ تو سوچو کہ اس مسجد کو حضرت خلیل اللہ نے بنایا جو شام ہی کے رہنے والے تھے۔

عنفیر۔ نہیں۔ شام پر بھی میرا فخر بجا ہے کیونکہ میں عرب کا ہوں۔ اس سرزمین کی تمام چیزوں کو عالم میں برتری حاصل ہے۔ تم حضرت سلیمان کی سلطنت کی تعریف

کرتے ہو لیکن اگر ہماری ملکہ بلقیس ہے جو ملک یمن کی حکمران ہے جاہ و جلال کو دیکھو تو سلیمان کو بھول جاؤ اسکے بارہ سپہ سالار ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس ایک ایک لاکھ فوج ہے چلو میں تم کو اپنی ملکہ کا محل اور اُسکا سامان دکھلاؤں۔

یعفور۔ باتوں میں مجکو دیر بہت ہو گئی۔ یقیناً دوپہر کے وقت میری جستجو ہوگی اب میں بالکل نہیں ٹہر سکتا مجھے جانے دو۔

عنیفر۔ نہیں کچھ دیر نہیں ہوئی ہے اور اگر تم میری ملکہ کو دیکھ لوگے اور اُسکے حالات جا کر اپنے پادشاہ سے بیان کروگے تو یہ اُنکے لیے ایک دلچسپ قصہ ہوگا اور وہ تمہیں کچھ نہ کہینگے یعفور عنیفر کے ساتھ شہر سبا میں جاتا ہے اور ملکہ بلقیس کو اور اُسکے جاہ و جلال کو دیکھتا ہے۔

ظہر کے وقت حضرت سلیمان معہ اپنے لاتعداد لشکر کے جس میں انسان جنات اور ہر قسم کے حیوانات شامل ہیں صنعاء کے ریگستان میں پہونچے اور سب سے پہلے پانی کی تلاش ہوئی۔

پانی کا تلاش کرنا یہ ہدہد کا کام تہا اسلیے اسکی جستجو ہوئی مگر وہ نہ ملا کیونکہ وہ اُسوقت ملکہ سبا کا محل دیکھ رہا تہا۔

پانی میں دیر ہوئی حضرت سلیمان خفا ہوئے کہ ہُدہُد کو تلاش کرو میں اسے سخت سزا دونگا بشرطیکہ وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کرے اور چڑیوں کے جلاد عقاب کو حکم ہوا کہ اسکی سزا کے لیے تیار ہوجاے۔ اور گدہ کو جو تمام پرندوں کا نقیب تہا فرمان دیا گیا کہ اُسکو گرفتار کرکے لائے۔

گدہ نے اوپر اُڑکر ہوا میں چکر لگانے شروع کیے اور زمین کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ اتنے میں اُسکو سبا کی طرف سے ہدہد آتا ہوا دکھائی دیا۔ اُسنے نیچے آکر عقاب

کو اشارہ کیا کہ مجرم آرہا ہی۔ عقاب تیز جنگ فوراً لپکا۔ ہدہد یہ دیکھکر ڈر گیا اور اُسنے کہا کہ تجھے
سلیمان کی قسم ہی مجھپر رحم کر اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچا۔ عقاب نے کہا کہ اللہ کا نبی آج تجھپر
بہت برافروختہ ہی اور اسنے بھرے دربار میں یہ کہا ہی کہ میں ہدہد کو سزا دونگا ہدہد نے کہا کہ کوئی
شرط بھی لگائی ہی اُسنے کہا ہاں شرط یہ لگائی ہی کہ جبکہ وہ کوئی معقول عذر پیش نہ کرسکے۔
ہدہد نے کہا کہ یہ ٹھیک ہی میرے پاس نہایت معقول عذر ہی اور میری سزا نہیں ہو سکتی۔

ہدہد دربار میں حاضر ہوا اور سر نیچا کرکے نہایت ادب سے اُسنے اپنے دیر میں آنیکی
وجہ بیان کی اور کہا کہ میں سبا میں پہنچا وہاں ایک ملکہ ہی جسکے پاس بارہ سپہ سالار ہیں
اور ہر ایک کے پاس ایک ایک لاکھ فوج ہی۔ وہ پردہ کی آڑ میں بیٹھکر ہفتہ میں ایک بار
دربار کرتی ہی۔ اسکے سامنے کسی کی مجال نہیں ہی کہ بیٹھ جاوے لوگ جب کچھ کہنا چاہتے
ہیں تو پہلے سجدہ کرتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ وہ جس تخت پر بیٹھتی ہی وہ سات بیشر ہونیکا ہی اور
ہر قسم کے بیش بہا جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں اور اسکے پائے یاقوت اور زمرد
کے بنے ہوئے ہیں اس کی تمام قوم مجوسی ہی اور وہ لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔

ہدہد جب یہ باتیں بیان کرچکا تو حضرت سلیمان نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو
سچ کہتا ہی یا جھوٹ۔ اگر کوئی اسطرح کی ملکہ ہی جیسی کہ تو نے بیان کی تو یہ میرا خط لیجا کر
اسکے پاس پہنچا اور اُسیوقت یہ خط لکھکر دیا۔

ازجانب سلیمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تم لوگ مجھہ سے سرکشی نہ کرو۔ اور میرے پاس مسلمان ہو کر آجاؤ۔

ہدہد چونچ میں یہ خط لیکر اڑا سبا کی ملکہ اُسوقت اپنے بالاخانہ پر سوئی ہوئی

تھی اسنے جاکر اسکے سینہ پر خط گرا یا جس سے وہ فوراً چونک پڑی اور اُٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو ایک خط ہے اُسکو کھولکر پڑھنے لگی۔ ہُدہُد بھی حالات دیکھنے کے لیے پیچھے کے کونے پر بیٹھ گیا۔ بلقیس یہ خط پڑھکر بہت گھبرائی اور اُسکو بڑا تعجب ہوا کہ کیونکر یہ آیا۔ اسنے اُسیوقت تمام اُمرا اور ارا کین کو جمع کیا اور پوچھا کہ میرے پاس یہ ایک خط نہ معلوم کسطرح پہنچگیا ہے تم لوگوں کی اس کی بابت کیا راے ہے۔؟

سرداروں نے جواب دیا کہ ہم جنگ آور اور بہادر لوگ ہیں اور اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے تم جو حکم دو گی اُسکے لیے ہم تیار ہیں۔

بلقیس نے کہا کہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی آبادی میں گھستے ہیں تو اُسکو اجاڑ دیتے ہیں اور معزز لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں۔ اسلیے پہلے ہمکو اچھی طرح اسکا اندازہ سمجھہ لینا چاہیئے پھر کسی کام میں ہاتھہ ڈالنا چاہیئے۔ میری راے تو یہ ہے کہ ہم اُنکے پاس تحفے بھیجیں دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

بیگم کا مطلب یہ تہا کہ اگر وہ ہمارے تحفے قبول کرلینگے تو ہم سمجھہ جائینگے کہ وہ دنیاوی پادشاہ ہیں اسلیے اُنسے لڑینگے۔ لیکن اگر اُنہوں نے تحفے قبول نہ کیے اور اسی بات پر جمے رہے کہ ہم اُنکی شریعت پر ایمان لائیں تو سمجھہ لینا چاہیے کہ وہ سچے نبی ہیں اور پہر اُنسے لڑنا فضول ہے۔

تحفہ جات بہیجے جانے کا سامان کیا جانے لگا۔ طرح طرح کے بیش قیمت جواہرات سونے اور چاندی کی اینٹیں دیبا اور حریر کے لباس عنبر اور مُشک۔ مختلف نسل کے عمدہ گھوڑے اور قسم قسم کے ساز و سامان بھیجنے کے لیے تیار کیے گئے حضرت سلیمان کی فراست کا امتحان لینے کے لیے پانچسو خوبصورت لونڈیوں کو مردانہ لباس پہنا کر اور پانچسو خوبصورت لڑکوں کو زنانہ لباس اور طرح طرح کے زیورات پہنا کر

بھیجے کر دیکھیں حضرت سلیمان انکو پہچانتے ہیں یا نہیں یہ تمام تحفے منذر بن عمر کے ہمراہ جو
یمن کا ایک نہایت معزز سردار تھا حضرت سلیمان کی خدمت میں روانہ کیے گئے۔ منذر
سے بلقیس نے یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر وہ تکبر کے ساتھ ملیں تو سمجھنا کہ بادشاہ ہیں ورنہ نبی ہیں۔
ہُدہُد نے یہ تمام باتیں آکر حضرت سلیمان سے کہیں۔

حضرت سلیمان نے انکے استقبال کے لیے اپنا دربار سجایا۔ سات کوس تک
جنات نے سونے اور چاندی کی اینٹیں بچھا دیں۔ تمام صحرا سُرخ و سپید ہوگیا۔
گنگا جمنی لہروں پر نظر نہیں ٹہر سکتی تھی۔ بیچ میں تخت سلیمانی بچھایا گیا۔ داہیں بائیں چار چار
ہزار کرسیاں لگائی گئیں اور ہر قوم کے سردار اور امیر اسپر آکر بیٹھ گئے۔ دو رویہ
پرندوں۔ چرندوں درندوں جنات اور انسان کی فوجیں صف بستہ کھڑی ہوئیں

منذر جسوقت تحفے لیکر پہنچا تو اس نے لشکر اور ساز و سامان کو دیکھکر حیران
ہوگیا۔ سونے اور چاندی کی اینٹیں جنکو وہ تحفہ میں لایا تھا اس کثرت سے یہاں
دیکھیں تو وہ دل میں بہت شرمایا۔ آخر ایک جگہ چند اینٹیں جنات نے خالی چھوڑی
تھیں۔ منذر نے اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اوپر چوری کا الزام نہ لگے فوراً اُن
اینٹوں کو جنکو وہ تحفے میں لایا تھا وہیں رکھ دیا۔

تخت کے سامنے پہونچکر سجدہ کیا لیکن قبل اسکے کہ اسکا سر زمین پر پہونچے
اُٹھا لیا گیا۔ حضرت سلیمان اسطرح اس سے ملے جسطرح دوست سے دوست بے
تکلف ملتا ہے اور ذرا بھی شاہانہ ناز و غرور کی بو اسنے ان میں نہ پائی۔

پھر منذر نے وہ تحفے پیش کیے جنکو وہ بیگم کی طرف سے لایا تھا۔ لیکن حضرت
سلیمان نے اُنکو قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمکو اس سے بہت زیادہ اللہ نے دے رکھا
ہے۔ ہم ان باتوں سے خوش نہیں ہوتے شاید یہ چیزیں تمھاری خوشی کا سامان
ہونگی۔

تم واپس جاؤ اور اپنی قوم سے کہدو کہ ہم ایسی فوج لیکر چڑہینگے کہ جسکے مقابلہ کی اُنکو کبھی طاقت نہو گی اور ہم ذلت کے ساتھہ اُنکو اس ملک سے نکال دینگے۔

اُس روز وہ لوگ حضرت سلیمان کے مہمان رہے۔ بلقیس کے بھیجے ہوئے غلام اور لونڈیوں کو اُنھوں نے دیکھا کہ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں وہ جب مُنہہ دہوتی ہیں تو پہلے ایک ہاتھہ میں پانی لیکر دوسرے ہاتھہ میں لیتی ہیں پہر مُنہہ پر ڈالتی ہیں تب اُنھوں نے کہا کہ یہ لڑکے نہیں ہیں بلکہ لڑکیاں ہیں اور زنانہ لباس والونکو بتایا کہ یہ لڑکے ہیں کیونکہ یہ ہاتھہ میں پانی لیکر دوسرے ہاتھہ میں نہیں ڈالتے بلکہ منہہ پر ڈالتے ہیں۔

منذر اپنے تمام تحفہ جات لیکر واپس گیا اور ساری کیفیت بلقیس سے بیان کی بلقیس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا پرست پادشاہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں۔ انسے لڑائی کرنا کسی طرح پر مناسب نہیں ہے۔ آؤ میں اور تمام اُمرا اور سردار ملکر اُنکے پاس چلیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اُنکا مقصد کیا ہے۔

چنانچہ تمام امیروں سرداروں اور ارکان سلطنت کو لیکر ملکہ بلقیس حضرت سلیمان سے ملنے کو روانہ ہوئی۔

حضرت سلیمان کو بھی یہ خبر ملی اُنھوں نے اس بات کا تجربہ کرنے کےلیے کہ دیکھیں اس ملکہ میں سمجہ اور امتیاز کا مادہ ہے کہ نہیں اپنے اُمرا کی طرف آنکھہ اُٹھا کر فرمایا کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اسکے آنے سے پہلے اسکا تخت یہاں لادے ایک جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپکے دربار برخاست کرنے سے پہلے یہاں لاسکتا ہوں۔ دوسرے نے جسکو اسم اعظم معلوم تہا کہا کہ میں پلک جھپکانے سے پہلے اسکو حاضر کرسکتا ہوں۔ چنانچہ جو حضرت سلیمان نے دیکھا کہ وہ تخت موجود ہے تو اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔ پہر حکم دیا کہ اس تخت میں بہت تغیر و تبدل کردو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنا تخت پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

اُسیوقت جنات نے سبز کی جگہ سرخ - سُرخ کی جگہ سبز اس پایہ کی جگہ وہ پایہ اور اُسکے بجای یہ اور اسی طرح کی بہت سی تبدیلیاں کریں -

---

دوسرے روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک غبار دیکھا اُنہوں نے سمجھ لیا کہ بلقیس کا قافلہ آرہا ہے - تھوڑی دیر میں وہ لوگ آگئے اور بلقیس مع امرا کے دربار میں آئی - سلام و کلام کے بعد حضرت سلیمان نے اس تخت کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اسی قسم کا تمہارا تخت ہے - بلقیس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہی ہے - تب حضرت سلیمان اور درباری مسکرائے - حضرت بلقیس فوراً سمجھ گئیں کہ یہ میرا ہی تخت ہے اور اُنہوں نے اپنی نبوت کے زور سے اُسکو منگا لیا ہے - تب اُنہوں نے کہا کہ ہم اس بات کو پہلے ہی جان چکے کہ آپ نبی ہیں اور اُسیوقت سے ہم آپ پر ایمان لاے -

حضرت سلیمان نے اُنکو توحید سکھائی - اور اللہ کے سوا اور جن جن چیزوں کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے سب چھڑوا دی - اور اُنکی تمام قوم مسلمان ہوگئی -

---

حضرت بلقیس اپنے آپ کو اسقدر معزز سمجھتی تھیں کہ اُنہوں نے اسیوجہ سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کی تھی اسلام لانے کے بعد وزرا اور امرا نے یہ چاہا کہ انکی شادی حضرت سلیمان کے ساتھ کردی جاے - حضرت سلیمان سے کسی نے کہا کہ اس عورت کی پنڈلیوں میں بال ہیں اور یہ منحوس ہے - اُنہوں نے اُسیوقت جنات کو حکم دیا کہ ایک محل تیار کرو اور اُس میں صحن شیشہ کا اسطرح بناؤ جسپر بالکل پانی کا دھوکا ہو چنانچہ تیار کیا گیا - حضرت سلیمان نے اس میں دربار کیا - حضرت بلقیس جب وہاں گئیں تو اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ پانی کا حوض ہے - پائنچے چڑھاے - تب اُنسے یہ کہا گیا کہ یہ پانی نہیں ہے - وہ بہت ہی حیران ہوئیں اور اُنہوں نے کہا کہ بیشک حضرت سلیمان

نبی ہیں اور انکو اللہ نے بڑی طاقت دی ہے۔ میں انکی نبوّت پر ایمان رکھتی ہوں۔
حقیقت میں انکی پنڈلی میں بال تھے لیکن ایک جن نے کہا کہ میں اس کی ایک دوا جانتا ہوں یعنی چونہ اور ہڑتال۔ اس دوا سے وہ بال جھڑ گئے۔ اور حضرت سلیمان نے اپنے شادی کی سات سال کے بعد حضرت بلقیس نے وفات پائی۔
انکی قبر نامعلوم تھی لیکن ۸۶ھ میں شام کے شہر تدمر میں ایک مرتبہ ایک سیلاب آیا جس سے ایک تابوت کھلا۔ اسپر حضرت بلقیس کا نام لکھا ہوا تھا اُس زمانہ میں بنی امیہ کے ہاتھ میں خلافت تھی اور ولید خلیفہ تھا اُسنے وہیں دفن کرا دیا اور سنگِ سرخ سے قبر بنوا دی۔

از گمنام

"ایک جن کا قصہ"

ثریا بیگم اپنے توشک خانہ کی موجودات میں مصروف تھیں اور ایک لمبے چوڑے صندوق پر کھڑی کپڑے نکال نکال کر ایک طرف رکھتی جاتی تھیں، سورج ابھی نہیں چھپا تھا لیکن اس تیرہ و تاریک کوٹھری میں شمع کی ضرورت تھی۔ کوٹھری تو بڑی ساری تھی لیکن جب سے بنی تھی اُس میں سورج کی کرن نہ آئی تھی۔ آتی کہاں سے چاروں سمت سے دالانوں اور کمروں نے تو بیچاری کو گھونٹ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ سر پر بھی ایک صاحب سوار تھے۔
کوٹھری میں بیسیوں بڑے بڑے صندوق مالک کے متموّل کا نشان تھے ایک طرف یہ جید مچان بنا ہوا تھا جسپر چڑیاں چاندی کے برتن بھرے تھے۔

انھیں میں ثریا بیگم کے میاں کی بندوق پڑی سڑ رہی تھی اور وہ ٹوٹی ہوئی گڑگڑیاں بھی جھانکتی نظر آتی تھیں پچھلے حصہ کی خبر نہیں کہ اس میں کیا کیا اڑم سڑم بھرا پڑا تھا۔

کپڑے دیکھتے دیکھتے ثریا بیگم کی نگاہ ایک اطلس کے پھولدار پجامے پر پڑی تو سینے پر ہاتھ مار کے بولیں "ہے ہے یہ یہاں کہاں سے آیا؟ (جیسے کچھ یاد کر کے) بی منجو سے خدا ہی سمجھے یہ انہیں کی کارستانی ہے۔ تو یہ بڑی میرا تو ناک میں دم آگیا..... بھلا ایسی بھول بھی کس کام کی؟"

بی منجو ثریا بیگم کی دودا کا نام تھا جو اب تک انکے گھر پڑی رفاقت کا حق ادا کر رہی تھیں وہ بیچاری ستر پچھتر برس کی آدمی آنکھوں سے سوجھے نہیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ بھلا انکا حافظہ کیا خاک باقی رہتا۔ دو تین دفعہ تو بیچارے دسترخوان کے جانمازیں یوں ہی لپیٹ دیں۔ ایک مرتبہ صابون کی بٹیا کو آپنے حلوا سوہن سمجھکر بڑے اہتمام سے تراشا اور کھانے میں پھیکا سیٹھا بے مزہ معلوم ہوا تو کہنے لگیں "لے ہے بیگم دیکھنا اس میں تم نے مٹھاس بہت ہی کم ڈالی!"

یہی بھول تھی جسنے اطلس کا پجامہ اس صندوق میں رکھوا دیا تھا اور ثریا بیگم اسوقت بے مزہ ہوئیں کیونکہ یہ پجامہ چوری کا تھا! چوری کا؟ کیا؟ ثریا بیگم ایسی متین ایسی مہذب پر سب سے زیادہ ایسی متمول اور چوری کا پجامہ اپنے ہاں رکھے؟؟؟ ہاں سنا وہاں پڑھنے والی تجھے خبر نہیں کہ شرفا میں چوری بھی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ مال اپنی بہن کا۔ خاص سگی بہن کا۔ ہو!

ثریا بیگم نے ایک تاریک بخاری کو جس میں تین تین قفل پڑے ہوئے تھے کھولا ان بیش قیمت کرتوں دو پٹوں لیسوں اور تو یوں کو جو چرا چرا کے اس میں رکھی گئی تھیں بنظر اطمینان دیکھا اور یہ اطلسی پجامہ بھی تہ کر کے وہیں رکھدیا۔

اپنے متصرفہ مال پر نگاہ سرسری ڈالتے وقت انکا چہرہ شمع کی پژمردہ روشنی میں

چمکا اور میری آنکھوں میں خباثت باطنی کی تصویر پھر گئی!

(۲)

ثریا بیگم قفل لگا کے باہر آئیں تو گھر میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا اُنکے صاحبزادے میاں نعیم و فہیم اپنے خالہ زاد بھائی علی سے لڑے اور دونوں نے ملکر ایسا چرچہ میں پٹخا کہ معصوم بچے کا سر پھٹ گیا۔

میاں علی معمولی طور پر بھی رونے میں کسی سے کمزور نہ تھے اور یہ موقع تو قدرتی آواز آزمائی کا ملگیا تھا بے ارادے منہ پھاڑ پھاڑ کے جو روئے ہیں تو گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اور وہاں تک آواز گئی جہاں اُنکے بڑے بھائی ولی مرزا "کیلی بارہ" لونڈوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

ولی بہت پیارا اور ہشیار بچہ تھا ثریا بیگم کی بدسلوکیاں بھی وہ خوب جانتا تھا اور اسی لیے ماں کے کہنے سننے کے باوجود ان خالہ کے ہاں وہ کبھی نہ گھستا تھا۔ بھائی کی آواز سنتے ہی سمجھا کہ شاید خالہ نے حسب عادت علی پر اپنا غصہ اُتارا جھٹ دوڑ کے گھر میں خبر کی اور وہاں سے ایک لشکر کا لشکر ماما اصیلوں چھوکریوں اور "خیرخواہوں" کا نکل پڑا۔

بہتیرا ولی کی اماں نے کہا کہ اری کمبختو سُنو تو سہی۔ ٹھہرو تو سہی۔ دیکھو خبردار جو وہاں جا کے زبان درازی کی... اری او سوسن تو کہاں چلی رہ تو بھی مُردار — نہیں باز آئی — ....

مگر ہمارے ہاں کا یہ دستور ہے کہ ایسے موقعوں پر نوکریں بیویوں کی نہیں سُنا کرتیں بلکہ ہمنے تو بچے کے معاملہ میں ایسی ایسی باتیں دیکھی ہیں کہ تعجب آتا ہے مثلاً ایک بی بی نے اپنے صاحبزادے کو کسی شرارت پر مارنا شروع کیا تو انکی نوکر چاہے اپنے کام (جس کی وہ تنخواہ پاتی ہے) کبھی اچھی طرح نہ کرتی ہو اور چاہے وہ بیوی کے

ماں ہیں سے گہ یہ گہ جزو بزو کر لینا عین ثواب اور دانائی جانتی ہو لیکن اسوقت وہ خود بیوی سے زیادہ بچے کی رفیق بنجائیگی۔ اب اماں ہیں کہ بچے پر پلی پڑتی ہیں اور "اری تو پسٹ تو سہی"۔ خدا کی قسم اسوقت مجھے اچھی طرح اس موذی کا کچلا بنا لینے دے" اور کبھی کبھی "ذرا مجھے یہ خیر خواہی اچھی نہیں لگتی" یہی ہوتا جاتا ہے مگر نوکر صاحب بیوی کے دست ناتوان سے بچے کو کسی نہ کسی طرح تڑا ہی لیتی ہیں اور پھر "بیوی ہم نے تو ایسا کٹر کسی ماں کو نہیں دیکھا۔ توبہ ہے تم نے تو بچے کو مار مار کے ادھ موا کر دیا۔ واہ واہ ایسا ہی ہے تو کسی دن سنکھیا کیوں نہ دیدو" وغیرہ وغیرہ

یہ بیہودہ سوانگ روز اُن گھروں میں ہوتا ہے جنکے مرد تہذیب اور شائستگی کا عمدہ نمونہ ہیں اور حقوق نسوان و تربیت نسوان کی مخالفت میں کئی کئی دن بحث کر سکتے ہیں۔

ولی کی اماں چیختی رہیں مگر چھوکریوں اور جاہل عورتوں کو لڑائی جھگڑے کا بڑا شوق ہوتا ہے کام دھندا چھوڑ کر تفریح کو بھی جی چاہتا ہے غرض کسی نے کچھ نہیں سنا اور اب یہ راون کی سینائیں ثریا بیگم کے گھر پہونچیں۔

پہلے تو میاں علی "اے ہے میرے بچے کو کس نے مارا۔ موئے قصائی بھی ایسا سلوک تو نہیں کرتے ـــ بس اماں چپ ہو جا (چمکار کے) میں واری زیادہ ہلکان نہو" اور اسی قسم کی باتوں کے ساتھ اٹھائے گئے۔ وہ بھی خوب ہی پھیلے مگر اُن کو تو پکڑ دھکڑ کے گھر پہنچا دیا گیا اور اب ثریا بیگم والیوں میں اور انکی بہن کی نوکروں میں لڑائی شروع ہوئی۔

کلثوم (علی کی ماں نے) "مگر شاباش ہے اس گھر والوں کو۔ صد رحمت ہے!۔ نگوڑے جانور بھی تو ایسے بیرحم نہیں ہوتے کہ بچے کا سر پھٹ جاے اور بیٹھے مزے سے سیر دیکھا کریں۔"

شبو (ثریا بیگم کی چھوکری) "اے بی تو بچے لڑا ہی کرتے ہیں۔ چوٹ پھینٹ بھی آجاتی ہے اب کونسا ایسا۔"

کلثوم (بات کاٹ کے) "وہی۔ اے بی سر پھٹ گئے لہو بہ گئے اور ابھی تک چوٹ پھینٹ ہی رہی۔ خیر ہوا جان نکلنے کی کسر رہ گئی تھی۔"

اس مختصر سی تمہید کے بعد ایک طویل جنگ آغاز ہو گئی جس میں کوسنے بددعائیں گالیاں اور دنیا بھر کی خرافات شامل تھی۔

ثریا بیگم کی نوکریں انکی بہن تک پر شیر تھیں بھلا انکی خادمات کو کیا گردانتیں۔ انہوں نے خوب ہی برا بھلا کہا اور اگر اسیوقت ثریا بیگم کوٹھری سے باہر تشریف نہ لے آتیں تو شاید جوتی پیزار کی نوبت آجاتی۔

ثریا بیگم کی جرنیلی آواز نے سب کو خاموش تو کر دیا مگر جب انہوں نے لڑائی کی وجہ دریافت کی تو پھر ایک غوغا بلند ہوا۔ بڑی مشکلوں سے انہوں نے ساری حقیقت سنی اور پھر نہایت سرد مہری سے اپنی بہن کی عورتوں کو کھڑے کھڑے گھر سے باہر کیا۔ ساتھ ہی یہ حکم دیکر کہ "بی کٹری کیا ہوا ان کمبخت بچوں کو کچھ کھانے کو بھی دو گی یا نہیں" نماز کی چوکی پر تشریف لے گئیں اور شبو کو آواز دی کہ گرم پانی وضو کے لیے لائے

شبو (وضو کراتے میں) "اور بیوی کلثوم کہتی تھی کہ ہم اپنے بچوں کو اب تمہارے ہاں کے حافظ جی (حافظ جی) پاس سے اٹھالیں گے یوں کہ تمہاری بیوی نے حافجی کو منا (منع) کر دیا ہے کہ وہ علی اور میاں ولی کو دل لگا کر سبق نہ دیا کریں۔"

ثریا بیگم "یہ اس قطامہ سے کس نے کہا؟"

شبو "اے ہے خود حافجی نے — موا نمک حرام کہیں کا بھلا سرکار ونکی باتیں اس طرح کھولا کرتے ہیں۔"

ثریا بیگم (غصے کو گھونٹ کے) "ہوں ں ں! اچھا اٹھالیں ہزار سے میں نے

بیٹے انہیں کے فائدہ کے واسطے اُستاد رکھا تھا ۔"

یہ ایسا جھوٹ تھا جسکا شبو کو بھی یقین نہیں آیا کیونکہ وہ خوب جانتی تھی کہ واقعی حاجی کو بیگم صاحب نے سنگھار دیا ہی کہ علی اور ولی کو سبق کم دیا کرو تاکہ وہ میرے بچوں سے ہمیشہ پیچھے رہیں، اگرچہ وہ سبق ہی ایسا کونسا حدیث نعت کا تھا کہ جس میں سبق کم ملنے سے کچھ بہت حرج ہو جاتا مگر حسد ہالی خالہ اس میں بھی بھانجوں کی بدخواہی سے نہ چوکتی تھی۔ ثریا بیگم نے وضو کیا اور نماز مغرب کی نیت باندھی تو دل میں مکر و فریب کے صدہا منصوبے تھے اور زبان پر تبرک آیتوں کے الفاظ !

(۳)

پچھلی باتیں جو ہم نے لکھیں ۱۸۹۸ء کی ہیں اور اب کہانی کا آخری حصہ ہم ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں اس بارہ برس کے عرصے میں جانے کیا کیا ہو گیا بہت سے بچے جنہیں ہمنے ننھا بچہ پر پڑے ہمکتے دیکھا تھا اب قلانچے مارتے پھرتے ہیں۔ بہت سے لڑکے جو فراغت سے چھینڈے اڑایا کرتے تھے جوانی کی سخت آزمایش گاہ میں داخل ہو چکے بہت سے کہ جوان عمر تھے اب آئینہ میں اپنی سفید ڈاڑھی کا نظارہ کیا کرتے ہیں اور بہت سی زندہ دل بڈھوں کی صورتیں نظر سے غائب ہیں اُنکی ہنسی کی آوازیں کانوں میں بھری ہوئی ہیں مگر اُنکے اجسام خاکی کا پتہ نہیں۔ اور اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ کا یہ زبردست قاعدہ انسان تک ہی محدود نہیں۔ حیوانات۔ جمادات نباتات تک اسکے اثر میں ہیں۔ خیال تک کہ بیجان اور غیر مادی شے بھی متغیر ہے۔ بارہ برس میں کتنی ناممکن باتیں ممکن ہو گئیں۔ کتنی باتیں عملی صورت میں جلوہ گر ہیں۔ یہی پہلے ناممکن العمل تھیں۔ اللہ اللہ! زمین آسمان تو بیشک وہی ہیں جو بارہ برس پیشتر تھے لیکن دنیا کی مخلوق میں کتنا فرق پڑ گیا :۔ جاپان نے روس کو شکست دی ایران ۰ الوں نے دستور چھینا، ترکوں نے پارلیمنٹ لی۔ ہندوستان میں نئی شورشیں اٹھیں اور دب گئیں

لیکن آؤ دیکھیں تو سہی ثریا بیگم کے مکان میں بھی کچھ فرق پڑا۔

وہی گھر ہے اور وہی گھر والے، بی منجو تک حضرت عزرائیل کو دہوکا دینے میں کامیاب ہیں۔ ثریا بیگم کی عمر اُس سرحد میں داخل ہو چکی ہے جسکو بڑھاپا کہتے ہیں اور جس میں سے پھر کے کوئی نہیں آتا۔

اُنکے بچے بھی ماشاء اللہ سیانے ہو گئے ہیں لیکن تعلیم کے معاملہ میں ایک صاحب تو تقریباً صفر ہیں اور دوسرے نے انٹرنس پاس کرنیکی قسم کھائی ہے۔ خیر اگر یہیں تک ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تہا۔ امیروں کے ناز پروردہ بچے بھلا انہیں یونیورسٹی کی سختیاں سہنے سے کیا تعلق ؟ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اُنکے خالہ زاد بہائی انٹرنس چھوڑ ایف اے سے بھی گذر گئے علی العنلاے میں داخل ہو چکا اور ولیؔ اس مرتبہ بی اے کا امتحان دیگا !!

میں اُس غصے اور مایوسی کا حال الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا جو ثریا بیگم کو ولیؔ کی اس ترقی پر ہوئی اُنہوں نے ہر امتحان پر جہاں نعیم کے پاس ہو سکنے کیلیے وظیفے پڑھوائے تہے وہیں خود چلہ کشی اسلیے کی تہی کہ خدا کرے "ولیؔ فیل ہو جائے"

سچ مچ ایسی عجیب و غریب دشمنی اور اس قسم کی قلبی عداوت کی مثالیں کم ہونگی؟ اور تعجب بڑھ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ثریا بیگم کو کوئی وجہ اپنی بہن سے ناراض ہونے کی نہ تہی وہ اسقدر نیک اور فرشتہ مزاج بیوی تہیں کہ لڑائی جہگڑا تو درکنار کبھی بہن کی نافرمانی کا خیال بھی انکے دل میں نہ گذرتا ہوگا۔ جب نعیم کے نانا زندہ تہے تو انہوں نے دونوں بیٹیونکو برابر برابر جاگیر نقد اور اثاث البیت دینا چاہا تہا لیکن ثریا بیگم اپنے باپ پر بہت حاوی تہیں اور میاں سے جہگڑ کے میکے میں آرہی تہیں اُنہوں نے اپنی مظلومی جتائی کہ خدا رکھے اُنکے تو کمانے والے بسر دہرے موجود ہیں میرا آپکے سوا کوئی نہیں یہ بچے ہیں سو انکی زندگی کی کسے خبر ہے۔ دوسرے میں عورت ذات

ان کی تعلیم تربیت کا انتظام کفایت سے کسطرح کر سکو گی"۔
اور اسیطرح کی بہت سی باتیں کہکر باوا کو راضی کر لیا کہ بہن کو جائداد کے علاوہ نقد و زیورات میں سے کچھ نہ ملے۔ لیکن شرافت حقیقی تو ہم اسکو جانتے ہیں کہ جب ثریا بیگم کی بہن سے اُنکے والد نے پوچھا کہ بیٹی ہمارا یہ ارادہ ہے تو اس خدا کی نیک بندی نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور کہا کہ "بھلا ابا جان یہ مجھ سے پوچھنے کی بات تھی۔ آپا جان اور میں خدانخواستہ الگ الگ تھوڑا ہی ہیں آپ شوق سے جو چاہیں انہیں عنایت کریں میں خوش میرا خدا خوش"
اور اس بات پر کیا منحصر ہے ہمیشہ ثریا بیگم نے اپنی بہن کو زک دینے کی کوشش کی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں خواہ اہم معاملات میں، سدا اُنکو یہ فکر رہی کہ کسطرح بہن کو ایذا ہو اور تکلیف پہنچے۔ مگر لطف یہ ہے کہ انکے بغض للّہی کی سزا میں خدا نے اُنکو بہن ایسی دی تھی جو بدی کا جواب نیکی سے دیتی تھی اور جو ان کی علانیہ عداوت کو محبت سمجھتی تھی۔
ثریا بیگم کا منشا اس قسم کی حاسدانہ کوشش سے یہی ہو سکتا تھا کہ انکی بہن کو رنج پہنچے وہ جلیں اُنکا دل کڑھے لیکن اس منشا میں ایک دفعہ کے سوا انہیں کبھی کامیابی نہیں ہوئی اور اسی ایک دفعہ کی کامیابی کا ذکر اسوقت ہم لکھنا چاہتے ہیں۔
ولی کی اماں بہت دن سے اپنے ایک دولتمند رشتے کے جیٹھ کے ہاں ولی کا پیوند کرنا چاہتی تھیں لیکن لڑکی کی ماں راضی نہ تھیں اور یہ کہکر ٹالدیتی تھیں کہ ابھی لڑکی کم عمر ہے لیکن جب ولی نے سن کے ساتھ لیاقت میں بھی ترقی کی تو اُنکے میاں تو بالکل رضامند ہو گئے خود بیوی کو ذراسی ہچک رہ گئی کہ ولی میری اکلوتی بیٹی کے برابر دولتمند نہیں مگر یہ ہچک ایسی تھی جو آسانی دور ہو سکتی تھی۔
اس اثنا میں ثریا بیگم نے ولی کے والد صاحب کو بلا کر بیت سے اتار چڑھاؤ

دیے اور کہا "جب تمہاری بہاوج تمکو ایسا ذلیل جانتی ہیں تو تم انکی خوشامد میں خواہ مخواہ مری جبلتی ہو شہر میں لڑکیوں کا توڑا اتو رہی ہے۔ دور کیوں جاؤ خود تمہاری برابر ہی احمد مرزا شہزادہ فریدوں کے بیٹے رہتے ہیں شریف خاندانی آبرو دار، ذات میں کسی سے ہیٹے نہیں روپے پیسے کی پوچھو تو سفید پوش ہیں آٹھ آدمیوں کو دستر خوان پر ساتھ بٹھا کے کھاتے ہیں اور انکی بیٹی۔۔ بس میں کیا کہوں، چندے آفتاب چندے ماہتاب اور سگھڑ ایسی کہ جب سے مرزا کی بیوی مری اُس فتنی نے گھر سنبھال لیا۔ چھوٹے چھوٹے بہائیوں کو پالا اور باوا کو ایسا خوش رکھا کہ انہیں دوسری شادی کا خیال تک نہ آیا تمہیں ایسی بیٹی کہاں ملے۔ میری دانست میں تو دیر نہ کرو اور فوراً طرح ڈالدو۔ نکاح ابہی ہو جاے۔ اور نہیں اچہا لشان چڑہ جاے شادی بعد میں کرتے رہنا۔ اور احمد مرزا تو ایسے باوضع آدمی ہیں کہ جہیز جڑیا وا یہ وہ کچھ زیادہ نہ مانگیں گے۔ تمہارے بہائی صاحب کی طرح نہیں کہ سونے کا چھپر کھٹ اور پچاس جوڑے اور پندرہ رقمیں ہی ہوں تو بیاہ رچے (منھ اور ناک سکیڑ کے) جیسے موے لالچ خورے بنیے ہوتے ہیں۔ اے ہاں میرا تو صاف کہدوں ایسی باتوں سے جی جلتا ہے!"

غرض بہنوئی کو ایسا شیشہ میں اُتارا کہ وہ احمد مرزا کے ہاں رشتہ کرنے پر آمادہ ہو گئے واضح رہے کہ ثریا بیگم کو اُن کے بہنوئی کچھ اپنا خیر سگال یا بہی خواہ نہیں جانتے تھے لیکن جب اُنہوں نے دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ احمد مرزا کی بیٹی واقعی نہایت سلیقہ مند اور صورت دار ہے شرافت میں بہی اُن لوگوں کی کچھ کلام نہ تہا، بس وہ ثریا بیگم کے چہانسے میں آگئے اور اُنکے کہنے کے بموجب اپنی بیوی سے اس بات کا کچھ تذکرہ نہیں کیا بلکہ چپ چاپ خود احمد مرزا صاحب سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ انکی بیوی نے ایک آدہ مرتبہ پچھلے رشتہ کا ذکر کیا تو انہیں ٹال ٹال دیا کہ صاف

بھلا وہ ٹھیرے امیر آدمی اور ہم ہیں غریب ؛ بھلا وہ ہم سے رشتہ کیوں کرنے لگے ؟ "

ولی کی اماں :۔ "نہیں اب تو ہمارے جیٹھ راضی ہوتے جاتے ہیں "

میاں :۔ "خیر تو مارے باندھے سے راضی ہوئے بھی تو کیا۔ یہ رشتے تو خوشی کے ہوتے ہیں، دوسرے انکی بیوی ہمیں خاطر میں بھی نہیں لاتیں تو ہمیں ایسی کیا غرض ہے کہ ان کی چاپلوسی کریں۔"

ولی کی اماں کچھ اور کہتیں مگر انکے میاں نے گفتگو مختصر کرنے کے لیے ٹوپی سر پر اور گلوری منہ میں رکھی اور باہر چلے گئے!

میاں کی اس بے التفاتی کا ولی کی اماں کو زیادہ خیال نہیں ہوا انہوں نے دل میں سوچا کہ جب معاملہ پختہ ہو جائیگا تو وقت کے وقت اُن سے کہہ سُن لونگی اُن بیچاری کو یہ خبر نہ تھی کہ ثریا بیگم صاحبہ اس معاملہ میں بھی اُنکی مخالف اور اُنکی کوششوں کو خاک میں ملانے کے درپے ہیں۔

غرض دو تین مہینہ تک ادہر بیوی اپنی جٹھانی کی تالیف قلوب کرتی رہیں۔ اُدہر میاں دوسرے رشتہ کا انتظام کرتے رہے یہانتک کہ احمد مرزا صاحب نے ایک دن حامی بھرلی اور وعدہ کرلیا کہ کل وہ رقعہ بھجوائیں ہم رسمی طور پر انہیں جواب باصواب دیدینگے۔

اتفاق یہ کہ عین اُسی شام کو ولی کی والدہ اپنی جٹھانی کے ہاں جاکر طویل گفت و شنید کے بعد انہیں نیم راضی کر آئیں اور رات ہی سے تیاری شروع کردی کہ صبح کو انکے ہاں شیرینی وغیرہ لے کر جائیں اور باقاعدہ منگنی کا اعلان ہو جائے۔ لیکن اس معاملہ میں میاں کی اجازت لینی لازمی تھی چنانچہ وہ منتظر رہیں کہ شام کو ولی کے ابا گھر میں آئیں تو انکو اس خوشخبری کی اطلاع دیدیجائے ثریا بیگم کے بھی جاسوس لگے ہوئے تھے اور لحظہ لحظہ کی خبریں اُنہیں پہنچ رہی

تھیں جونہی اپنی بہن کی کامیابی سنی جھٹ بہنوئی کو اپنے ہاں بلوالیا اور پوچھنے لگیں کہ کہو تم نے اس عرصے میں کیا کیا ؟ "

بہنوئی " جی وہ احمد مرزا صاحب الحمدللہ کہ بالکل رضامند ہیں رقعہ تیار ہی اور کل علی الصبح انکے ہاں بھیجا جائیگا لیکن بیوی کو بھی اس معاملہ میں اطلاع دیدینا مقدم ہی۔

ثریا بیگم " بیشک بلکہ میرا تو یہ خیال ہی کہ رقعہ کے ساتھ ہی شیرینی وغیرہ تیار کرالو کہ ان کے ہاں سے جواب آتے ہی بھیجدیجائے (جھوٹ موٹ سوچکر) اور رقعہ میں تمہاری بی بی کی صلاح تو لی ہی نہیں جائیگی میں کہتی ہوں اسکو تو اسیوقت روانہ کرو۔ کیوں دیر کی ؟ جب کرنے پر آئے تو انسان تاخیر کیوں کرے "

بہنوئی " لیکن اب تک بیوی کو اس معاملہ کی اطلاع آپکے کہنے کے مطابق نہیں دی ہے، رقعہ انکی مرضی لیے بغیر بھیجا جائیگا تو وہ خواہ مخواہ بُرا مانینگی۔ اگرچہ رشتہ میں اُنکو کوئی اعتراض نہو گا۔ پھر بھی اُنکے علم بغیر رقعہ بھیجنا درست نہیں معلوم ہوتا "

ثریا بیگم " اور جو تمہاری بیوی اسپر راضی نہوئیں ؟ "

اس سوال پر انکے بہنوئی ذرا سٹپٹائے۔ معاملہ اس حد تک پہونچ چکا تھا کہ وہ احمد مرزا صاحب کے ہاں رقعہ بھیجنے پر گویا مجبور ہو چکے تھے کیونکہ دراصل وہ ایک رسمی بات تھی ورنہ اپنی خواہش کا اظہار اور اسکا جواب انکو ملچکا تھا۔

ثریا بیگم (سمجھانے کے لہجے میں) " دیکھو اگر رقعہ اسوقت بھیجدو گے تو اسکے بعد تمہاری بیوی بھی کچھ عذر و انکار نہیں کرسکیں گی۔ اور آخر اس میں تمہیں تامل ہی کیا ہی۔ تم وہاں رشتہ کرنا چاہتے ہو فریق ثانی کو آمادہ کر چکے ہو۔ پھر اب رقعہ جانے میں ہی کیا رہ گیا ہی "

ولی کے والد سمجھہ تو گئے کہ میری سالی نے وہو کا دیا لیکن اسوقت کچھہ کرتے دھرتے ہی نہ بن پڑی اور اُنہوں نے چُپ چاپ ثریا بیگم کی خادمہ کے

ہاتھ ہی رقعہ احمد مرزا صاحب کے ہاں بھجوا دیا۔

(۴)

ولی کے والد صاحب رات کو گھر میں ہی نہیں گئے اور اسی شش و پنج میں رہے کہ کہیں انکی بیوی کو یہ خفیہ کارروائی اچھی نہ معلوم ہو۔ اُدھر اُنکی بیوی بہت حیران رہیں کہ آج کیا بات ہے جو میاں گھر میں نہیں آتے۔ مگر ثریا بیگم کو اس قسم کی کوئی تشویش کوئی فکر نہ تھی وہ صبحدم اٹھیں اور ڈولی میں چڑھ کے اپنی بہن کے ہاں پہنچیں۔

ثریا بیگم (بہن سے) اے بی یہ الگ ہی الگ توڑ جوڑ کرتی پھرتی ہو۔ مجھے تو رات کو خبر ہوئی کہ ولی کی الدیہ کے نسبت ہونیوالی ہے۔ اللہ ہم ایسے غیر تھے کہ خبر ہی نہیں کی۔"

بہن آپا واقعی مینے آپکو اطلاع نہیں کی مگر کیا کہوں اس سے پہلے کوئی بات پکی نہیں ہوئی تھی اور مینے یہ سوچکر کہ پہلے جٹھانی مان جائیں انکو (یعنی اپنے میاں کو) بھی خبر نہیں کی"

ثریا بیگم "خیر او اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے خفیہ ہی خفیہ احمد مرزا تمہارے پڑوسی کو پیغام دیدیا"

بہن۔ (نہایت سراسیمہ ہوکے) "اے ہے یہ کب؟ خدا کے لیے آپا سچ بتاؤ وہاں انکو پیغام دینے کی کس نے صلاح دی اور یہ بغیر مجھ سے مشورہ لیے انہوں نے پیغام کیسے دیدیا۔؟"

جواب سوال اور رنج و آزردگی کے بیان کو ہم چھوڑے دیتے ہیں۔ اتنا لکھنا البتہ ہی کہ ثریا بیگم کے ذریعے احمد مرزا صاحب کو یہ خبر پہونچی کہ ولی کی اماں کہیں اور رشتہ کرنا چاہتی ہیں اور طرف ثانی بھی آمادہ ہو چکے ہیں تو وہ بہت ناراض ہوئے رقعہ واپس بھیجدیا اور آیندہ کے لیے سب رسم ہمسائیگی ترک کر دیے ادہر رقعہ کا حال

سُنکر دلی کی اماں کو انکی جٹھانی کا یہ مایوس کن پیام ملا کہ اب ہمارے ہاں نسبت وسبت کا کبھی خیال بھی دل میں نہ لانا ورنہ بہت برا ہوگا"

از "گمنام"

اسلامی جزیہ

جزیہ جسکے اصطلاحی معنی غیر مذاہب کی لوگوں کی حفاظت کرنیکا معاوضہ یا ٹیکس ہیں ور اصل عربی زبان کا لفظ، فارسی لفظ گزیہ کا معرب ہے۔ جزیہ کا موجد اسلام نہیں؟ بلکہ اول اول نوشیروان عادل نے اُسکو رواج دیا تھا اور اُسی کی کوششوں سے ترقی کرتے کرتے ایران۔ روم اور تمام بلاد اسلامیہ میں جزیہ کا رواج زور پکڑ گیا۔

اسلام نے جزیہ کے لیے جو چند خاص شرطیں مقدم رکھی ہیں انہیں نظر امام کرتے ہوئے جاہل سے جاہل شخص اس بات کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں کرسکتا کہ اسلامی جزیہ کوئی ظلم یا گناہ نہیں بلکہ رعیت کی حفاظت کا معاوضہ ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جو سلطنت غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمدردانہ اور برادرانہ سلوک رکھے۔ اُسے ہر طرح کی تکلیفوں سے بچائے اور اُسکے جان ومال کو اپنے سے زیادہ امن دے اگر اُسنے اس گروہ کے چند متمول لوگوں سے دس بیس روپیہ سالانہ بطور جزیہ وصول کرلیا تو کونسی بُرائی یا تکلیف دی ہے۔ کوئی سلطنت اپنے نظم ونسق اور فوج وسپاہ میں اُسوقت تک نمایاں ترقی نہیں کرسکتی جب تک اُسکی رعایا مالی اور جنگی مزدوں میں اُسکا ہاتھ نہ بٹائے چنانچہ ابتدا ء آفرینش سے اب تک جتنے سلاطین گذرے ہیں سب نے کسی نہ کسی (اچھے خواہ بُرے) طریقے سے رعیت کی امداد حاصل کی اور جس طرح بن پڑا لوٹ کھسوٹ ڈال کر یا لگان خراج وصول کرکے خزانہ شاہی کو

ملکی ضرورتوں کا کفیل قرار دیا۔

دوسرے مذہب کے لوگوں کا یہ اعتراض کہ سلاطین اسلام مسلمانوں سے جزیہ کیوں نہیں لیتے تھے، بعض ناواقف دلوں کے لیے قابل افسوس بات ہے لیکن جس شخص نے تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی ہے اُس سے پوشیدہ نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کے لیے زکوۃ دینا ویسا ہی فرض قرار دیا ہے جیسا غیر مذاہب سے جزیہ وصول کرنیکو۔ بڑا تعجب ہے کہ اہل اسلام جو زکوۃ دینے کے علاوہ ہر وقت میدان جنگ میں سر کٹانے کے لیے تیار رہتے اور رعایا کی حفاظت کے مقابلہ میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھتے تھے ظالم خیال کیے جائیں اور دوسری قومیں جو بہت قلیل معاوضہ دیکر مزے سے عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں مظلوم اور ستم رسیدہ بنائی جائیں۔

مبصرانہ نگاہوں میں اسلام کی بے تعصبی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ اور کم سے کم تین روپیہ فی آدمی سالانہ رکھی تھی اور اس حالت میں بھی اشخاص ذیل سے جزیہ وصول کرنے کی سخت ممانعت تھی۔

(۱) جسکے پاس سو درہم سے کم سرمایہ ہو۔

(۲) بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر کا آدمی۔

(۳) عورت۔

(۴) اندھا۔ اپاہج اور فاتر العقل مرد۔

سید مظہر حسین اختر
میرٹھی

جاپان

بارہواں باب

پاؤ آنہ میں بیسیوں لطف

صرف ایک پاؤ آنہ لیکر کسی محلہ میں جانا اور وہاں محض اس ایک پاؤ آنہ سے مختلف قسم کے تماشے دیکھنا اور بیسیوں لطف حاصل کرنا ضرور ناممکن خیال کیا جائیگا۔ کیونکہ روپیہ دو روپیہ میں جب میلہ کا پورا لطف حاصل نہیں کیا جاسکتا تو پاؤ آنہ کس شمار میں ہو مگر جاپان میں برابر ایسا ہوتا ہی۔ جاپان میں مزدوری وغیرہ کا نرخ بہت سستا ہی اکثر لوگ وہاں روزانہ چھ آنہ سے زیادہ نہیں کماتے اور جس شخص کی آمدنی بارہ آنہ روز ہو وہ خوشحال سمجھا جاتا ہی۔ چھوٹی آمدنی کے اخراجات بھی چھوٹے ہونے چاہئیں اسیلیے جاپان میں اسبات کا ہمیشہ لحاظ کیا جاتا ہی کہ کم آمدنی کا آدمی بھی اپنی تمام خواہشوں کو اپنے درجہ اور اپنی بساط کے مطابق پورا کرنے کا موقع حاصل کرسکے۔

ہمارا اس موقع پر یہ بتانا کہ ایک دن ناگہ ساگی کے میلہ میں او ہاراسان یعنی بی شگوفہ بیگم اور انکے بھائی تار وسان یعنی میاں خلف اکبر نے کیا کیا کام کیے خالی از دلچسپی نہوگا۔ علی الصباح وہ بہت خوشی کے ساتھ اپنے بچھونوں پر اُٹھہ بیٹھے۔ انکی دلی مسرت بہت غیر معمولی تھی کیونکہ وہ کئی روز سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے لیکن اُنہوں نے اُچکنا کودنا اور شور و غل کرنا جیسا دوسرے ممالک کے بچوں کا قاعدہ ہی بالکل نہیں اختیار کیا بلکہ انکی سیاہ چمکدار آنکھیں

مسرت کے جوش سے کچھ اور روشن ہوگئیں اور یہی انکی خوشی کا اظہار تھا۔

جلدی جلدی کھانا کھانے کے بعد وہ میلہ کی طرف چلے جو ایک بڑی دیول کے صحن میں قائم تھا۔ ان دونوں کو انکی عمدہ ترین پوشاک سے آراستہ کیا گیا تھا۔ دونوں کی "کی مونو" نئے تھے۔ اوہاماسان کی "اوبی" بہت اچھی تھی۔ اس "اوبی" کے خریدنے کے لیے اسکے والدین کو اپنے اوپر جبر کرکے بہت سی اپنی خواہشوں کو مسترد کرنا اور تھوڑا تھوڑا جمع کرنا پڑا تھا۔ ان دونوں بھائی بہن کے ساتھ ان کا باپ اور انکی دادی بھی چلے لیکن انکی ماں اپنے شیرخوار بچہ کے ساتھ گھر ہی پر رہی۔ ان کا باپ اسوقت ایک دُھلی ہوئی صاف "کی مونو" پہنے ہوئے تھا۔ جب وہ میلہ میں پہونچے تو بڑے ہی دل شوق سے اس کی ہرچیز کو دیکھنے لگے۔ بیشمار دلچسپیاں وہاں موجود تھیں یکایک ایک مٹھائی کی دکان سے باجہ کی آواز آئی اور اوہاماسان اور تارو دونوں اس کی طرف بڑے ہی شوق کے ساتھ لپکے۔

ہر ایک کے پاس پانچ رِن تھے۔ پانچ رِن ہمارے پاؤ آنہ سے بھی کم ہوتے ہیں لیکن ہم اسکو حساب کی آسانی کی غرض سے پاؤ آنہ ہی تصور کرلینگے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے پاس سے ایک رِن اس دوکان میں صرف کیا۔ دُکان کے دو حصے تھے ایک میں تو لذیذ شربت کے چھوٹے چھوٹے شیشے رکھے تھے اور دوسرے میں نیلے اور سُرخ اور سبز وغیرہ مختلف رنگوں کی مصری کی ڈلیاں تھیں۔ بی شگوفہ بیگم تو شربت کی طرف متوجہ ہوئیں اور انکے بھائی صاحب مصری کی ڈلیوں کی طرف جھکے لیکن کچھ خریدنے کے پہلے میاں خلف اکبر نے دوکاندار سے خواہش ظاہر کی کہ انکو بھی قسمت آزمانے کی اجازت دیجاے۔ اجازت ملنے پر تارو نے کانٹے کو گھمایا جو ایک سطح تختہ پر بیچ میں لگا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے کانٹا ایک ایسے عدد پر جاکر ٹھیرا جو گھمانے والے کو کامیاب بناتا تھا۔ پھر تو تارو کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کامیابی کے صلہ میں اس کو

ایک اور مصری کی ڈلی مفت ہاتھ آئی اور اس نے بڑی مسرت کے ساتھ خیال کیا کہ میلہ کی ابتدا اسکے حق میں نہایت مبارک ہوئی ہی۔

شربت پینے اور مصری کی ڈلیوں کا لطف حاصل کرنیکے بعد وہ بہیڑ بہاڑ میں ادہر اُدہر گھومنے لگے۔ کبھی کسی جگہ ٹھیرتے اور تماشہ دیکھتے کبھی کسی طرف کوئی کرتب دیکھتے میلہ میں تماشوں کی کمی نہ تھی۔ کہیں مداری کا کھیل ہو رہا تھا۔ کہیں نٹ اپنے کرتب کر رہے تھے کہیں ناچ اور گانا ہو رہا تھا کہیں سرکس کا بازار گرم تھا۔ کہیں کوئی عورت اپنے گردن کو اتنی دور کھینچتی ہی جہانتک اس کا ہاتھ بلند ہو سکے۔ کہیں کوئی شخص اپنے ہونٹھ کو اپنی آنکھوں سے ملاتا تھا۔ غرض مختلف قسم کے عجیب و غریب سیکڑوں کھیل تماشے ہو رہے تھے اور ہر جگہ داخلہ کے لیے ایک ین فی بچہ مقرر تھا۔ بہت دیر تک سیر کرنے کے بعد آخر کار دونوں بچوں نے مداری کے تماشہ کو پسند کیا اور اسکے خیمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں انکو بڑی حیرت ہوئی جب اُنھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے اپنے مُنہ سے آگ نکالنی شروع کی اور ایک لمبی تلوار ساری کی ساری نگل گیا۔ ایسے ہی بہت سے عجیب و غریب کمالوں کے بعد ایک بہت بڑا پانی کا سانپ بتایا گیا جو اصل میں مصنوعی تھا۔

اس تماشہ کو دیکھکر جب وہ دونوں باہر نکلے تو سیدھے اُس دکان پر پہونچے جو جاپانی میلوں کی جان ہی۔ اس دکان میں ایک آدمی چولھا لیے بیٹھا تھا اور اسکے اطراف بچوں کا ایسا انبوہ تھا جیسے شہد پر مکھیاں جمع رہتی ہیں۔ صرف ایک پیسہ کا پانچواں حصہ ادا کرنے پر گندہے ہوئے آٹے کی ایک ٹکیہ یا انڈے وودھ اور آٹے کی تھوڑی سی لپسی کے ساتھ چولھے کو استعمال کرنے کی اجازت ملجاتی ہی۔ بچے بڑی خوشی سے اپنے ہاتھوں کیک تیار کرنے اسکو پکانے اور کھانے کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ اگر کیک تیار کرنے میں دو گھنٹے بھی صرف ہو جائیں تو بیچارا چولھے والا کوئی شکایت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں کیک بنانے اور آگ سے کھیلنے کے دونوں لطف اکٹھے حاصل ہو جاتے ہیں اسیلیے جاپانی

سب کے بچے اسکے بڑے دیوانے ہوتے ہیں تارو نے بھی اس کھیل میں حصہ لیا لیکن شگوفہ بیگم الگ کھڑی تماشہ دیکھتی رہیں کیونکہ وہ اب اپنے تئیں اس قسم کے طفلانہ کھیلوں میں شریک ہونیوالے بچوں سے بالا سمجھتی تھیں۔

جب تک تارو کیک تیار کرتا رہا اس لڑکی نے اپنا تیسرا رِن ایک شعبدہ باز کا تماشہ دیکھنے میں صرف کیا۔ یہاں کاغذ اور مقوے کی تیلیاں بجائی جاتی تھیں۔ اسکے بعد وہ سب آگے بڑھے۔ تھوڑی دور چلکر دونوں نے ایک ایک رِن کی مٹھائی خریدی اور ایک تماشہ گاہ کے دروازہ پر پہونچکر اپنے باپ اور دادی کا انتظار کرنے لگے جو تھوڑی دیر کے لیے ان سے جدا ہوگئے تھے۔ تماشہ گاہ میں لوگ کثرت سے جمع ہو رہے تھے۔ بوڑھے جوان بچے۔ مرد۔ عورت ہر قسم کے آدمی آرہے تھے۔ ایک بہت دلچسپ تاریخی تماشہ ہونیوالا تھا اور اسکے شروع ہونے میں بہت کم وقت باقی رہگیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ان کا باپ اور انکی دادی آگئے اور ان دونوں کے پاس جو ایک ایک رِن باقی رہگیا تھا اسکو وصول کرکے ناٹک کے ٹکٹ کی قیمت میں بھرتی کیا گیا۔

اسکے بعد یہ سب اندر داخل ہوئے اور ایک جگہ بیٹھ گئے تماشہ گاہ کی نشستیں چھوٹے چھوٹے کٹھروں کے ذریعے جو تقریباً ڈیڑھ بالشت اونچے ہونگے متعدد حصوں میں منقسم تھیں۔ ان مربع جگہوں میں سے ایک پر ان لوگوں نے قبضہ کیا۔ ہر ایک بے تکلفی کیساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور بڑھیا نے اس گٹھری کو کھولنا شروع کیا جو وہ اسوقت تک لیے پھرتی تھی۔ اس گٹھری میں کھانے پکانے کا سامان اور بہت سے چاول وغیرہ تھے جاپان کے قاعدہ کے مطابق یہ لوگ چاہتے تھے کہ تماشہ ختم ہونے تک جسکو کئی گھنٹے درکار تھے خوب کھائیں پیئیں اور اچھی طرح خوشی حاصل کریں۔

باپ نے اپنی چی کو تمباکو سے بھر کر سلگایا اور سیکڑوں آدمیوں کی طرح جو وہاں چاروں طرف جمع تھے پینا شروع کیا۔ تماشہ گاہ کے ہر حصہ میں ایک ایک خاندان سمایا

ہوا تھا اور ہر خاندان اپنا اپنا پخت وپز کا سامان وغیرہ لیتا آیا تھا۔ اسکے علاوہ مختلف خوانچہ والے کھانے پینے کی چیزیں۔ ومیاں۔ تماکو۔ ساکی وغیرہ بیسیوں اشیاء بیچتے پھرتے تھے۔

تماشہ شروع ہونے کے ساتھ ہی تمام لوگ اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ایک بہت دلچسپ معرکۃ الآرا تاریخی تماشہ تھا۔ جاپانی عموماً ناٹکوں میں اسیلے جلتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی لیجاتے ہیں کہ وہاں تاریخ سیکھیں۔ ناٹکوں میں ہمیشہ قدیم بڑی جنگیں پرانے امیروں کے باہمی مقابلے وغیرہ بالمختصر یہ قدیم جاپان کی تاریخ بتلائی جاتی ہے۔ تماشے میں ایک بازیگر نے حاضرین کو بہت مسرور کیا اور لوگوں نے اسکے سوانگ سے محظوظ ہوکر اپنی ٹوپیاں چبوترہ پر اسکے پاس پھینکدیں ایک ناٹک والے نے ان سب ٹوپیونکو اکٹھا کر کے اپنے ہاں رکھ چھوڑا۔ تماشہ کے خاتمہ پر لوگ اسکے پاس گئے اور کچھ کچھ انعام دیکر اپنی ٹوپیاں واپس لیں۔ تماشہ ہونے تک کامل چھہ گھنٹے او ہارا سان اور تارو اپنے مختصر دائرہ میں بیٹھے۔ ہنستے قہقہے لگاتے۔ کھاتے پیتے اور تماشہ دیکھتے رہے چھہ گھنٹوں تک تماشہ جاری رہا۔ اسکے بعد وہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ وہ ایک چھوٹا کھیل تھا اور تماشہ گاہ بھی سستا سا معمولی تھا۔ جب تماشے کے اختتام پر وہ سب اٹھنے لگے تو باپ نے کہا کہ:۔

"افسوس! اصلی اور قابل دید تماشے تو اسوقت ہوتے تھے جب میں بچہ "تھا۔ ہم لوگ صبح سویرے اٹھکر چھہ بجے کے پہلے تماشہ گاہ میں داخل ہوجایا "کرتے تھے وہاں گیارہ بجے رات تک ہم تماشے کے لطف و مسرت" "میں محو رہتے تھے مگر اب سرکار کا یہ حکم ہے کہ نو گھنٹوں سے زیادہ " "کوئی تماشا جاری نہ رکھا جاسے۔ یہ بہت ہی تھوڑا وقت ہے! "۔

بچوں نے انپنے باپ کی راے کے ساتھ اتفاق کیا اور دونوں ملکر کابیو

پیالوں وغیرہ کو جو وہاں پھیلے ہوئے تھے جمع کرنے میں اپنی داوی کا ہاتھ بٹانے لگے۔
اسکے بعد ہر ایک نے اپنے ہاتھ میں اپنا اپنا چوبی نشان لیلیا تاکہ دروازہ پر پہونچکر اسکے
ذریعے اپنا جوتہ واپس لیں۔ جوتے پہن چکنے کے بعد بی شگوفہ بیگم اور میاں خلف اکبر
نے آہستہ آہستہ میلہ کی بھیڑ بھاڑ میں سے اپنے گھر کی طرف چلنا شروع کیا۔ اب
انکے پاس خرچ کرنے کے لیے کوئی رقم باقی نہ رہا تھا۔ لیکن پاؤ آنہ میں اُنہوں نے
بیسیوں لطف حاصل کر لیے تھے۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

زنانہ حاضر جوابی

نومبر کے رسالہ خاتون میں زنانہ لطائف کے متعلق جو فرمایش کی گئی ہے اس کی تعمیل
میں اسوقت زنانہ حاضر جوابی کا ایک بہت دلچسپ اور تازہ ترین نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے
امید ہے کہ اسکو پڑھکر خواتین بہت محظوظ ہونگی۔

انگلستان کے ایک سبر برآوردہ اخبار کے نامور اڈیٹر ایک مشہور و معروف
خاتون سے "حقوق النسوان" کے متعلق بڑے جوش و خروش کے ساتھ بحث کر رہے
تھے۔ مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہونے کے بعد اڈیٹر صاحب نے خاص تبحر کے لہجہ میں کہا
"لیکن عورتیں ہرگز مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ مثال کے طور پر"
"جنگ ہی کو لیا جائے۔ فرض کیجیے انگلستان اور جرمنی میں جنگ چھڑ گئی۔"
"ایسی حالت میں بتلائیے کہ آپ کیا کرینگی ؟"

بذلہ سنج خاتون نے بڑی ہی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ :-
" میں بھی بالکل وہی کرونگی جو اگر ایسا موقع آپڑا تو تم کروگے۔ میں اپنے لکھنے کی "
" میز پر بیٹھ جاؤنگی اور وہاں سے لڑنے کے مضامین تحریر کرنے شروع کردوں گی "
" جن میں غیرت و شرم کو جوش میں لانے اور دوسرے تمام لوگوں کو جنگ "
" میں جلنے اور لڑنے مرنے کی ترغیب و تحریص دینے میں کوئی دقیقہ "
" فروگذاشت نہ کیا جائیگا "

سید خورشید علی

حیدر آباد دکن

" ساس اور بہو "

مفروضات اور واقعات میں فرق ہوتا ہی چار دن کا ذکر ہی بیچاری فاطمہ اپنی ساس کے ہر وقت طعنوں سے تنگ آکر ہمیشہ کے لیے خاکی پیرکٹ میں جا سوئی ہم تو پھر کہینگے کہ یہ رشید کی قسمت کی خوبی ہی۔ پہلی بیوی کے مرنے کے غم کا گھاؤ بھرا نہ تھا کہ یہ اور چرکا لگا۔

گھر پر رہ کر آپس کے برتاؤ کو دیکھیئے تو گھر کا خرچ کیونکر چلے اکیلا دم اور اللہ رکھے سات آدمی کھانیوالے۔

سولہ برس کی عمر میں پہلی شادی ہوئی باوا کے لاڈ پیار نے ننھی سی کونپل کے مرجھانیکا سامان کر دیا۔ چار برس کے بعد پہلی بیوی مری دوسری آئی یہ بھی دو برس دنیا کی ہوا

ہوا کھاکر سدھاری۔ اب تیسری کی باری ہے۔ زندگی اور موت خدا کے حکم پر ہے۔ لیکن ورے نہیں تو گھاٹ پڑے گنواری مثل ہے یہ دو موتیں ہمارے خیال میں رشیدان مظالم خوشدامن کہلائی جائینگی۔ پرجہاں یہ تمام باتیں ہیں وہاں ہم رشید کی والدہ کو بھی قصوروار نہیں ٹہرا سکتے بعض بعض برتاؤ دانستہ سختی سے کیے گئے تو بعض باتیں جہالت سے ہی ہوئیں۔

رشید کی بدنصیبی۔ تیسری شادی بھی ہوئی۔ لڑکے کی سعادت اور نیک بختی میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ دوشادیوں کے بعد تیسری شادی ہندوستان میں ہونی دشوار ہے لیکن یہ خصوصیت رشید کو حاصل ہے۔

سکینہ۔ (رشید کی تیسری بیوی) تعلیم یافتہ۔ ساس دقیانوسی خیال بنے تو کیونکر بنے ; میاں روزگار پیشہ ہمیشہ باہر رہنے والا۔ دودن کے لیے گھر پڑا گیا آگیا علیحدہ گھر بنائے تو ماں کا گنہگار۔ غرض کہ ہر طرح مشکل۔

انسان کے ساتھ بیماری لگی ہوئی ہے۔ سکینہ بیمار ہوئی۔ ساس کے خیالات بدستور قائم۔ لاکھ سمجھایا۔ ہر پہلو سے غریب سکینہ نے بتانے کی کوشش کی کہ آپ کے خیالات درست نہیں۔ بیماری میں مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ تاہم سکینہ کے صبر و تحمل کی تعریف کرنی چاہئے۔ جو اس حالت میں متانت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ عادت طبیعت ثانیہ ہے۔ حالانکہ انکے گہر میں دو دل دہلانے والے واقعات ہوچکے تھے لیکن عادت میں فرق نہ آیا پیٹا آیا دشمنی نہ تھی عداوت سے سروکار نہ تھا۔ عادت سے مجبور۔ جاہلانہ خصلت کا اثر اسکو دشمنی نہیں کہتے۔

سکینہ بیمار ہے۔ ساس ہیں کہ حکیم کو دکھانا گناہ سمجھتی ہیں۔ ہے ہے۔ غیر مردوے کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیں۔ نامحرم ہمارا ہاتھ دیکھے۔ ہماری شرافت سے تو بعید ہے آجکل کی لڑکیوں میں ذرا اسکا ذرا خیال نہیں۔ بی عائشہ ہم نے تو کبھی غیر مردوے کو اپنا آنچل بھی نہیں دکھایا ۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امینہ نے دوڑ کر دونوں بیبیوں کو اطلاع دی کہ پھوپی سلمہ آتی ہیں۔

سکینہ کی ساس ؎ آہا۔ عائشہ اب تم دیکھنا انکے خیال بھی سکینہ جیسے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیال کہ پناہ بخدا اسپر دعویٰ یہ کہ ہم روشن خیال ہیں۔ سنتے ہیں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو پرانی رسمونکو مٹاتا جاتا ہے۔ بھلا نیا نام ہی توبہ بھولتی ہوں نیچر۔۔۔۔۔ ی

ابھی پورے طور سے لفظ نیچری ادا نہ ہو چکا تھا کہ سلمہ جسکے آنیکی اطلاع دی گئی تھی پہونچگئیں۔

" ہاں فرمایئے کہتے کہتے رُک کیوں گئیں نیچری نیچریوں نے کیا قصور کیا جو آپ انکا ذکر فرما رہی ہیں۔ شاید کسی پرانی رسم کا خیال آگیا ہوگا۔

یہ کہکر آپس میں رسم سلام و دعا ادا کی گئی اور سکینہ کی ساس جنکا نام اُم کلثوم تھا سلمہ سے مخاطب ہوئیں۔

" بھلا آپ طرفداری نہ کرینگی تو اور کون کریگا۔ آپ بھی تو نیچرن ہیں۔

سلمہ (قہقہہ لگاکر) سُبحان اللہ۔ بیشک اگر نیچری یا نیچرن آپ کی مُراد وہی لوگ ہیں جو بیہودہ رسموں کو مٹا رہے ہیں تو میں سب سے پہلے نیچرن ہوں۔

اُم کلثوم ؎ مانا کہ بعض رسمیں بیہودہ ہیں لیکن کیا ہمارے باپ دادا بیوقوف تھے اُن کو کبھی اسباب کا خیال نہ آیا۔

سلمہ۔ یہ بھی ایک کہی روحی فداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب توحید کی منادی فرمائی تو جو لوگ آپکے مخالف تھے یہی کہتے تھے کہ کیا ہمارے باپ دادا بیہودہ تھے ہم کیوں اُنکے آئین کو چھوڑکر دین جدید اختیار کریں۔ تم نے عرب کی جہالت کا مرقع آنکھوں کے سامنے کھینچدیا۔ باوجودیکہ تمہارے گھر میں ایک جان چھوڑ دو جانیں جاہلیت کا شکار ہو چکی ہیں پھر بھی خیال نہیں ہوتا۔ مُلّا سیانے تو

گھر میں آ جائیں ڈاکٹروں حکیموں کو دکھانا کفر رشید بے منہ کا آدمی کوئی اور ہوتا تو زمین آسمان ایک کر دیتا پر سکینہ کی بردباری آجتک زبان سے اف نہیں نکالی۔ کیا ستم ہے کہ حکما کے علاج سے ہمیں احتراز ہو اور ملا سیانے کی بات کا اعتبار۔ کل کی بات ہے ہمارے محلہ میں بی ہمسائی کے بچہ کو سرسام ہوا۔ گیارہ برس کا کھیلتا بچہ باتیں ایسی بھولی اور پیاری کہ گھنٹوں سننے کو جی چاہے۔ بخارات دماغ میں چڑھتے ہی ہذیان بکنے لگا۔ تو چل میں چل۔ کوئی کہتا ہے واوے نورالدین سر پر آ گئے۔ کوئی میراں شیخ سدو کا نام لیتا ہے۔ اصلی علاج سے سب غافل۔ ملا سیانے آئے مٹھی گرم کی۔ مرض کو زیادتی ہوئی تو کہنے لگے۔ میراں جی بکرا مانگتے ہیں کالا مرغا چاہئے سفید کبوتر کا خون بہاؤ۔ حکیم کو نہ بلانا تھا نہ بلایا۔ چوتھی دن وہ کھیلتی مورت مٹی کی مورت بنکر مٹی میں مل گئی اسی طرح کے اور صدہا واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے گذرتے ہیں۔

آپ خود اپنے گھر میں دیکھیں، فاطمہ (رشید کی پہلی بیوی) کس چیز کا شکار ہوئیں معاف کیجئے آپ کی توہم پرستی اور جہالت کا اور غریب سکینہ مبتلائے آفات ہیں تو آپ کی جہالت کی خدا ہزاروں برس تک انہیں زندہ رکھے لیکن آثار اسکے خلاف ہیں اگر یہی آپ کے بیہودہ اور جاہلانہ خیالات اور ایسی ہی حکیم کو ہاتھ نہ دکھانے کی پابندی ہے تو یہ بھی آپ کی پردہ پرستی کا شکار ہو جائینگی۔ میرا اس سے مطلب فال بدمنہ سے نکالنا یا آپ کے دل کو دکھانا نہیں تاہم میں اسقدر تنگدل بھی نہیں کہ کسی کے نقصان کو دیکھتے ہوئے اپنی زبان بند رکھوں اور اس کی تردید کے خوف سے مرعوب ہو کر اپنے فرض کو بھول جاؤں۔

میرا منشا پردہ پرستی کے طعن سے یہ نہیں کہ میں پردہ کی مخالف ہوں ہاں اتنے شدید پردہ کو جس کی ایک شاخ ہاتھ کا حکیم کو نہ دکھانا ہو نفرت کی نگاہ سے بھی ضرور دیکھتی ہوں بہرحال آپ یاد رکھیے کہ اگر یہی آپ کے خیالات ہیں تو ایکدن آئیگا جبکہ آپ کا کوئی نقصان نہوگا اور بیچاری سکینہ ہاتھ سے جاتی رہیگی۔

اُم کلثوم (سکینہ کی ساس) بس بس آپ اپنی تقریر رہنے دیں ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔
آپ اپنے خیال پر نازاں ہم اپنی پُرانی روشنی پر شاداں۔
احکام قضا و قدر سے بندہ مجبور ہے۔ حکم الٰہی کے خلاف ذرہ جنبش نہیں کرتا۔

سلمہ۔ ہاں یہ تو فرمایئے کہ وہ واوے نورالدین جو سروں پر چڑھ جاتے ہیں اُنپر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔ کیا مرنے کے بعد وہ خدائی حوالات میں جہاں اُنہیں اپنے کردار زشت کی سزا بھگتنی چاہئے تھی نہیں بند کیے گئے یا وہاں کے دربانوں کو بھی رشوت دیکر نکل آئے۔ آخر یہ آزادی کیوں ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جن لوگوں نے زندگی میں بُرے افعال کیے ہیں اُنکو مرنیکے بعد اتنی آزادی کیوں دی گئی اور اگر کہا جائے کہ انکا لوگوں کے سروں پر چڑھنا ہی اُنکے لیے ایک قسم کا عذاب ہے۔ جیسا کہ بعض جُہلا کا خیال ہے تو یہ فرمایئے کہ اُن غریبوں نے کیا قصور کیا ہے جنکے سروں پر وہ آتے ہیں۔ مجرم تو ہوں وہ! اور عذاب اُٹھائیں دوسرے ان کے لیے عذاب کیا ہوا وہ خود تکلیف اور عذاب دینے پر قادر ہوگئے۔ جب چاہیں اُتر جائیں۔ محض ڈھکوسلے اور بیہودہ خیال رہا یہ کہ جو کچھ حکم الٰہی ہوگا ایک وحشیانہ خیال ہے۔ خدا کا قانون عام ہے انسان بُرا فعل کریگا بُرے نتائج ہونگے اچھے کام کریگا اچھے۔

خیر یہ ایک طویل بحث ہے جسکا یہاں موقع نہیں بالفعل مجھے محض اسبات پر آپکو متوجہ کرنا ہے کہ ان جاہلانہ خیالات سے باز آیئے جنسے سکینہ کے مرض کو دن بدن ترقی ہے اور اسکی جان بچایئے۔ ورنہ یاد رکھیے کہ قیامت کے روز اُس کی تکلیف پہونچانے کی جواب دہ آپ ہونگی۔

دو مہینے گذر گئے اور پھر یہ بیبیاں ایک جگہ جمع ہیں وہی مکان ہے لیکن آج ان سب کے

چہرے غمگین ہیں سکینہ کا ساس کے مظالم سہتے سہتے انتقال ہو چکا ہے اور آج اُسکے پھولوں کا دن ہے۔ عائشہ ویُرانے خیال والی عائشہ جو سکینہ کی ساس کی اندہی اور سخت مؤید تھی آج اُسکے جاہلانہ اور لغو خیالات پر اپنے دل میں لفرین کر رہی ہے اور عہد کرتی ہے کہ سلمہ کی صحبت حاصل کر کے اُن ہدایتوں اور تجویزوں پر دل سے عمل کریگی جو آجکل کی روشن خیال بیبیوں کا دستور العمل ہیں اور جس کی تائید کرنا ہر ایک سمجھدار بی بی کا فرض ہے۔

رشید حسرت نصیب رشید جاہل ماں کے ہاتھوں ستم رسیدہ رشید عہد کر چکا ہے کہ اپنی باقیماندہ زندگی عالم تجرد و تفرید میں بسر کریگا اور آیندہ اپنی آنکھوں سے ایسے جاہلانہ شکاروں کے درد انگیز نظارے نہ دیکھے گا جو اُس کی جاہل ماں کی زندگی تک لازمی ہیں۔

راقمہ

"سلمہ"

بقلم مقبول احمد نظامی سیوہاری

اڈیٹوریل

اجلاس کانفرنس

معمولاً بڑے دن کی تعطیلوں میں کانفرنس کے اجلاس ہوتے رہے ہیں مگر امسال دربار کی وجہ سے شروع دسمبر کا زمانہ کانفرنس کے اجلاس کے انعقاد کے لیے تجویز کیا

اور شروع دسمبر کا وہ وقت تھا جبکہ اول کچہریوں وغیرہ کی تعطیل نہ تھی۔ دوسرے معمولاً کانفرنس کے حامیان ایسے وقت میں شرکت جلسہ کے عادی نہ تھے اور تیسرے لوگ دربار میں شرکت کی تیاری میں مشغول تھے ان وجوہات سے امسال کانفرنس میں باہر کے بزرگوں میں سے بہت کم اصحاب شامل ہو سکے۔ تاہم منجملہ ان اجلاس کے ایک جلسہ یعنی جلسہ صیغہ تعلیم نسوان جس کی صدر نشین علیا حضرت جناب بیگم صاحبہ والی بھوپال تھیں اس میں کم و بیش پانچ ہزار مسلمان مرد اور دو سو سے زائد پردہ نشین خواتین شریک ہوئیں۔ امسال کانفرنس کی صدارت ہز ہائنس جناب سر آغا خاں نے منظور فرمائی تھی مگر وہ وقت پر پہونچ نہ سکے اسلیے نواب عماد الملک سید حسین صاحب بلگرامی نے صدارت فرمائی اور ایک نہایت عالمانہ اور قابلانہ اڈریس پڑھا۔

ایک لکچر جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور کا تھا آجکل عام طور پر انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انکے مذہبی اعتقادات بہت ضعیف ہیں مگر خواجہ صاحب موصوف کا لکچر سننے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی تعلیم یافتہ جماعت کو اپنے اعتقادات میں پختہ کر سکتا ہے تو وہ خود تعلیم یافتہ جماعت کے اشخاص ہیں۔ بڑا اعتراض اسلام پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہ نیچرل سائنس کے مطابق نہیں ہے۔ مگر خواجہ صاحب نے نہایت فصاحت اور بلاغت سے یہ ثابت کیا کہ خود قرآن ایک نیچرل سائنس ہے اور مذہب اسلام فطرتی ذریعہ نجات ہے۔

خواجہ صاحب کے لکچر کے اوپر ڈاکٹر اقبال صاحب پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور جو اس خاص جلسہ کے پریذیڈنٹ تھے انکی رائے سونے پر سہاگہ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے تاریخی طور پر یہ ثابت کیا کہ کسی یورپ کے مصنف کا یہ خیال کہ اسلام نعوذ باللہ ایک شجر بے ثمر ہے اور اس سے دنیا کو کوئی نفع نہیں پہنچا اسکی غلط فہمی پر مبنی ہے جس انتہائی خیال کو یورپ کے لوگ اب پہونچے ہیں اسلامی دماغ پندرہ صدی سے قبل یعنی آج

سے چار سو برس پہلے اس انتہا کو پہونچ چکے تھے۔

صیغہ تعلیم نسوان کا اجلاس پانچ دسمبر کو ۹ بجے شب کے وقت شروع ہوا چونکہ ہماری مخدومہ جناب بیگم صاحبہ کی آمد آمد تھی اسلیے سات ہی بجے سے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے اور آٹھ بجے تک کل پنڈال بھر گیا۔ آنریری سکرٹری صیغہ کی جانب سے دہلی کی بیگمات کو اس شرط کے ساتھ کو دعوت دی گئی تھی کہ پنڈال میں پردہ کا نہایت سخت انتظام ہوگا اسلیے دہلی کے تمام معزز خاندانوں کی بیگمات جنکی تعداد دو سو سے زائد ہوگی آٹھ بجے تک وہ بھی پردہ والے پنڈال کے حصہ میں آکر جمع ہو گئیں۔ پردہ کا انتظام پنڈال کے چبوترہ پر کیا گیا تھا۔ یعنی نصف چبوترہ پردہ میں لے لیا گیا تھا اور باقی نصف صدر نشین کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا اور اس حصہ میں سوائے صدر نشین اور چند کارکنان کانفرنس کے اور کسیکو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

دربار کے کیمپوں میں جسقدر معزز مسلمان موجود تھے وہ سب اس اجلاس میں شریک ہوے۔ بالخصوص جناب شیخ صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور و مولوی رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ کونسل ریجنسی بہاول پور۔ مرزا سلطان احمد صاحب خان بہادر و دیگر ممبران کونسل۔ نواب ممتاز یار الدولہ صاحب رئیس حیدرآباد۔ مسٹر حیدری صاحب وزیر خزانہ حیدرآباد اور اسیطرح کے اور بہت معززین بمبئی و کلکتہ و دیگر مقامات سے تشریف لائے۔

باہر کی معزز بیگمات میں وزیر صاحب خیرپور کی بیگم صاحبہ۔ بیگم صاحبہ نواب ممتاز یار الدولہ بیگم صاحبہ نواب پاٹودی۔ ہز ہائنس جناب بیگم صاحبہ جنجیرہ۔ جناب زہرہ فیضی صاحبہ عطیہ فیضی صاحبہ۔ جناب بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ۔ مسز حیدری صاحبہ۔ جناب مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ۔ و مسز لاڈو چودہرانی صاحبہ وغیرہ شریک تھیں۔ حضور عالیہ چہرۂ مبارک پر نقاب ڈالے ٹھیک پونے ۹ بجے پنڈال کے دروازہ پر رونق افروز ہوئیں

جملہ حاضرین جو پنڈال میں تھے وہ حضور عالیہ کے خیر مقدم کے لیے سروقد کھڑے ہو گئے۔ حضور عالیہ آکر ایک زرین کرسی پر تشریف فرما ہوئیں۔ اسکے بعد نواب وقار الملک بہادر سکرٹری کانفرنس نے یہ تجویز پیش کی کہ حضور عالیہ کرسی صدارت کو رونق بخشیں اور چند مختصر الفاظ میں حضور کے ان شاہانہ احسانات کی طرف حاضرین کو توجہ دلائی جنسے اسوقت مسلم کالج اور مدرسہ نسواں علی گڈہ بہرہ ور ہوا ہے۔ اس کی تائید جناب شیخ صادق علی صاحب وزیر خیر پور نے فرمائی اور حضور عالیہ نے کرسی صدارت کی رونق افزائی فرمائی۔ اور کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

اسپیچ

علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ پرنس لاور اعظم طبقہ اعلےٰ ستارۂ ہند

جی سی۔ آئی۔ ای۔ فرمان روائے بھوپال دام سلطنتہا

بہ اجلاس بست و پنجم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغۂ تعلیم نسوان

پنجم دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء وقت شب

صاحبان! سب سے پہلے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپنے مجھے اس

شاندار جلسہ کے صدر انجمن ہونیکے واسطے انتخاب کیا اور مجھے ایک قومی و علمی خدمت کی انجام دہی کا موقع ملا۔

یہ حسن اتفاق ہی کہ اسوقت شہنشاہ عالیجاہ کی تاجپوشی کی مبارک تقریب پر میں بھی یہاں موجود ہوں۔ ورنہ ریاست کی ذمہ داریاں باوجودیکہ تعلیم سے مجھے دلچسپی ہی اس جلسہ کی شرکت سے مجکو معذور رکھتیں۔

الحمدللہ آج میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور میں اس عظیم الشان اسلامی جلسہ میں شریک ہوں جو کہ ایک چوتھائی صدی سے چار اطراف ہند میں مناوی تعلیم کر رہا ہی۔ اس کانفرنس نے حقیقتاً قومی تعلیم کی ترقی و نگہداشت میں نمایاں حصہ لیا ہی لیکن آپ صاحبان کی حسن تدبیر پر اب اور بھی زیادہ بار پڑنے والا ہی کیونکہ وہ مبارک وقت انشاءاللہ بہت قریب ہے جبکہ ایک طرف مردوں کی تعلیم مسلم یونیورسٹی کے قیام سے اپنی معراج کمال کو پہونچیگی اور دوسری جانب تعلیم اناث کا سنگ بنیاد استحکام سے نصیب ہوگا۔

مردوں کے مسئلہ تعلیم کو چھیڑنے کی اسوقت مجھے ضرورت نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ فرقہ اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل ہی اور رہنمائی کے لیے مجھ سے زیادہ قابل اصحاب الرائے موجود ہیں لیکن میری جنس میں نہ اپنی ضروریات پر غور کرنیکی قابلیت ہی نہ اپنے حقوق کو دوسروں کے سامنے مناسب طور پر پیش کرنے کی لیاقت ہی۔ اور نہ اپنی مدد آپ کرنیکی طاقت۔

یہی سبب ہی کہ اسوقت تک اسکو تعلیم سے اسقدر کم حصہ ملا ہی کہ گویا کچھ ملا ہی نہیں۔

حضرات! یہ ظاہر ہی کہ آج جو لڑکیاں ہیں وہی ایک دن آیندہ آنیوالی نسلوں کی مائیں ہونگی اور یہی کمزور ہاتھ ہیں جو کل تمام قوم کی تربیت کے معاون ہونگے۔ لیکن کسقدر افسوس کی بات ہی کہ انہیں کی تعلیم اسوقت نہایت پست حالت میں ہی۔

میں جسکو اس ضعیف فریق کے ایک فرد ہونے کا فخر حاصل ہی آج اس عظیم الشان

جلسہ میں اپنی جنس کی قائم مقام ہو کر پہلے ان تمام مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو آپ صاحبان نے تعلیم اناث کے متعلق کی ہیں اور ساتھ ہی آپ سے یہ بھی کہتی ہوں کہ رہرو بہت ضعیف اور منزل مقصود ابھی بہت دور ہے اور مردوں کی قوی امداد اور سرگرم کوشش کی احتیاج ہے۔

قومی تاریخ اور روزمرہ کے تجربات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف مردوں کی کم توجہی اس کمی تعلیم کا باعث ہے۔ اور یہ امر جسطرح کہ عورتوں کے لیے نقصان رساں ثابت ہوا ہے اسیطرح بلکہ اس سے زائد مردوں کے لیے مضر ہوا تاہم خدا کا شکر ہے کہ اس نقصان کی تلافی کی کوشش ہونے لگی ہے اور آپ صاحبان کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ نہایت امید افزا اور قابل شکریہ ہے کہ اب تعلیم نسواں کی بہت سی وقتیں دور ہو گئی ہیں اگرچہ ان دقتوں کا اکثر حصہ خود کردہ تھا۔ لیکن میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ابھی دقتوں کا حصہ بہت سا باقی ہے اور وہ نہایت سخت ہیں اگر آپ نے ان سے ہمت ہار دی تو نہ صرف ہمت مردانہ کے خلاف ہوگا بلکہ وہ انصاف کے حق میں ظلم سمجھا جائیگا۔ گو آثار زمانہ اور حالات قومی اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ جب تک اس فریق ضعیف کو آپ ایسا نہ بنا لینگے کہ وہ آپ کی کامل معاونت کے قابل ہو جائے اسوقت تک آپ دم نہ لینگے اور انشاءاللہ آپ کا عزم بالجزم اس یقین کو پورا کر کے دکھلائیگا۔

گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کی تعلیم جو پردہ کی چار دیواری میں دنیا کی آفتوں سے محفوظ اور صرف اپنے خانگی انتظامات اور بچوں کی غور و پرداخت میں مصروف رہنا ان کا کام ہے اتنی پیچیدہ نہیں ہوگی جسقدر کہ مردوں کی تعلیم ہے مگر پھر بھی تعلیم نسواں کے متعلق بہت سے مسائل غور اور توجہ کے قابل ہیں۔ مثلاً نصاب تعلیم کی تیاری۔ قابل استانیوں کا انتظام۔ طریقہ تربیت وغیرہ اور یہی وہ امور ابتدائی ہیں جن پر لڑکیوں کی تعلیم کا انحصار ہے۔

مجھے یہ کہتے ہوئے حقیقت میں افسوس ہوتا ہے کہ باوجود کوشش ابھی تک کوئی عمدہ نصاب بھی تجویز نہیں ہوا۔ اسلیے میں نے اپنے کچھ خیالات ایک چھوٹے سے رسالہ

کی صورت میں شائع کردیے ہیں تاکہ آپ صاحبان اسپر غور و فکر کریں اور مجکو مدد دیں کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہو کہ جب تک یہ ابتدائی مرحلہ طے نہ ہوجاے دوسرے مراحل کا طے کرنا ناممکن ہو۔

اُردو میں بالخصوص لڑکیوں کے مناسب حال کتابوں کی بہت کمی ہو لیکن انگریزی میں انتظام خانہ داری۔ حفظان صحت۔ تربیت اطفال۔ صنعت و حرفت وغیرہ کی بہت سی کتابیں مستورات کے لیے مفید و بکار آمد ہیں۔ اگر ہماری قوم کے ہونہار اور تعلیم یافتہ لوگ اپنا تھوڑا سا وقت اس پر صرف کریں کہ انکے ترجمے کرکے مناسب حال بنا دیں تو بہت کچھ امداد پہونچ سکتی ہو۔

صاحبان! میرے خیال میں جب تک تعلیمی کتابوں کا سلسلہ اپنی مادری زبان میں نہو کسی قسم کی تعلیم کا مکمل ہونا مشکل ہو اور بالخصوص عورتوں کی جن کی کم عمری میں شادی ہوجانیکا عام رواج ہو غیر زبان میں باقاعدہ تکمیل تعلیم کرنا مشکل ترین امر ہو۔

اسیطرح قابل اُستانیاں بھی بہت کمیاب ہیں اور جب تک اچھی کتابوں کے ساتھ اچھی پڑھانیوالیاں نہوں تب تک لڑکیوں کی تعلیم کا کام ناتمام رہیگا۔ یہ تمام امور آپ کی صرف ہمت سرگرم کوشش۔ اور ایثار قابلیت پر منحصر ہیں اور میں صاف کہے دیتی ہوں کہ جب تک قوم کے قابل اصحاب ان اوصاف کے ساتھ متوجہ نہونگے یہ تعلیمی مقصد کبھی انجام کو نہیں پہنچیگا۔ اور کامیابی ہمیشہ موہوم رہیگی۔

اب میں اپنے اس اڈریس کو اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ جس زور شور سے اس مسئلہ پر غور کیا جارہا ہی خداوند تعالیٰ مدد عطا فرماے اور اپنی خیر و برکت اس میں شامل کرے اور یہ مسئلہ تکمیل کو پہونچکر قوم کی بہبودی کا سرچشمہ بنے۔

صاحبان! میں یہ بھی ضروری تصور کرتی ہوں کہ ہم سب برٹش گورنمنٹ کا شکریہ ادا کریں جسکے سایہ عاطفت میں ہم اپنی ضروریات کو سمجھنے اور اُنکے متعلق غور و خوض کرنیکے

قابل ہوئے ہیں اور جسکو اس ملک کے ہر طبقہ کی تعلیم سے ایکساں دلچسپی ہو۔
ایسے سعید وقت پر جبکہ ہمارے شہنشاہ معظم و ملکہ معظمہ کی رسم تاجپوشی ادا ہونیوالی ہو اور جنکی تشریف آوری بہت سی برکات کا باعث ہو۔ ہمارا اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے جمع ہونا اور اسپر غور و فکر کرنا ضرور کامیابی کے واسطے عمدہ فال اور مبارک شگون ہو اور میں یقین کرتی ہوں کہ یہ نادر مجمع جسمیں ہماری قوم کی دونوں جنسیں موجود ہیں برٹش گورنمنٹ کی استحکام اور شہنشاہ معظم و ملکہ معظمہ کی درازی عمر و اقبال کی دعا کریگا۔ جن کی شاہانہ سرپرستی میں تعلیم کو فروغ اور ملک کو بہبودی حاصل ہو اور جنہوں نے پچھلے سیاحت ہند میں ہمارے قومی دارالعلوم میں تشریف لیجاکر ایک خاص اور قابل افتخار اعزاز عطا کیا ہو۔

حضور عالیہ جب اپنی تقریر ختم کر چکیں تو حضور عالیہ کے ارشاد کے موافق آنریری سکرٹری صیغہ نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑہی۔ اسکے بعد جناب مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ نے انگریزی میں ایک برجستہ فصیح و بلیغ تقریر تعلیم نسوان کی حمایت میں فرمائی۔

مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ کے نام سے ہندوستان میں بہت سے لوگ واقف ہونگے اور ہندوستان کیا بلکہ انگلستان میں بھی بہت سے لوگ انکی قابلیت کو مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعلیٰ درجہ کی شاعر ہیں اور انگریزی زبان کے اوپر انکو پوری قدرت حاصل ہو۔ علاوہ بریں وہ فارسی بھی بہت اعلیٰ درجہ کی جانتی ہیں انکی تقریر کے متعلق یہ کہنا بالکل درست ہو کہ "در گفتن نمی آید" دوسرا کوئی شخص نہ اسکو اپنے الفاظ میں لکھہ سکتا ہو نہ بول سکتا ہو۔ جتنی دیر تک وہ تقریر فرماتی رہیں سامعین کے اوپر ایک طلسمات کا سماں تھا انہوں نے اس بات کے اوپر بہت زیادہ زور دیا کہ صرف مردوں کو تعلیم دینا مسلمانوں کے لیے بالکل بے سود ہوگا۔ ایک یونیورسٹی کے بجائے اگر بیس یونیورسٹیاں بھی بناؤ تو مقصد حاصل نہوگا اصل یونیورسٹی بچہ کے لیے اس کی ماں کی گود ہی جبتک اس یونیورسٹی میں کوئی بچہ

تعلیم نہ پائیگا اسوقت تک تمہاری ان بڑی یونیورسٹیوں سے اسکو کوہر مقصود نہ حاصل ہوگا
مقررہ موصوفہ نے دوران تقریر میں حضور نظام مرحوم و مغفور کا ذکر بھی نہایت دردانگیز
الفاظ میں کیا خود انکے اوپر بھی ایک رقت طاری ہوئی اور سامعین کے دلوں کو بھی
اپنے درد بھرے خیالات سے بہت کچھ پگھلا دیا۔

مسز موصوفہ کی تقریر کے بعد چودہرانی سرلا دیوی صاحبہ نے حضور عالیہ کی اجازت
سے ایک لکھی ہوئی تقریر پڑہی۔ اُنہوں نے بھی تعلیم اناث پر بہت زور دیا گو انکے چند الفاظ
ہندو اور مسلمانوں کے مناقشہ کے متعلق ناموزوں اور بے محل تھے۔ اور اسپر ہمارے
بعض احباب کو اعتراض بھی ہوا کہ جبکہ مسلمانوں کے خلاف وہ اپنے خیالات کو روکنے میں
قدرت نہیں رکھتی تھیں تو انکو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع میں تقریر کی اجازت کیوں دیگئی
مگر ہمکو اپنے ان احباب سے اتفاق نہیں ہے اسلیے کہ مقصد ہمارا تعلیم اناث پر تقریر کرانا تھا اور اسی
کا سکرٹری سے وعدہ بھی ہوا تھا لیکن اگر اُنہوں نے چند الفاظ خارجی بھی فرما دیے تو اس سے
ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا بلکہ ہمکو معلوم ہو گیا کہ آجکل ہمارے برادران وطن کے بعض حلقوں
میں اسقدر سخت مخالفت ہے کہ عورتیں اور بچے بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ بہرحال
ہم ان دونوں نامی ہندو لیڈیوں کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے اتنے
بڑے جلسہ میں آکر لکچر دیے اور سامعین کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا بالخصوص نائیڈو صاحبہ
کی تقریر نے سامعین کو بہت محظوظ کیا۔ چودہرانی صاحبہ کی تقریر کے بعد جناب شمس العلماء
مولانا شبلی صاحب نعمانی نے اپنی سحر طراز تقریر شروع کی۔

عورت اور اسلام

علامہ شبلی نعمانی کی تقریر کانفرنس کے موقع پر"

ذیل میں اُس تقریر کا حصل درج کرتے ہیں جو جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے

کانفرنس کے صیغۂ تعلیم نسواں کے جلسہ کے موقع پر بمقام دہلی فرمائی تھی۔

بعض محاورات زبانوں پر اس قسم کے چڑھ جاتے ہیں جو محض بطور رسم کے استعمال ہوتے ہیں اور اُنسے کوئی حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ از اں جملہ ایک "عزت" کا لفظ ہی جو اکثر شعرا استعمال کرتے ہیں کہ "اسوقت مجھے یہ کہنے کی یا یہ تحریک کرنے کی عزت حاصل ہوئی ہی" لیکن اسوقت کے جلسہ میں جبکہ ایک ایسی والیہ ملک جو نہ صرف جان و مال پر حکومت کر رہی ہیں بلکہ دلوں کی مالک ہیں، یہاں تشریف فرما ہیں، تو اس موقع پر تقریر کرنا درحقیقت ایک عزت ہوگی۔ اسلام تفرقے مٹانے کے لیے دنیا میں آیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو یہ صاف کہدینے کا حکم ہوا تھا کہ "انما انا بشر مثلکم یوحی الی" (یعنی میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق یہ ہی کہ مجھپر وحی آتی ہی) آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین من حیث الانسان اپنے آپ میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔ ایکبار ایک شخص آنحضرت صلعم کو دیکھکر مرعوب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کیوں ڈرتے ہو، بحالیکہ میں ایک بیوہ قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہی کہ کبھی آپ خارشتی اونٹوں کے جسم پر اپنے ہاتھ سے تیل مل رہے ہیں؛ کبھی کچی اینٹ سر کے نیچے رکھے ہوئے زمین پر پڑے سو رہے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک یہودی کے مقابلہ میں عدالت میں جاکر ایک معمولی فریق کی حیثیت سے شہادت دی تھی۔ مگر بعد میں تفرقے پڑ گئے۔ ہم اُس مساوات کے لیے ترس رہے تھے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہی۔ اور آج جو سماں پیش نظر ہی وہ صدیوں بعد دیکھنے میں آیا ہی جبکہ ایک والیہ ریاست اُن لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہیں جو اُنکی رعایا اور خادم کے طور پر ہیں۔

یہی تفرقہ وجہ ہی عورتوں کی تعلیم کے سوال کے پیدا ہونیکی ورنہ مردوں کو کیا حق ہی کہ وہ عورتوں

کی نسبت یہ طے کریں کہ انکی اس قسم کی تعلیم ہونی چاہیئے اور اس قسم کی نہیں چاہیے۔
دنیا کے ہر حصہ میں اور ہر زمانہ میں عورتوں کا درجہ نہایت پست رہا ہے۔ ہندوستان میں دخترکشی کی ناگوار رسم اب تک رہی ہے۔ افلاطون کا قول تھا کہ رسم ورواج ازدواج پر مجبور کرتے ہیں، ورنہ عورتیں ہرگز اس قابل نہیں کہ انکو مردوں کے ہم پایہ اور برابر جگہ دیجائے۔ انگلستان میں انیسویں صدی تک یہ قاعدہ تھا کہ شادی کے بعد عورت کو اپنے مال پر کچھ اختیار نہیں رہتا تھا۔ عرب میں عورتوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تھا کہ "واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودا وھو کظیم" (یعنی جب اُن میں سے کسیکو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر دیجاتی تھی تو اسکا چہرہ (بوجہ غم کے) سیاہ پڑجاتا تھا اور وہ دل میں پیچ و تاب کھاتا تھا۔ لیکن اسلام نے مرد عورت کے درمیان مساوات قائم کی اور حکم دیا کہ "ولھن مثل الذی علیھن" (انکے وہی حقوق ہیں جو اُنپر ہیں) اور "للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن" جو مرد کمائیں وہ اُن (مردوں) کا ہے اور جو عورتیں کمائیں وہ ان (عورتوں) کا ہے اور یہ کہ "وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ" (تمہارے درمیان محبت اور رحم کا سلسلہ قائم کیا)۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "خیرکم خیرکم للنساء کم" (تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اچھے ہیں) آپنے یہ بھی فرمایا ہے کہ "رفقاً بالقواریر" (ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے) آنحضرت صلعم پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں سب سے پہلی شہید ایک صحابیہ عورت تھیں جو ابوجہل کے ہاتھ لڑائی میں شہید ہوئی تھیں۔
احد میں ایک صحابیہ رض کو اپنے بیٹے اور شوہر کے قتل کی پیاپے خبریں ملنے کے باوجود جب انکو آنحضرت صلعم کی سلامتی کی اطلاع ملی (جسکا انکو سخت انتظار تھا) تو انکی زبان سے بیساختہ یہی نکلا کہ "لا ھم بعد رویتک یا محمد" (اے محمد! آپکے دیدار کے بعد بیٹے اور شوہر کے قتل کا کیا غم ہو سکتا ہے) تین سو سال تک عورتوں کی مردوں کے ساتھ مساوات قائم رہی ہندوستان کے زریں عہد میں گلبدن بیگم کا "ہمایوں نامہ" (سلاطین

ہمایوں) اور جہان آرا کی "مونس الارواح" (سوانح حضرت معین الدین چشتیؒ) بینظیر کتابیں ہیں۔ پردہ مانع تعلیم نہیں ہے، اور نہ پردہ خارج از اسلام شے ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان عورتیں بے پردہ دربار وغیرہ میں شریک ہوتی رہی ہوں۔ اسکے خلاف کہنا اسلام پر سخت اتہام لگانا ہے۔ فرض کیجیے کہ عورتوں کو تعلیم دلانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ مردوں کی تعلیم ہی کے لیے عورتوں کو تعلیم دلائیں! کیونکہ بچہ کی تعلیم اسکے وجود میں آنیکے وقت ہی سے شروع ہو جانی چاہیے، اور یہ بغیر عورتوں کی تعلیم یافتہ ہونے کے ممکن نہیں۔

شمس العلماء کی تقریر کے بعد آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب جو کانفرنس کے روح رواں ہیں اور جن کی وجہ سے کئی سال سے کانفرنس اسقدر کامیاب ہوئی ہے اور جو مسلمانوں کے تعلیمی معاملات سے نہایت دلچسپی رکھتے ہیں انہوں نے حضور عالیہ کا ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر میں شکریہ ادا کیا۔ اور سامعین پر یہ ثابت کیا کہ یہ قومی پودی جو آگے چلکر تناور درخت ہونے والے ہیں اور جنسے پھل پھول کی ہمکو توقع ہے بچپن ہی سے اگر انکی جڑ مضبوط نہ کیجائیگی تو آگے چلکر نہ ان میں پھول آئیگا نہ وہ پھل دے سکینگے بلکہ مرجھا کر خشک ہو جائینگے اور سوائے جلا دینے کے اور کسی کام نہ آئینگے۔

جناب صاحبزادہ صاحب کی تقریر کے ختم ہونیکے بعد حضور عالیہ پردہ کے اندر تشریف لے گئیں۔ وہاں پر پردہ نشین خواتین سے ملاقات فرمائی۔ مسز عبداللہ نے حضور عالیہ و نیز دیگر معزز حاضرات کو ہار پہنائے۔ حضور عالیہ قریب بیس منٹ کے بیٹھکر بیگمات سے تلطف آمیز الفاظ میں گفتگو فرماتی رہیں اسکے بعد پھر باہر تشریف لائیں۔

حضور عالیہ کے لیے تین چیرز دیے گئے جسکی صدا سے تمام پنڈال گونج اٹھا۔ کارکنان کانفرنس نے حضور عالیہ کی مشایعت کر کے موٹر پر سوار کرایا اسکے بعد پردہ نشین خواتین کو چائے دیگئی اور اسکے ساتھ مختلف قسم کی مٹھائیاں۔ کیک اور نوالکھ رکھے گئے۔

ایک بجے کے بعد تک پردہ نشین بیگمات کی روانگی کا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً دو بجے تعلیم نسواں کا اجلاس ختم ہوا۔

الحمدللہ کہ حضور عالیہ کی توجہ کی وجہ سے یہ جلسہ نہایت شاندار اور بے نظیر جلسہ تھا اور تاریخ میں ہمیشہ کے لیے بطور یادگار کے رہیگا کہ ایک مسلمان حکمران بیگم نے تعلیم نسواں کی حمایت میں ایک جلسہ کی صدر نشینی منظور فرمائی اور اُسکو خیر و خوبی سے انجام دیا

ریورٹ صیغہ تعلیم نسواں جو سکرٹری نے اجلاس کانفرنس میں پڑھی تھی وہ آیندہ شائع کی جائیگی۔

مدرسہ نسوان علیگڈھ کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔ اب روپیہ کی ضرورت ہے ناظرات سے التجا ہے کہ وہ اپنی اس پہلی قومی درسگاہ کی طرف خاص طور سے توجہ کریں۔

آجکل بعض اردو و انگریزی اخبارات میں لوگ مدرسہ نسوان علیگڈھ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ گو اس مخالفت کی ابتدا کسی دوسری وجہ پر مبنی ہے جسکو ہم کسی موقع پر پبلک میں ظاہر کرینگے مگر جو لوگ مدرسہ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ ایک بڑے قومی کام کو کسی کی ذاتی مخالفت کی وجہ سے صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ ناظرین و ناظرات خاتون جو ہمیشہ سے مدرسہ نسوان کے حامی ہیں اور جن کی وجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا ہے اُن کا فرض ہے کہ وہ پبلک پر یہ ظاہر کریں کہ اگر اسکے لگائے ہوئے پودے کو کوئی اکھاڑنے کی کوشش کریگا تو وہ قوم پر ایک بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ ہم مخالفت کے مضامین کو آیندہ خاتون میں شائع کرینگے جن سے ناظرین و ناظرات خود اندازہ کر سکیں گے کہ وہ کس قسم کی مخالفت ہے۔

انکو یہ بات دیکھکر انتہا درجہ کی مسرت ہوئی ہو کہ ایک بیگم صاحبہ نے اخبارات میں اس مدرسہ کی حمایت کی ہو اور ایک اردو کے اخبار کے مخالفانہ مضمون کا جواب خود بخود دیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ بیگمات میں احساس پیدا ہوگیا ہو کہ جو کوئی انکے فائدہ کے کاموں میں حارج ہوتا ہو وہ اسے اپنا دوست نہیں سمجھتیں۔ اسیطور پر سب ناظرات کا فرض ہو کہ وہ خود تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور جو لوگ انکو مدد دے رہے ہیں انکی تائید کریں اور جو مخالفت کرتے ہیں انکی مخالفت کریں۔ وہ لوگ یقیناً خواتین کے سچے خیر خواہ نہیں ہیں جو علیگڈہ کے مدرسہ نسواں جیسی ضروری چیز کی مخالفت کرتے ہیں۔

مراعات شاہی ۔ دربار دہلی کے موقع پر حضور ملک معظم نے جن مراعات خسروانہ کا اعلان فرمایا وہ تاریخ ہند میں بے نظیر سمجھی جائینگی۔ حضور جم جاہ نے کمال ہمدردی سے رعایا کی تعلیم کے لیے سردست پچاس لاکھ روپیہ کی منظوری عطا فرمائی ہو اور آیندہ سالوں میں بجٹ میں اور بھی گنجایش اسکے لیے نکالی جاویگی تاکہ عام طبقۂ رعایا تعلیم یافتہ ہو جاے۔

سرکاری ملازمان سول وملٹری کو جن کی تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار سے کم ہو نصف تنخواہ بطور انعام کے ملیگی۔

والیان ملک سے گدی نشینی کے وقت جو نذرانہ لیا جاتا تھا وہ یک قلم موقوف ہوگیا۔

شمس العلما اور مہامہو پادہیا کے خطابات والے کچھ وظیفہ کے بھی مستحق ہونگے تاکہ وہ مشرقی علوم کی بفراغ خاطر خدمت کرسکیں۔

فوجی ملازمان کی وفات پر انکی بیوہ کو تین برس تک وظیفہ دیا جاتا تھا اب تاحیات ملا کریگا۔

سب سے عجیب امر یہ ہو کہ تقسیم بنگالہ منسوخ ہوگئی اور کلکتہ کے بجاے دہلی پایۂ تخت قرار دیا گیا۔ وہاں نئی عمارت بنانے کے لیے سرکار ۱۵۰۰۰ ایکڑ زمین خریدنے والی ہو اور عمارات کے لیے چھ کروڑ روپیہ کی منظوری ہوچکی ہو۔

۱۸- دسمبر کو پردہ کلب لکھنؤ کی خواتین کو اپنے کلب میں لیڈی کلارک صاحبہ کے خیر مقدم کرنیکا افتخار حاصل ہوا۔ بہت سی بیگمات اُس روز کلب میں جمع تھیں۔ شام کے وقت لیڈی کلارک صاحبہ مع اور چند معزز لیڈیوں کے کلب میں تشریف لائیں اور رانی صاحبہ دنیا نگرم اور انکی والدہ اور چچازاد بہن و نیپال کی اور چند معزز رانیوں اور دیگر خواتین سے ملاقات فرمائی مسز فیاض حسین صاحبہ نے انگریزی میں کلب کی طرف سے لیڈی صاحبہ موصوفہ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ لیڈی کلارک صاحبہ نے اسکا مناسب الفاظ میں جواب دیا اور کلب کی سرپرستی منظور فرمائی۔

ریویو

الفرائض۔ فرائض عربی میں علم وراثت کو کہتے ہیں مسلمانوں کا فن وراثت اسقدر مرتب علم ہو کہ دنیا کی کسی دوسری قوم میں ایسا اعلیٰ درجہ کا قانون وراثت نہیں ہو اور یہ فن بلحاظ اپنی لطافت اور دلچسپی کے اس قابل ہو کہ نہ صرف ضرورت بلکہ محض دلچسپی کے خیال سے بھی اسکا پڑھنا لطف سے خالی نہیں۔

اس فن کی عام طور پر مسلمانوں کو ضرورت پڑا کرتی ہو لیکن یہ بہت بڑی کمی تھی کہ ابتک اُردو زبان میں اس فن کی کوئی مکمل کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ دو تین رسالے جو لوگوں نے لکھے تھے وہ یا تو قدیم طرز بیان میں تھے یا نامکمل تھے۔

ہمارے مہربان مولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم بی اے وکیل علیگڈہ جو فنون مغربی کے ساتھ مشرقی علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں مذکورہ بالا کتاب لکھکر اس کمی کو پورا کردیا۔ اب یہ کہنا بالکل درست ہو کہ علم وراثت مسلمانان اہل سنت والجماعت اردو زبان میں آگیا۔

مصنف ممدوح نے کتابِ کفالت کی مدد بہت کچھ اور عمدہ زبان میں نہایت سادگی سے اسلامی قانون کے مسائل اور اصول بیان کر دیے ہیں اور یہ مختصر سی کتاب اسقدر مکمل ہے کہ وراثت کے متعلق عام ضروریات اس سے پوری ہو سکتی ہیں۔ نہ صرف طلبا قانون یا وکلا و متعلقین عدالت ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بلکہ ہر اردو پڑھا مسلمان اس کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور اپنی ضرورت پر کام لے سکتا ہے۔

اس کتاب کی چھپائی لکھائی نہایت عمدہ ہے۔ اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ولائتی لگایا گیا ہے۔ اسکی قیمت ۸ ہے۔

ملنے کا پتہ یہ ہے

جناب مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری علیگڈھ کالج

حیات جامی۔ مولانا جامی ایران کے سب سے بڑے آخری شاعر اور بہت بڑے عالم اور مقدس صوفی گذرے ہیں۔ انکی کتابیں بہارستان یوسف زلیخا اور شرح جامی وغیرہ بہت مشہور ہیں اور عام طور پر مدرسوں اور مکتبوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

ایسے مشہور مصنف کی ابتک کسی نے سوانحعمری نہیں لکھی تھی مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے حال میں حیات جامی کے نام سے انکی زندگی کے کارنامے انکے لطائف و ظرائف۔ زہد و تقدس کی کیفیت اور شاعری کے حالات وغیرہ لکھکر شائع کی ہے۔ یورپ اور ایشیا کی تمام تصانیف سے جو مولانا جامی کے متعلق ہوئی تھیں مدد لی ہے اسلیے یہ کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ چھپائی لکھائی نہایت عمدہ۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا قیمت ۱۲ ملنے کا پتہ مصنف سے طلب کرو۔

۸۱٠ ١١خ ۵٠

یہ کتاب اُس تاریخ کو جو سب سے آخیر میں ڈالی گئی ہے
واپس کرنی ہے، ورنہ پانچ پیسے روزانہ کے حساب سے
ہرجانہ ادا کرنا ہوگا